هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ط

(الصّف : ۱۰)

تحقیقِ عارفانہ

بجواب

حرفِ محرمانہ

از قلم

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ

فہرست مضامین تحقیق عارفانہ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰	برق صاحب کے ایک دوسرے نظریہ کہ ہم کسی نبی کو غیر تشریعی فرض کر ہی نہیں سکتے کا ابطال۔	۲۲
۱۱	نبوت اور نبی کے لغوی معنی کی قرآن سے تائید۔	۲۳
۱۲	تشریع امرِ عارض ہے (یعنی ہر نبی کے لئے شریعت جدیدہ لانا ضروری نہیں)	۲۵
۱۳	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے آیت خاتم النبیّن کی تفسیر کہ آپؐ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے پر برق صاحب کا اعتراض اور اس کا جواب۔	۲۵
۱۴	مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی تفسیر متعلق آیتِ خاتم النبیّن۔	۲۸
۱۵	برق صاحب کی دوسری علمی لغزش۔	۳۰
۱۶	ختم نبوت کے لغوی معنی۔	۳۳
۱۷	خاتم کے معنی ازروئے حدیثِ نبوی۔	۳۶
۱۸	قرآن کریم سے امکانِ نزولِ وحی وامکانِ نبوت کا ثبوت۔	۳۸
۱۹	خاتم النبیین کی تفسیر حدیث میں۔	۴۷
۲۰	حدیث لو عاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً کی توثیق اور تشریح۔	۴۸
۲۱	حضرت محی الدین ابنِ عربی کے نزدیک انقطاعِ نبوت والی احادیث کی تشریح۔	۴۹
۲۲	حدیث لو کان بعدی نبی لکان عمر کے ضُعف کا ثبوت اور بصورتِ تسلیم صحیح معنے۔	۵۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

باب دوم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

باب ششم و ہفتم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۷	دجال کی شوکت کم کرنے اور پادریوں کی شکست کے متعلق دو سوالوں کا جواب۔	۲۷۲
۷۸	پنجاب میں عیسائیوں کی تعداد کی بناء پر حضرت اقدس سے استھزاء کا جواب۔	۲۷۳
۷۹	مباحثات میں حکمتِ عملی۔	۲۷۸
۸۰	حکومتِ کابل کی وزارت کے اعلان میں برق صاحب کی تحریف۔	۲۷۹
۸۱	ترکوں کی شکست پر اعتراض کا جواب۔	۲۸۱
۸۲	مبلغ روس کے رویہ پر اعتراض کا جواب۔	۲۸۳
۸۳	جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلم مفاد کی حفاظت۔	۲۸۴
۸۴	باب ہفتم کے آخری اعتراض کا ردّ۔	۲۸۷
	باب ہشتم	
۸۵	صداقت کے معیار۔	۲۸۹
۸۶	حضرت اقدس کی دعاؤں کی عدمِ قبولیت کا اعتراض۔	۲۸۹
۸۷	مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ آخری فیصلہ کی حقیقت۔	۲۹۰
۸۸	میر ناصر نواب صاحب کی روایت کی حقیقت۔	۳۰۰
۸۹	ڈاکٹر عبدالحکیم خان کی پیشگوئی کی حقیقت۔	۳۰۱
۹۰	حضرت اقدس کے فہمِ قرآن کے متعلق اعتراضات کے جوابات۔	۳۰۷
۹۱	نشانات کی تعداد کے بیان میں تضاد کے اعتراض کا جواب۔	۳۳۵

صفحہ	مضمون	نمبر شمار

باب نہم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

Composed By: MICROMAN COMPUTER SERVICES.
☏: (04524)-211893

پیشِ لفظ

"تحقیقِ عارفانہ" کی افادی حیثیت

چونکہ برق صاحب کی کتاب "حرفِ محرمانہ" کے اعتراضات احمدیّت کے خلاف لکھے گئے تمام لٹریچر بالخصوص پروفیسر الیاس برنی کی کتاب "قادیانی مذہب" کا نچوڑ ہیں۔ اس لئے اس کتاب کا جواب جو "تحقیقِ عارفانہ" کے نام سے احباب کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ انشاء اللہ ان سب مخالفانہ کتابوں کے جواب کا کام دے گا۔

مصنّف : محمدؐ نذیر لائلپوری

صیغہ نشرو اشاعت

نظارت اصلاح وارشاد ربوہ

۱۵/ نومبر ۱۹۶۴ء

ضروری گذارش

مجھے اکثر دوستوں کی طرف سے یہ تحریک ہوئی تھی کہ ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق کیمبلپوری کی کتاب "حرفِ محرمانہ" کا جواب ہماری طرف سے دیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ کئی لوگ اس کے سوالات ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ گو ایسی باتوں کے جوابات سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں متعدد بار دیئے گئے ہیں۔ مگر چونکہ برق صاحب نے ایسے اعتراضات کو اپنی کتاب میں اپنے الفاظ میں ڈھال کر جمع کر دیا ہے اس لئے یکجائی طور پر ان کا جواب ضروری ہے۔

میں نے دوستوں کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اس کتاب کا جواب بنام "تحقیقِ عارفانہ" لکھا ہے جو احباب کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے :-

جناب برق صاحب نے اپنی کتاب میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے حوالہ جات کو پیش کرنے میں پوری دیانت داری سے کام لیا ہے اور منشاء متکلم کو بگاڑنے کی کوشش نہیں کی۔ احبابِ کرام ان کی کتاب کا جواب پڑھنے پر یہ محسوس کر لیں گے کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں کس قدر عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ مجھے ہمیشہ یہ حسرت رہی ہے کہ کسی مخالف مولوی کی کوئی ایسی کتاب دیکھنے میں آئے جس میں حوالہ جات قطع و برید کئے بغیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحیح منشاء کو پیش کر کے آپ پر تنقید کی گئی ہو۔ مگر افسوس ہے کہ کوئی کتاب آج تک میری نظر سے نہیں گذری جس میں دیانت سے اس پہلو کو مدّ نظر رکھا گیا ہو۔ برق صاحب کی کتاب کی تمہید پڑھ کر اور ان کا یہ دعویٰ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ احمدیت پر تنقید کرنے والا ایک شریف مصنف تو ایسا ملا جو

دیانت کے پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام پر تنقید کر رہا ہے۔

مگر میں دُکھ اور افسوس سے اس امر کا اظہار کرنے سے رُک نہیں سکتا کہ جوں جوں میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا برق صاحب کا دعویٰ غلط ہوتا نظر آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کتاب کو حرفِ محرمانہ کی بجائے "حرفِ مجرمانہ" بلکہ "تحریف مجرمانہ" کا مصداق پایا ہے۔

میں اپنے محترم بزرگ حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تالیف میں مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔

مجھے اس بات کا فخر ہے کہ یہ کتاب ہمارے فاضل دوست مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر اصلاح وارشاد سابق مبلغ بلاد عربیہ و غربیہ کی نظر ثانی کے بعد شائع ہو رہی ہے۔

میں اپنے معاونین محترم قریشی محمد اسد اللہ صاحب الکاشمیری۔ سید عبدالحی صاحب۔ قریشی محمد اسلم صاحب مربیان سلسلہ احمدیہ کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے اس تصنیف کے دوران میں میری مدد فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں کو اجر جزیل عطاء فرمائے اور سلسلہ احمدیہ کی تائید میں میری اس حقیر کوشش کو قبول فرما کر ہم سب کی نجات کا باعث بنائے۔

والسلام

مصنف : محمد نذیر لائلپوری

صیغہ نشر و اشاعت نظارتِ اصلاح وارشاد۔ ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ؕ ــــــــ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ؕ

باب اوّل

ختمِ نبوّت کی حقیقت

جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق نے ایک کتاب "حرفِ محرمانہ" کے نام سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کے دعاوی کی تردید میں لکھی ہے۔ اس کتاب کا جواب دینا اس وقت ہمارے مدنظر ہے۔

برق صاحب نے سب سے پہلے "خاتم النبیین" کے معنے پر بحث کی ہے اور پھر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی نبوت کو زیر بحث لائے ہیں۔

تمام مسلمان علماء کا اس بات پر اتفاق رہا ہے اور اتفاق موجود ہے کہ مسیح موعودؑ کے آخری زمانے میں ظہور کے متعلق احادیثِ نبویہ میں جو پیشگوئیاں وارد ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موعود کو "نبی اللہ" قرار دیا ہے۔ اور یہ علماءِ امت کہتے ہیں کہ یہ موعود شریعتِ محمدیہ کے تابع ہوگا اور اس کے مطابق حکم کرے گا۔ کسی اور شریعت کی طرف دعوت نہیں دے گا۔ اس طرح قریباً تمام امتِ محمدیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا نبی نہیں آسکتا۔ البتہ آخری زمانہ میں ایک نبی اللہ کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے رنگ میں ضرور ہوگا۔

اکثر علماءِ امت یہ مانتے چلے آئے ہیں کہ امت محمدؐیہ کے مسیح موعود

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں جنہیں زندہ ہی خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھا لیا گیا تھا وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اتریں گے اور قوموں کے درمیان حکم ہوں گے اور صلیبی مذہب (عیسائیت) کا مقابلہ کریں گے۔ پس ایک نبی کی ضرورت کی قریباً تمام امت قائل چلی آتی ہے۔

جماعت احمدیہ از روئے قرآن مجید واحادیثِ نبویہ یہ یقین رکھتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اسرائیلی نبی تھے تمام دوسرے انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں۔ اور جس موعود عیسیٰ کے امتِ محمدیہ میں آنے کا احادیثِ نبویہ میں وعدہ دیا گیا ہے۔ اُسے عیسیٰ یا ابنِ مریم کا نام مجاز و استعارہ کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل یا بروز ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ کیونکہ احادیثِ نبویہ میں اس موعود ابن مریم کو اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (صحیح بخاری) اور فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ (صحیح مسلم) تم میں سے تمہارا امام قرار دیا گیا ہے۔ ہاں بعض احادیث میں رسول کریم ﷺ نے اس موعود عیسیٰ کو نبی اللہ بھی قرار دیا ہے۔ ان سب احادیث کو تطبیق دینے سے یہ ظاہر ہے کہ مسیح موعود امتِ محمدیہ کا ہی ایک فرد ہے اور آنحضرت ﷺ کا خلیفہ ہے جو ایک پہلو سے نبی ہے اور ایک پہلو سے امتی بھی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام چونکہ وفات پا چکے ہیں اِور وفات یافتہ کا از روئے قرآن مجید اس دنیا میں واپس آنا محال ہے اسلئے یہی عقیدہ درست ماننا پڑتا ہے کہ امت محمدیہ کا مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ اُن کا مثیل اور بروز ہی ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ یہی ہے کہ آپکو ہی اپنے الہامات کے مطابق مسیح کے رنگ میں ہو کر آنے کی وجہ سے احادیثِ نبویہ میں ابنِ مریم کا نام بطور استعارہ دیا گیا تھا۔ پس خاتم النبیین ﷺ کے بعد تقریباً ساری کی ساری امت ایسے نبی کی آمد کی قائل چلی آئی ہے جو شریعتِ محمدیہ کے مطابق حَکَم ہو ہم میں اور اس زمانہ

کے دوسرے علماء کے عقیدہ میں اگر اختلاف ہے تو صرف اتنا ہے کہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصالتاً دوبارہ آنے کے قائل ہیں اور ہم انکے مثیل کے آنے کے قائل ہیں پس ختمِ نبوت کے عقیدہ میں ہم میں اور ان میں اس بات میں اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی جدید شریعت لانیوالا نہیں آسکتا اور مسیح موعود ایسا نبی ہے جو تابع شریعت محمدیہ ہے گویا ایک نبی کے خاتم النبیین ﷺ کے تابع آنے میں تو ہم سب کا اتفاق ہے البتہ اس کی شخصیت میں ہم میں اور ان میں یہ اختلاف ہے کہ یہ موعود خود حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہیں یا ان کا کوئی مثیل اور بروز ہے جو ایک پہلو سے امتی ہے اور ایک پہلو سے نبی۔

مسلمان کے ایک گروہ کا احمدی عقیدہ سے اتفاق

ایک گروہ مسلمانوں کا یہی عقیدہ رکھتا چلا آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے مراد یہ ہے کہ امام مہدی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا بروز ہوگا۔ نہ یہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اصالتاً دوبارہ نازل ہوں گے۔ چنانچہ اقتباس الانوار صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے :-

"بعضے بر آنند کہ روحِ عیسیٰ در مہدی بروز کندو نزول عبارت از ہمیں بروزاست مطابق ایں حدیث کہ لَا مَهْدِیَ اِلَّا عِیسٰی ابنُ مَرْیَمَ"۔

یعنی بعض کا یہ مذہب ہے کہ عیسیٰ کی روح یعنی روحانیت مہدی میں بروز (ظہور) کرے گی اور نزول عیسیٰ سے مراد یہی بروز ہے (یعنی بروزی ظہور ہے نہ کہ اصالتاً آنا) مطابق اس حدیث کے جس میں لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم کے الفاظ وارد ہیں کہ عیسیٰ بن مریم کے سوا اور کوئی مہدی نہیں۔

اسی طرح امام سراج الدین ابن الوردی تحریر کرتے ہیں :-

"قَالَتْ فِرْقَةٌ مِنْ نُزُوْلِ عِیسٰی خُرُوْجُ رَجُلٍ یَشْبَهُ عِیسٰی فِی الْفَضْلِ وَ

الشَّرَفِ كَمَا يُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَيرِ مَلَكٌ لِلشِّرِّيرِ شَيطَانٌ تَشبِيهًا بِهِمَا وَ لَا يُرَادُ الْاَعْيَانُ۔" (خریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ مصر)

یعنی ایک گروہ مسلمانوں کا نزول عیسیٰؑ سے ایک ایسے آدمی کے ظاہر ہونیکا قائل ہے جو فضل وشرف میں عیسیٰؑ کے مشابہ ہو جیسا کہ نیک آدمی کو فرشتہ سے تشبیہ دے کر فرشتہ کہہ دیتے ہیں اور بُرے آدمی کو شیطان سے تشبیہ دے کر شیطان کہہ دیتے ہیں اور اس جگہ اصل فرشتہ یا شیطان مراد نہیں ہوتا۔

ہمارے نزدیک یہی مذہب سچا ہے اور نزولِ مسیح سے متعلق احادیثِ نبویہ کی صحیح تعبیر ہے۔

ہمارے اس بیان سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کرنا چاہتا ہو کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا مسیح موعود کا دعویٰ درست نہیں تو اُسے حضرت عیسیٰؑ کی قرآن مجید سے حیات ثابت کرنی چاہئیے اور جماعتِ احمدیہ کو دلائل سے حیاتِ مسیح کا عقیدہ منوانے کی کوشش کرنی چاہئیے۔

افسوس ہے کہ جناب برق صاحب کی کتاب "حرفِ محرمانہ" کو ہم اس بحث سے بالکل خالی پاتے ہیں پس اُن کی یہ کتاب احمدیوں کو اپیل نہیں کر سکتی۔ اگر وہ حضرت عیسیٰؑ کو زندہ سمجھتے ہیں تو انہیں حیاتِ مسیح کا ثبوت دینا چاہئے تھا۔ جس سے وہ بغیر کسی لمبی بحث کے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے اس دعویٰ کو ردّ کر سکتے تھے کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ مگر جناب برق صاحب کو تو خود حیاتِ مسیح پر یقین نہیں اور نہ وہ ان کے اصالتاً دوبارہ نازل ہونے پر یقین رکھتے ہیں اس لئے ان دونوں امور کے متعلق ان کی کتاب میں کوئی بحث موجود نہیں۔ وہ اس بارہ میں اپنے عقیدہ کو ظاہر نہیں کرتے۔ تا حیاتِ مسیح کے قائلین میں احمدیت کے خلاف ان کی کتاب مقبول ہو سکے۔

ہم نے مؤرخہ ۲۲؍ ستمبر ۱۹۶۴ء کو ان کی خدمت میں ایک رجسٹرڈ خط لکھا

جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ :-

"اوّلین فرصت میں ان دوباتوں کا جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

اوّل :- کیا آپ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں ؟

دوم :- کیا آپ نزول مسیح کی احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں ؟"

جناب برق صاحب نے اس کے جواب میں جو چٹھی بھیجی ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

محترم السلام علیکم

۱- یاد آوری کا شکریہ۔ احادیث پر میری مفصّل رائے میری تصنیف "دواسلام" میں ملاحظہ فرمائیے۔

۲- حضرت مسیح بن مریم کی وفات وحیات کا مسئلہ مشتبہات میں سے ہے اگر مسیح نے آنا ہے تو مسیح ہی آئے گا۔ نہ کہ مثیلِ مسیح اگر نہیں آنا تو کام چل ہی رہا ہے اگر مثیلِ مسیح کے نزول کا دروازہ کھول دیں اور ساتھ ہی اسے نبی قرار دے دیں تو ہر شخص نبی ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہو گا۔ حیاتِ مسیح کی بحث بہت فرسودہ ہو چکی ہے اور اس کا حاصل کچھ بھی نہیں۔

والسلام

مخلص برق

اس خط سے ظاہر ہے کہ جناب برق صاحب نہ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ان کے وفات یافتہ ہونے پر بلکہ اس بارہ میں وہ شک میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا مسئلہ احمدیہ تحریک کے لئے ایک بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ مگر آپ نہایت سادگی سے یہ تحریر فرمارہے ہیں کہ حیات مسیح کی بحث فرسودہ ہو چکی ہے۔ اگر واقعی یہ بحث فرسودہ ہو چکی ہے تو پھر آپ کے پاس اس کے

بہت دلائل ہونے چاہیں۔ مگر آپ باوجود اس بحث کو فرسودہ کہنے کے ابھی تک خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں یا وفات یافتہ۔ کیا اسی برتے پر آپ نے احمدیوں کو سمجھانے کے لئے ”حرفِ محرمانہ“ تالیف فرمائی ہے۔ آپ کہتے ہیں اس کا حاصل کچھ بھی نہیں۔ یہ الفاظ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی حیات جسمانی اور صعود الی السماء کے ثبوت میں آپ کے پاس کوئی دلائل موجود نہیں ورنہ تحریک احمدیت کی تردید کے لئے تو یہ مسئلہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے کیونکہ اگر حیاتِ مسیح ثابت ہو جائے تو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔

آپ کے نزدیک کسی مثیلِ مسیح کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کے نزدیک کام چل ہی رہا ہے۔ خبر نہیں کام چلنے سے مراد آپ کی کیا ہے۔ کام تو عیسائیوں اور یہودیوں کا بھی چل رہا ہے۔ اور مسلمان حیاتِ مسیح کے قائل ہونے کی وجہ سے عیسائیوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں اور اسی وجہ سے عیسائیوں میں تبلیغ کے لئے ان کا کوئی مشن موجود نہیں۔ پس عیسائیوں کے خلاف اگر کوئی مؤثر تحریک مسلمانوں کی چل رہی تو وہ احمدیہ تحریک ہی ہے جس کے مشن تقریباً معروف دُنیا میں قائم ہو چکے ہیں۔ پس کام تو بے شک چل رہا ہے اور تبلیغ اسلام بھی زور شور سے ہو رہی ہے مگر یہ کام مثیلِ مسیح کے مدعی کی جماعت کے حصہ میں ہی آیا ہے۔ مسیح کے مثیل کی آمد کا دروازہ بند کرنے والے آپ کون ہیں؟ آپ کو تو صرف یہی خطرہ ہے کہ دروازہ کھلنے سے ہر شخص مثیلِ مسیح کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ حالانکہ دعویٰ کر سکنا اور بات ہے اور دعویٰ کر کے کامیابی حاصل کرنا صرف تائیدِ الٰہی سے ہی میسر آسکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی تائید کسی جھوٹے مدعی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی“ (طٰہٰ : ٦٢) کہ جس نے افترا کیا وہ خائب و خاسر ہوا۔ پس اگر ہزار لوگ بھی مثیلِ مسیح یا نبی ہونے کا دعویٰ کریں تو اس بات سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ کامیاب صرف

صادق ہی ہو سکتا ہے۔

اپنی کتاب "دواسلام" میں آپ قرآنِ مجید کا اسلام اور قرار دیتے ہیں اور حدیثوں کا اسلام اور کیا ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کریں کہ آپ نزولِ مسیح کی احادیث کے در حقیقت منکر ہیں۔ اسی لئے آپ نے ہمارے جواب میں ٹال مٹول سے کام لے کر ایک گول مول جواب دے دیا ہے تا آپ کے اصل عقیدہ پر پردہ پڑا رہے۔

وفاتِ مسیح علیہ السلام

ہماری تحقیق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام از روئے قرآنِ مجید وفات پا چکے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں فرمایا ہے۔

کہ حضرت عیسیٰؑ سے (قیامت کے دن) یہ سوال ہو گا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے سوا دو معبود مانو۔ تو وہ جواب میں کہیں گے کہ اے خدا تو ہر عیب سے پاک ہے جس بات کا مجھے حق نہیں میں انہیں کیسے کہہ سکتا تھا اگر میں نے انہیں ایسا کہا ہے تو تُو جانتا ہے جو کچھ میرے نفس میں ہے اور مَیں جو کچھ تیرے نفس میں ہے نہیں جانتا۔ تُو غیبوں کا جاننے والا ہے میں نے تو انہیں وہی کچھ کہا تھا جس کا تُو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔

(المائدہ : ۱۱۸)

میں ان لوگوں کا اس وقت تک ہی نگران تھا جب تک ان میں موجود رہا پس جب (اے خدا) تونے مجھے وفات دے دی تو پھر اُن کا تو ہی نگران تھا۔ یعنی یہ لوگ بگڑے ہیں تو میری وفات کے بعد بگڑے ہیں اور میری وفات کے بعد اے خدا ان کا تُو ہی نگران تھا۔ یعنی مجھے تو دوبارہ ان کی نگرانی کا موقعہ ہی نہیں ملا کہ مجھ پر کوئی ذمہ داری ان کے غلط

عقیدے اختیار کرنے پر عائد ہو سکے۔

اس آیت کی موجودگی میں اگر حضرت عیسیٰؑ کا اصالتاً دوبارہ آ کر کسرِ صلیب کرنا تجویز کیا جائے تو پھر ان کا یہ بیان سراسر جھوٹ بن جاتا ہے کہ تَوَفِّیْ کے بعد مجھے قوم میں دوبارہ جانے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ یہ لوگ صرف خدا تعالیٰ کی نگرانی میں ہی رہے ہیں۔ پس یہ آیت اس بات پر نصِّ صریح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی قوم ان کی وفات کے بعد بگڑی ہے۔ نیز اس سے بطور اشارۃُ النص ان کی دوبارہ آمد کی نفی بھی روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ اگر اس جگہ تَوَفِّیْ کے کچھ اور معنی لئے جائیں تو پھر حضرت عیسیٰؑ کو قیامت کے دن تک زندہ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن ہو گا۔ یہ امر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے خلاف ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی آمد یا عدمِ آمد کے بارہ میں جناب برق صاحب خود شک میں ہیں مگر تردید کرنے بیٹھے ہیں احمدیت کی۔ وہ ہمیں اپنے خط میں لکھتے ہیں :-

"اگر مسیح نے آنا ہے تو مسیح ہی آئے گا۔ اگر نہیں آنا تو کام چل ہی رہا ہے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ وہ یہ اگر اگر کے الفاظ مصلحتاً اظہارِ شک کیلئے استعمال کر رہے ہیں ورنہ دل سے نہ وہ حیاتِ مسیح کے قائل ہیں اور نہ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ آنا مانتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی مندرجہ بالا آیت سے تو روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ وہ وفات پا چکے ہوئے ہیں۔ اور اصالتاً دوبارہ نہیں آئیں گے۔ پھر سورۃ نور کی آیتِ استخلاف میں جس خلافت کا وعدہ ہے اس کا تعلق محض مسلمانوں سے ہے نہ کسی پہلے خلیفہ کی آمد سے کیونکہ اس آیت میں اس امت کے خلفاء کو گذشتہ امت کے خلفاء کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ پس کسی پہلے نبی کا اس امت میں آنحضرت ﷺ کا خلیفہ ہو کر آنا ممتنع ہے۔ کیوں کہ اس سے مشبہ اور مشبہ بہ کا عین ہونا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ لہذا حضرت عیسیٰ کا مثیل تو امت محمدیہ میں خلیفہ ہو سکتا ہے مگر خود حضرت عیسیٰؑ کے آنحضرت ﷺ کی

امت کے خلیفہ ہونے کو یہ آیت ردّ کرتی ہے۔

برق صاحب کا فرض

نبوت اور ختمِ نبوت کے معانی کے متعلق جناب برق صاحب کے ذاتی خیالات کچھ بھی ہوں چونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے حرفِ محرمانہ محققانہ انداز میں لکھی ہے۔ اس لئے ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے ان خیالات کا بھی اس کتاب میں کُھلے لفظوں میں اظہار فرماتے کہ آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ ان دلائل کے رو سے زندہ ہیں۔ مگر وہ تو اپنے خط کے رُو سے خود شک میں مبتلاء ہیں۔

ختمِ نبوت کے بارہ میں ان کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ اس بات کا بھی اعتراف فرماتے کہ گو میرے خیالات نبوت اور ختمِ نبوت کے متعلق احمدیوں اور دوسرے علماء سے مختلف ہیں۔ لیکن احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان ختمِ نبوت کے معانی میں اس حد تک اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شارع اور مستقل نبی نہیں آئے گا۔ کیوں کہ جس طرح تمام علمائے امت خاتم النبیین کی آیت کی موجودگی میں امتِ محمدیہ میں ازروئے احادیثِ نبویہ ایک نبی اللہ کی آمد کے بطور مسیح موعود قائل ہیں۔ اسی طرح جماعتِ احمدیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ایک امتی نبی اللہ کی آمد کی ہی قائل ہے۔ اور جس طرح دوسرے عُلماء کے عقیدہ میں خاتم النبیین کی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰؑ نبی اللہ کی آمد میں روک نہیں اور وہ اپنے آپ کو اس عقیدہ کی وجہ سے ختمِ نبوت کا منکر نہیں سمجھتے اسی طرح حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے امتی نبی ہونے کے دعویٰ پر غیر احمدی علماء کوئی حق نہیں رکھتے کہ انہیں اور جماعتِ احمدیہ کو اس عقیدہ کی وجہ سے ختمِ نبوت کا منکر قرار دیں۔ کیونکہ احمدی اور غیر احمدی دونوں گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک تابع اور امتی نبی اللہ کی آمد میں اتفاق رکھتے ہیں ان میں

اختلاف صرف مسیح موعود کی شخصیت کے بارہ میں ہے۔ غیر احمدی کہتے ہیں مسیح موعود حضرت عیسیٰؑ ہیں جو مستقل نبی تھے اور احمدی یہ کہتے ہیں کہ مسیح موعود آنحضرت ﷺ کا امتی ہے۔ جسے حضرت عیسیٰؑ کا ہم صفات ومثیل ہونے کی وجہ سے احادیث میں بطور استعارہ عیسیٰ یا ابن مریم کا نام دیا گیا ہے۔ اور نبی اللہ اور امتی قرار دیا گیا ہے۔

پھر محترم برق صاحب کا تحقیق کے میدان میں اترنے کے بعد یہ بھی فرض تھا کہ وہ اس بات کا بھی اعتراف کرتے کہ گو ان کے ذاتی عقیدہ کے مطابق خاتم النبیینؐ کے بعد کوئی نبی ظاہر نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مسیح موعود آنے والا ہے تاہم علماءِ سابقین کا ایک جمِ غفیر خاتم النبیین ﷺ کے بعد عیسیٰ نبی اللہ کی اصالتاً آمد کا قائل چلا آیا ہے اور یہ امر بھی ان علماء کو مسلّم رہا ہے "مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِہٖ فَقَدْ کَفَرَ حَقًّا کَمَا صَرَّحَ بِہٖ السَّیُوطِیُّ" (حجج الکرامۃ صفحہ ۴۳۱) کہ جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ حضرت عیسیٰؑ مسلوب النبوّت ہو کر (نبوت کے بغیر) آئیں گے اس نے یقیناً کفر کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے اس کی تصریح کی ہے۔ لہذا اگر احمدیوں کو ختمِ نبوت کا منکر قرار دیا جائے تو ان تمام علمائے اسلام کو بھی ختمِ نبوت کا منکر سمجھا جانا چاہیئے جو آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ بن مریم نبی اللہ کی آنحضرت ﷺ کے بعد دوبارہ آمد کے قائل ہیں۔

پھر اگر جناب برق صاحب نے واقعی احمدیہ لٹریچر پڑھا ہے جیسا کہ انہیں دعویٰ ہے تو انہیں یہ معلوم ہو گا احمدیہ لٹریچر میں کئی پچھلے زمانہ کے بزرگانِ امت اولیائے کرام اور فقہائے عظام کے اقوال ہماری طرف سے اس بات کے ثبوت میں پیش کئے جا چکے ہیں کہ ان بزرگوں کے نزدیک آیت خاتم النبیین اور ان احادیثِ نبویہ کی جو لا نبی بعدی یا اس کے ہم معنی الفاظ پر مشتمل ہیں تشریح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی تشریعی نبی نہیں آسکتا۔ اس لئے نبوت کلّی طور پر بند نہیں ہوئی۔ ملاحظہ

ہو امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ کی کتاب الیواقیت و الجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۹ اور سر تاج صوفیا شیخ اکبر محی الدین ابن العربی علیہ الرحمۃ کی کتاب فتوحات مکیّہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ اور حضرت عبد الکریم جیلانی علیہ الرحمۃ کی کتاب الانسان الکامل جلد ۱ صفحہ ۹۸ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ مجدد صدی دوازدھم کی کتاب تفہیماتِ الٰہیہ کی تفہیم صفحہ ۵۳ اور امام محمد طاہر علیہ الرحمۃ کی کتاب تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵۔

امام علی القاری کے معنی

اسی طرح فقہ حنفیہ کے جلیل القدر امام ملا علی القاری علیہ الرحمۃ خاتم النبیین کے معنی یوں تحریر فرماتے ہیں :۔

"اَلْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَایَاْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ"

(موضوعات کبیر صفحہ ۵۹)

یعنی خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں آئیگا جو آپ کے دین کو منسوخ کرے اور آپکی امت میں سے نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کی آیت امتی نبی کے آنے میں مانع نہیں۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کا قول

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی خاتم النبیین کے معنی اَبُو الْاَنْبِیَآءِ اور نبوت میں مؤثر وجود قرار دیتے ہوئے ان معنی کے پیش نظر لکھتے ہیں :۔

"بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیّتِ محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۲۷)

حضرت مولوی عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی کا قول

حضرت مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی اپنی کتاب دافع الوسواس میں لکھتے ہیں :-

۱-"علماء اہلِ سنّت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عصر میں کوئی نبی صاحبِ شرع جدید نہیں ہو سکتا۔ اور نبوت آپ کی تمام مکلّفین کو شامل ہے۔ جو نبی آپ کے ہم عصر ہو گا۔ وہ متبع شریعتِ محمدیہ ہو گا۔"

(دافع الوسواس فی اثر ابن عباس صفحہ ۳)

۲-"بعد آنحضرت ﷺ یا زمانہ میں (آنحضرتؐ) کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں۔ بلکہ صاحبِ شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔" (دافع الوسواس فی اثر ابن عباس صفحہ ۱۲)

مولانا حکیم صوفی محمد حسین صاحب کا قول

مولانا حکیم صوفی محمد حسین صاحب مصنّف غائت البرہان تحریر فرماتے ہیں :-

"الغرض اصطلاح میں نبوت بخصوصیّتِ الٰہیہ خبر دینے سے عبارت ہے۔ وہ دو قسم کی ہے۔ ایک نبوت تشریعی۔ جو ختم ہو گئی ہے۔ دوسری نبوت بمعنی خبر دادن ہے وہ غیر منقطع ہے پس اس کو مبشرات کہتے ہیں اپنے اقسام کے ساتھ اس میں سے رؤیا بھی ہے۔" (کواکب درّیہ صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸)

پس فقہاءِ امت و صوفیاءِ ملّت اس بات کے قائل چلے آتے ہیں کہ خاتم النبیین کی آیت آنحضرت ﷺ کے بعد صرف تشریعی نبی کے آنے میں مانع ہے۔ نبوت بمعنے اخبارِ غیبیہ کے ملنے میں مانع نہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا مذہب

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"آنحضرت ﷺ کو یہ ایک خاص فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو کمالاتِ نبوت ان پر ختم ہیں اور دوسرے ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی جو ان کی امت سے باہر ہو۔ (یہی مذہب امام علی القاری کا اوپر بیان ہوا ہے۔ناقل)" (چشمہ معرفت صفحہ ۹ طبع اوّل)

نیز تحریر فرماتے ہیں:-

"ماحصل اس آیت (خاتم النبیین) کا یہ ہوا کہ نبوت گو بغیر شریعت ہو اس طرح پر تو منقطع ہے کہ کوئی شخص براہِ راست مقامِ نبوت حاصل کرے لیکن اس طرح پر ممتنع نہیں کہ وہ نبوت چراغِ نبوت محمدیہ سے مکتسب اور مستفاض ہو یعنی ایسا صاحبِ کمال ایک جہت سے امتی ہو اور دوسری جہت سے بوجہ اکتسابِ انوارِ محمدیہ نبوت کے کمالات بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔" (ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی صفحہ ۷)

پھر تحریر فرماتے ہیں:-

"میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ مَیں نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرتِ مکالمت و مخاطبتِ الٰہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف نزاعِ لفظی ہوئی۔ یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں مَیں اسکی کثرت کا نام بموجبِ حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔" (تتمّہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸ طبع اوّل)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک بھی خاتم النبیین ﷺ کے بعد کوئی جدید شریعت لانے والا یا کوئی مستقل نبی نہیں آسکتا۔ ہاں

آپ کے امتی کو آپ کے فیض کے نبوت کا ایک ایسا درجہ مل سکتا ہے جس کے ساتھ اس کا امتی ہونا لازمی ہے اور اسی قسم کی نبوت کا آپ کو دعویٰ ہے اور یہ نبوت نبوتِ محمدیہ کا فیض ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ظلّ ہے نہ کوئی نئی اور الگ نبوت۔ کیونکہ یہ نبوت درحقیقت آنحضرت ﷺ کے انوارِ نبوت کی ہی بہ پیرایہ جدید ایک تجلی ہے۔

برق صاحب کا جدید نظریہ

جناب برق صاحب نے جب دیکھا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا دعویٰ کسی جدید شریعت لانے کا نہیں بلکہ آپ ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو انہوں نے آپ کو جھٹلانے کے لئے تمام امتِ محمدیہ کے خلاف ایک نیا نظریہ اختیار کر لیا ہے ان کا یہ نیا نظریہ ہے کہ :-

"کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آیا تھا بلکہ تمام انبیاء ایک ہی پیغام کو مختلف زبانوں اور زمانوں میں دھراتے رہے۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۱۷)

اس امر کے ثبوت میں جناب برق صاحب نے ذیل کی تین آیات بھی پیش کی ہیں :-

۱- اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۔ (الاعلیٰ : ۱۹)

یہ قرآن پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔

۲- مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ۔ (حٰمٓ السجدۃ : ۴۴)

ہم تمہیں وہی پیغام دے رہے ہیں کہ جو تم سے پہلے تمام انبیاء کو دیا گیا۔

۳- شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی۔ (الشوریٰ : ۱۴)

"اے محمد ہم تمہیں وہی دین اور وہی شریعت دے رہے ہیں جو نوح۔ ابراہیم موسیٰ و

عیسیٰ کو دی گئی۔"　　(حرف محرمانہ صفحہ ۱۸،۱۹)

برق صاحب کے نظریہ کا ابطال

جناب برق صاحب کا یہ نظریہ کہ کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آیا تھا۔ سراسر باطل ہے کیونکہ تمام امتِ محمدیہ بلا استثنا قرآن شریف کو شریعتِ جدیدہ تسلیم کرتی چلی آئی ہے۔ پس برق صاحب کا یہ نظریہ اجماعِ امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی مردُود ہے اور چونکہ یہ خود قرآنِ مجید کے بیان کردہ نظریہ کے بھی خلاف ہے اس لئے بھی مردود ہے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے۔

"مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ آیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِھَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡھَا اَوۡ مِثۡلِھَا۔"　　(البقرہ : ۱۰۷)

یعنی ہم جو آیت بھی منسوخ کرتے ہیں یا اُسے (لوگوں کے ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں تو ہم (منسوخ شدہ آیت سے) بہتر آیت لاتے ہیں۔ یا (فراموش کردہ آیت کے) مثل آیت لاتے ہیں۔

یہ آیت قرآن مجید کے ذریعہ پہلی شریعتوں کے بعض احکام کا منسوخ قرار دینا بھی بیان کرتی ہے اور بعض ابدی صداقتوں کا دہرانا بیان کرتی ہے۔ اس آیت کی روشنی میں جناب برق صاحب کا یہ نظریہ کہ کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آیا تھا۔ ایک منٹ کے لئے بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن شریف کو ہمیں ضرور ایک جدید شریعت ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ موسوی شریعت میں بعض چیزیں حرام تھیں جو قرآن مجید میں حلال قرار دی گئی ہیں۔ جیسے مال غنیمت اور سوختنی قربانی وغیرہ۔

برق صاحب کی پیش کردہ آیات کا حل

پہلی آیت اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی کی یہ تفسیر ہرگز درست نہیں کہ

قرآن مجید میں کوئی جدید صداقت موجود نہیں بلکہ صرف پہلی صداقتیں ہی دہرادی گئی ہیں۔ قرآن مجید اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔اس نے آیت ما ننسخ من آیۃ الخ میں بتا دیا ہے کہ سابق شریعتوں کے احکام کو اس میں منسوخ کر کے ان سے بہتر احکام بھی دیئے گئے ہیں۔اور بعض ابدی صداقتوں کو جو فراموش ہو چکی تھیں دہرا بھی دیا گیا ہے۔ پھر قرآن شریف زبانِ عربی میں نازل ہونے کی وجہ سے بھی ایک الگ شریعت کا حکم رکھتا ہے۔ جسے قبول کئے بغیر اب کوئی شخص کسی دوسری شریعت پر عمل کر کے فلاح نہیں پا سکتا۔ بلکہ اس کے لئے قرآن مجید پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

دوسری آیت جو برق صاحب نے پیش کی ہے وہ مَا یُقَالُ لَکَ اِلاَّ مَا قَدْ قِیلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ ہے (حٰم السجدہ : ۴۴) اس کا ترجمہ برق صاحب نے یہ کیا ہے "ہم تمہیں وہی پیغام دے رہے ہیں جو تم سے پہلے تمام انبیاء کو دیا گیا"۔ حالانکہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ "تیرے لئے وہی کچھ کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔" تجھ پر اُسی قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں جس قسم کے اعتراضات تجھ سے پہلے نبیوں پر ہوئے۔ چنانچہ سیاقِ کلام کا فقرہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَاءَ ھُمْ۔ (حٰم السجدہ : ۴۲) ہمارے معنوں کا ہی مویّد ہے۔ افسوس ہے کہ اس سیاق کو ترک کر کے جناب برق صاحب نے اس آیت کا مفہوم ہی بالکل بدل دیا ہے جو تحریف معنوی کی بدترین مثال ہے۔ پس اس آیت کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ شریعتِ محمدیہ پہلی شریعتوں سے الگ کوئی جدید شریعت نہیں ہے۔

تیسری آیت شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَاوَصّٰی بِہٖ نُوْحاً وَّ الَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ اِبْرَاھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی (الشوریٰ : ۱۴) پیش کی گئی ہے۔ اور اس کا ترجمہ "حرف محرمانہ" کے صفحہ ۱۹ پر یہ کیا گیا ہے۔ "اے محمد ہم تمہیں وہی دین اور وہی شریعت دے رہے ہیں جو نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی۔" اس ترجمہ

میں محترم برق صاحب نے وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کا ترجمہ ہی چھوڑ دیا ہے۔

پھر افسوس ہے کہ برق صاحب نے اس جگہ پوری آیت نقل نہیں کی اس کے بعد کا حصہ یوں ہے۔ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ اس حصے کے بغیر اس آیت کا صحیح مفہوم ظاہر ہی نہیں ہو سکتا۔ (ملاحظہ ہو سورۃ الشوریٰ : ۱۴)

پھر اس پوری آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اے محمد (اصولی طور پر) ہم نے تم کو وہی دین دیا ہے جس کی ہم نے نوح کو وصیّت کی تھی اور جو ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے اور جس کی ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو تاکید کی تھی وہ دین یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو دنیا میں قائم کرو اور اس کے بارہ میں کبھی تفرقہ نہ کیا کرو۔"

پس اس آیت کا منشاء صرف یہ ہے کہ اصولی دین جو تمام نبیوں کا ایک ہی رہا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت دنیا میں قائم کی جائے اور اس بات میں تفرقہ نہ کیا جائے اس آیت کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ قرآن مجید پہلی شریعتوں سے کوئی الگ اور جدید شریعت نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید بعض احکامِ جدیدہ پر بھی مشتمل ہے لہذا آیت کے ایسے معنے لینا جو واقعاتِ مشہودہ محسوسہ کے صریح خلاف ہوں جائز نہیں۔ قرآن شریف نے تو پچھلی شریعتوں کے احکام کو منسوخ بھی کیا ہے اور جدید احکام بھی دیئے ہیں۔ مثلاً یہودیوں کے سبت کو منسوخ کیا اور اس کی جگہ جمعہ کا دن مقرر فرمایا۔

حاشیہ کی آیت کا حلّ

حرف محرمانہ کے صفحہ ۱۹ کے حاشیہ میں برق صاحب نے ایک اور آیت بھی درج فرمائی ہے جو یوں ہے۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ۔ (البقرہ : ۲۱۴)۔ کہ ہم نے تمام انبیاء کو مبشر اور منذر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری۔ مگر اس آیت میں یہ ہرگز نہیں کہا گیا کہ تمام نبی الگ الگ شریعت

کی کتابیں لائے ہیں۔ بلکہ اس جگہ صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ہر نبی کو تبشیر و انذار کے علاوہ کتابِ شریعت کا علم بھی دیا گیا۔ اگر ہر نبی کو الگ الگ شریعت ملنے کا بیان مقصود ہوتا تو پھر اَنۡزَلَ مَعَھُمُ الۡکِتَابَ کی جگہ اَنۡزَلَ مَعَھُمُ الۡکُتُبَ کے الفاظ ہوتے۔ پس کتابِ شریعت بعض اوقات ایک نبی پر نازل ہوتی تھی اور بعد کے انبیاء جو اسی شریعت پر ایمان رکھتے تھے۔ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کتاب کے حقائق اور معارف کا علم دیا جاتا تھا۔ یہی مفہوم اَنۡزَلَ مَعَھُمُ الۡکِتَابَ کا ہے۔ چنانچہ تورات کے متعلق جو شریعت موسوی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّا اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰۃَ فِیۡھَا ھُدًی وَّنُوۡرٌ یَحۡکُمُ بِھَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِیۡنَ ھَادُوۡا وَالرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ کِتٰبِ اللّٰہِ وَ کَانُوۡا عَلَیۡہِ شُھَدَآءَ۔ (المائدہ : ۴۵) یعنی بیشک ہم نے تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت اور نور تھا اس کے ذریعہ سے کئی نبی اور خدا پرست جو ہمارے فرمانبردار تھے یہودیوں کے لئے فیصلہ کیا کرتے تھے اس لئے کہ ان سے اس کتاب کی حفاظت طلب کی گئی تھی اور وہ اس کتاب پر گواہ مقرر کئے گئے تھے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کئی ایسے نبی آئے جن کی شریعت موسیٰؑ کی شریعت توراۃ ہی تھی وہ تورات سے کوئی الگ شریعت کی کتاب نہیں رکھتے تھے۔ البتہ وہ خدائی ہدایت کے ماتحت تورات کو قوم میں نافذ کرتے تھے اور ان پر مغزِ شریعت موسوی کھولا جاتا تھا۔ پس برق صاحب کا یہ نظریہ سراسر بے بنیاد ہے کہ "کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آیا تھا۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۱۷)

برق صاحب کے دوسرے نظریہ کا ابطال

اسی طرح جناب برق صاحب کا یہ دوسرا نظریہ بھی باطل ہے کہ ہم کسی نبی کو غیر شرعی فرض کر ہی نہیں سکتے۔ غیر شرعی نبی سے مراد برق صاحب کی غیر تشریعی

نبی ہے ورنہ غیر شرعی تو کوئی مومن بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی نبی غیر شرعی ہو۔ ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بنی اسرائیل میں کئی ایسے نبی آئے جن کی تورات سے الگ کوئی جدید شریعت نہ تھی۔ لہذا وہ غیر تشریعی نبی تھے۔ یعنی نبی تو تھے۔ مگر کوئی شریعت جدیدہ نہ لائے تھے۔ بلکہ ان کی شریعت موسیٰؑ کی کتاب توراۃ ہی تھی۔ پھر قرآن کریم سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ نبوت شریعت سے ایک الگ شے ہے جو بیشک ملتی تو ایک نبی کو ہی ہے۔ لیکن ہر نبی کے ساتھ الگ شریعت کا آنا لازم اور ضروری نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔ (آل عمران : ۸۰) یعنی کسی انسان کے شایانِ شان نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوت دے تو وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ تم خدا ہی کے ہو جاؤ۔ کیونکہ تم کتاب الٰہی کی تعلیم دیتے ہو اور اس لئے کہ تم اس کی حفاظت کرتے ہو۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بشر کو تین چیزیں دی جاتی ہیں الکتاب، الحکم، النبوۃ، پس النبوۃ، الکتاب اور الحکم تین الگ الگ اشیاء ہیں۔ اسی لئے النبوۃ کا عطف الحکم پر اور الحکم کا عطف الکتاب پر کیا گیا ہے کیونکہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے پس النبوۃ، الکتاب اور الحکم تینوں الگ الگ امور ہیں لہذا النبوۃ کے لئے کسی الگ کتاب کا ملنا ضروری نہ ہوا جیسا کہ آیت یَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ ہاں نبی کے لئے کتاب کی تعلیم و تدریس ضروری ہے۔ خواہ وہ جدید کتاب لائے یا وہ کسی پہلی شریعت پر قائم رکھا جائے۔

نبوت اور نبی کے لغوی معنی

نبوت کے لغوی معنی ہیں "اَلْاِخْبَارُ عَنِ الْمُسْتَقْبِلِ بِاِلْهَامٍ مِنَ اللّٰهِ

(المنجد) یعنی مستقبل کے متعلق الہام الٰہی سے غیب کی خبریں دینا نبوت ہے اور نبی کے معنی لغت میں اَلْمُخْبِرُ عَنِ الْمُسْتَقْبِلِ بِالْهَامٍ مِنَ اللّٰهِ لکھے ہیں (ملاحظہ ہو المنجد) یعنی نبی وہ ہے جو الہام الٰہی سے آئندہ کے متعلق غیب کی خبریں دے۔ قرآن میں لکھا ہے۔

"عَالِمُ الْغَيْبِ فَلاَ يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلاَّ مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔"

(سورۃ الجن : ۲۷، ۲۸)

یعنی خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو کثرت سے اطلاع نہیں دیتا بجز اس شخص کے جسے وہ برگزیدہ کرے یعنی رسول بنائے۔ پس نبی کے لئے قرآن مجید کی رو سے رسول یعنی مامور ہونا ضروری ہے پس جو شخص لغوی معنی میں نبی ہو قرآنی اصطلاح میں تب نبی ہو سکتا ہے جب کہ وہ رسول بھی ہو۔ یعنی خدا تعالیٰ اسے اپنے الہام میں نبی اور رسول قرار دے۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ تحریر فرماتے ہیں :-

"لَيْسَتِ النُّبُوَّةُ بِاَمْرٍ زَائِدٍ عَلَى الاِخْبَارِ الاِلٰهِيِّ۔"

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ سوال نمبر ۱۸۸)

"یعنی نبوت اخبار الٰہی (اخبار غیبیہ پر اطلاع دیا جانے) سے کسی زائد امر کا نام نہیں۔"

یہی وہ نبوت ہے جسے اب ابن عربیؒ نے بموجب حدیث نبوی لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلاَّ الْمُبَشِّرَاتُ (بخاری) قیامت تک جاری قرار دیا ہے اور صرف ایسی نبوت کو منقطع قرار دیا ہے جو اپنے ساتھ شریعت جدیدہ رکھتی ہو چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"فَالنُّبُوَّةُ سَارِيَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِى الْخَلْقِ وَاِنْ كَانَ التَّشْرِيْعُ قَدِ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِيْعُ جُزْءٌ مِنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ"۔ (فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ باب ۷۳)

"یعنی نبوت مخلوق میں قیامت تک جاری ہے گو شریعت جدیدہ کا لانا منقطع

ہو گیا ہے۔ پس شریعت کا لانا نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے“۔

پھر انہوں نے شریعت کو نبوت پر ”امر عارض“ یعنی ایک زائد وصف قرار دیا ہے۔ نبوت کا ذاتی وصف قرار نہیں دیا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

”فَلَمَّا کَانَتِ النُّبُوَّۃُ اَشْرَفَ مَرْتَبَۃٍ وَاَکْمَلَهَا یَنْتَهِیْ اِلَیْهَا مَنِ اصْطَفَاهُ اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہٖ عَلِمْنَا اَنَّ التَّشْرِیْعَ ”اَمْرٌ عَارِضٌ“ بِکَوْنِ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یَنْزِلُ فِیْنَا حَکَمًا مِنْ غَیْرِ تَشْرِیْعٍ وَ هُوَ نَبِیٌّ بِلَا شَكٍّ۔“ (فتوحات مکیہ جلد ا صفحہ ۵۷۰)

”یعنی نبوت وہ اشرف اور اکمل مرتبہ ہے جس پر وہ شخص پہنچتا ہے جسے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا ہو تو ہم نے جان لیا کہ شریعت کا لانا ایک امرِ عارض ہے (یعنی نبوتِ مُطلقہ کی حقیقتِ ذاتیہ پر ایک وصف زائد ہے) کیونکہ حضرت عیسیٰؑ ہم میں بغیر شریعتِ جدیدہ حَکَم بن کر نازل ہوں گے اور وہ بلا شبہ نبی ہوں گے۔“

اس سے ظاہر ہے کہ نبوت کو شریعت سے ایک الگ امر مانا گیا ہے جو نبوت پر ایک وصفِ زائد ہوتا ہے۔ ہاں چونکہ یہ وصف زائد یعنی شریعت نبی کو ہی ملتی ہے غیر نبی کو نہیں ملتی۔ اس لئے برق صاحب جیسے لوگ دھوکا کھا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہر نبی کا شریعت لانا ضروری ہے۔ اگر وہ یہ کہتے کہ ہر نبی کے لئے ایک شریعت رکھنا ضروری ہے تو پھر ہمیں ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ کیونکہ شریعت کے بغیر تو ایک مومن بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ بغیر شریعت کے ایک نبی ہو۔

خاتم النبیین کی تفسیر

حضرت اقدس بانئ سلسلہ احمدیہ نے خاتم النبیین کی تفسیر میں لکھا ہے :-

”اللہ جلّشانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپکا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجۂ روحانی نبی تراش

ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۷ طبع اوّل)

پھر تحریر فرمایا ہے:-

"بجز اس کے (خاتم النبیینؐ) کے کوئی نبی صاحبِ خاتم نہیں ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸ طبع اوّل)

برق صاحب کا اعتراض

خاتم النبیین کے ان معنوں پر جناب برق صاحب یوں معترض ہیں۔

"اس آیت کا صرف ایک لفظ خاتم وجہ نزاع بنا ہوا ہے۔ احمدی بھائی اس کا ترجمہ مُہر کرتے ہیں "محمد ﷺ نبیوں کی مُہر ہیں یعنی امت محمدیہ کے انبیاء حضور علیہ السلام کے مُہر شدہ فرمان سے آئیں گے اور حضور کی تصدیق کے بغیر آئندہ کوئی نبی نہیں آسکے گا (ہمارے نزدیک برق صاحب کی یہ تشریح جو انہوں نے احمدیوں کی طرف منسوب کی ہے پورے طور پر صحیح نہیں جیسا کہ آپ آگے چل کر معلوم کریں گے (مجیب) اور باقی مسلمان خاتم کے معنی آخری کرتے ہیں (احمدی بھی خاتم کے لازمی معنی اس جگہ آخری شارع نبی اور آخری مستقل نبی مانتے ہیں مجیب) دونوں تفسیروں میں انتہائی تضاد ہے ایک تفسیر سے سلسلہ انبیاء جاری رہتا ہے دوسرے سے بند ہو جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا فیصلے کے لئے کہاں لے جائیں۔ مجھے صرف تین ایسی عدالتیں نظر آتی ہیں جو اس نزاع پر فیصلہ دینے کے مجاز ہیں۔ اوّل علمائے لغت یعنی عربی زبان کے ماہرین، دوم قرآن، سوم حدیث۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۲۰)

اس کے بعد محترم برق صاحب نے المنجد اور منتھی الارب دو کتابوں کے حوالے دے کر باقی لغت کی کئی کتابوں کے صرف نام لکھ کر یہ تحریر فرمایا ہے کہ ان میں خاتِم و خاتَم کے معانی تقریباً ایک جیسے دیئے ہوئے ہیں۔ اور خلاصہ خاتَم کے معانی کا

یوں لکھا ہے :-

۱- وہ نگینہ جس پر نام کندہ ہو۔

۲- انگوٹھی۔

۳- آخر، انجام۔

۴- کسی چیز کو ختم کرنے والا۔

۵- کاغذ پر مُہر کا نقش۔

آگے لکھتے ہیں :-

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں کون سے معنی چسپاں ہوتے ہیں۔ آخری نبی کا مفہوم تو بالکل صاف ہے۔ لیکن نبیوں کی مُہر یا انگوٹھی کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا پہلے ان فقروں کو پڑھیئے۔

۱- یہ مُہر زید کی ہے۔

۲- یہ مُہر عدالت کی ہے۔

۳- یہ مُہر مجسٹریٹوں کی ہے۔

کیاآخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اس مہر سے مجسٹریٹ بنتے ہیں۔ کیا دوسرے فقرہ کا یہ مطلب ہے کہ اس مہر سے عدالتیں تیار ہوتی ہیں اگر یہ مفہوم صریحاً غلط ہے تو پھر خاتم الانبیاء (نبیوں کی مہر) کی یہ تفسیر کیسے درست ہو سکتی ہے کہ ایسی مُہر جس سے نبی بنتے ہیں۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۱)

الجواب

برق صاحب کی علمی لغزش

جناب برق صاحب پر واضح ہو کہ اس اعتراض کے پیش کرنے میں آپ نے سخت علمی غلطی کا ارتکاب کیا ہے عدالت کی مُہر یا مجسٹریٹ کی مُہر سے تو واقعی نہ

عدالتیں تیار ہوتی ہیں، نہ مجسٹریٹ تیار ہوتے ہیں بلکہ ان مُہروں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جس فرمان پر وہ لگیں یا جس مضمون پر لگیں۔ وہ مجسٹریٹ یا عدالت کا مصدّقہ ہو کر مستند ہو جاتا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ تو انگوٹھی اور نگینہ کی قسم کی کوئی مُہر نہیں۔ بلکہ آپ ایک ایسے نبی اور رسول ہیں جنہیں خاتم قرار دے کر خاتم کو النبیین کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے۔ خَاتَمُ زَیْدٍ یَا خَاتَمُ الْحَاکَمِ یَا خَاتَمُ الْعَدَالَۃِ میں خاتم کی اضافت بحذف لام یعنی خَاتَمٌ لِزَیْدٍ۔ خَاتَمٌ لِلْحَاکَمِ یَا خَاتَمٌ لِلْعَدَالَۃِ مراد ہے۔ پس زید کی مُہر۔ مجسٹریٹ کی مہر اور عدالت کی مہر میں اضافت تملیکی پائی جاتی ہے یعنی زید کی مُہر سے یہ مراد ہے کہ زید اس مُہر کا مالک اور اس مُہر پر متصرّف ہے۔ یہی مفہوم مجسٹریٹ یا عدالت کی مُہر کا ہوتا ہے۔ یعنی مجسٹریٹ یا عدالت اس پر متصرّف ہے۔ مگر خاتم النبیین میں اضافت تملیکی نہیں پائی جاتی۔ یعنی اس سے یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ انبیاء اس مُہر کے مالک یا اس پر قابض اور متصرّف ہیں پس خاتم النبیین کا خاتم زید یا خاتم الحاکم یا خاتم العدالت پر قیاس درست نہ ہوا۔ کیونکہ یہ قیاس غیر تملیکی اضافت کا تملیکی اضافت پر ہونے کی وجہ سے قیاس مع الفارق ہے۔ خاتم النبیین کا ان مثالوں پر قیاس کرنا جو برق صاحب نے پیش کی ہیں ان کی ایک علمی لغزش کا ثبوت ہے۔ ختم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ انبیاء کے لئے ایک مؤثر وجود ہیں۔ اور انبیاء آپ سے فیض یاب بھی ہیں۔ اور آپ ان کے مصدّق بھی ہیں۔

چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند خاتم النبیین کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔"حاصل مطلب آیت کریمہ (ماکان محمد ابا احدٍ من رجا لکم و لکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین) کا اس صورت میں یہ ہو گا کہ اَبُوّتِ معروفہ تو رسول اللہ ﷺ کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر اَبُوّتِ معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النبیین شاہد ہے

اوصاف معروض اور موصوف بالعرض (دونو ناقل) موصوف بالذات کی فرع ہوتے ہیں اور موصوف بالذات اوصافِ عرضیہ کا اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل۔

(تحذیر الناس صفحہ ۱۰)

گویا علامہ موصوف سیاقِ آیت کے لحاظ سے اس کی تفسیر یہ کر رہے ہیں کہ جملہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْن آنخضرت ﷺ کی اَبُوّتِ معنوی کے اثبات کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ جملہ لکن حرف استدراک کے ساتھ جملہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ کے بعد واقع ہے پہلے جملہ میں آنخضرت ﷺ کی جسمانی اَبُوّت کی ہر مرد کے لئے نفی کی گئی ہے اور اس کے بعد 'لکن استدراک کے لئے لاکر بعد کے جملہ سے آپ کی اُبُوّت معنوی کا اثبات مقصود ہے رسول اللہ کے الفاظ سے آپؐ کو امتیوں کا روحانی اور معنوی باپ ثابت کرنا مقصود ہے اور آگے خاتم النبیین کہہ کر آپؐ کو انبیاء کا روحانی اور معنوی باپ ثابت کرنا مقصود ہے۔ پس یہ ہے مقصود اس آیت میں خاتم کو النبین کی طرف مضاف کرنے کا۔ فتدبرّ۔

پھر مولانا موصوف یہ بھی لکھتے ہیں :-

”جیسے خاتم بفتح تاء کا اثر اور فعل مختوم علیہ پر ہوتا ہے۔ ایسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوگا۔“ (تحذیر الناس صفحہ ۱۰)

خاتَم کا اثر اور فعل مختوم علیہ پر کیسے ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جو نقوش خاتم میں ہوتے ہیں وہی نقوش مختوم علیہ میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح خاتم النبیین ﷺ نبوت کے نقوش بالذات رکھتے ہیں اور مختوم علیہ نبی خاتم کے اثر و فیض سے وصف نبوت سے موصوف ہوتا ہے مقصود مولانائے موصوف کا یہ ہے کہ آنخضرتؐ کا خاتم النبیین ہونا دوسرے نبیوں میں اپنے نقوشِ نبوت پیدا کرنے میں مؤثر ہے۔ لہذا آنخضرت ﷺ نبی بالذات ہیں اور دوسرے تمام انبیاء چونکہ آپ کی خاتَم

کے فیض کے اثر سے اثر پذیر ہیں اس لئے ان میں وصفِ نبوت آپ کے مقابلہ میں بالعرض پایا گیا ہے۔نہ بالذات اب دیکھ لیجئے زید کی مُہر اور عدالت کی مُہر اور مجسٹریٹ کی مُہر کے یہ معنی نہیں ہو سکتے۔اس لئے کہ زید اور عدالت اور مجسٹریٹ تو اس مُہر پر قابض اور متصرّف ہوتے ہیں اور اس طرح ان مثالوں میں اضافت تملیکی پائی جاتی ہے۔اور دوسرے انبیاء آنحضرت ﷺ کے مالک اور آپ پر قابض نہیں لہذا اس جگہ اضافت تملیکی نہیں۔لہذا ان مثالوں پر خاتم النبیین کی اضافت کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔فتدبّر و لاتکن من الغافلین۔

برق صاحب کی دوسری علمی لغزش

جس طرح برق صاحب نے خاتم النبیین کی اضافت کا زید کی مُہر عدالت کی مُہر اور مجسٹریٹ کی مُہر پر قیاس کر کے جو محض تملیکی اضافت کی مثالیں ہیں سخت علمی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔اسی طرح وہ خاتم النبیین کی من مانی تفسیر کرنے کے لئے ایک نیا قاعدہ ایجاد کر کے بھی سخت علمی لغزش کے مرتکب ہوئے ہیں۔آپ نے ذیل کی تین مثالیں

۱- ارض اللہ (خدا کی زمین) ارض مضاف اللہ مضاف الیہ

۲- عبداللہ (اللہ کا بندہ) عبد مضاف اللہ مضاف الیہ

۳- خاتمِ زر (سونے کی انگوٹھی) خاتم مضاف اور زَر مضاف الیہ

دے کر لکھا ہے کہ :-

پہلی مثال میں ارض مخلوق اور اللہ اس کا خالق ہے۔دوسری مثال میں عبد مخلوق اور اللہ اس کا خالق ہے۔تیسری خاتِم زر سے مراد ہے زر سے بنی ہوئی انگوٹھی۔ یہ مثالیں دے کر جناب برق صاحب لکھتے ہیں :-

”دنیا کی کسی بھی زبان میں ایک بھی ایسا مضاف موجود نہیں جو مضاف الیہ کا

خالق اور موجد ہو اس لئے خاتم الانبیاء سے ایسی مُہر مراد لینا جو انبیاء تیار کرتی ہو نہ صرف عربی لُغات کی رُو سے غلط بلکہ ہر زبان کے قواعد کے خلاف ہے۔“

.... لیکن خاتم الانبیاء کی احمدی تفسیر سے ایک ایسا مرکب اضافی وجود میں آجاتا ہے جس کی کوئی نظیر دنیا کی کسی زبان مین نہیں مل سکتی۔ (حرفِ محرمانہ صفحہ ۲۲، ۲۳)

الجواب

کتنا بڑا دعویٰ ہے جو جناب برق صاحب نے اس عبارت میں کیا ہے اور کتنا بڑا بول ہے جو انہوں نے بولا ہے۔ حالانکہ ان کا یہ قاعدہ کہ مضاف مضاف الیہ کا موجد نہیں ہو سکتا۔ پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ انہوں نے تین مثالوں سے جن میں دو تملیکی اضافت کی اور تیسری بیانی اضافت کی ہے۔ یہ قاعدہ ایجاد کر لیا ہے کہ مضاف الیہ تو مضاف کا موجد ہو سکتا ہے۔ مگر مضاف مضاف الیہ کا موجد نہیں ہو سکتا بھلا کبھی تین غیر متعلق مثالوں سے بھی کوئی قاعدہ ایجاد ہوا کرتا ہے۔ قاعدے کا استنباط کرنے کے لئے تو تمام امثلہ کو یا اکثر امثلہ کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ پھر بھی اکثری قاعدہ کے خلاف مستثنیات نکل ہی آتی ہیں۔ کیا جناب برق صاحب قواعد کے استنباط کے اس طریق سے واقف نہیں؟ اگر یہی بات ہے تو ان کے طالب علم بھی قابلِ رحم ہیں جن کا استاد قواعد وضع کرنے میں اتنا جلد باز اور غیر محتاط ہے۔

جناب برق صاحب کو اپنے غلط قاعدہ کی ایجاد کے لئے قرآن مجید سے صرف دو مثالیں ارض اللہ اور عبد اللہ ملی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں مرکب اضافی کی اور بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں۔ جناب برق صاحب کو چاہیئے تھا کہ اگر وہ کوئی عمومی قاعدہ وضع کرنا چاہتے تھے تو ان ساری مثالوں کو تو سامنے رکھ لیتے جو کم از کم قرآن مجید میں وارد ہیں۔ میرا یقین ہے کہ اگر وہ ایسا کرتے تو انہیں احمدی تفسیر کے رَدّ کے لئے ایسا

قاعدہ وضع کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ جس کو قرآن مجید کی سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت کا مرکب اضافی رب العالمین ہی رَدّ کرنے کے لئے برہانِ قاطع کا حکم رکھتا ہے۔ دیکھئے "رب العالمین" مضاف الیہ کا موجد ہے۔

پس جناب برق صاحب کا یہ قاعدہ ان دہریوں اور اشتراکیوں کو تو فائدہ دے سکتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کو دنیا کے خیالات کی تخلیق قرار دیتے ہیں۔ لیکن ایک مذہبی آدمی کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ جو رب کو خالق اور العالمین کو اس کی مخلوق سمجھتا ہے۔ کیا جناب برق صاحب بھی اندر سے کہیں دھریہ تو نہیں جو مسلمانوں کے لباس میں ہم سے یہ قاعدہ منوانا چاہتے ہیں کہ کسی زبان میں بھی مضاف موجد نہیں ہو سکتا بلکہ مضاف الیہ ہی موجد ہو سکتا ہے۔

پھر جناب برق صاحب قرآن مجید میں ہی مزید غور کرتے تو انہیں بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کی مثال مل جاتی جس میں بدیع (موجد) کو مضاف اور السموات والارض کو جو مخلوق ہیں مضاف الیہ قرار دیا گیا ہے۔

پھر تیسری مثال اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ کی قرآن مجید میں موجود تھی۔ اس میں خالق (موجد) مضاف ہے اور کل شیءٍ (ایجاد شدہ ہر چیز) مضاف الیہ ہے۔

پس ہمیں دنیا کی کسی اور زبان سے مثالیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ عربی زبان سے بھی مثالیں تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم نے ان کی دو قرآنی مثالوں کے بالمقابل تین قرآنی مثالیں ایسی پیش کر دی ہیں۔ جن سے جناب برق صاحب کے مصنوعی قاعدہ کی تغلیط و تردید ہو جاتی ہے۔ "اگر در خانہ کس است ہمیں حرف بس است"۔ جب ہماری تین مثالوں سے ثابت ہو گیا کہ مضاف بھی مضاف الیہ کا موجد ہو سکتا ہے۔ تو جماعت احمدیہ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی تفسیر [illegible] قرار پائی کہ خاتم النبیین کی اضافت خاتم کو النبیین کا [illegible] ران

کے لئے موثر ثابت کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ سیاق آیت کریمہ میں خاتم النبیین بطور مرکب اضافی آنحضرت ﷺ کی انبیاء کے لئے ابوت معنوی ثابت کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ انہی معنی سے آنحضرت ﷺ افضل الانبیاء قرار پاتے ہیں محض آخری نبی یا مطلق آخری نبی بالذات کسی فضیلت پر دال نہیں۔ اور یہ معنی خود غیر احمدی علماء کو بھی مُسلّم نہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کی دوبارہ بعثت کے قائل ہیں۔ لہذا آنحضرت ﷺ ان کے نزدیک بھی مطلق آخری نبی نہیں بلکہ آخری شارع نبی ہیں۔

پس آیت میں لٰکِنْ کا لفظ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ کے بعد اس لئے لایا گیا ہے کہ مَردوں کے لئے آنحضرت ﷺ کی جسمانی ابوّت کی نفی کے بعد روحانی ابوّت کے لئے بعد والے جملہ سے استدراک کرے اور اَبّ موجد ہوتا ہے۔ چنانچہ امام راغب مفردات میں جو قرآن مجید کی مستند ترین لغت ہے تحریر فرماتے۔

"یُسَمّٰی کُلُّ مَنْ کَانَ سَبَباً فِیْ اِیْجَادِ شَیْئٍ اَوْ اِصْلَاحِہٖ اَوْ ظُھُوْرِہٖ اَباً وَلِذَالِکَ سُمِّیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ اَباً لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔"

"یعنی ہر شخص جو کسی شی کی ایجاد، اصلاح اور ظہور کا سبب ہو اس کا باپ کہلاتا ہے اور اسی لئے ہمارے نبی ﷺ کا نام اَبٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ رکھا گیا ہے۔"

پس جب آنحضرت ابوالمومنین ہوئے تو وہ مومنین کے موجد ہوئے۔ اب جناب برق صاحب بتائیں آنحضرت ﷺ کو ابوالمومنین کہنا اگر جائز ہے تو ابوالمومنین بھی ترکیب اضافی ہے جس میں اَبُ جو موجد ہے مضاف ہے اور مومنین جو اس اَبُ کی ایجاد ہیں مضاف الیہ ہیں پس آپ کا قاعدہ تو اس مثال سے بھی بالکل ٹوٹ رہا ہے۔

برق صاحب کے لُغت کے حوالے

جناب برق صاحب نے آجا کر لغت کی کتابوں المنجد اور منتھی الارب سے خاتم

ـ معنی لکھے ہیں۔ جن میں آخری کے علاوہ مُہر کے معنی بھی لکھے ہیں۔ پس وہ اپنی دو لغت کی کتابوں سے ہی ملزم ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ہم نے سیاق آیت کریمہ سے مُہر کے معنی اس جگہ ابوتِ معنوی کے ثابت کر دکھائے ہیں۔ اور ان معنوں سے مطلق آخری نبی یا محض آخری نبی کا کوئی جوڑ اور تعلق نہیں۔ اس لئے ان دو لغتوں کے بیان کردہ معنوں میں سے مُہر کے معنی ہی اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ مگر یہ دونوں لغت کی کتابیں تو نہایت مختصر ہیں۔ آیئے ذرا آپ صاحبان کو لغت قرآن مجید کی مستند ترین کتاب مفردات راغب کا مطالعہ کرائیں امام راغب اپنی اس بیش قیمت کتابِ لغت میں زیر لفظ ختم لکھتے ہیں :-

"الخَتمُ و الطَبعُ یُقَالُ عَلی وَجھَینِ مَصدَرُ خَتَمتُ وَ طَبَعتُ وَھُوَ تَاثِیرُ الشیئِ کَنَقشِ الْخَاتَمِ وَ الطَّابعِ وَالثَّانِی اَلاَ ثُرُالْحَاصِلُ عَنِ النَّقشِ وَ یُتجوَّزُ بِذَالِكَ تَارَۃً فِی الاِستِیثَاقِ مِنَ الشیٔ وَ المَنعِ مِنہُ اِعتِبَاراً بِمَا یَحصُلُ مِنَ المنعِ بِالْخَتمِ عَلی الْکُتُبِ وَ الْاَبوَابِ نَحوُ (خَتَمَ اللّٰہُ عَلی قُلُوبِھِم۔ وَ خَتَمَ عَلی سَمعِہٖ وَ قَلبِہٖ) وَ تَارَۃً فِیْ تَحصِیلُ اَثرِ عَنْ شَیٔ اِعتِبَاراً بِالنَّقشِ الحَاصِلِ ' وَ تَارَۃً یُعتَبَرُ مِنہُ بَلُوغُ الآخِرِوَ مِنہُ قِیلَ خَتَمتُ الْقُرآنَ اَیْ اِنتَھَیتُ اِلیٰ آخِرِہٖ۔"

ترجمہ :- "ختم اور طبع کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے (جو حقیقی معنوی کی صورت ہے) کہ دونو لفظوں کے معنی تاثیر الشی ہیں (یعنی کسی دوسری شی میں اپنے اثرات پیدا کرنا) جیسا کہ خاتم (مُہر) کا نقش کرنا (یعنی دوسری شی میں اپنے نقش اور اثرات پیدا کرنا) اور دوسری صورت اس نقش کی تاثیر کا اثر حاصل ہے۔ (یعنی ختم سے مختوم علیہ کا حاصل کردہ اثر) اور یہ لفظ مجازاً کبھی تو ختم علی الکتب والابواب پر قیاس کے لحاظ سے شی کی بندش اور روک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے خَتَمَ اللّٰہُ عَلی قُلُوبِھِم وَ خَتَمَ عَلی سَمعِہٖ وَ قَلبِہٖ (میں اس کا استعمال مجازی معنوں میں ہوا ہے) اور

کبھی اس کے مجازی معنی نقش حاصل کے لحاظ سے کسی شیٔ کا دوسری شیٔ کے اثر سے تحصیل اثر ہوتے ہیں اور کبھی اس کے مجازی معنی آخر کو پہنچنا ہوتے ہیں انہی معنوں میں خَتَمْتُ الْقُرْآنَ کہا جاتا ہے کہ میں تلاوت میں اس کے خاتمہ کو پہنچ گیا۔

امام راغب علیہ الرحمۃ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ ختم اور طبع ہم معنی مصدر ہیں اور ان کے مصدری یعنی لغوی اور حقیقی معنی تاثیر الشیٔ ہیں۔ اس لحاظ سے خاتم بفتح تا کے معنی تاثیر کا ذریعہ ہوں گے۔ اور خاتِم بکسرِ تا کے معنی مؤثر وجود یا صاحبِ تاثیر کے ہوں گے۔ کیونکہ خاتَم آلہ ہے اور خاتِم اسمِ فاعل۔ پس خاتَم یا خاتِم کے حقیقی معنوں میں ایجاد کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ختم اور طبع مصدروں کے حقیقی لغوی معنی بیان کرنے کے بعد امام راغب علیہ الرحمۃ نے ختم کے تین مجازی معنی لکھے ہیں۔ اوّل بندش۔ دوم کسی شے سے اثر حاصل کرنا۔ سوم آخر کو پہنچنا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو حقیقی لغوی معنوں میں خاتم النبیین کہا گیا ہے یا مجازی معنوں میں جو بندش اور آخری کے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کسی لفظ کے معنی کرتے ہوئے لفظ کا پہلا حق یہ ہوتا ہے کہ دیکھا جائے کہ جس مقام پر یہ لفظ استعمال ہوا ہو اس جگہ اس کے حقیقی معنی چسپاں ہو سکتے ہیں یا مجازی معنی۔ اگر حقیقی معنی اس جگہ محال نہ ہوں تو حقیقی معنی ہی لینے ضروری ہوں گے۔ ہاں اگر حقیقی معنی میں اس لفظ کا استعمال اس جگہ محال ہو تو پھر اس کے مجازی معنی مراد ہوں گے۔

خاتم النبین کے الفاظ آیت کریمہ میں جس سیاق میں وارد ہیں اس میں اس مرکب اضافی سے آنحضرت ﷺ کی ابوّتِ معنوی ثابت کرنا مقصود ہے۔ پس سیاق آیت خاتم کے حقیقی لغوی معنوں کا مویدّ ہے نہ کہ بندش یا آخری کے مجازی معنوں کا موّید۔ محض بندش اور مطلق آخری کے معنوں کا ابوت معنوی کے مفہوم سے کوئی تعلق نہیں لہذا یہ مجازی معنی آیت کریمہ میں مراد نہیں ہو سکتے۔ ہاں انبیاء میں سے

ہمیشہ کے لئے آنحضرت ﷺ کا ہی خاص طور پر خاتم النبیین ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ کے ظہور کے بعد جو لوگ آپ کی پیروی اور آپ کی فرزندی اختیار کریں وہی آپکی خاتمیّت سے بقدرِ ظرف واستعداد متاثر ہو سکیں گے۔اور جو لوگ آپ کو قبول نہ کریں جیسے ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں کا حال ہے تو وہ آپ کی نبوت کی اس تاثیر سے محروم ہوں گے۔لہذا آنحضرت ﷺ کا ابو الانبیاء ہونا ایسے لوگوں کے لئے نبوت کا دروازہ بند قرار دیتا ہے۔جو آپ کی فرزندی کو قبول نہ کریں۔اس لحاظ سے غیروں میں نبوت کا امتناع اور بندش کا پایا جانا خاتم النبیین کے حقیقی معنوں کو لازم ہے۔اسی طرح بعد ظہور خاتم النبیین کا ہمیشہ کے لئے نبوت میں موثر ہونا۔اس بات کی دلیل بھی ہے کہ آپؐ ہی کامل شریعت لانے والے نبی ہیں۔اس لحاظ سے آخری شارع نبی اور آخری ہونا آپ کی خاتمیت کو لازم ہے پس خاتم النبیین ﷺ اپنے فرزندوں کے لئے نبوت میں مؤثر وجود بھی ہیں اور غیروں کے لئے نبوت کا دروازہ ان کے فرزندی اختیار کئے بغیر بند قرار دینے والے بھی۔لہذا آپ آخری شارع اور آخری مستقل نبی بھی ہیں۔لیکن مطلق آخری نبی نہیں کیونکہ یہ مجازی معنی ہیں جن کا حقیقی معنوں کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں۔اس لئے یہ معنی اس جگہ مراد نہیں ہو سکتے۔

خاتم کے معنی مصدِّق

ہاں خاتم کے ایک معنی ایجاد کے علاوہ مصدِق کے بھی ہیں۔چنانچہ احادیثِ نبویہ سے یہ معنی بھی ثابت ہیں۔کیونکہ تصدیق بھی خاتم کی ایک تاثیر ہے۔چنانچہ احادیث میں آیا ہے :-

”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ جُرِحَ جَرَاحَۃً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خُتِمَ لَہٗ بِخَاتَمِ الشُّھَدَاءِ لَہٗ نُوْرٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِلَوْ نُھَا مِثْلُ لَوْنِ الزَّعْفَرَانِ وَرِیْحُھَا

مِثْلَ رِيحِ الْمِسْكِ يَعْرِفُهُ الْاَوَّلُونَ وَ الْآخِرُونَ يَقُولُونَ فُلَانٌ عَلَيْهِ طَابِعُ الشُّهَدَاءِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرُوَاتُهٗ اَسْنَادِهٖ ثِقَاةٌ۔"

(ترغیب ترھیب للمنذری بر حاشیہ مشکوٰۃ مطبع نظامی دلّی صفحہ ۲۱۹)

یعنی حضرت ابو الدرداء صحابی سے روائت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو خدا کی راہ میں (جہاد) میں زخمی ہو جائے اس پر خاتم الشہداء کی مہر لگائی جاتی ہے (جس کے اثر سے) اس کے لئے قیامت کے دن ایک نور ہو گا زخم کا رنگ زعفرانی رنگ کی طرح (سرخ قانی) ہو گا۔ اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو جیسی ہو گی۔ اسے سب پہلے اور پچھلے لوگ (ان علامتوں سے) پہچان لیں گے کہیں گے فلاں پر تو طابع الشہداء (شہدا کی مہر) ہے۔ روائت کیا اسے احمد نے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث میں خاتم الشہداء کے مجروح فی سبیل اللہ پر لگنے سے بجز اس کے کچھ مراد نہیں کہ خاتم الشہداء (شہداء کی مہر) کے اثر سے یہ مجروح فی سبیل اللہ شہداء میں شامل ہو گا۔ اور اس کے اثر سے قیامت کے دن اسے جو نور ملے گا اس سے تمام پہلے اور پچھلے لوگوں کو تصدیق ہو جائے گی کہ جس شخص پر طابع الشہداء (شہداء کی مہر) لگی ہوئی ہے اسے شہید قرار دیا گیا ہے۔

پس اس حدیث میں خاتم اور طابع دونو لفظ مہر کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں اور خاتم الشہداء اور طابع الشہداء سے مطلق آخری شہید مراد نہیں۔ بلکہ شہید قرار دینے والی اور شہید ہونے کی مصدّق مُہر مراد ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس حدیث میں خاتم کا لفظ اپنے حقیقی لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور ایجاد و تاثیر کا مفہوم رکھتا ہے۔ اس جگہ آخری کے مجازی معنی ہر گز چسپاں نہیں ہو سکتے۔

ایک اعتراض

جناب برق صاحب "حرفِ محرمانہ" کے صفحہ ۲۵ پر لکھتے ہیں :۔

ا۔"حضرت مسیحؑ بیسیوں پیرایوں میں ایک پُر جلال رسول کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں۔

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔" (یوحنا باب ۱۴، آیت ۳۰)

لیکن قرآن حکیم میں کسی آنے والے نبی کا اشارہ تک موجود نہیں۔ بلکہ حضور علیہ السلام کو خاتم الانبیاء قرار دینے کے بعد تقریباً ایک سو آیات میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے کہ اب قیامت تک کوئی اور وحی نازل نہیں ہوگی۔" صفحہ ۲۵

۲۔اگر حضور علیہ السلام کے بعد کسی نبی کی آمد مقدّر ہوتی.......... کیا یہ ممکن تھا کہ وہ امت مسلمہ کو ایک نبی کی آمد سے غافل رکھتا۔اور حضور علیہ السلام کے بعد صرف قیامت پر ہی ایمان لانے کا حکم دیتا۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۶)

الجواب

قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کے بعد وحی مبشرات نازل ہونے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور آئندہ رسولوں کی آمد کا بھی امکان قرار دیا ہے۔ آئندہ وحی کے نزول کے متعلق دو آئتیں ملاحظہ ہوں۔

اوّل :۔"اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذَالِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔" (یونس : ۶۳ تا ۶۵)

"یعنی سن لو جو اللہ کے پیارے ہیں انہیں کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ان کو دنیا اور

آخرت میں بشارتیں ملیں گی یہی بڑی کامیابی ہے۔"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی بشارتوں کا ملنا ازروئے قرآن مجید ایک ضروری امر ہے۔اور بشارتوں کا ملنا بطریق وحی ہی ہوسکتا ہے پس یہ آیت بِالْآخِرَۃِ هُمْ يُوقِنُونَ کی قرآنی تفسیر ہے اور آیت بِالْآخِرَۃِ هُمْ يُوقِنُونَ اس بعد کی وحی پر یقین رکھنا بھی ضروری قرار دیتی ہے۔

دوم :-ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْآخِرَةِ۔" (حٰم السجدہ ۳۱،۳۲)

"بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔اور پھر اس پر استقامت دکھائی ان پر خدا کے فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ تم کوئی خوف نہ کرو اور نہ غم کھاؤ اس جنت کی بشارت پاؤ جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔ ہم تمہارے دنیا میں مددگار ہیں اور آخرت میں بھی۔"

یہ آیت گویا اُوپر کی آیت لَهُمُ الْبُشْرٰی کی تفسیر ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ بشارتیں آئندہ نازل ہونے والے ملائکہ کے ذریعہ امت محمدیہ کے خاص لوگوں کو ملتی رہیں گی اور ملائکہ کے ذریعہ بشارتوں کا ملنا ہی نزول وحی ہے۔

شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :-

"هٰذَا لتَنَزّلُ هُوَ النُّبُوَّةُ العَامَّةُ لَا نُبُوَّةُ التَشْرِيعِ۔"

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۷ ۲۴ باب معرفۃ الاستقامت)

"یعنی ملائکہ کا اس طرح بشارت لانا نبوّتِ عامّہ ہی ہے۔ نہ کہ نبوتِ تشریعی۔"

یہ سب آیات جو نزول وحی کے متعلق ہیں بِا لآخِرِۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْن کے ایک بطن کی تفسیر ہیں۔ پس بِالآخِرِۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْن میں آخرت کا لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوُا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں رسولوں کی بعثت کا امکان بھی آئندہ زمانہ میں ثابت ہے۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔" (الاعراف : ۳۶)

"یعنی اے بنی آدم اگر آئندہ تمہارے پاس تم میں سے رسول بنا کر بھیجے جائیں اس طرح پر کہ وہ تمہارے سامنے میرے نشانات بیان کرتے ہوں تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں اور اصلاح کریں ان کو (آئندہ کے لئے) کسی قسم کا خوف نہ ہو گا۔ اور نہ وہ (ماضی کی کسی بات پر) غمگین ہوں گے۔"

اس آیت میں صریح لفظوں میں بنی آدم کو خطاب کر کے اُن میں سے آئندہ رسولوں کی بعثت کے امکان کی تصریح موجود ہے۔ اور اس آیت کے سیاق میں یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ (الاعراف : ۳۲) اور بعد کی دو آیتوں میں "قُلْ" کا لفظ کہہ کر ایسے احکام بیان کئے گئے ہیں جو تمام بنی آدم کے لئے قیامت تک واجب الاطاعت ہیں اور اُن میں سے کسی حکم پر عمل ترک کرنے سے کوئی مسلمان سچا مومن نہیں ہو سکتا۔ انہی احکام کے بعد بنی آدم کو یہ ہدایت دی گئی۔ کہ آئندہ اگر ان میں سے رسول آئیں تو انہیں چاہئے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں یعنی اُنہیں قبول کریں۔ اور اپنی اصلاح کریں۔ تو وہ نجات پائیں گے۔

پھر سورۃ نساء کی آیت ہے مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا۔ (النساء : ۷۰)

اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ اور رسول یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت کریں۔ وہ (مدارج پانے میں) اُن لوگوں کے ساتھ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین میں سے انعام کیا ہے اور یہ اطاعت کرنے والے ان لوگوں کے اچھے ساتھی ہیں۔ اس آیت میں آئندہ نبیوں کی آمد کو بھی صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی طرح آنحضرت ﷺ کی اطاعت سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ یہ شرط انبیائے سابقین کے متعلق نہ تھی کیونکہ وہ خاتم الانبیاء ﷺ کے دنیا میں ظہور سے پہلے گزر چکے تھے۔ پس خاتم الانبیاء کی تفسیر اس آیت کی روشنی میں یہ ہوئی کہ آئندہ کوئی نبی غیر قوموں یعنی ہندوں، یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ میں نہیں آسکتا۔ بلکہ مقامِ نبوت پانے کے لئے آئندہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی اطاعت شرط ہے۔ پس یہ آیت اُمت محمدیہ کے لئے نبوت مل سکنے پر روشن دلیل ہے اور آیتِ خاتم النبیین کے مثبت پہلو یعنی حقیقی لغوی معنی کی بھی تفسیر ہے۔ اور خاتم النبیین کے لازمی منفی پہلو کی بھی تفسیر ہے۔ مثبت پہلو کی تفسیر یُوں ہے کہ یہ آئت بتاتی ہے آئندہ آنے والا نبی آنحضرت ﷺ کا مطیع اور امتی ہونا چاہئے۔ اور منفی پہلو کی تفسیر یُوں ہے کہ اب آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی مستقل نبی نہیں آسکتا۔ پس خاتم النبیین کے معنی یہ ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور افاضۂ روحانیہ سے آپ کے کسی امتی کو تو مقامِ نبوت مل سکتا ہے۔ لیکن آپ کے دامنِ فیوض سے الگ رہنے والا کوئی فرد ہرگز مقامِ نبوت نہیں پاسکتا لہذا آنحضرت ﷺ ہی آئندہ کے لئے آخری مستقل نبی ہیں۔ جن کی شریعت قیامت تک واجب الاطاعت ہے۔ ہمارے یہ معنی اس لئے درست ہیں کہ اس آیت میں فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ جملہ اسمیہ ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا مَعَ کے لفظ سے اس دنیا میں معیت کو چاہتا ہے اور پہلے گزرے ہوئے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین سے آنحضرت ﷺ کی اطاعت کرنے

والے افراد کی معیّتِ زمانی بھی محال ہے اور معیّتِ مکانی بھی محال ہے۔ اس لئے اِس جگہ
معیّتِ معنوی یعنی معیّتِ فی الدرجہ ہی مراد ہے۔ جیسا کہ آیت تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ
(آل عمران : ۱۹۴) (ہمیں نیکوں کے ساتھ یعنی نیک بنا کر وفات دے) کی دعا میں
ابرار سے معیّتِ فی الدرجہ ہی مراد ہے۔ یا جیسے آیت اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ (النساء : ۱۴۷) میں
معیّت فی الدرجہ مراد ہے۔ ہی آیت بتاتی ہے کہ توبہ کرنے والے اصلاح کرنے والے
اعتصام باللہ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی خالص اطاعت کرنے والے اسی دنیا
میں مومنوں کے ساتھ ہیں یعنی مومنوں میں سے ہیں اور ان کا درجہ پانے والے ہیں۔
پس جس طرح فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ جملہ اسمیہ ہے جو استمرار پر دلالت کر رہا ہے
اور قیامت تک کے لئے توبہ کرنے والے اور اعتصام باللہ کرنے والے اور اطاعت کو
خدا تعالیٰ کے لئے خالص کرنے والے کو مومنوں میں داخل قرار دیتا ہے۔ اسی طرح
فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَاءِ
وَالصّٰلِحِیْنَ بھی جملہ اسمیہ ہے اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی
اطاعت کرنے والوں کے لئے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے مدارج پانے
کی امید دلاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس جگہ صرف ظاہری معیت مراد ہے جو قیامت
کو حاصل ہو گی۔ تو اول اس سے جملہ اسمیہ کا فائدہ جو استمرار ہے مفقود ہو جاتا ہے۔ دوم
اس آیت کا یہ مفاد بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت سے اب کوئی
شخص صدیق، شہید اور صالح بھی نہیں بن سکتا بلکہ ایسے لوگ صرف قیامت کے دن
ان لوگوں کے ساتھ ظاہری طور پر ہوں گے۔ اس دنیا میں ان میں سے کوئی صدیق،
شہید اور صالح بھی نہیں بن سکے گا۔ کیونکہ اَلنَّبِیّٖنَ، اَلصِّدِّیْقِیْنَ، اَلشُّھَدَاءِ، اَلصّٰلِحِیْنَ
اس آیت میں واوِ عاطفہ سے ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ پس اگر آیت کا یہ مفاد ہو کہ

اطاعت کرنے والا نبی نہیں بن سکتا صرف ظاہری طور سے ہی نبیوں کے ساتھ ہوگا تو ساری آیت کا مفاد یہ بن جائے گا کہ کوئی اطاعت کرنے والا اب صدیق، شہید اور صالح بھی نہیں بن سکتا۔ صاف ظاہر ہے کہ آیت کے یہ معنی آنحضرت ﷺ کی بلند شان کے صریح منافی ہیں۔ کیونکہ صدیق اور شہید تو پہلے لوگ اپنے اپنے رسولوں کی اطاعت سے بھی بن سکتے تھے۔ جیسا کہ آیت وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ (سورہ الحدید : ۲۰) سے ظاہر ہے۔ اب اگر آنحضرت ﷺ کی اطاعت سے آپ کے کسی امتی کو صدیق اور شہید سے بلند مقام حاصل نہیں ہو سکتا تو آنحضرت ﷺ کے افاضہ روحانیہ کا کمال بھی باقی انبیاء سے بڑھ کر نہیں ہوگا۔ اور آپؐ کو دوسرے انبیاء پر اپنی شانِ افاضہ میں کوئی امتیاز حاصل نہ ہوگا۔ حالانکہ نبی کا کمال اس کی شانِ افاضہ کے کمال سے ہی ظاہر ہوتا ہے پس خاتم النبیین کا افاضۂ روحانیہ مدارجِ روحانیہ کے حصول میں بڑھ کر ہونا چاہیئے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی میں آپ کا امتی مقامِ نبوت بھی حاصل کر سکے۔

امام راغب جو لغتِ قرآن مجید کے بیان کرنے میں امام مانے گئے ہیں مفرداتِ راغب میں چار قسم کی معیت قرار دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں :-

" مَعَ یَقْتَضِی الْاِجْتِمَاعَ اِمَّا فِی الْمَکَانِ نَحْوُ ھُمَا مَعًا فِی الدَّارِ اَوْفِی الزَّمَانِ نَحْوُ وُلِدَا مَعًا اَوْفِی الْمَعْنٰی کَالْمُتَضَائِفِیْنَ نَحْوَ الْاَخِ وَالْاَبِ فَاِنَّ اَحَدَھُمَا صَارَ اَخًا لِلْآخَرِ فِی حَالِ مَّا صَارَ الْاٰخَرُ اَخَاہُ، وَ اِمَّا فِی الشَّرَفِ وَالرُّتْبَۃِ نَحْوُ ھُمَا مَعاً فِی الْعُلُوِّ۔ (مفردات زیر لفظ مَعَ)

یعنی لفظ مع اجتماع (اکٹھا ہونے) کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ اجتماع چار صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ اوّل دونوں ایک مکان میں اکٹھے ہوں جیسے ھُمَا مَعاً فِی الدَّارِ (کہ وہ دونو گھر میں اکٹھے ہیں) دوم زمانہ میں اکٹھے ہوں۔ جیسے کہا جائے وُلِدَا مَعاً (وہ دونوں اکٹھے

پیدا ہوئے) سوم معیت فی المعنی "المتضائفین" کی صورت میں ہو جیسے بھائی بھائی سے معیت رکھتا ہے (اور باپ بیٹے سے) اور ایک صورت معیت کی یہ ہے کہ دونوں شرف اور رتبہ میں معیت رکھیں جیسے هُمَا مَعاً فِي العُلُوِّ۔ وہ دونوں بلند مرتبہ میں اکٹھے ہیں۔"

زیر تفسیر آیت میں آخری قسم کی معیت مراد ہے جو شرف اور رتبہ میں معیت ہے کیونکہ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کے جملہ اسمیہ ہونے کی وجہ سے معیت مکانی اور زمانی تو اس جگہ دنیا میں محال ہے اور متضائفین کی معیت کا اس جگہ تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

امام راغب آیت فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ کے معنوں میں لکھتے ہیں :-

"قَوْلُهٗ (فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ) اَیْ اِجْعَلْنَا فِیْ زُمْرَتِهِمْ اِشَارَةً اِلٰی قَوْلِهٖ (فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ)۔"

(مفردات راغب کتاب الکاف صفحہ ۴۲۳)

یعنی خدا تعالیٰ کے قول فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ میں مع کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو زمرۂ شاہدین میں داخل فرما۔ اس میں خدا تعالیٰ کے قول فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کی طرف اشارہ ہے (یعنی شاہدین کے زمرہ میں داخل کرنے کی دعا سے یہ مراد ہے کہ آیت فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ میں بیان کردہ انعام یافتہ لوگوں کے زمرہ میں داخل کر)

پھر ان کی طرف سے فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ الآیۃ کی یہ تفسیر بیان کی گئی ہے۔

"قَالَ الرَّاغِبُ مِمَّنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الفِرَقِ الْاَرْبَعِ فِی الْمَنْزِلَةِ وَ الثَّوَابِ النَّبِیَّ بِالنَّبِیِّ وَالصِّدِّيْقَ بِالصِّدِّيْقِ وَالشَّهِيْدَ بِالشَّهِيْدِ وَالصَّالِحَ بِالصَّالِحِ۔"

(تفسیر بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۲۸۷)

یعنی راغب نے کہا ہے (کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے) مرتبہ اور ثواب میں ان چار گروہوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے (اس امت کا) نبی نبی کے ساتھ۔ صدیق صدیق کے ساتھ۔ شہید شہید کے ساتھ اور صالح صالح کے ساتھ۔

پس آیت زیر تفسیر اس بات پر روشن دلیل نصِّ قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی پیروی میں مقامِ نبوت بھی مل سکتا ہے جس طرح مقامِ صدّیقیّت اور مقامِ شہیدیّت اور مقامِ صالحیّت مل سکتا ہے۔

اس طرح یہ آیت یَا بَنِی آدَمَ اِمَّا یَأْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ کی مخصِّص بھی ہے اور اس کی مفسر بھی یعنی یہ آیت بتاتی ہے کہ بنی آدم میں آئندہ جن رسولوں کی آمد کا امکان بیان ہوا ہے اس سے ایسے رسول مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کی اطاعت میں مقام رسالت حاصل کریں گے اور امتی رسول ہوں گے نہ کہ مستقل رسول۔ پس یہ دونوں آیتیں آیت خاتم النبیّن کی تفسیر ہیں۔

برق صاحب کی مزید پیش کردہ آیات کا حل

جناب برق صاحب نے آیت عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔ (التوبہ : ۱۲۸) کو بھی انقطاعِ نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ مگر یہ آیت ہرگز نبوت کے انقطاع پر دلیل نہیں۔ بلکہ آیت مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ الخ کی موید ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا مومنوں کی ترقی کے لئے حریص ہونا اور پھر آپ کا رؤف و رحیم ہونا تو آپ کے افاضۂ روحانیہ کی دلیل ہے۔ اور اس کی وجہ سے تو امت محمدیہ میں باکمال انسان پیدا ہونے چاہئیں لہذا یہ آیت امتی نبوت میں مانع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آیت مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ الخ امتی کے لئے نبی ہو سکنے پر روشن دلیل ہے ورنہ قرآن مجید میں تضاد لازم آتا ہے جو محال ہے۔ اسی طرح آیت

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء : ۶۰) بھی ہمارے معنوں کے خلاف نہیں۔ کیونکہ آیت یَابَنِیْ آدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ آئندہ رسولوں کی آمد کے امکان کو بیان کر کے اس کو ماننا ضرور قرار دے رہی ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کے فیض سے ہونے والے رسول کی اطاعت بھی آیت اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ کے حکم کے ماتحت واجب ہو گی۔ اور آیت اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَ الْکِتٰبِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (النساء : ۱۳۷) بھی ان معنوں کے خلاف نہیں اس آیت میں بعد کی وحی پر ایمان لانے کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا۔ کہ اس کا ذکر اجمالاً۔ وَ الْکِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ میں موجود ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں دوسری جگہ رسولوں کے آنے کا ذکر موجود ہے۔ اور قرآن مجید کی آیت وَ الْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ پر صحیح طور پر اُسی شخص کا ایمان ہو سکتا ہے جو اُس کی بیان کردہ اُن ہدایات پر بھی ایمان رکھتا ہو جو آئندہ رسولوں اور نبیوں کی آمد کے امکان اور وحی کے نزول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس آیت کے آخر میں وما ینزل من بعدك کے الفاظ لانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ یہ الفاظ لانے سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ آپ کے بعد بھی شریعت جدیدہ نازل ہو گی۔ حٰمٓ سجدہ کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ (حٰمٓ السجدہ : ۳۱) آئندہ وحی کے نزول پر نص صریح ہے۔

پھر آیت یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ۔ (البقرہ : ۵) کے بعد بھی وما ینزل من بعدك کے الفاظ لانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ میں آئندہ مبعوث ہونے والے رسولوں کا ماننا جن کا ذکر سورۃ اعراف کی آیت (۳۶) یَابَنِیْ آدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ میں ہے ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔ پس مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ پر اُسی شخص کا ایمان صحیح ہو سکتا ہے جو سورۃ اعراف کی آیت کے حکم کو بھی

تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو۔فاند فع الا وھام بجمیع حذا غیره فالحمد للّٰہ علٰی ذالک۔

خاتم النبیین کی تفسیر حدیث میں

مندرجہ بالا عنوان کے ماتحت برق صاحب نے خاتم النبیین کی تفسیر کے طور پر دس ایسی حدیثیں پیش کی ہیں جو ان کے خیال میں خاتم النبیین کی تفسیر میں نبوت کا دروازہ کلیتہً بند قرار دیتی ہیں۔ ہم ان احادیث کا نمبروار جواب دینے سے پہلے بطور قاعدہ کلیہ ایک اصولی جواب پہلے دے دینا چاہتے ہیں۔ جو یہ ہے کہ ان احادیث میں آنحضرت ﷺ کے وصف خاتم النبیین کا صرف منفی پہلو اور لازمی معنی بیان ہوئے ہیں ہم قبل ازیں آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں بتا چکے ہیں کہ اس میں خاتم کے دو پہلو ہیں۔ایک مثبت اور ایک منفی۔اور منفی پہلو کا مفہوم یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد کوئی شریعت جدیدہ لانے والا نبی یا مستقل نبی ظاہر نہیں ہو سکتا اور مثبت پہلو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ کے فیضِ روحانی سے آپ کا ایک امتی مقام نبوت پا سکتا ہے۔ جس کی کیفیت یہ ہوگی کہ خدا اس سے بکثرت ہم کلام ہو گا اور اس پر بکثرت امور غیبیہ ظاہر کرے گا تا لوگوں کو خدا تعالیٰ پر زندہ یقین اور ایمان حاصل ہو۔ اور اس کے ظہور سے آنحضرت ﷺ کے افاضئہ روحانیہ کا کمال بھی ثابت ہو۔اس کمال فیضان کے ثبوت میں ہم نے سورہ نساء کی آیت (۷۰) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ پیش کر چکے ہیں۔ جو ختم نبوت کے مثبت پہلو پر صراحتاً اور منفی پہلو پر اشارۃً دال ہے۔ انقطاعِ نبوت والی حدیثوں کے بالمقابل جو محترم برق صاحب نے پیش کی ہیں بعض ایسی احادیث نبویہ بھی موجود ہیں جن سے امت محمدیہ میں نہ صرف نبی

کے ظاہر ہو سکنے کا امکان ہوا ہے۔ بلکہ ان میں ایک نبی کے امت میں ظہور کی حتمی پیشگوئی بھی موجود ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

محترم برق صاحب کے نزدیک صرف ایک حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا (اگر آنحضرت ﷺ کا فرزند ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا) ایسی ملتی ہے جس سے اجرائے نبوت کا امکان ملتا ہے مگر وہ اس روایت کو بدیں وجہ غلط قرار دیتے ہیں کہ ان کے زعم میں یہ قرآن کریم کی آیات اور دوسری احادیث کے خلاف ہے۔

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۳۲)

حدیث کی صحت

مگر انہیں معلوم ہونا چاہئے یہ روایت اَلشِّہَاب عَلَی الْبَیْضَاوِی میں صحیح قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

اَمَّا صِحَّۃُ الْحَدِیْثِ فَلَا شُبْھَۃَ فِیْہِ

یعنی اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔

موضوعاتِ کبیر میں امام علی القاریؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں لَہٗ طُرُقٌ ثَلَاثٌ یُقَوِّیْ بَعْضُھَا بِبَعْضٍ کہ یہ حدیث تین طریقوں (سندوں) سے ثابت ہے جو ایک دوسری سے قوت پا رہی ہیں۔

پھر لکھتے ہیں :-

"وَیُقَوِّیْ حَدِیْثَ لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ"۔

یعنی یہ حدیث اس حدیث کو بھی قوت دے رہی ہے جس میں آیا ہے کہ۔

"اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے (یعنی آنحضرت ﷺ کا زمانہ پاتے) تو باوجود نبی ہونے کے وہ آپ کے متبع ہوتے۔"

پس اگر خاتم النبیین کے بعد امتی نبی کا آنا محال ہوتا تو آنحضرت ﷺ یہ نہ فرماتے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا بلکہ یہ فرماتے کہ وہ زندہ بھی رہتا تو نبی نہ ہوتا کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ کیونکہ صاحبزادہ ابراہیم کی وفات آیت خاتم النبیین کے نزول کے بعد ہوئی تھی پس معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک خاتم النبیین کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ آپ کے بعد نبوت کلیۃً منقطع ہے۔

امام علی القاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کو تین طریقوں سے قوی یعنی صحیح قرار دے کر اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں۔

"لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیْمُ وَصَارَ نَبِیًّا وَکَذَالَوْ صَارَ عُمَرُ نَبِیًّا لَکَانَا مِنْ اَتْبَاعِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ (موضوعاتِ کبیر صفحہ ۵۸)

"کہ اگر صاحبزادہ ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ہو جاتے تو وہ دونوں آپ کے متبعین میں سے ہوتے (یعنی تابع اور امتی نبی ہوتے نہ کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مستقل اور تشریعی نبی) پھر وہ خود ہی ایک سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ان کا نبی ہو جانا آیت خاتم النبیین کے بدیں وجہ خلاف نہ ہوتا۔

"اِذَا لْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَأْتِیْ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ"

(موضوعاتِ کبیر صفحہ ۵۹)

"یعنی خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔"

اس بیان میں امام علی القاری نے خاتم النبیین کے معنی کے منفی پہلو کی تعیین اور تحدید فرمادی ہے ان کے بیان سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی منفی پہلو کا مفہوم صرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے (یعنی تشریعی نبی ہو) یا آپ کی امت میں سے نہ ہو (یعنی

مستقل نبی ہو) پس ان کے نزدیک امتی نبی کی آمد میں آیت خاتم النبیین روک نہیں لہذا حدیث لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا کے متعلق برق صاحب کا یہ بیان غلط ہے کہ یہ روایت "محض غلط" ہے۔ کیونکہ یہ حدیث نہ قرآن کریم کی آیات کے خلاف ہے اور نہ احادیث نبویہ کے خلاف ہے۔ آیاتِ قرآنیہ سے تو ہم نبی کی آمد کا امکان ثابت کر چکے ہیں۔ لہذا احادیثِ نبویہ میں صرف ایسی نبوّت کا انقطاع مراد ہے جو تشریعی یا مستقلہ نبوت ہو۔ نبوتِ مطلقہ کا انقطاع ہرگز مراد نہیں بلکہ نبوتِ مطلقہ ایک امتی کو مل سکنے کا امکان احادیث میں موجود ہے۔

برق صاحب نے کسی کا یہ قول بھی درج کیا ہے۔

ولو قضی بعد محمد ﷺ نبی عاش ابنه ولكن لا نبی بعده۔

مگر یہ قول ہرگز درست نہیں (گو اس میں لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ سے مراد تشریعی نبوت کا ہی انقطاع ہے۔ کیونکہ اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے صاحبزادہ ابراہیم کو اس لئے مار دیا کہ کہیں وہ نبی نہ بن جائے۔ بھلا اگر خدا تعالیٰ کو یہ ڈر ہوتا تو وہ صاحبزادہ ابراہیمؑ کو پیدا ہی کیوں کرتا! حدیث لا نبی بعدی کی تشریح علماء کے نزدیک یہی ہے کہ آئندہ کوئی تشریعی نبی آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں آسکتا۔ چنانچہ اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۲ میں امام علی القاریؒ کے ایک قول مندرجہ الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ کے مطابق لکھا ہے :-

"لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِیْ بے اصل ہے ہاں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آیا ہے اس کے معنی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لائے گا۔"

پس فقہائے امت کے نزدیک حدیث لا نبی بعدی میں نئی شریعت لانے والے نبی کا انقطاع مراد ہے۔ یہ ہرگز مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مطلق کوئی نہیں ہوگا۔ چنانچہ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ انقطاعِ نبوت کے

مضمون پر مشتمل احادیث کی تشریح میں لکھتے ہیں :-

"اِنَّ النُّبُوَّۃَ الَّتِی اِنْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اِنَّمَا ھِیَ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ لَا مَقَامُھَا فَلَا شَرْعَ یَکُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِہٖ ﷺ وَلَا یَزِیْدُ فِیْ شَرْعِہٖ حُکْمًا آخَرَ۔وَھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ ﷺ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِانْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَ لَا نَبِیَّ۔ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ۔" (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۷۳)

ترجمہ :- "وہ نبوت جو آنحضرت ﷺ کے وجود باجود پر منقطع ہوئی ہے وہ صرف تشریعی نبوت ہے نبوت کا مقام منقطع نہیں۔اب آئندہ کوئی شریعت نہ ہوگی جو آنحضرت ﷺ کی شریعت کو منسوخ کرے یا آپ کی شریعت میں کسی حکم کا اضافہ کرے اور یہی معنی ہیں آنحضرت ﷺ کے اس قول کے اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِانْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ مراد آپ کی یہ ہے کہ کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو میری شریعت کے خلاف شریعت رکھتا ہو بلکہ آئندہ جب بھی کوئی نبی ہوگا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہوگا۔"

امام بخاری خود اپنی صحیح میں دو حدیثیں لائے ہیں جن میں ابنِ مریم کے نزول کی خبر دی گئی ہے اور ان میں سے ایک حدیث میں امت محمدیہ میں سے اسے امت کا امام قرار دیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ کے الفاظ میں اسے نبی قرار دیا گیا ہے۔ (دیکھو صحیح بخاری باب بدء الخلق)

برق صاحب کی ضعیف حدیث

حدیث لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ کو امام ترمذی نے خود غریب قرار دیا ہے اس لئے یہ روایت صرف ایک ہی راوی مشرح بن ہاعان کے طریقہ سے مروی

ہے اور مشرح بن ہاعان کے متعلق لکھا ہے :-

"قَالَ ابْنُ حِبَّانَ فِی الضُعَفَاءِ لَایُتَابعُ عَلَیْهَا فَالصَّوَابُ تَرْكُ مَاانْفَرَادَ بِهٖ قَالَ ابْنُ دَاؤُدَ اِنَّهٗ كَانَ فِیْ جَیْشِ الْحَجَّاجِ اَلَّذِیْنَ حَاصَرُوْا ابْنَ الزُّبَیْرِ وَرَمُوْا الْكَعْبَةَ بِالْمِنْجَنِیْقِ۔"

(تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۷۷ ۴ و جلد ۳ صفحہ ۱۷۲)

"یعنی ابن حبان نے اسے ضعیف راویوں میں قرار دیا ہے اسکی روایات کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور صحیح بات یہ کہ جس روایت میں یہ اکیلا ہی راوی ہو وہ روایت چھوڑ دینا ہی راہ صواب ہے ابنِ داؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی حجاج کے اس لشکر میں شامل تھا جس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کیا اور منجنیق سے کعبہ پر پتھراؤ کیا۔"

پس یہ روایت غریب بھی ہے اور ضعیف یعنی قابلِ ترک بھی۔ کیونکہ مشرح بن ہاعان کی منفرد روایات قابل قبول نہیں ہوتیں۔

اسی طرح اس حدیث کا ایک راوی بکر بن عمرو المعافری بھی ہے اس کے متعلق تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۸۶ ۴ اور میزان الاعدال حیدر آبادی جلد ا صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے یُنْظَرُ فِی اَمْرِهٖ یعنی اس کی روایت کو مشکوک سمجھا جاتا ہے۔ پس یہ روایت اس لحاظ سے بھی ضعیف اور نا قابلِ حجت ہے۔ اس حدیث کی دوسری روایت میں ہے لَوْلَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ یَاعُمَرُ (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۵ صفحہ ۵۳۹ وحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی باب مناقب) یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھئے تعقبات سیوطی صفحہ ۲۷۱۔

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عمر اگر میں مبعوث نہ کیا جاتا تو تو مبعوث کیا جاتا۔ ایک دوسری روایت اس کے بالمعنی لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثَ عُمَرُ فِیْكُمْ (کنوز الحقائق صفحہ ۱۰۳ جلد ۲ صفحہ ۱۵۱) بھی وارد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں مبعوث نہ کیا جاتا تو البتہ تم میں عمر مبعوث کیا جاتا۔

پس چونکہ آنحضرت ﷺ مبعوث ہو گئے اس لئے حضرت عمر نبی نہ بنے۔
یہی مفہوم لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ کا لیا جا سکتا ہے کہ اب تو خدا نے مجھے نبی بنا دیا ہے اگر مجھے نبی نہ بناتا تو میرے بعد یعنی میرے سوا عمر نبی ہوتا۔ اس جگہ بعد کا لفظ اوپر کی دو روائتوں کے لحاظ سے سوا کے معنوں میں ہی لیا جا سکتا ہے۔
قرآن شریف میں وارد ہے :-

وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ۔ (فاطر : ۳)

یعنی جس خیر کو خدا روک لے تو اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں کھول سکتا۔

تفسیر جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۹ مطبوعہ مصر میں آیت لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِیْ (صٓ : ۳۵) کی تفسیر میں بعدی کے معنی سِوَائِی (میرے سوا) لکھے ہیں۔ اور آیت فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِاللّٰہِ۔ (الجاثیۃ : ۲۴) کے معنی بھی اللہ کے سوا ہیں۔ پس جب بعد کے معنی سوا کے بھی ہیں تو اس حدیث میں یہی معنی لئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ مسیح موعود کو تو خود آنحضرت ﷺ نے اپنے اور اپنے بعد ظاہر ہونے والا نبی اللہ قرار دیا ہے۔

امکانِ نبوت کے بارہ میں تین اور حدیثیں

اب امکانِ نبوت کے بارہ میں لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا کے علاوہ تین اور حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

اَبُوْ بَکْرٍ اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ نَبِیٌّ۔

(کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق صفحہ ۴)

یعنی ابو بکرؓ اس امت میں سے افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی ہو۔ (یعنی امت میں پیدا ہو)

یَکُوْنُ کا مصدر "کَوْنٌ" ہے جس کے معنی عدم سے وجود میں آنا ہیں۔ یعنی

پیدا ہونا۔ پس اس حدیث میں امت کے اندر نبی کے پیدا ہونے کا امکان قرار دیا گیا ہے۔ اگر نبوت کا دروازہ کلیۃً بند ہوتا تو اِلَّااَنْ یَکُوْنَ نَبِیٌّ کے الفاظ سے نبی کا استثناء جائز نہ ہوتا۔ بلکہ یہ ایک لغو فعل ہوتا جو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری حدیث میں وارد ہے۔

اَبُوْ بَکْرٍ خَیْرُ النَّاسِ بَعْدِیْ اِلَّااَنْ یَکُوْنَ نَبِیٌّ۔

(کنز العمال جلد ۹ صفحہ ۱۳۸)

"یعنی ابو بکر میرے بعد سب لوگوں سے بہتر ہیں بجز اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔"

ایک تیسری حدیث ملاحظہ ہو جو امتِ محمدیہ میں نبی کے امکان پر روشن دلیل ہے۔ یہ حدیث امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب الخصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ ۱۲ پر لائے ہیں۔ اور اسی حدیث کو مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب نشر الطیب فی ذکر الحبیب کے صفحہ ۶۲، ۲۶۱ پر بحوالہ حلیہ ابو نعیم اور الرحمۃ المھداۃ نقل کیا ہے یہی حدیث ترجمان السنۃ کے صفحہ ۲۴۴ پر مولوی بدر عالم صاحب میرٹھی نے نسیم الریاض کی شرح سے درج کی ہے۔ اور حاشیہ میں ایک قول نقل کیا ہے۔

"رَوَاہُ اَبُوْ نَعِیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ وَوَرَدَ لِمَعْنَا ہُ عَلٰی طُرُقٍ کَثِیْرَۃٍ کَمَافِی الْخَصَائِصِ۔"

"یعنی اس روایت کو ابو نعیم نے "حلیہ" میں روایت کیا ہے اور اس کے بالمعنی روایات کئی طریقوں پر مروی ہیں جیسا کہ الخصائص میں ہے۔"

پس یہ روایت جو کئی طریق سے مروی ہے اسے ہم الخصائص الکبریٰ کے حوالہ سے اس جگہ درج کرتے ہیں۔

وَاَخرَجَ اَبُو نعیم فِی (الْحِلیَةِ)عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَوحَی اللّٰہُ اِلٰی مُوسٰی نَبِیَّ بَنِیْ اِسرَائِیلَ اَنَّہٗ مَنْ لَقِیَنِیْ وَھُوَ جَاحِدٌ بِاَحْمَدَ اَدْ خَلْتُہُ النَّارَ قَالَ یَا رَبِّ وَمَنْ اَحْمَدُ قَالَ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَکْرَمَ عَلَیَّ مِنْہُ کَتَبْتُ اِسْمَہٗ مَعَ اِسْمِیْ فِی الْعَرْشِ قَبْلَ اَنْ اَخْلُقَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ اِنَّ الْجَنَّۃَ مُحَرَّمَۃٌ عَلٰی جَمِیعِ خَلْقِیْ حَتّٰی یَدْخُلَھَا ھُوَ وَاُمَّتُہٗ قَالَ وَمَنْ اُمَّتُہٗ قَالَ اَلْحَمَّادُوْنَ یَحْمَدُوْنَ صَعُوْداً وَھُبُوْطاً وَعَلٰی کُلِّ حَالٍ یَشُدُّوْنَ اَوْسَاطَھُمْ وَیُطَھِّرُوْنَ اَطْرَافَھُمْ صَائِمُوْنَ بِالنَّھَارِ رُھْبَانٌ بِاللَّیْلِ اَقْبَلُ مِنْھُمُ الْیَسِیْرَ وَاَدْخِلُھُمُ الْجَنَّۃَ بِشَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ اجْعَلْنِیْ نَبِیَّ تِلْکَ الْاُمَّۃِ قَالَ نَبِیُّھَا مِنْھَا قَالَ اجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ ذَالِکَ النَّبِیِّ قَالَ اِسْتَقْدَمْتَ وَاسْتَأْخَرَ وَلٰکِنْ سَاَجْمَعُ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ فِیْ دَارِ الْجَلَالِ

(الخصائص الکبریٰ للسیوطی جلد اول صفحہ ۱۲)

"ابو نعیمؒ نے حلیہ میں حضرت انسؓ سے روائت کی ہے حضرت انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے نبی موسیٰؑ کو وحی کی کہ جو شخص مجھے اس حال میں ملے گا کہ وہ احمدؐ کا منکر ہو گا تو میں اسے آگ میں داخل کروں گا۔ موسیٰؑ نے کہا اے رب احمد (ﷺ) کون ہیں خدا تعالیٰ نے فرمایا میں نے کوئی مخلوق اپنے نزدیک اس سے زیادہ باعزت نہیں بنائی۔ میں نے اس کا نام عرش پر اپنے نام کے ساتھ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے بھی پہلے لکھا ہے۔ بیشک جنت میری تمام مخلوق پر اس وقت تک حرام ہے یہاں تک کہ وہ نبی اور اس کی امت جنت میں داخل ہو جائے۔ موسیٰؑ نے کہا اور آپ کی امت کونسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بہت حمد کرنے والے ہیں جو چڑھائی پر چڑھتے ہوئے بھی حمد کرتے ہیں اور اس سے اُترتے ہوئے بھی حمد کرنے والے ہیں۔ اور ہر حال میں اپنی کمروں کو باندھتے ہیں اور اپنی اطراف (اعضا) کو پاک رکھتے ہیں۔ دن کو روزہ دار رہتے ہیں اور رات کو خدا تعالیٰ کی

عبادت میں کھڑے رہتے ہیں میں ان سے تھوڑا عمل بھی قبول کروں گا۔ اور انہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی دینے پر جنت میں داخل کروں گا۔ موسیٰؑ نے کہا۔ مجھے اس امت کا نبی بنا دیجئے خدا تعالیٰ نے کہا اس امت کا نبی اس امت میں سے ہو گا۔ موسیٰؑ نے کہا مجھے اس نبی کی امت میں سے بنا دیجئے۔ خدا تعالیٰ نے جواب دیا تو پہلے ہو گیا ہے اور وہ نبی پیچھے ہو گا۔ لیکن میں تجھے اور اسے دار الجلال (جنت) میں اکٹھا کر دوں گا۔"

حدیث ہذا کا یہ فقرہ کہ موسیٰؑ نے کہا مجھے اس امت کا نبی بنا دیجئے اور خدا تعالیٰ کا اس پر یہ جواب نَبِیُّھَا مِنْھَا کہ اس امت کا نبی اس امت میں سے ہو گا۔ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ امت محمدیہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی ہونے کا بالضرور امکان تھا۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی درخواست منظور نہ کی کہ مجھے اس امت کا نبی بنا دیجئے بلکہ جواب میں یہ فرمایا نَبِیُّھَا مِنْھَا کہ اس امت کا نبی اس امت میں سے ہو گا۔

پس یہ روایت اس امر پر نصِ صریح ہے کہ امت محمدیہ میں خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک نبی ضرور ہونے والا تھا۔ اور اس سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی دورِ رسالتِ محمدیہ میں حضرت موسیٰؑ کی طرح ظاہر نہیں ہو سکتے کیونکہ جو وجہ خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ میں حضرت موسیٰؑ کے نبی نہ ہو سکنے کی بیان فرمائی ہے وہی وجہ حضرت عیسیٰؑ کے امت محمدیہ میں ظہور کے لئے بھی مانع ہو گی۔ پس اس تیسری حدیث کے مقابل بھی جب وہ ساری کی ساری احادیث رکھی جائیں جو انقطاعِ نبوت پر بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں تو ان میں انقطاعِ نبوت صرف انہی معنوں میں مانا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی شارع اور مستقل نبی نہیں آسکتا۔ امتی نبی کی آمد میں یہ روایات کوئی روک نہیں ہو سکتیں۔ پس اس طرح یہ دونوں قسم کی حدیثیں جن میں سے بعض امکانِ نبوت اور بعض انقطاعِ نبوت پر دال ہیں۔ ایک دوسری سے بالکل مطابق ہو جاتی ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں

رہتا۔اس اصولی جواب کے بعد اب ہم برق صاحب کی پیش کردہ تمام حدیثوں کے معانی کا تفصیلی جائزہ بھی لینا چاہتے ہیں۔

حدیث اوّل

مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ قَصرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُہٗ تُرِکَ مِنْہُ مَوْضِعُ لَبِنَۃٍ فَطَافَ بِہِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِہٖ اِلَّامَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَۃِ فَکُنْتُ اَنَا مَوْضِعَ اللَّبِنَۃِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ۔ (بخاری و مسلم ابن عساکر، احمد، نسائی)

یہ حدیث صحیح بخاری میں ان الفاظ میں آئی ہے کہ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ الخ

”کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جو ایک عمارت بنائے اور اس کو اچھا اور خوبصورت بنائے سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے جو ایک کونے میں ہو۔پس لوگ اس کا طواف کریں اور حیران ہوں اور کہیں کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی۔(فرمایا رسول اللہ ﷺ نے) وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“

اس حدیث میں عمارت سے مراد شریعت کی عمارت ہے جو آدمؑ سے شروع ہوئی اور آنحضرت ﷺ پر مکمل ہوئی۔لہٰذا آپ کے بعد کسی نئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں۔چنانچہ علامہ ابن حجر اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

”اَلْمُرَادُ ھِنَا النَّظْرُ اِلَی الْاَکْمَلِ بِالنِّسْبَۃِ اِلَی الشَّرِیْعَتِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ مَعَ مَا مَضٰی مِنَ الشَّرَائِعِ الْکَامِلَۃِ۔“ (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۹۸۰)

”یعنی مراد اس تکمیل عمارت سے یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ پہلے گذری ہوئی کامل شریعتوں کے مقابلہ میں اکمل سمجھی جائے۔“

حدیث دوم

اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ تَسُوْسُہُمْ اَنْبِیَاءُ ھُمْ کُلَّمَا ذَھَبَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ۔ فَاِنَّہٗ لَیْسَ کَائِنًا فِیْکُمْ نَبِیٌّ بَعْدِیْ قَالُوْا فَمَا یَکُوْنُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ یَکُوْنُ خُلَفَاءُ

(بخاری مسلم احمد ابن ماجہ)

یہ حدیث بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل میں صاحبِ سیاست انبیاء بھی ہوا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے معابعد کوئی صاحبِ سیاست نبی نہیں ہوگا بلکہ صاحبِ سیاست صرف خلفاء ہوں گے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں یَکُوْنُ خُلَفَاءُ کی جگہ سَیَکُوْنُ خُلَفَاء بھی وارد ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ قریب زمانے میں خلفاء صاحبِ سیاست ہوں گے نہ کہ کوئی نبی۔ اور یہ حدیث زیادہ سے زیادہ آنحضرت ﷺ اور مسیح موعود کے درمیانی زمانہ کے لئے ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود کے متعلق فرمایا ہے لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہ ہوگا۔ (بخاری کتاب بَدءُ الخلقِ) پس یہ حدیث مسیح موعود کی نبوت کے خلاف پیش نہیں ہو سکتی۔ مسیح موعود کا نبی ہونا حدیثِ نبوی سے ثابت ہے۔

حدیث سوم

اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ (مسلم ترمذی)

اس حدیث کے حصے خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ کی تشریح میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مجدد صدی دوازدہم رقمطراز ہیں۔

"خُتِمَ بِہِ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ۔" (تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ صفحہ ۷۲ مطبوعہ بجنور)

"یعنی خُتِمَ بِہِ النَّبِیُّوْنَ سے مراد ہے کہ آئندہ کوئی شخص نہیں ہوگا جسے خدا

تعالیٰ لوگوں پر نئی شریعت دے کر مامور کرے۔"

پس ان معنوں کے پیشِ نظر اس حدیث میں النّبیّون کا الف لام عہد کے لئے ہوا استغراق کے لئے نہیں۔ کیونکہ امکانِ نبوت والی حدیثیں بھی اس کے عہدی ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔

حدیث چہارم

سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلاَ ثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ۔

یہ حدیث بخاری، ترمذی اور ابو داؤد میں ہے۔ جہاں تک حدیث کے راویوں کا تعلق ہے یہ حدیث قابلِ استناد نہیں۔ اسے بخاری نے ابو الیمان سے بطریق شعیب وابو الزّناد نقل کیا ہے۔ ابو الزّناد کے متعلق ربیعہ کا قول ہے لَیْسَ بِثِقَۃٍ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۳ مطبوعہ حیدر آباد دکن) کہ وہ ثقہ راوی نہیں۔ ابو الیمان نے یہ روایت شعیب سے ہی لی ہے ابو الیمان کا شعیب سے سماع ہی ثابت نہیں۔ چنانچہ میزان الاعتدال جلد اصفحہ ۲۷۲ پر لکھا ہے۔ لَمْ یَسْمَعْ اَبُو الْیَمَانِ مِنْ شُعَیْبَ کہ ابو الیمان نے شعیب سے کوئی حدیث بھی نہیں سنی۔ ترمذی کے اسناد میں ابو قلابہ اور ثوبان دو راوی نا قابلِ استناد ہیں۔ ابو قلابہ کے متعلق لکھا ہے لَیْسَ اَبُو قَلَابَۃَ مِنْ فُقَھَاءِ التَّابِعِیْنَ وَھُوَ عِنْدَ النَّاسِ مَعْدُوْدٌ فِی الْبُلْہِ اِنَّہٗ مُدَلِّسٌ عَمَّنْ لَحِقَھُمْ وَمِمَّنْ لَمْ یَلْحِقْھُمْ۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۹ نیز التہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۲۱) کہ ابو قلابہ فقہاء میں سے نہ تھا۔ بلکہ وہ لوگوں کے نزدیک اَبلہ (بے سمجھ) مشہور تھا اور جو اسے ملا اس کے بارہ میں اور جو اسے نہیں ملا اس کے بارے میں بھی تدلیس کرتا تھا۔ اس طرح ثوبان کے متعلق اَزدی کا قول ہے یَتَکَلِّمُوْنَ فِیْہِ (میزان الاعتدال جلد اصفحہ ۱۷۳) ترمذی کے

دوسرے طریقہ میں عبدالرزاق بن ہمام ہے جو شیعہ تھا۔قَالَ النَّسَائِیُّ فِیْهِ نَظْرٌ قَالَ الْعَبَّاسُ الْعَنْبَرِیُّ...... اِنَّهٗ لَکَذَّابٌ وَالْوَاقِدِیُّ اُصْدَقُ مِنْهُ یعنی نسائی کے نزدیک وہ قابل اعتبار نہیں عباس عنبری کہتے ہیں وہ کذّاب ہے اور واقدی سے بھی زیادہ جھوٹا تھا۔ یہ روایت عبدالرزاق بن ہمام نے معمر سے لی ہے اور میزان میں لکھا ہے قَالَ الدَّارقُطنِیُّ یُخطِئُی عَلٰی مَعْمَرَ فِی اَحَادِیْثُ ......قَالَ ابْنَ عُیَیْنَةِ اَخافُ اَنْ یَکُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ کہ یہ ان روایات میں غلطی کرتا ہے جو معمر سے لینا بیان کرتا تھا ابنِ عُیَیْنَہ کہتے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ یہ راوی قرآن مجید کی آیت ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الحَیواۃ الدُّنْیَا۔ (الکھف : ۱۰۵) کا مصداق تھا۔ (وہ لوگ جن کی کوشش دنیاوی زندگی میں کھو گئی)

معمر بن راشد کے متعلق یحیٰی ابن معین کہتے ہیں ضعیف تھا (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۸۸) اور ابنِ سعد کہتے ہیں کہ شیعہ تھا۔ اور ابو حاتم کہتے ہیں بصرہ میں اس نے جو روایات بیان کی ہیں ان میں غلط روایات بھی ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۴۴)

ابو داؤد کی روایت میں تومان اور ابو قلابہ بھی ہیں جن کا ضعیف ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ سلیمان بن حرب اور محمد بن عیسیٰ بھی ضعیف ہیں۔ سلیمان بن حرب کے متعلق خود ابو داؤد کہتے ہیں یہ راوی ایک حدیث کو پہلے ایک طرح بیان کرتا تھا۔ لیکن جب کبھی دوسری دفعہ اس حدیث کو بیان کرتا تو پہلے سے مختلف ہوتی تھی۔ اور خطیب کہتے ہیں کہ یہ شخص روایات کے الفاظ میں تبدیلی کر دیا کرتا تھا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۸۰)

محمد بن عیسیٰ کے متعلق ابو داؤد کہتے ہیں کَانَ رُبَّمَا یُدَلِّسُ (تہذیب

التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۹۴)ابو داؤد کے دوسرے طریقہ میں عبد العزیز بن محمد اور العلاء بن عبدالرحمٰن ضعیف ہیں۔ عبدالعزیز بن محمد کو امام احمد بن حنبل نے خطاکار اور ابو زرعہ نے سَیِّئُ الحفظ (خراب حافظہ والا) اور نسائی نے کہا ہے لَیْسَ بِالْقَوِیِّ (یہ قوی راوی نہیں) ابنِ سعد کے نزدیک کَثِیْرًا لغلَط (بہت غلطیاں کرنے والا) اور ساجی کے نزدیک وہمی تھا۔ اس کا دوسرا راوی العلاء بن عبدالرحمٰنؒ بھی ضعیف ہے کیونکہ ابن معین ذیل کے چاروں راویوں کے ذکر میں کہتے ہیں۔

۱۔ سہل بن ابی صالح۔ ۲۔ العلاء بن عبدالرحمٰن۔ ۳۔ عاصم بن عبید اللہ۔ ۴۔ عقیل۔

هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةُ لَیْسَ حَدِیْثُهُمْ حُجَّةً۔ کہ ان چاروں راویوں کی حدیث حجت نہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۱۳، ۱۵)

پس جہاں تک راویوں کا تعلق ہے یہ حدیث حجت نہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ حدیث مسیح موعود کی نبوت کے خلاف بطور دلیل پیش نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مسیح موعود کو دوسری احادیثِ نبویہ نبی قرار دیتی ہیں۔ اور صحیح بخاری کی حدیث بتاتی ہے۔ لَیْسَ بَیْنِی وَبَیْنَهٗ نَبِیٌّ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور مسیح موعود کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ پس ان دونو حدیثوں کو ملحوظ رکھنے سے یہ ظاہر ہے کہ مسیح موعود کے ظہور تک دعویٰ نبوت کرنے والوں کو ہی آنحضرت ﷺ نے دجال، کذاب قرار دیا ہے۔ اور شرح مسلم میں لکھا ہے۔

فَاِنَّهٗ لَوْ عُدَّ مَنْ تَنَبَّاَ مِنْ زَمَنِهٖ ﷺ لَبَلَغَ هٰذَا لْعَدَدَ۔

(شرح مسلم لِاَبِی مالکی السنوسی جلد ۷ صفحہ ۲۵۸)

”یعنی اگر جھوٹی نبوت کے دعویداروں کو شمار کیا جائے تو تیس کی یہ تعداد پوری ہو چکی ہے۔“

نواب صدیق حسن خان ”حجج الکرامۃ“ میں لکھتے ہیں۔

بالجملہ آنچہ آنحضرت ﷺ اخبار بوجود دجالین کذابین درامت فرمودہ واقع شد۔ (حجج الکرامۃ صفحہ ۲۳۹)

یعنی آنحضرت ﷺ نے جوامت میں کذّاب، دجّالوں کے آنے کی خبر دی ہے وہ پوری ہو چکی ہے۔

پس اس حدیث میں خاتم النبیین لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے الفاظ کے معنی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے قول کے مطابق :-

"لَا نَبِیَّ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ۔"

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۷۳)

ہی ہو سکتے ہیں۔ یعنی کہ آنحضرت ﷺ کی مراد یہ ہے کہ آئندہ کوئی ایسا نبی نہیں ہو گا جو میری شریعت کے مخالف ہو۔ بلکہ جب کبھی آئندہ کوئی نبی ہو گا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہو گا۔ بعد کا لفظ عربی زبان میں مخالف کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَ آیَاتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ۔" (الجاثیۃ : ۷)

"کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کی خلاف اور کس بات کو مانتے ہیں۔"

اس لحاظ سے اس حدیث میں خاتم النبیین کی شریعت کے مخالف مدعیان نبوت کو دجّال و کذّاب قرار دے کر خاتم النبیین لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے الفاظ سے وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخالف ہونے کی وجہ سے ان کا دعویٰ خاتم النبیین لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے مخالف ہے۔ چونکہ برق صاحب لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے قول کو اس حدیث میں غلط معنوں میں لے رہے ہیں۔ اس لئے میں انہیں ام المؤمنین حضرت عائشۃ الصدیقہؓ معلمۂ نِصفُ الدین کا قول یاد دلاتا ہوں۔ آپ فرماتی ہیں۔

"قُولُوا اِنَّہٗ خَاتِمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُولُوا اَلَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔"

(تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵ و تفسیر در منشور زیر آیت خاتم النبیین)

"کہ لوگو یہ تو کہا کرو کہ آنحضرت خاتم الانبیاء ہیں مگر یہ نہ کہا کرو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔"

گویا انہوں نے حدیث لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے مفہوم کو محدود معنی میں مراد لیا ہے اسے علی الاطلاق نبی کی آمد میں روک نہیں سمجھا۔ چونکہ برق صاحب کی طرح بعض لوگ اس حدیث کا غلط مفہوم لے سکتے تھے۔ کہ اس میں علی الاطلاق نبوت منقطع قرار دی گئی ہے۔ لہذا آپ نے ایسے لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے لَانَبِیَّ بَعْدَہٗ کہنے سے منع فرمادیا۔ امام محمد طاہرؒ اس قول کی شرح میں فرماتے ہیں۔

"ھٰذَا نَاظِرٌ اِلٰی نُزُوْلِ عِیْسٰی وَھٰذَا اَیْضًا لَایُنَافِیْ حَدِیْثَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّہٗ اَرَادَ لَانَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ۔" (تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

کہ حضرت ام المومنین عائشۃ الصدیقہؓ کا یہ قول اس بنا پر ہے کہ حضرت عیسیٰ (بحیثیت نبی اللہ) جب نازل ہوں گے تو آنحضرت ﷺ کے بعد نبی ہی ہوں گے۔ اور یہ بات حدیث لانبی بعدی کے منافی بھی نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی مراد اس قول سے یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

پھر ثلاثون کذابوں کی پیشگوئی پر مشتمل ایک اور حدیث بھی ہے جو نبراس صفحہ ۴۴۵ پر ان الفاظ میں درج ہے۔

"سَیَکُوْنُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یَدَّعِیْ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اِلَّامَاشَاءَ اللّٰہُ۔"

"کہ میرے بعد تیس آدمی ہوں گے ان میں سے ہ ایک نبوت کا دعویٰ

کرے گا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں سوائے اس نبی کے جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔"

اس حدیث کی تشریح میں نبراس کے حاشیہ صفحہ ۴۴۵ پر لکھا ہے۔

"وَالْمَعْنٰی لَانَبِیَّ بِنُبُوَّةِ التَّشْرِیْعِ بَعْدِیْ اِلَّامَاشَاءَ اللّٰہُ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْاَوْلِیَاءِ۔"

"یعنی حدیث کے فقرہ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد نئی شریعت والی نبوت کے ساتھ کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور الاماشاء اللہ (کے استثناء) سے مراد وہ انبیاء ہیں جو انبیاء اولیاء ہیں۔ یعنی وہ انبیاء مراد ہیں جو امت محمدیہ میں پہلے اولیاء کا مقام حاصل کرنے کے بعد مقام نبوت پانے والے ہیں۔"

پس ایک قسم کی نبوت کا امکان علمائے امت نے آنحضرت ﷺ کے بعد امت محمدیہ میں تسلیم فرمایا ہے اور لانبی بعدی کی حدیث کی موجودگی میں ایسے امکان کو تسلیم کیا ہے۔

حدیث پنجم

اَنِّی آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ۔

یہ حدیث بھی ضعیف ہے کیونکہ ابن ماجہ نے جن راویوں سے اسے نقل کیا ہے اس میں عبد الرحمٰن بن محمد المحاربی اور اسماعیل بن رافع (ابو رافع) ضعیف ہیں۔

عبد الرحمٰن بن محمد کے متعلق لکھا ہے۔

"قَالَ اِبْنُ مُعِیْنٍ یَرْوِیْ الْمَنَاکِیْرَ عَنِ الْمَجْھُوْلِیْنَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَحْمَدَ بْنُ حنبل عَنْ اَبِیْهِ اِنَّ الْمُحَارِبِیَّ کَانَ یُدَلِّسُ......قَالَ ابْنُ سَعْدٍ کَانَ کَثِیْرُ الْغَلَطِ۔" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۵ او تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۲۶۱)

"یعنی ابن معین کہتے ہیں کہ یہ راوی مجہول (نامعلوم) راویوں سے ناقابل قبول روایات بیان کرتا تھا۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں محاربی تدلیس کیا کرتا تھا۔ ابن

سعد کہتے ہیں یہ راوی بہت غلط روایات کیا کرتا تھا۔"

اس حدیث کا دوسرا راوی ابو رافع اسماعیل بن رافع بھی ضعیف ہے کیونکہ لکھا ہے۔

"ضَعَّفَهٗ اَحْمَدُ وَیَحْیٰ وَ جَمَاعَةٌ قَالَ الدَّارِ قُطْنِیُّ مَتْرُوْكُ الْحَدِیْثِ قَالَ ابنُ عَدِیّ اَحَادِیْثُهٗ کُلُّهَا فِیْهِ نَظَرٌ۔" (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۱۰۵)

"یعنی امام احمد اور یحییٰ اور ایک جماعت محدثین نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دارقطنی اسے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں اور ابن عدی کے نزدیک اس کی تمام روایات مشکوک ہیں۔"

اسی طرح نسائی نے بھی اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے یہ ابن معین ترمذی اور ابن سعد کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۲۹۴)

پس یہ روایت سنداً بالکل جعلی ہے۔

پھر یہ حدیث ہمارے مدعا کے بھی خلاف نہیں کیونکہ اس میں صرف ان انبیاء میں سے آنحضرت ﷺ کا آخری ہونا بیان ہوا ہے جو آکر نئی امت بناتے ہیں۔

پھر آخری کا لفظ افضل کے معنوں میں بھی زبان عربی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے حدیث کے یہ معنی ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہیں اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔ چنانچہ ایک عربی شاعر آخر کا لفظ افضل کے معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

اور کہتا ہے ؎

شَرٰی وُدِّی وَشُکْرِیْ مِنْ بَعِیْدٍ

لِاٰخِرِ غَالِبٍ اَبَداً رَبِیْعٌ (حماسہ باب الادب)

اس شعر کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی شارح حماسہ یوں کرتے ہیں کہ۔

ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی

غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کے لئے عدیم المثال ہے خرید لیا ہے۔

انہی معنوں میں امام جلال الدین سیوطی نے امام ابن تَیمِیَہؒ کو آخر المجتہدین لکھا ہے۔ (الاشباہ و النظائر جلد ۳ صفحہ ۳۱۰ مطبوعہ حیدر آباد)

حدیث ششم

قَالَ آدَمُ مَنْ مُحَمَّدٌ قَالَ آخِرُ وُلْدِكَ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ۔ (ابن عساکر)

"ابن عساکر کی اس روائت میں الانبیاء کا الف لام عہد کا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مستقل انبیاء میں سے آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں۔"

حدیث ہفتم

برق صاحب نے ان الفاظ میں درج کی ہے۔

"یَا اَبَا ذَرٍّ اَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ آدَمُ وَآخِرُھُمْ مُحَمَّدٌ۔"

یہ دونوں حدیثیں چوتھے طبقہ کی ہیں جنہیں حجت قرار نہیں دیا جاتا۔ تاہم یہ ہمارے مدعا کے خلاف نہیں۔ کیونکہ ان میں آنحضرت ﷺ کو مستقل انبیاء میں سے آخری نبی قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ آدمؑ مستقل نبی تھے جن سے مستقل انبیاء کا سلسلہ شروع ہوا۔ پس اسی سلسلہ کے آنحضرت ﷺ آخری فرد ہیں۔ ورنہ امت محمدیہ کے اندر نبوت کا امکان تو دوسری حدیثوں سے ثابت کیا جا چکا ہے اور ایک حدیث کے الفاظ "نَبِیُّھَا مِنْھَا" کہ اس امت کا نبی اس امت میں سے ہوگا۔ اس بات پر نص صریح ہیں چونکہ امت کے اندر ہونے والے نبی کی نبوت آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ظِلّ ہے اس لئے ظِلّیت کے آئینہ میں وہ اصل سے اتحاد رکھتا ہے۔ لہذا ظلی نبی کے ظہور سے کسی جدید نبوت کا پایا جانا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ نبوت تو نبوت محمدیہ کا عکس ہوتی ہے۔ جس طرح ماتحت عدالتوں کا پایا جانا سپریم کورٹ آخری عدالت ہونے کے خلاف نہیں ہوتا

کیونکہ ماتحت عدالتیں اس کی مؤیّد ہوتی ہیں۔اسی طرح امتی نبی کی آمد آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے کے خلاف نہیں۔کیونکہ یہ نبوت آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تائید کے لئے ہے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک اور حدیث میں جو برق صاحب نے پیش نہیں کی اپنے آپ کو اسی مفہوم میں آخرالانبیاء قرار دیا ہے۔چنانچہ حضورؐ فرماتے ہیں۔

"اِنِّیْ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَ مَسْجِدِی آخِرُ الْمَسَاجِدِ"

(صحیح مسلم باب فضل الصلوۃ فی مسجدی المکہ والمدینہ)

"یعنی بے شک میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد سب مسجدوں میں آخری مسجد ہے۔"

پس جن معنوں میں مدینہ منورہ کی مسجد نبوی آخری مسجد ہے انہی معنوں میں آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں۔اگر مسجد نبوی کے بعد جو اس حدیث میں آخری مسجد قرار دی گئی تابع مسجدوں کا بنانا جائز ہے تو آنحضرت ﷺ کے بعد تابع نبیوں کا آنا بھی جائز ہے۔کیونکہ جس طرح تابع مساجد مسجد نبوی کا ظل ہونگی اسی طرح تابع نبی آنحضرت ﷺ کا ظل ہو گا۔پھر اس حدیث میں آخر بمعنیٰ افضل بھی مراد ہو سکتا ہے۔یعنی میں افضل الانبیاء ہوں اور میری یہ مسجد افضل المساجد ہے۔

حدیث ہشتم

ذَهَبَتِ النُّبُوَّةَ فَلَا نُبُوَّةَ بَعْدِیُ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قِیْلَ مَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ۔

اس حدیث میں ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ کے الفاظ سے مراد نبوت تشریعیہ اور مستقلہ ہے نہ کہ مُطلقہ۔اسی لئے بعد کے فقرہ فَلَا نُبُوَّةَ بَعْدِیُ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ میں مبشرات والی نبوت کا استثناء کر کے اس کا امکان ثابت کر دیا گیا ہے۔صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ

الفاظ وارد ہیں۔

"لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا المُبَشِّرَاتُ۔"

(بخاری باب المبشرات جلد ۴ صفحہ ۱۴۹)

"نبوت میں سے مبشرات کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔"

یہ الفاظ برق صاحب کی پیش کردہ حدیث کی تشریح کر رہے ہیں۔ اس حدیث میں اِلاَّ سے استثناء اس جگہ استثناءِ متصل ہے کیونکہ مبشرات کو نبوت میں سے قرار دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے موعود عیسیٰ کو بھی احادیث نبویہ میں ان "اَلْمُبَشِّرَات" کی وجہ سے ہی نبی قرار دیا گیا ہے۔ نہ شریعت جدیدہ لانے کی وجہ سے کیونکہ شریعت جدیدہ والی نبوت اور مستقلہ نبوت تو "لَمْ یَبْقَ" کے الفاظ سے منقطع قرار دے دی گئی ہے۔ رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ نے رؤیائے صالحہ کو بھی مبشرات قرار دیا ہے سو یہ عام مومنوں کے لحاظ سے ہے ورنہ کشف اور الہام اور وحی کا دروازہ قرآن کریم کھلا قرار دیتا ہے۔

علامہ سندی حاشیہ ابن ماجہ پر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

"یعنی مراد یہ ہے کہ علی العموم نبوت سے صرف اچھی خوابیں باقی رہ گئی ہیں ورنہ اولیاء کے لئے تو الہام اور کشف کا دروازہ بھی کھلا ہے۔"

(حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ مطبوعہ مصر)

حدیث نہم

"یَا عَمُّ اَقِمْ مَکَانَكَ الَّذِیْ اَنْتَ بِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ بِكَ الْهِجْرَۃَ کَمَا خَتَمَ بِیَ النُّبُوَّۃَ۔"

"کہ اے میرے چچا وہیں مکہ میں ہی رہو اللہ نے تم پر ہجرت کو یوں ختم کر دیا

ہے جس طرح مجھ پر نبوت کو۔"

اب جناب برق صاحب ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا ہجرت علی الاطلاق مسلمانوں پر منقطع ہو گئی ہے۔اور ہندوستان اور فلسطین سے مسلمانوں کی ہجرت ہجرت نہیں۔ کیا آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی ہجرت کے بعد برق صاحب کے نزدیک وَمَنْ یُّھَاجِرُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کی آیت منسوخ کر دی گئی ہے ؟ ہر گز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے آیت ہجرت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ حدیث نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے حضرت عباسؓ کو آخری فرد قرار دیا ہے۔اور اس طرح حضرت عباس پر مکہ سے مدینہ کی مخصوص ہجرت کو ختم قرار دیا گیا ہے۔نہ کہ ہجرت مطلقہ منقطع قرار دی گئی ہے۔اسی طرح آنحضرت ﷺ پر مخصوص نبوت یعنی تشریعی یا مستقلہ نبوت جو آدمؑ سے شروع ہوئی تھی ختم قرار دی گئی ہے۔نہ کہ نبوت مطلقہ جس کا امکان از روئے حدیث و قرآن ثابت کیا جا چکا ہے۔اور جس امکان پر حدیث کے الفاظ نبیّھا منھا نص صریح ہیں۔

حدیث دہم

"اَنَا العَاقِبُ وَالعَاقِبُ الَّذِی لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ۔"

"میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔"

یہ روایت حجت نہیں۔اس کا راوی سفیان بن عُیَیْنَہ ہے جس نے یہ روایت زھری سے لی ہے سفیان کے متعلق لکھا ہے۔

"کَانَ یُدَلِّسُ قَالَ اَحْمَدُ یُخْطِیُ فِیْ نَحْوِ مِنْ عِشْرِیْنَ حَدِیْثٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ یَحْیٰ بْنُ سَعِیْدِ القُطَّانِ قَالَ اَشْھَدُ اَنَّ السُّفْیَانَ بْنُ عُیَیْنَۃ اَخْتَلَطَ سَنَۃَ سَبْعٍ وَّ تِسْعِیْنَ مِائَۃَ فَمَنْ سَمِعَ مِنْہُ فِیْھَا فَصَاعِداً لَا شَیْءَ۔"

(میزان لاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۹۷)

”یعنی یہ راوی تدلیس کرتا تھا امام احمد کہتے ہیں کہ زہری سے تقریباً بیس روایتوں میں اس نے غلطی کی ہے یحیٰ بن سعید کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ ۱۹۷ھ میں سفیان بن عُیَیْنَۃ کی عقل ماری گئی تھی۔ پس جس نے اس کے بعد اس سے روایت لی ہے وہ بے حقیقت ہے۔“

اس کے دوسرے راوی زہری کے متعلق بھی لکھا ہے کہ۔

”کَانَ یَدُلِّسُ فِی النَادِرِ۔“ (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۴۶)

”یعنی یہ راوی کبھی تدلیس بھی کر لیا کرتا تھا۔“

پس یہ روایت اول تو سفیان بن عیینہ نے زہری سے لی ہے۔اور زہری نے العاقب کے معنی بیان کرتے ہوئے تدلیس سے کام لیا ہے اس طرح کہ اس نے والعاقب الذی لیس بعدہ نبی کے الفاظ اپنی طرف سے حدیث میں اس طرح ملا دیئے ہیں کہ حدیث کے الفاظ معلوم ہوں۔ مگر محدثین نے اس تدلیس کو بھانپ لیا۔ چنانچہ شمائل ترمذی مجتبائی مطبوعہ ۱۳۴۲ھ صفحہ ۲۶ میں بین السطور لکھا ہے ھٰذَا قَوْلُ الزُّھْرِیؒ کہ یہ قول زہری کا ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کا نہیں۔

حضرت امام ملا علی قاریؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

”الظاھرُاَنَّ ھٰذا التفسِیرُ لِلصِّحَابِی اَوْمَنْ بَعْدَہٗ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالاَبْنُ لاَعْرَابِیؒ العَاقبُ الَّذِی یُخْلِفُ فِیْ الْخَیْرِ مَنْ کَانَ قَبْلَہٗ۔“

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۳۷۶ بر حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی باب اَسمَاءُالنَّبی)

”یعنی اس سے ظاہر ہے العاقب الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ کے الفاظ امام ملا علی قاری کے قول کے مطابق کسی صحابی یا بعد کے شخص کے ہیں نبی کریم ﷺ کے الفاظ نہیں اور ابن الاعرابی نے العاقب کے یہ معنی کئے ہیں کہ عاقب وہ ہوتا ہے جو اچھی بات میں اپنے سے پہلے کا قائمقام ہو۔“

پس العاقب کے معنی اس حدیث میں یہ ہوئے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء کے کمالات میں قائمقام ہیں۔ گویا جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں۔ جامع جمیع کمالات ہونے میں آنحضرت ﷺ بے شک آخری فرد ہیں۔ مگر العاقب کے معنی محض آخری نبی ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ العاقب آنحضرت ﷺ کا صفاتی نام ہے۔ اور صفاتی نام فضیلت پر دال ہوتے ہیں۔ خاتم النبیین کا لقب بھی محل مدح میں استعمال ہوتا ہے۔ پس العاقب اور خاتم النبیین کے معنی محض آخری نبی مراد لینا بالذات آنحضرت ﷺ کی کسی فضیلت کو نہیں چاہتا۔ محض آخری کسی اچھائی پر بالذات دلالت نہیں کرتا پھر خود آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد مسیح موعودؑ کو نبی اللہ قرار دیا ہے۔ پس محض آخری نبی کے معنی اس کے خلاف ہیں۔ ہاں آنحضرت ﷺ آخری شارع اور مستقل نبی ضرور ہیں۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کو حدیثوں میں امتی اور نبی قرار دیا گیا ہے۔ نہ کہ شارع یا مستقل نبی اور جامع جمیع کمالات انبیاء ہونے میں بھی آنحضرت ﷺ آخری ہیں۔ کیونکہ آپ کے بعد ہونے والے مسیح موعودؑ نبی اللہ کے لئے آپ کا امتی ہونا اور آپ کی شریعت کے تابع ہونا ضروری ہے۔

ان دس حدیثوں کے ذکر کے بعد جناب برق صاحب لکھتے ہیں۔

وہ آخری گاڑی کیسی جس کے بعد بھی گاڑیاں آتی رہیں وہ جیب میں آخری پیسہ کیسا جس کے بعد بھی جیب میں دو سو روپیہ باقی رہے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۶)

جناب برق صاحب نے یہ کیسی لغو مثالیں پیش کی ہیں۔ جب کہ ساری امت محمدیہ ایک معنی میں آخری نبی حضرت عیسیٰؑ کو مانتی ہے پس برق صاحب غیر احمدیوں کو کیوں نہیں سمجھاتے کہ میاں حضرت عیسیٰؑ کو آخری گاڑی کے مشابہ مت قرار دو اور نہ انہیں جیب میں آخری پیسہ کے مشابہ قرار دو۔ ہم تو آپ کی یہ مثالیں پڑھ کر حیران ہیں کہ کس طرح علمی ذوق سے محروم ہیں حالانکہ امت محمدیہ میں خاتم الاولیاء، خاتم

الحفاظ، خاتم المفسرین، خاتم المحدثین، خاتم الائمہ، خاتم الشعراء اور خاتم المتکلمین کا محاورہ شائع وذائع ہے۔ لیکن کوئی عقلمند اسے آخری کے معنوں میں نہیں لیتا۔ بلکہ یہ محاورات اکمل فرد کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جو فضیلتِ ذاتیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

فُجِعَ الْقَرِیْضُ بِخَاتَمِ الشُّعَرَاءِ

وَغَدِیْرِ رَوْضَتِهَا حَبِیْبِ الطَّآئِی

کہ حبیب الطائی خاتم الشعراء کی وفات سے جو شعر کے باغ کا تالاب تھا شعر بہت دردمند ہوا ہے۔

اس شعر میں شاعر نے حبیب الطائی کو خاتم الشعراء قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی شاعر ہے۔ اور شعر میں ہی یہ مضمون پیش کر رہا ہے۔ پس حبیب الطائی کو خاتم الشعراء ان معنوں میں قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں شاعروں کا استاد تھا۔ اور شعر میں کامل دسترس رکھتا تھا۔ اور اس کے فیض سے شاعر بنتے تھے۔ پس جس طرح خاتم الشعراء وہ ہے جس کے فیض واثر سے شاعر پیدا ہوں اسی طرح خاتم الاولیاء، خاتم الحفاظ، خاتم المفسرین، خاتم المحدثین وہ ہوتے ہیں جن کے فیض سے ولی، حافظ، مفسر یا محدث پیدا ہوں اسی قسم کا مفہوم خاتم الانبیاء کے مثبت پہلو کا ہے۔ یعنی خاتم النبیین وہ نبی ہے جس کے فیض واثر سے انبیاء وجود میں آسکیں۔

خاتم النبیین کا الف لام

برق صاحب نے خاتم النبیین کا الف لام استغراقی قرار دیا ہے اور ہم بھی اسے استغراقی تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں ان سے صرف خاتم کے معنوں میں اختلاف ہے۔ وہ خاتم کے معنی مطلق آخری یا محض آخری لیتے ہیں جو کسی ذاتی فضیلت پر دال نہیں اور

ہم خاتم کے معنی نبیوں کیلئے مؤثر وجود اور تمام نبیوں کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ یعنی ایسا نبی جس کی مہر نبوت کے فیض سے نبی بن سکتے ہیں اور جو تمام انبیاء کا مصدق ہے اگر وہ خاتم کے معنی آخری لیں تو علمائے امت تو آخری نبی حضرت عیسیٰؑ کو مانتے ہیں۔ چنانچہ امام شعرانی لکھتے ہیں۔

جَمِیعُ الْاَنبِیَاءِ عَلَیہِمُ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلاَمُ نُوَّابٌ لَہٗ ﷺ من لُدنِ آدَمَ اِلیٰ آخِرِ الرُّسُلِ وَھُوَ عِیسٰیؑ۔ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۲)

یعنی تمام انبیاء آدم سے آخری رسول عیسیٰؑ تک آنحضرت ﷺ کے نائب ہیں۔

پس جناب برق صاحب پر لازم تھا وہ ان علمائے کی طرف توجہ فرماتے جو حضرت عیسیٰؑ کے آنحضرت ﷺ کے بعد اصالتاً آنے کے قائل ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کو آخری نبی مانتے ہیں۔ اور انہیں سمجھاتے کہ اس طرح خاتم النبیین میں النبیین کا الف لام استغراقی نہیں رہتا۔ مگر جناب برق صاحب نے ان کی طرف اس لئے توجہ نہیں فرمائی کہ انہیں ڈر تھا کہ یہ علماء ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگادیں گے۔ اس لئے وہ احمدیت کے پردہ میں ان میں ہر دلعزیزی حاصل کر کے ان میں اپنے خیالات پھیلانا چاہتے ہیں۔

اعتدال کی راہ

جناب برق صاحب نے حدیث لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیمُ لَکَانَ صِدِّیقاً نَبِیاًّ کو اس لئے غلط قرار دے دیا تھا کہ یہ امت کے اندر امکان نبوت کی واضح دلیل ہے۔ اور برق صاحب آئندہ کسی نبی کو قبول کرنا اپنی اس آزادی میں مانع سمجھتے ہیں جو قرآن مجید کی من مانی تفسیر کرنے اور احادیثِ نبویہ کا انکار کرنے میں انہوں نے اختیار کر رکھی ہے

اور اس طرح تفریط کی راہ پر گامزن رہنا چاہتے ہیں۔احمدی خدا تعالیٰ کے فضل سے چونکہ خاتم النبیین کی تفسیر میں اعتدال کی راہ پر گامزن ہیں۔اس لئے وہ حدیث (۱) لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقاً نَبِیاً۔(۲) اور حدیث ابُو بَکْرٍ اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ۔(۳) اور حدیث اَبُوْ بَکْرٍ خَیْرُ النَّاسِ بَعْدِیْ اِلَّا یَکُوْنَ نَبِیٌّ۔(۴) اور حدیث نَبِیُّهَا مِنْهَا۔کو بھی درست مانتے ہیں۔اور ان حدیثوں کو خاتم النبیین کے مثبت اور ایجابی پہلو کی تفسیر یقین کرتے ہیں۔جس کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض واثر سے آپ کا ایک امتی مقام نبوت حاصل کر سکتا ہے۔اور پھر احمدی ان احادیث کو بھی مانتے ہیں جنہیں برق صاحب نے انقطاعِ نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔اور ایسی حدیثوں کو آیت خاتم النبیین کے منفی اور سلبی پہلو کی تفسیر یقین کرتے ہیں۔جس کا مفاد علمائے امت کی تشریح کے مطابق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی اور مستقل نبی نہیں آسکتا۔پس یہ اعتدال کی راہ ہی صحیح راہ ہے۔کیونکہ یہ افراط و تفریط سے پاک ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا اور منشاء کے مطابق ہے۔فالحمدلله علیٰ ذالك۔

خاتم کا استعمال حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں

برق صاحب نے بعض حوالہ جات حضرت مسیح موعودؑ کے پیش کئے ہیں۔جن میں حضرت عیسیٰؑ کو موسیٰؑ کی قوم کا خاتم الانبیاء تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۶ طبع اوّل اور اپنے تئیں امت کا خاتم الاولیاء صفحہ ۳۹ اور خاتم خلفاء محمدیہ صفحہ ۹۲ قرار دیا ہے۔اور انجام آتھم میں لکھا ہے۔ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئیگا۔نہ نیا نہ پرانا۔پھر حضرت عیسیٰؑ کو خطبہ الہامیہ میں امت موسویہ کا خاتم الانبیاء قرار دیا ہے (خطبہ الہامیہ صفحہ ۴۰ طبع اوّل) اور اپنے متعلق لکھا ہے۔اَنَا خَاتَمُ الْاَوْلِیَاء لَا وَلِیَّ بَعْدِیْ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵ طبع اوّل) پھر حقیقۃ الوحی میں مسیح موعود

کو آخری خلیفہ اور خاتم الخلفاء کہا ہے۔ اور چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴ میں آنحضرت ﷺ پر تمام نبوتیں ختم قرار دی ہیں۔ (حرفِ محرمانہ صفحہ ۳۹،۴۰،۷)

ان حوالہ جات کو پیش کر کے برق صاحب کہتے ہیں۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جناب مرزا صاحب نے لفظ خاتم کو باقی ہر مقام پر آخری کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لیکن جب خاتم النبیین کی تفسیر کرنے لگے تو فرمایا۔"

"اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔"

(حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۷ طبع اوّل)

"اور اس سے عجیب تر یہ کہ جب اپنے تیئں خاتم الخلفاء و الانبیاء قرار دیتے ہیں۔ (خاتم الانبیاء نہیں بلکہ خاتم الاولیاء ناقل) تو لفظ خاتم کو پھر آخری کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔"

الجواب

ان حوالہ جات کے متعلق عرض ہے کہ خاتم کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہو کر زبانِ عربی میں حقیقی معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور مجازی معنوں میں بھی جیسا کہ ہم مفرداتِ راغب کے حوالہ سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ختم کے مصدری معنی طبع کی طرح تاثیر الشئ ہیں۔ اور بندش اور اثر حاصل اور آخری کے معنے مجازی ہیں۔ چونکہ عربی زبان میں خاتم کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہو کر حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے لہذا اس امر کو نہ جاننے کی وجہ سے جناب برق صاحب پر دونوں قسم کی عبارتیں ملتبس ہو گئی ہیں۔ ان عبارتوں میں جہاں عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل یا

امت موسویہ کا خاتم الانبیاء قرار دیا گیا ہے۔ وہاں اسکے مجازی معنی بنی اسرائیل کے نبیوں کا آخری فرد مراد ہیں کیونکہ حقیقی معنے جو تاثیر اشیئ ہیں یہاں محال ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے اثر و فیض سے ان کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔

پھر ان عبارتوں میں جہاں حضرت اقدس نے اپنے تئیں خاتم الاولیاء قرار دیا ہے اور خطبہ الہامیہ میں ساتھ یہ بھی فرمایا ہے لا ولی بعدی۔ وہاں خاتم الاولیاء کے حقیقی معنے مراد ہیں نہ کہ مجازی معنے۔ برق صاحب نے دانستہ خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵ کا ادھورا حوالہ پیش کیا ہے۔ پوری عبارت یوں ہے۔ اَنَا خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ لَا وَلِیَّ بَعْدِیْ اِلَّا الَّذِیْ ھُوَ مِنِّیْ وَ عَلٰی عَھْدِیْ یعنی میں خاتم الاولیاء ہوں میرے بعد کوئی ولی نہیں سوائے اس کے جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر ہو۔ پس آپ کے خاتم الاولیاء ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ آپ کے بعد ایسا شخص ولی نہیں ہو سکتا جو آپ سے فیض یافتہ نہ ہو اور آپ کا منکر ہو۔ پس اس جگہ خاتم الاولیاء کے حقیقی معنی مراد ہیں یعنی ایسے مرتبہ کا ولی جس کے فیض واثر سے ولی پیدا ہوں۔ اور اس کے منکر ولائت کا مقام پانے سے اس کا فیض نہ لینے کی وجہ سے محروم رہیں۔ گویا خاتم الاولیاء کے معنی ولی تراش ہوئے جو خاتم النبیین کے معنی نبی تراش کے مطابق ہیں۔ برق صاحب نے خاتم الاولیاء کے معنی خاتم الانبیاء سے مختلف دکھانے کے لئے دانستہ اِلَّا الَّذِیْ ھُوَ مِنِّیْ وَ عَلٰی عَھْدِیْ کے الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔ کیونکہ اگر ان الفاظ کا وہ ذکر کر دیتے تو پھر اس حوالہ کو وہ بنائے اعتراض کے طور پیش نہیں کر سکتے تھے۔ پس ان کا یہ طریق محققانہ نہیں بلکہ معاندانہ ہے اور اس وجہ سے ان کی کتاب حرفِ محرمانہ کی بجائے حرفِ مجرمانہ کہلانے کی مستحق ہے۔

مسیح موعود کو خَاتَمُ الْخُلَفَاء بھی حقیقی معنوں میں قرار دیا گیا ہے۔ نہ کہ مجازی معنوں میں۔ اگر آپ مجازی معنوں میں خاتم الخلفاء ہوتے تو پھر آپ کے ماننے

والوں میں سلسلہ خلافت جاری نہ ہو سکتا۔ حضرت اقدس تو خود ایک حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ یُسَافِرِ الْمَسِیحُ الْمَوْعُوْدُ اَوْخَلِیْفَةٌ مِنْ خُلَفَائِهٖ اِلٰی اَرْضِ دِمَشْقَ۔

(حمامۃ البشریٰ صفحہ ۳۷ طبع اوّل)

یعنی پھر مسیح موعود خود یا اس کے خلیفوں میں سے کوئی خلیفہ دمشق کی طرف سفر کرے گا۔

دیکھئے آپ نے اپنے آپ کو خاتم الخلفاء قرار دینے کے باوجود اپنے بعد خلافت کو منقطع قرار نہیں دیا۔ پس خاتم الخلفاء سے بھی یہ مراد ہوئی کہ آئندہ خلفائے اسلام آپ کے فیض اور اثر سے ہوں گے اور وہ آپ پر ایمان رکھنے والے ہونگے۔

پھر جس طرح خاتم النبیین بامعنی نبی تراش کے لئے لازم ہے کہ وہ شریعت لانے والے انبیاء اور مستقل انبیاء کا آخری فرد ہو اسی طرح مسیح موعود خاتم الخلفاء کو آخری خلیفہ ہونا ان معنوں میں لازم ہے کہ مسیح موعود ان خلفاء میں سے آخری خلیفہ ہونے والا تھا جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے واسطہ سے مقامِ خلافت پایا ہے۔ چونکہ مسیح موعود کا واسطہ شرط ہو گا۔ پس ان حقیقی معنوں میں خاتم الخلفاء کے معنی بھی خاتم النبیین کے معنی نبی تراش کے مطابق ہیں۔

خاتم النبیین کے معنی محض آخری نبی یا مطلق آخری نبی محض مجازی معنی ہیں۔ مطلق آخری ہونا کسی فضیلتِ ذاتیہ پر دال نہیں ہوتا چونکہ خاتم النبیین کا وصف آنحضرت ﷺ کی مدح میں ہے اس لئے اس کے حقیقی معنی نبی تراش ہی درست معنی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جن عبارتوں میں خاتم النبیین کے بعد کسی نئے یا پرانے نبی آنے کی نفی کی ہے۔ وہ نفی مستقل اور تشریعی نبی کے دعویٰ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور خاتم النبیین کے معنوں کا یہ منفی پہلو اس کے حقیقی معنی نبی تراش سے تضاد نہیں

رکھتا۔ کیونکہ نبی تراش کا مثبت پہلو جو خاتم النبیین کے حقیقی لغوی معنی ہیں یہ مفہوم رکھتا ہے کہ آئندہ جو نبی ہوگا وہ مستقل اور تشریعی نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ امتی نبی ہوگا۔

چشمہ معرفت کی جس عبارت میں آنحضرت ﷺ پر تمام نبوتیں ختم ہونے اور آپ کی شریعت کے خاتم الشرائع ہونے کا ذکر ہے۔ افسوس کہ اس عبارت کو بھی جناب برق صاحب نے ادھورا پیش کیا ہے تا منشاء متکلم مخفی رہے اور وہ اسے اعتراض کی بنیاد بنا سکیں۔ حالانکہ پوری عبارت یوں ہے۔

"میں اس کے رسول پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں اور جانتا ہوں کہ تمام نبوتیں اس پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے۔ یعنی اس کا ظل ہے اور اس کے ذریعہ سے ہے اور اسی کا مظہر ہے۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴)

اسی عبارت پر حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

"ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آنجنابؐ کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردُود ہے لیکن خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے کمالاتِ متعدّیہ کے اظہار و اثبات کے لئے کسی شخص کو آنجنابؐ کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرتِ مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ بخشے جو کہ اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے سو اس طور سے خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یعنی نبوتِ محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہو گئی۔ اور ظلّی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا تا میں آنحضرت ﷺ کے فیوض کا کامل نمونہ ٹھہروں۔"

زیرِ بحث عبارت میں آنحضرت ﷺ پر تمام نبوتیں ختم ہونے سے مراد یہ

ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں اور کوئی کمال نبوت ایسا باقی نہیں جو آنحضرت ﷺ کو نہ ملا ہو۔ پھر اس جگہ قرآن مجید کو خاتم الشرائع بھی خاتم کے حقیقی معنوں شریعتِ محمدیہ کے جامع کمالات ہونے کی وجہ سے ہی قرار دیا گیا ہے۔ پس جس طرح خاتم النبیین کے اثر و فیض سے امت محمدیہ میں ظلّی نبی آسکتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے خاتم الشرائع ہونے کی وجہ سے اس ظلّی نبی پر قرآن مجید کے کچھ اَوَامِر و نواہی الہاماً بطور تجدیدِ دین وبیان شریعتِ قرآنِ مجید کی ظلیت میں نازل ہو سکتے ہیں۔ اور امورِ غیبیہ پر مشتمل وحی بھی قرآن مجید کی پیروی کی برکت سے نازل ہو سکتی ہے۔ ہاں جس طرح خاتم النبیین کے بعد کوئی مستقل اور شریعت جدیدہ لانے والا نبی نہیں آسکتا اسی طرح خاتم الشرائع کے بعد کوئی جدید شریعت بھی نازل نہیں ہو سکتی جو قرآن مجید کے اوامر و نواہی میں ترمیم و تنسیخ کرنے والی ہو۔ پس جس طرح خاتم النبیین کے حقیقی معنوں کو جو اپنے اندر ایجاد کا مفہوم رکھتے ہیں آخری تشریعی نبی ہونا لازم ہے اسی طرح خاتم الشرائع کے لئے آخری شریعت جدید ہونا لازم ہے۔ فتدبر۔

ایک بروزِ محمدی کی تشریح

جناب برق صاحب نے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" سے ایک اقتباس پیش کیا ہے جس میں ایک فقرہ یہ آیا ہے۔

"ایک بروزِ محمدی جمیع کمالات محمدیہ کے ساتھ آخری زمانہ کے لئے مقدر تھا۔ سو وہ ظاہر ہو گیا۔"

اس پر برق صاحب لکھتے ہیں۔

"اس اقتباس میں ایک بروزِ محمدی کا جملہ زیرِ نظر رکھیئے اور ان تمام اقتباسات کا مُلَخَّص عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۰)

اس کے بعد آپ نے رسالہ تشحیذ الاذہان کی ایک عبارت پیش کی ہے جو نہ تو حضرت مسیح موعودؑ کی کوئی عبارت ہے اور نہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی۔ بلکہ یہ جماعت احمدیہ کے ایک عالم کی تحریر ہے۔ اس عبارت کا یہ فقرہ کہ ”امت محمدیہ میں سے ایک سے زیادہ نبی کسی صورت میں نہیں آسکتے۔“ جماعت احمدیہ کے لئے حجت نہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک کسی شخص کی کوئی تحریر جو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی تحریر کے خلاف ہو حجت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حکم و عدل مسیح موعودؑ ہیں نہ کوئی اور عالم۔ حضرت مسیح موعودؑ تو برق صاحب کی پیش کردہ عبارت سے پہلے خود فرماتے ہیں۔

”ہاں یہ ممکن کہ آنحضرت ﷺ نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں۔ اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں۔ اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔“ (الجمعة : ۴)

(اشتہار۔ ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۱۱ طبع اوّل)

ایک غلطی کا ازالہ کی تحریر سے پہلے حضور اپنی کتاب ”ازالہ اوہام“ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ صرف مثیل مسیح ہونا میرے پر ہی ختم ہو گیا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں۔ ہاں اس زمانہ کے لیے میں مثیل مسیح ہوں۔ اور دوسرے کی انتظار بے سود ہے۔“ (ازالہ اوہام صفحہ ۸۳ طبع اوّل)

پس رسالہ تشحیذ الاذہان کا یہ قول کہ۔

”امت محمدیہ میں ایک سے زیادہ نبی کسی صورت میں بھی نہیں آسکتے۔“

مسیح موعودؑ کی تحریر کے صریح خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ حجت نہیں اسی طرح لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کی یہ تشریح بھی مُسلّم نہیں۔ جو اس کے بعد بیان کی گئی ہے کہ۔

"لانبی بعدی فرما کر اوروں کی نفی کر دی۔ اور کھول کر بیان فرمایا کہ مسیح موعودؑ کے سوا میرے بعد قطعاً کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔"

(رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان مارچ ۱۹۱۴ء)

کیونکہ رسول کریم ﷺ نے اگر ایک طرف یہ فرمایا ہے کہ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ تو دوسری حدیث میں مسیح موعود کے متعلق فرمایا ہے یَھبِطُ نَبِیُّ اللّٰہِ پس لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے یہ معنے درست ہو سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی شریعت جدیدہ لانے والا نبی نہیں آسکتا۔ جس طرح حدیث لَاھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ (فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں) فتح مکہ کے بعد مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف کی جانے والی ہجرت مخصوصہ کی نفی کی گئی ہے۔ نہ کہ مطلق ہجرت کی نفی۔ ورنہ آیت وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کو علی الاطلاق منسوخ ماننا پڑے گا۔ اور ہندوستان سے مسلمانوں کی ہجرت اور اسی طرح فلسطین سے مسلمانوں کی ہجرت بھی شرعی ہجرت نہ رہے گی۔

پس جناب برق صاحب نے حضرت اقدس کے مندرجہ بالا اقتباسات ملحوظ نہ رکھتے ہوئے محض مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب اپنے بعد کسی بروزی نبی کے آنے کے امکان کے قائل نہیں۔ برق صاحب نے اس سلسلہ میں محض مغالطہ دینے کے لئے خطبہ الہامیہ سے حضرت مسیح موعودؑ کی ذیل کی ادھوری عبارت پیش کی ہے۔

فَارَادَ اللّٰہُ اَنْ یُتِمَّ النّبَاءَ وَیُکْمِلَ البِنَاءَ بِاللَّبِنَۃَ الَاخِیْرَۃ فَاَنَا تِلْکَ اللَّبِنَۃُ۔

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۲ طبع اوّل)

اس کا ترجمہ برق صاحب نے یہ لکھا ہے۔

(پھر اللہ نے چاہا کہ نبوت کی عمارت کو آخری اینٹ سے مکمل کرے اور وہ آخری اینٹ میں ہوں۔)

پھر اس پر یہ نوٹ دیا ہے۔

"اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب آخری نبی ہیں اور آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

الجواب

واضح ہو کہ اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنے میں "کہ حضرت مرزا صاحب آخری نبی ہیں اور آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا۔" برق صاحب حق بجانب نہیں۔ انہوں نے ایک ادھوری عبارت پیش کر کے اور پھر از خود اس کا غلط ترجمہ درج کر کے اور ادھر ترجمہ کو جو عربی عبارت کے نیچے خطبہ الہامیہ میں درج تھا۔ نقل نہ کر کے انصاف کا خون کیا ہے۔ اس جگہ پوری عبارت یوں ہے۔

رَأَیْتُمُ الْمُتَنَصِّرِیْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ کَثْرَتَہُمْ ط وَرَأَیْتُمْ یَہُوْدَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَ سِیَرَتَہُمْ فَکَانَ خَالِیاً مَوْضِعُ لَبِنَۃٍ اَعْنِی الْمُنْعَمَ علیہِ مِنْ ھٰذِہِ العِمَارَۃِ فَاَرَادَاللّٰہُ اَنْ یُتِمَّ النَبَاءَ وَیُکْمِلُ الْبِنَاءَ بِاللَّبِنَۃِ الْاٰخِیْرَۃ فَاَنَا تِلْکَ اللَّبِنَۃُ اَیُّھَا النَاظِرُوْنَ۔ وَکَانَ عِیْسٰی عِلْمًالِبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَاَنَا عِلْمٌ لَکُمْ اَیُّھَا الْمُفْرِطُوْنَ۔ فَسَارِعُوْا اِلَی التَّوْبَۃِ اَیُّھَا الْغَافِلُوْنَ۔ وَاِنِّیْ جُعِلْتُ فَرْدًا اَ کْمَلَ مِنَ الَّذِیْنَ اُنْعِمَ عَلَیْھِمْ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ وَلَا فَخْرَ وَلَارِیَاءَ۔ وَاللّٰہُ فَعَلَ کَیْفَ اَرَادَوَ شَاءَ فَھَلْ اَنْتُمْ تُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَتُزَاحِمُوْنَ۔

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲ طبع اوّل)

خطبہ الہامیہ میں ہی نیچے اس عربی عبارت کا ترجمہ یوں درج ہے۔

"تم نے مسلمانوں میں سے عیسائی ہونے والوں کی کثرت کو دیکھا اور اس

امت کے یہود اور ان کی سیرت کو بھی دیکھا۔ اور اس عمارت میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ یعنی مُنْعَمُ عَلَیْھِمْ۔ پس خدا نے ارادہ فرمایا کہ اس پیشگوئی کو پورا کرے۔ اور آخری اینٹ کے ساتھ اس بناء کو کمال تک پہنچادے۔ پس میں وہی اینٹ ہوں۔ اور جیسا کہ عیسیٰؑ بنی اسرائیل کیلئے نشان تھا۔ ایسا ہی میں تمہارے لئے اے تبہ کارو ایک نشان ہوں۔ پس اے غافلو! توبہ کی طرف جلدی کرو۔ اور میں مُنْعَمُ عَلَیْھِمْ گروہ میں سے فردِ اکمل کیا گیا ہوں۔ اور یہ فخر اور ریا نہیں۔ خدا نے جیسا چاہا کیا پس کیا تم خدا کے ساتھ لڑتے ہو۔" (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۲ طبع اوّل)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس جگہ نبوت کی عمارت کا ذکر نہیں۔ مگر جناب برق صاحب نے اپنے ترجمہ میں اسے از خود نبوتِ کی عمارت قرار دے کر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو آخری اینٹ بامعنی آخری نبی قرار دیا ہے۔ سراسر مغالطہ ہے کیونکہ اس عمارت سے سورہ فاتحہ میں بیان کردہ پیشگوئی کی عمارت مراد ہے۔ چنانچہ اوپر کی عبارت میں فَاَرَادَاللّٰہُ اَنْ یُّتِمَّ النَّبَاءَ (کہ خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اس پیشگوئی کو پوری کرے) کے الفاظ میں وہ پیشگوئی مراد ہے۔ جو اس عبارت سے پہلے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں بیان کی گئی ہے۔ جسے آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"یہ دو گروہ مغضوب علیھم اور اہلِ صلیب میں سے ہیں کہ خدا نے فاتحہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ آخر زمانہ میں بکثرت ہو جائیں گے اور فساد میں کمال کو پہنچ جائیں گے اس وقت آسمان کا پروردگار تیسرے گروہ کو قائم کرے گا۔ اس لئے کہ مشابہت پہلی امت سے پوری ہو جائے۔ اور اس لئے بھی کہ دونوں سلسلے ایک دوسرے سے مشابہ ہو جائیں (یعنی پہلا سلسلہ اور دوسرا سلسلہ) پس وہ وقت یہی وقت ہے اور جو کچھ رحمان نے وعدہ کیا تھا وہی ظاہر ہوا۔"

اس کے بعد وہ عربی عبارت ہے جس کا ذکر معہ ترجمہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔

اب اوپر کے اقتباس کے ساتھ اس عبارت کو ملا کر پڑھیں تو صاف ظاہر ہے کہ اس عبارت میں عمارت سے مراد سورۃ فاتحہ میں بیان کردہ پیشگوئی کی عمارت ہے اور اس پیشگوئی میں ایسے تین گروہوں کا ذکر ہے جن کا ظہور آخری زمانہ میں امت محمدیہ میں ہونا ضروری تھا۔ یہ تین گروہ مغضوب علیھم کا گروہ والضالین کا گروہ اور منعم علیھم کا گروہ ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ بتاتے ہیں کہ امت محمدیہ کے آخری دور میں بھی ان تینوں گروہوں کا امت میں سے ظہور ضروری تھا۔ جن میں سے آخری گروہ منعم علیھم کا تھا۔ جس کی تکمیل امت کے ایک کامل فرد امتی نبی کے ذریعہ ہونے والی تھی۔

جب قوم میں کثرت کے ساتھ نصاریٰ اور یہود بلحاظ اخلاق و سیرت پیدا ہو چکے تو اب سورہ فاتحہ کی اس عمارت میں سے صرف منعم علیھم گروہ کا وجود مع فرد اکمل جو اس گروہ کے لئے بمنزلہ آخری اینٹ کے تھا باقی تھا۔ لہذا مسیح موعود کے ظہور سے جو اس گروہ کا فرد اکمل ہے منعم علیھم کا تیسرا گروہ وجود میں آ گیا اور سورہ فاتحہ کی اس پیشگوئی کی عمارت تینوں گروہوں مغضوب علیھم[۱]، ضالین[۲] اور منعم علیھم[۳] سے تکمیل پا گئی۔ خطبہ الہامیہ کا فقرہ اِنِّیْ جُعِلْتُ فَرْداً اَکْمَلَ مِنَ الَّذِیْنَ اُنْعِمَ عَلَیْھِمْ آخری اینٹ کی تفسیر و تشریح ہے پس مسیح موعودؑ اپنے زمانہ کے منعم علیھم گروہ کی آخری اینٹ بامعنی فردِ اکمل ہیں۔ کیونکہ انہیں کے ذریعہ سے تیسرا گروہ وجود میں آ کر عمارت کی تکمیل ہوئی ہے۔ جو سورۃ فاتحہ کی پیشگوئی میں مذکور تھی۔ پس اس عبارت سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ مسیح موعودؑ امت محمدیہ کے آخری نبی ہیں۔ لہذا آپ کے بعد بھی نبی کا امکان ہے۔

برق صاحب نے ازراہِ تکلف یا غلط فہمی سے عمارت کے لفظ سے عمارتِ

نبوت اور آخری اینٹ سے حضرت مرزا صاحب کا آخری نبی ہونا مراد لے لیا ہے۔ حالانکہ برق صاحب کے پیش کردہ مفہوم اور حضرت مسیح موعودؑ کے مفہوم میں بُعدَ المشرقین ہے۔

علاوہ ازیں یہ کیسے ممکن تھا کہ اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں تو حضرت اقدس یہ لکھیں۔

"ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں۔ اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں۔"

اور پھر "خطبہ الہامیہ" میں یہ لکھ دیں کہ خود آپ آخری نبی ہیں۔ پس جناب برق صاحب اس عبارت کا غلط مطلب نکالنے میں حق بجانب نہیں۔

اس خود ساختہ عمارت پر آگے برق صاحب نے یہ غلط امر بھی تفریع کر لیا ہے کہ۔

"اگر خاتم سے مراد نبی تراش مُہر لی جائے تو خاتم النبیین کی تفسیر ہوگی کم از کم تین نبی بنانے والی مہر۔ لیکن مرزا صاحب اپنی آخری کتابوں میں اعلان کر چکے ہیں کہ اس امت کا پہلا اور آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی ولی یا خلیفہ نہیں آئے گا۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۳)

یہ بیان جناب برق صاحب کا صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت اقدس نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ آپ کے بعد کسی نبی یا ولی یا خلیفہ کا امکان نہیں بلکہ "لیکچر سیالکوٹ" میں جو "خطبہ الہامیہ" کے بعد کا تحریری لیکچر ہے خود حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں۔

"لہٰذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبہ پر پہنچانے کے لئے خدا

کے انبیاء وقتاً بعد وقتٍ آتے رہیں جن سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔"

(لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۲ طبع اوّل)

یہ استدلال ہے سورہ فاتحہ کی دعا اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ اور بتا رہے ہیں کہ اس آیت کی رو سے خدا تعالیٰ کے انبیاء وقتاً بعد وقتٍ آتے رہیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے تئیں آخری نبی قرار نہیں دیا۔ اور پھر آپ اسی لیکچر کے صفحہ ۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لئے ضرور تھا کہ امام آخرالزمان اس کے سر پر پیدا ہو۔ اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح مگر وہ جو اس کے لئے بطور ظل کے ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی ظِلّیت میں آئندہ بھی کوئی امام اور مسیح آسکتا ہے اور یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ آپ کے بعد ولایت کا دروازہ بھی آپ کی اسی تحریر کی رو سے کھلا ہے جسے بند دکھانے کے لئے برق صاحب نے ادھوری عبارت پیش کی ہے پس جب آئندہ نبوت کا امکان ہے تو خاتم النبیین کی مہر کے فیض سے حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں کے مطابق امت محمدیہ میں ایک سے زیادہ انبیاء کا امکان ثابت ہو گیا۔

ماسوا اس کے جناب برق صاحب پر واضح ہو کہ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعودؑ کے کلام کی روشنی میں تمام انبیائے کرامؑ کو جو آدمؑ سے لے کر اس وقت تک ہوئے آنحضرت ﷺ کے مقامِ خاتمیّت کے عِلّتِ غائیہ ہونے کی حیثیت میں اس مقام کا فیض ہی تسلیم کرتی ہے۔ چونکہ اصل غرض نبیوں کے بھیجنے سے یہ تھی کہ خاتم النبیین کے ظہور سے پہلے یہ انبیاء قوموں کو اپنی شرائع کے ذریعہ اس بات کے لئے تیار کر دیں کہ وہ خاتم النبیین ﷺ کے ظہور پر ان پر ایمان لانے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اسلئے خاتم النبیین ﷺ قبل از ظہور بطور عِلّتِ غائیہ ان تمام انبیاء کے نبوت پانے میں

مؤثر تھے کیونکہ عِلّتِ غائیہ بھی بمنزلہ آباء کے ہے۔ یہ عِلّتِ خالق کے علم میں موجود بوجود علمی تھی۔ اور ساری الٰہی سکیم میں جو انبیاء کے بھیجنے سے متعلق تھی مؤثر رہی ہے۔ پس تمام انبیاءؑ خاتم النبیین ﷺ کی نبی تراش مہر سے ہی بموجب حدیث نبوی ☆ کُنْتُ مَکْتُوْباً عِنْدَ اللّٰہِ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ (میں خدا کے حضور اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب کہ آدم ابھی پانی اور کیچڑ میں تھا) متاثر ہیں اور آپ کا وجود اس سب کے لئے قبل از ظہور بطور علت غائیہ مؤثر رہا ہے۔ پس جب تمام انبیاء ایک طرح سے خاتم النبیین کا ہی فیض ہیں تو اگر بالفرض حضرت مرزا صاحب امت محمدیہ میں آخری امتی نبی ہوں تو پھر بھی النبیین (بصیغہ جمع) کے افراد تین سے زیادہ ہزارہا انبیاء کی صورت میں نبی تراش مہر کے فیض سے وجود میں آچکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ظہور پر صرف اتنا فرق پڑا ہے کہ اب آپؐ کے بعد نبی کے ظہور کے لئے شریعت کاملہ محمدیہ آجانے کی وجہ سے اس کی پیروی شرط ہے۔ والاّ خاتَم کے نبی تراش فیض پر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مرسلین شاہد ہیں۔

فصل کا آخری اعتراض

اب جناب برق صاحب کی اس فصل کے صرف ایک اعتراض کا جواب باقی رہ گیا ہے۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ۔

"جب حضورؐ کی توجہ سے نبی پیدا ہو سکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپؐ کے صحابہ کرام میں سے کوئی شخص مثلاً ابوبکر، عمر، علی، ابنِ عوف، ابنِ عباس، ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم منصبِ نبوت پر فائز نہ ہو سکا۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۱)

الجواب

اس کا جواب یہ ہے کہ نبوت جزئیہ سے حصہ تو ان صحابہ کرام کو ضرور ملا

☆ مسند احمد حنبل بروایت امامہ و کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۲ و مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین۔

ہے۔ مگر منصبِ نبوت پر فائز ہونا ضرورتِ زمانہ کے تقاضا پر موقوف تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ کے اور نازل ہونے والے مسیح کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ نبی کے منصب پر کسی کو خدا تعالیٰ تبھی کھڑا کرتا ہے جب زمانہ کو ایک نبی کی ضرورت ہو۔ بلا ضرورت کسی کو نبی بنا کر بھیجنا ایک عبث کام ہے۔ جس کا خدا تعالیٰ مرتکب نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت ﷺ کی نبی تراش خاتم تبھی صاحبِ منصب نبی کے ظہور کیلئے مؤثر ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ دنیا میں ایک نبی کے مبعوث کیا جانے کی ضرورت پاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ خاتم النبیین کے معنی نبی تراش بیان کرنے کے ساتھ ہی تحریر فرماتے ہیں۔

"خدا ہر ایک بات پر قادر ہے جس پر اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے اپنی روح ڈالتا ہے یعنی منصبِ نبوت بخشتا ہے پس بہت برکتوں والا ہے جس نے اس بندہ کو تعلیم دی اور بہت برکتوں والا ہے جس نے تعلیم پائی۔ خدا نے وقت کی ضرورت محسوس کی اور اس کے محسوس کرنے اور نبوت کی مہر نے جس میں بشدّت قوتِ فیضان ہے بڑا کام کیا۔ یعنی تیرے مبعوث ہونے کے دو باعث ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵، ۹۶ طبع اوّل)

پس جب تک خدا تعالیٰ کو یہ احساس نہ ہو کہ اس زمانہ میں ایک نبی کی ضرورت ہے اس وقت تک خاتم النبیین کی نبی تراش مُہر اپنا کام نہیں کرتی۔ اسی احساس الٰہی کے نتیجے میں حضرت مسیح موعودؑ پر خاتم النبیین کی نبی تراش مہر کا فیضان ہوا ہے پھر فرماتے ہیں۔

"یہ وحی الٰہی کہ خدا کی فیلنگ اور خدا کی مُہر نے کتنا بڑا کام کیا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اس زمانہ میں محسوس کیا کہ یہ ایسا فاسد زمانہ آ گیا ہے جس میں ایک عظیم الشان مصلح کی ضرورت ہے اور خدا کی مُہر نے یہ کیا کام کیا کہ آنحضرت ﷺ کی

پیروی کرنے والا اس درجہ کو پہنچا کہ ایک پہلو سے وہ امتی ہے اور ایک پہلو سے نبی۔"
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶ طبع اوّل)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبی تراش مُہر اس وقت اپنی پوری تاثیر ظاہر کرتی ہے جب ساتھ ہی خدا تعالیٰ کا یہ احساس بھی پایا جاتا ہے کہ اس زمانہ کو ایک نبی کی ضرورت ہے۔ پس علتِ موجبہ تو نبی مبعوث کرنے کیلئے خدا تعالیٰ کا یہ احساس ہوتا ہے۔ پھر اس احساس پر جب خدا تعالیٰ نبی بھیجنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر نبی تراش مُہر اس وقت ایک صاحبِ منصب نبی کے ظہور کے لئے اپنی تاثیر ظاہر کرتی ہے۔ نبوت کا ملنا خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے صرف مشروط قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ نبوت موہبتِ الٰہی ہے۔ اطاعت کا لازمی نتیجہ نہیں کہ ہر اطاعت کنندہ کو مل جائے۔

خاتم النبیین کی تفسیر حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں

جناب برق صاحب نے حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۴ سے صفحہ ۵۳ تک "خاتم النبیین کی تفسیر جنابِ مرزا صاحب کی تحریرات میں" کے عنوان کے تحت خاتم النبیین کی تفسیر میں حضرت اقدسؑ کے بعض اقوال پیش کئے ہیں اور پھر صفحہ ۵۳ سے لے کر صفحہ ۶۹ تک "ختم نبوت کی نئی تشریح" کے عنوان کے تحت حضرت اقدسؑ کی بعض عبارتیں پیش کر کے پہلی فصل اور دوسری فصل کی عبارتوں میں تناقض اور تضاد دکھانے کی کوشش کی ہے۔

برق صاحب کی تحریروں میں تناقض

جناب برق صاحب حرفِ محرمانہ کے صفحہ ۴۴ پر تو لکھتے ہیں۔

"ازالہ اوہام ستمبر ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے اور مرزا صاحب کا دعویٰ رسالت کم

از کم بیس برس پہلے تھا۔(تفصیل آگے آئے گی)"

مگر حرفِ محرمانہ کے صفحہ ۴۵ پر لکھتے ہیں۔

"عجیب بات ہے کہ جناب مرزا صاحب بیس نہیں بلکہ تیس سال تک مسلسل لکھتے رہے کہ میں نبی نہیں۔ حضورؐ پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی نیا یا پرانا رسول نہیں آئے گا۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۵)

برق صاحب کی ان دونوں عبارتوں کا تضاد ظاہر ہے۔ اپنی پہلی عبارت میں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کا دعویٰ رسالت ۱۸۹۱ء سے کم از کم بیس برس پہلے کا تھا لیکن اگلے ہی صفحہ پر وہ اس کے خلاف یہ لکھتے ہیں کہ جناب مرزا صاحب بیس بلکہ تیس سال تک مسلسل لکھتے رہے کہ میں نبی نہیں۔ اب قارئین کرام غور فرمائیں کہ اگر جناب برق صاحب کی پہلی بات درست ہے تو دوسری بات غلط ہے۔ اور اگر دوسری بات درست سمجھی جائے تو ان کی پہلی بات غلط قرار پاتی ہے۔

مگر اصل حقیقت جسے برق صاحب نے چھپایا ہے اور اس کے متعلق ضروری حوالہ جات پیش نہیں کئے یہ ہے کہ اپنی نبوت سے انکار اور اپنی نبوت کے اقرار کے متعلق حضرت اقدسؑ کے دونوں قسم کے حوالے جو برق صاحب نے دونوں فصلوں میں بیان کئے ہیں۔ وہ نبوت کی دو تعریفیں ملحوظ رکھ کر ہیں۔ اور دونوں قسم کے حوالوں کا حل خود حضرت اقدسؑ نے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں یوں پیش کیا ہے کہ۔

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ ہی مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علمِ غیب پایا ہے نبی اور رسول ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی

انکار نہیں کیا بلکہ ان معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ نبوت کے اس دعویٰ سے انکار آپ کو ان معنوں میں ہے کہ آپ کوئی نئی شریعت لانے والے یا مستقل نبی نہیں۔ لیکن ان معنوں میں کہ آپ آنحضرت ﷺ کے روحانی افاضہ کے واسطہ سے علم غیب سے حصہ پایا ہے۔ آپ نے کبھی نبوت سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں میں آپ نبی ہیں۔

آپ کا انکار از دعویٰ نبوت صرف اس معروف اصطلاحی تعریف نبوت کے لحاظ سے تھا جو آپ نے مکتوب ۱۸۹۹ء میں درج فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ اس مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں۔ یا بعض احکام شریعتِ سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں۔ یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہوشیار رہنا چاہئے کہ اس جگہ یہ معنی نہ سمجھ لیں۔"

(مکتوب مندرجہ الحکم ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء)

اس تعریف نبوت سے ظاہر ہے کہ نبی کے لئے یا کامل شریعت لانا ضروری ہے۔ یا احکامِ جدیدہ لانا۔ ایسے نبی تو تشریعی نبی ہوں گے اور یا پھر یہ ضروری ہے کہ وہ بلا استفادہ کسی سابق نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہوں اور کسی دوسرے نبی کے امتی نہ کہلاتے ہوں۔ گویا مستقل نبی ہوں۔ یہ تعریف نبوت آپ پر صادق نہیں آتی تھی اس لئے علماء کی اس اصطلاحی تعریف نبوت کے ماتحت چونکہ آپ کو نبوت کا دعویٰ نہیں تھا اس لئے آپ ایسے دعویٰ نبوت سے انکار کرتے رہے اور اپنے متعلق خدا کے الہام میں "نبی" اور "رسول" کے الفاظ کو اس تعریف کے بالمقابل بطور استعارہ اور مجاز

قرار دیتے رہے اور اسے نبوت جزئیہ سے تعبیر کر کے ماموروِ محدث کے معنوں میں خود کو نبی قرار دیتے رہے اور وہ فرماتے رہے کہ آپ من وجہٍ نبی ہیں اور من وجہٍ امتی۔ یعنی مستقل نبی نہیں اور اپنی نبوت کی کیفیت یہ بیان فرماتے رہے کہ آپ خدا کی ہمکلامی سے مشرف ہیں اور وہ آپ پر بکثرت امورِ غیبیہ ظاہر فرماتا ہے۔ اور یہ بھی فرماتے رہے کہ لغتِ عربی کے لحاظ سے یہ امر نبوت ہے۔

چونکہ علماء کے ذہنوں میں یہی راسخ تھا کہ نبی کے لئے نئی شریعت یا احکام جدیدہ لانا ضروری ہے اور یا کم از کم کسی دوسرے نبی کا امتی نہ ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اس اصطلاحی تعریف نبوت کے لحاظ سے خاتم النبیین کے یہی معنی قرار پاتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی تشریعی اور مستقل نبی نہیں آسکتا اور چونکہ اصطلاحاً نبی سمجھا ہی اسے جاتا تھا جو تشریعی یا مستقل نبی ہو اس لئے آپ نے خاتم النبیین کے یہی معنے لکھے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے نہ پرانا۔ لیکن نبوتِ جزئیہ کو آپ نے اس حد بندی سے باہر رکھا تھا۔ اور اسے خاتم النبیین کا افاضۂ روحانیہ قرار دیا تھا۔ اور اس نبوت کو حدیث نبوی "لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ" کی رو سے امت میں باقی قرار دیا تھا۔ اور اسے "نوعٌ من انواع النبوت" بھی لکھا تھا (ملاحظہ ہو توضیح مرام) لیکن بایںہمہ آپ اسے معروف اصطلاح میں نبوت نہیں سمجھتے جو تشریعی نبوت یا مستقلہ نبوت ہوتی ہے۔ بلکہ اس اصطلاح کے مقابلہ میں ایک قسم کی مجازی نبوت قرار دیتے تھے۔ سچ ہے۔ لو لا الاعتبارات لبطلت الحکمة۔

تدریجی انکشاف

ہم بتا چکے ہیں کہ خاتم النبیین کی یہ تفسیر کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے نہ پرانا۔ نبوت کی اس معروف اصطلاحی تعریف کے لحاظ سے ہے کہ نبی نئی

شریعت یا احکام جدیدہ لاتا ہے یا بلا استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور کسی دوسرے نبی کا امتی نہیں کہلاتا۔ مگر یہ تعریف نبوت دراصل قیاسی تھی۔ یعنی یہ تعریف پچھلے تمام انبیاء کو سامنے رکھ کر قیاساً تجویز کردہ تھی۔ لیکن حضرت اقدسؑ پر ۱۹۰۱ء میں یہ انکشاف ہو گیا کہ نبی کے لئے شریعت کا لانا یا مستقل اور براہ راست ہونا ضروری امر نہیں۔ بلکہ نبی کے لئے ضروری امر صرف یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہو اور خدا تعالیٰ اس پر بکثرت امور غیبیہ ظاہر کرے اور اس کا نام نبی اور رسول رکھے۔ اسی تعریف نبوت کے ماتحت انبیائے سابقین نبی کہلاتے رہے۔ اور آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں وعدہ ہے کہ اس امت کے افراد نبوت کی اس نعمت کو (یعنی امور غیبیہ کی کثرت کو) پاسکتے ہیں جس کی وجہ سے پہلے انبیاء نبی کہلاتے رہے۔ نبوت کی حقیقتِ ذاتیہ امورِ غیبیہ پر کثرت سے اطلاع دیا جانا ہی ہے گویا یہی امر نبوت مطلقہ ہے شریعت کا لانا۔ نبوت کی حقیقت ذاتیہ نہیں بلکہ یہ نبوت کی حقیقتِ عرضیہ ہے جو ضرورت پر صرف نبی کو ملتی ہے۔ غیر نبی کو نہیں ملتی۔ اس لئے بعض انبیاء بغیر شریعت جدیدہ کے آئے اور بعض شریعت جدیدہ لائے۔

جب حضرت اقدسؑ پر یہ انکشاف ہو گیا کہ آپ کو صریح طور نبی کا خطاب دیا گیا ہے تو اس سے آپ پر منکشف ہو گیا کہ نبوت کی معروف تعریف میں ایک خامی ہے اور اصطلاحِ اسلام، قرآنی اصطلاح اور انبیاء کی اصطلاح میں نبی دراصل صرف اسی کو کہتے ہیں جس کا نام خدا تعالیٰ نبی رکھے۔ اور اس پر بکثرت امورِ غیبیہ ظاہر کرے۔ اس انکشاف پر آپ نے اپنے لئے جزئی نبی بمعنیٰ محدث کا استعمال ترک فرما دیا۔ اور ہمیشہ اپنے تئیں ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی قرار دیا۔ اور نبی کی تعریف یہ بیان فرمائی۔

اسلامی اصطلاح میں نبوت

"خدا کی طرف سے ایک کلام پا کر جو غیب پر مشتمل ہو۔ زبردست پیشگوئیاں ہوں۔ مخلوق کو پہنچانے والا اسلامی اصطلاح کے رو سے نبی کہلاتا ہے۔"

(تقریر حجۃ اللہ صفحہ ۶ طبع اوّل)

نبیوں کی اصطلاح میں نبوت

"جب وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت و کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر وہ امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔" (الوصیت صفحہ ۱۱ طبع اوّل)

قرآنی اصطلاح میں نبوت

"فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔" (الجنّ: ۲۷)

یعنی خدا تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو پوری قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہو سکتا ہے بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ طبع اوّل)

لغوی معنی میں نبی

"سو میں اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنیوالا اور بغیر کثرت کے یہ معنی متحقق نہیں ہو سکتے جیسا کہ ایک پیسہ سے کوئی مالدار نہیں ہو سکتا۔"

(آخری خط ۲۳ر مئی ۱۹۰۸ء مندرجہ اخبار عام)

اور پھر ان معنوں کے متعلق مزید لکھا ہے۔

"یہ صرف موہبت ہے جس کے ذریعہ سے امور غیبیہ کھلتے ہیں۔"

(ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۶ طبع اوّل)

ان تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت کے متعلق صراحت ہو جانے پر آپ نے نبی کے لغوی معنوں، اسلامی اصطلاح، قرآنی اصطلاح اور انبیاء کی اصطلاح کو ہم معنی قرار دیا ہے۔ اور اس میں یہ شرط کسی جگہ بیان نہیں فرمائی۔ کہ نبی کے لئے غیر امتی ہونا ضروری ہے۔ بلکہ ان تعریفوں کے مطابق آپ نے اپنے تئیں نبی قرار دیا لیکن معروف قیاسی تعریف کی خامی آپ پر ظاہر ہو گئی۔ تاہم چونکہ آپ کے مخالف علماء کے نزدیک نبی کی اصطلاحی تعریف وہی تھی جس میں نبی کے لئے کسی دوسرے نبی کا امتی نہ ہونا شرط ہے۔ اس لئے اس سابقہ تعریف کے پیش نظر آپ نے کبھی بھی نبی ہونیکا دعویٰ نہیں کیا بلکہ مخالفین کے آپ کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنے کو پہلے کی طرح ان کا افتراء قرار دیتے رہے اور ساتھ ہی یہ وضاحت فرما دیتے رہے کہ آپ ان معنوں میں نبی ہیں جن معنوں میں قرآن نبی کی آمد کو جائز رکھتا ہے۔ اور نبوت کی جو معروف حقیقی تعریف سمجھی جاتی ہے اس کے بالمقابل آپ کا نام مجازی طور پر رکھا گیا ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ کی اصطلاح میں اور قرآن کریم کی اصطلاح میں اور نبیوں کی اصطلاح میں اور دوسری اسلامی اصطلاح میں جو اوپر بیان ہوئی ہے یا لغوی معنوں کے لحاظ سے آپ اپنے آپ کو نبی ہی قرار دیتے رہے۔

اب آپ اپنے سابقہ خیال میں یہ تبدیلی ضرور فرما چکے تھے کہ آپ کا مقامِ نبوت محدثیت سے بالا ہے۔ چنانچہ آپ اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں فرماتے ہیں۔

"اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں پانے والا نبی نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کہ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر کہو اس کا نام محدث رکھنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہار امر غیب نہیں ہیں مگر نبوت

کے معنی اظہار امر غیب ہیں۔"   (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۵ طبع اوّل)

پھر آپ اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۵ طبع اوّل" کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ ضرور یاد رکھو کہ اس امت کے لئے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پاچکے ہیں۔ پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیش گوئیاں ہیں۔ جن کی رو سے انبیاءؑ نبی کہلاتے رہے۔ لیکن قرآن شریف بجز نبی بلکہ رسول ہونے کے دوسروں پر علوم غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت لَايُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے ظاہر ہے پس مصفّٰی غیب پانے کے لئے نبی ہونا ضروری ہوا اور آیت اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ گواہی دیتی ہے کہ اس مصفّٰی غیب سے یہ امت محروم نہیں اور مصفّٰی غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے اور وہ طریق براہ راست بند ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ اس موہبت کے لئے محض بروزِ ظلیت اور فنافی الرسول کا دروازہ کھلا ہے۔"

مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ اب آپ کے نزدیک پہلے انبیاء بھی صرف اظہار علی الغیب یعنی امورِ غیبیہ پانے کی وجہ حسب منطوق آیت لَايُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ نبی کہلاتے رہے ہیں۔ نہ کہ شریعت جدیدہ لانے یا براہ راست مقامِ نبوت پانے کی وجہ سے اظہار علی الغیب کا مرتبہ پانے کا امت محمدیہ کو آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں وعدہ دیا گیا ہے۔ مگر فرماتے ہیں کہ یہ مرتبہ اب کسی کو براہ راست نہیں مل سکتا۔ بلکہ اس کے پانے کے لئے محض بروزِ ظلیت اور فنافی الرسول کا دروازہ کھلا ہے۔ گویا جو نبوت پہلے براہ راست ملتی تھی اب اس کے پانے کے لئے آنحضرت ﷺ کی پیروی شرط ہے۔

اس انکشاف پر خاتم النبیین کی آیت کی تفسیر میں آپ نے یہ بھی وضاحت فرمادی کہ۔

"آنحضرت ﷺ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ

روحانی نبی تراش ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۷ طبع اوّل)

مگر ساتھ ہی آپ نے یہ بھی تسلیم فرمایا کہ آنحضرت ﷺ شریعتِ جدیدہ لانے والے انبیاء اور مستقل انبیاء میں سے آخری فرد ہیں۔ اور ان معنوں میں آپ نے آنحضرت ﷺ کو سب سے آخر میں ظاہر ہونے والا قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے حقیقۃ الوحی میں آنحضرت ﷺ کو نبی تراش قرار دینے کے علاوہ یہ بھی لکھا۔

"اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین اور رحمٰن اور رحیم ہے۔ جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا اور آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۱ طبع اوّل)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ کے نزدیک خاتم النبیین بمعنی نبی تراش بلحاظ ظہور تمام مستقل انبیاء سے آخر میں تشریف لائے اب آپ کے بعد کوئی شارع اور مستقل نبی نہیں آسکتا اسی لئے آپ نے "تجلیاتِ الٰہیہ" میں لکھا۔

"اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔ مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔ بس اس بناء پر میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی۔" (تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۵ طبع اوّل)

پس انکشاف جدید پر خاتم النبیین کا ماحصل آپ نے یہ قرار دیا کہ۔

"اس امت کے لئے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸ طبع اوّل)

ہاں اس انکشاف پر بھی آپ کی نبوت کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کیونکہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریرات میں بھی آپ نے اپنے متعلق نبی اور رسول کا

اطلاق اسی مفہوم میں کیا تھا کہ آپ خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہیں اور وہ آپ پر بکثرت امورِ غیبیہ ظاہر کرتا ہے۔ اور انکشافِ جدید پر بھی آپ کی نبوت کی کیفیت یہی رہی۔ اس میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تبدیلی صرف اس بات میں ہوئی ہے کہ پہلے آپ اس نبوت کو محدثیت تک محدود قرار دیتے تھے اور اس کا نام نبوتِ جزئیہ رکھتے تھے۔ مگر یہ سمجھ لینے کے بعد کہ خدا تعالیٰ نے مجھے صریح طور پر نبی کا خطاب دیا ہے۔ آپ نے اپنے تئیں جزئی نبی یا محدث کہنا ترک فرمادیا۔ کیونکہ جزئی نبی اور محدث کا اطلاق تاویلاً آپ اپنے اوپر نبی کی معروف اصطلاحی تعریف کے بالمقابل کرتے رہے تھے۔ لیکن جب آپ پر یہ انکشاف ہو گیا کہ آپ صریح طور سے نبی ہیں مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی تو آپ نے سمجھ لیا کہ نبی کے لئے امتی ہونا ضروری شرط نہیں۔ بلکہ صرف امورِ غیبیہ پر کثرت سے اطلاع پانا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام دیا جانا ہی ضروری ہے۔ اس انکشاف پر گو آپ کے دعویٰ کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

بلکہ صرف نبی کے لفظ کے اطلاق میں ایک رنگ میں تبدیلی ہوئی ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اب آپ کا مقام اس انکشاف سے تمام محدثین امت سے بالا قرار پاتا ہے۔

تدریجی انکشاف قابلِ اعتراض نہیں

حضرت اقدسؑ پر اپنی شان کے متعلق یہ تدریجی انکشاف ہرگز محلِ اعتراض نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ تو انبیاء کے لئے ولائت کے مقام سے نبوت کے مقام پر ترقی پانے کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ آپ نبوت کے حصول کی دوسری راہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

"راہِ دیگر آنست کہ بتوسطِ حصولِ این کمالات ولایت حصول بکمالاتِ نبوت میسّر گردد۔ راہِ دوم شاہراہ است واقرب است بوصول کہ بکمالاتِ نبوت رسد۔ این راہ رفتہ است از انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واصحاب ایشاں بہ تبعیّت ووراثت۔"

(مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول صفحہ ۴۳۲ مکتوب نمبر ۳۰۱)

ترجمہ :۔ "دوسری راہ نبوت پانے کی یہ ہے کہ کمالاتِ ولایت حاصل کرنے کے واسطہ سے کمالاتِ نبوت کا پانا میسر ہوتا ہے۔ یہ دوسری راہ شاہراہ ہے اور کمالاتِ نبوت تک پہنچنے میں قریب ترین راہ ہے اور اسی راہ پر بہت سے انبیاء اور ان کے اصحاب ان کی پیروی اور وراثت میں چلے ہیں۔"

پس جب ولی کا تدریجاً نبوت پانا قابلِ اعتراض نہیں تو ایک امتی نبی پر اپنی شانِ نبوت کے متعلق تدریجی انکشاف کیوں کر محلِّ اعتراض ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

آنحضرت ﷺ پر اپنی شان کے متعلق تدریجی انکشاف

پس حضرت اقدسؑ پر جدید الہامی انکشاف سے جو تھوڑا سا لفظی اختلاف آپ کی زیرِ بحث تحریرات میں ہوا ہے وہ ہرگز محلِّ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ صرف وہ اختلاف محلِّ اعتراض ہو سکتا ہے اور پاگلوں کی بکواس کی طرح قرار دیا جاتا ہے۔ جو بیک وقت اور بیک حال پایا جائے اسے ہی تناقض و تضاد کا نام دیا جا سکتا ہے۔ مامور من اللہ پر اس کی شان کے متعلق جو تدریجی انکشاف ہوتا ہے اور اس سے اس کے پہلے اور پچھلے کلام میں جو اختلاف پیدا ہوتا ہے نہ تو وہ حقیقی تناقض و تضاد قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ اسے پاگلوں کا بکواس کہہ سکتے ہیں۔

چنانچہ دیکھئے کہ آنحضرت ﷺ پر اپنی شان کے متعلق انکشاف بھی تدریجاً ہی ہوا ہے۔ ایک وقت خود رسول کریم ﷺ یہ فرماتے ہیں مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُونُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذِبَ (بخاری جلد ۳ صفحہ ۸۱) نیز فرماتے ہیں لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی (صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۰۹) یعنی جس نے کہا کہ میں یونس سے بہتر ہوں اس نے جھوٹ بولا مجھے حضرت موسیٰؑ پر ترجیح نہ دو بلکہ جب ایک دفعہ کسی شخص نے آپ کو تمام لوگوں سے بہتر قرار دیا تو آپ نے فرمایا ذَاکَ اِبْرَاھِیْم (صحیح مسلم جلد ۲ فضائل ابراہیم) کہ یہ شان تو حضرت ابراہیمؑ کی ہے۔ لیکن ایک دوسرا وقت آپ پر ایسا آیا کہ آپ نے فرمایا فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ (صحیح مسلم باب الفضائل) کہ چھ باتوں میں تمام نبیوں سے افضل ہوں۔ نیز فرمایا لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۳۹۳) یعنی اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا کے کوئی چارہ نہ ہوتا۔ نیز آپ نے فرمایا۔ اَنَا سَیِّدُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ مِنَ النَّبِیِّیْنَ (فردوس ویلمی) کہ میں تمام پہلے اور پچھلے نبیوں کا سردار ہوں۔

اسی طرح اگر حضرت مسیح موعودؑ پر بھی اپنی شان کے متعلق تدریجی انکشاف ہوا تو یہ قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور اس انکشاف کی روشنی میں خاتم النبیین کی تفسیر میں مزید وضاحت بھی محلِّ اعتراض نہیں ہو سکتی۔

آنحضرت ﷺ پر اپنے خاتم النبیین ہونے کا انکشاف بھی ۵ھ میں ہوا تھا۔ یعنی وفات سے چند سال ہی پہلے آپ کو اپنے اس مرتبہ کا علم ہوا تھا۔

ایک اعتراض کا جواب

لہذا برق صاحب کا یہ اعتراض کہ۔

"جو جبریل دن میں کئی بار آپ (مرزا صاحب) کے ہاں آتا تھا اس نے ایک

مرتبہ بھی آپ سے نہ کہا کہ حضرت آپ غلطی کر رہے ہیں اللہ نے آپ کو نبی بنایا ہے نبوت کا دروازہ کھلا ہے اسے بند کر کے اپنے لئے دشواریاں پیدا نہ کیجئے۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۵)

یہ اعتراض محض سطحی ہے ورنہ جناب برق صاحب بتائیں کہ جب جبریل روزانہ رسول کریم ﷺ کے پاس آتا تھا تو وہ کیوں نہیں کہہ دیتا تھا کہ حضور آپ تو خاتم النبیین ہیں۔ اور تمام نبیوں کے سردار اور ان سے افضل ہیں۔ آپ یہ کیوں کہا کرتے ہیں کہ مجھے دوسرے نبیوں پر فضیلت مت دو۔

آپ یہ نہ فرمایا کریں کہ حضرت ابراہیمؑ سب لوگوں سے افضل ہیں بلکہ درحقیقت سب نبیوں سے افضل تو خود آپ ہیں پس اپنے لئے دشواریاں پیدا نہ کیجئے۔

رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں آپ پر یہ اعتراض کیا گیا لَوْ لَانُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً (الفرقان : ۳۳) (اس نبی پر قرآن اکٹھا کیوں نہیں اتارا گیا) خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ (الفرقان : ۳۳) بات اسی طرح ہے اور ایسا ہم نے اس لئے کیا ہے کہ تیرا دل اس طرح قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے سے مضبوط کیا جائے۔

پس جس طرح قرآن مجید کے تدریجی نزول میں یہ حکمت مدِ نظر تھی اسی طرح ماموریں پر ان کی شان کے متعلق تدریجی انکشاف میں خدا تعالیٰ کے مدِ نظر کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک مصلحت تو یہ ہو سکتی ہے کہ لوگ مامور من اللہ کی اکمل شان کو شروع میں سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اسی بنا پر آنحضرت ﷺ پر دعویٰ نبوت کے پہلے اٹھارہ سالوں میں یہ انکشاف نہ ہوا کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ بلکہ آپ نے ایمان لانے والے لوگوں کو آپؐ کو نبیوں پر فضیلت دینے سے منع فرمایا۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے دیکھا کہ اب امت آپ کی اس شان کی متحمل ہو سکتی ہے کہ آپ تمام

انبیاء سے افضل ہیں تو اس نے آپ پر آیت خاتم النبیین نازل فرمادی۔ جو آپ کے افضل ہونے پر روشن دلیل ہے اور پھر آپ نے بھی خود کو تمام انبیاء سے افضل قرار دے دیا۔ اسی قسم کی مصلحت خدا تعالیٰ کے مدِّ نظر حضرت مسیح موعودؑ پر ان کی شان کے تدریجی انکشاف کے بارہ میں ہے۔ پس مامور من اللہ پر اپنی شان کے متعلق تدریجی انکشاف میں قوم کی تربیت مدِّ نظر ہوتی ہے۔ جب قوم یقین وایمان میں خوب ترقی کر جاتی ہے تو خدا تعالیٰ مامور من اللہ پر اس کی اصل شان کا انکشاف کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے مامورین ازخود کسی بلند مقام کا دعویٰ کرنے میں محتاط رہتے ہیں۔

برق صاحب کی پیش کردہ عبارتوں کا حل

برق صاحب نے حضرت اقدسؑ کی عبارات پیش کرنے میں آپ کے کلام کو ملتبس کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ آپ حضرت اقدسؑ کی بعض سابقہ تحریروں سے یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کو اس زمانہ میں ان معنوں میں خاتم النبیین قرار دیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی آنحضرت ﷺ کے بعد نازل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ خاتم النبیین کی مہر لگ چکی ہے۔ اگر ایک دفعہ بھی حضرت عیسیٰؑ کے آنے پر ان پر نزول وحی فرض کیا جائے تو یہ بھی ختم نبوت کے منافی ہے کیونکہ جب ختمیت کی مہر ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہوگئی تو پھر تھوڑا یا زیادہ ہونا برابر ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ خاتم الانبیاء کی عظمت دکھانے کے لیے کوئی نبی آتا تو پھر خاتم الانبیاء کی شان میں رخنہ پڑ جاتا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آنجنابؐ کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔ واضح ہو کہ حضرت اقدس نے اس قسم کی عبارتیں ختم نبوت کے ان معنوں کے پیش نظر لکھی ہیں

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی یا مستقل نبی نہیں آسکتا۔

پس حضرت مسیح موعودؑ کا یہ لکھنا کہ حضرت عیسیٰؑ کے امت محمدیہ میں آنے سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹتی ہے اوران کا آنا ختم نبوت کے منافی ہے اس کی حقیقت یہی ہے کہ امت کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ چونکہ حضرت عیسیٰؑ مستقل نبی تھے۔ اور خاتم النبیین کی مہر ان کی نبوت مستقلہ پر لگی ہوئی تھی اس لئے جب تک یہ مہر ٹوٹ نہ جائے وہ مستقل نبی سے امتی نبی نہیں بن سکتے۔

پھر آپ کا یہ لکھنا کہ ان پر وحی نبوت کا نزول ختم نبوت کے منافی ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ وحی نبوت مستقلہ یا تشریعیہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ اگر دوبارہ آئیں اوران پر وحی نازل ہو تو چونکہ وہ مستقل نبی ہیں لامحالہ ان کی وحی مستقلہ نبوت کی وحی ہو گی۔ اور ایسا ہونا ختم نبوت کے منافی ہے۔ لہذا حضرت عیسیٰؑ اصالتاً نہیں آسکتے۔ امتی پر وحی کے نزول کو حضرت اقدس نے منافی ختم نبوت قرار نہیں دیا۔ صرف مستقلہ اور تشریعی نبوت کی وحی آپ کے نزدیک منقطع ہے اور قیامت تک منقطع ہے۔ ایسی وحی کا نزول جماعت احمدیہ اور حضرت اقدس واقعی ختم نبوت کے منافی سمجھتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے تادمِ واپسیں اپنے اوپر کبھی ایسی وحی کے نزول کو دعویٰ نہیں فرمایا۔ پھر یہ جو فرمایا کہ خاتم الانبیاء کی عظمت دکھانے کے لئے اگر کوئی نبی آتا تو پھر خاتم الانبیاء کی شان میں رخنہ پڑ جاتا۔ اس عبارت میں دراصل علماء کے اس خیال کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے آپ کے بعد نازل ہوں گے۔ حضرت اقدس یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ مستقل نبی تھے تو ان کا خاتم الانبیاء کے بعد آنا خاتم الانبیاء کی عظمت کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ آپ کی شانِ عظیم میں رخنہ پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین کے ظہور کے بعد کسی مستقل یا

شارع نبی کا ظہور آپ کی ختم نبوت کے منافی ہے۔ پس اس سے بڑھ کر خاتم الانبیاء کی شانِ عظیم کی کیا ہتک ہو سکتی ہے کہ مسیح کا اصالتاً نزول تسلیم کیا جائے جو مستقل نبی تھے جبکہ ان کا امتی بننا محال ہے۔

ایک اعتراض

اس موقعہ پر برق صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۶ پر لکھا ہے۔

"جو دیوار مسیح کی راہ میں حائل تھی وہ مسیح موعود کو بھی آنے سے روک سکتی تھی۔ یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک دیوار ایک پرانے رسول کو روک دے اور نئے رسول کے آنے پر اس میں شگاف پڑ جائے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال درحقیقت قلتِ تدبر اور منشاءِ متکلم کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ تو یہ بتا رہے ہیں کہ مستقل نبی کی آمد کے لئے خاتم النبیین کی دیوار حائل ہے مگر امتی نبی کے لئے یہ دیوار حائل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ امتی جو کچھ پاتا ہے اپنے نبی متبوع کی پیروی سے پاتا ہے اور پیروی کا راستہ اور اس پیروی سے مدارج روحانیہ کا ملنا قرآن مجید ممتنع قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کی امید دلاتا ہے جیسا کہ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ الآیۃ (النساء: ۷۰) سے ظاہر ہے ہمارے عقیدہ کی رو سے آنحضرت ﷺ کے بعد مستقل نبی نہ نیا آسکتا ہے نہ پرانا۔ اور آنحضرت ﷺ کی ظلّیت میں کمالاتِ نبوت کے حاصل کرنے کا دروازہ آیت مذکورہ بالا کھلا قرار دیتی ہے۔

خود حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں۔

"وہ خاتم الانبیاء بنے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحبِ خاتم ہے بجز اس کی مُہر کے کوئی

فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا اور اس کی امت کے لئے قیامت تک مکالمہ مخاطبہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ اور بجز اس کے کوئی نبی صاحبِ خاتم نہیں ایک وہی ہے جس کی مُہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷، ۲۸ طبع اوّل)

لہذا قیامت تک یہ بات قائم ہوگی کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا امتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود محو نہ کرے ایسا انسان نہ قیامت تک کوئی کامل وحی پا سکتا ہے نہ کامل ملہم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گئی ہے۔ مگر ظلّی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیضِ محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸ طبع اوّل)

۱۹۰۱ء کے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں آپؑ فرماتے ہیں۔

"چونکہ میں ظلّی طور پر محمد ﷺ ہوں پس اس طور سے خاتم النبین کی مُہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد ﷺ تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد ﷺ ہی نبی رہے نہ کوئی اور۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالاتِ محمدی مع نبوتِ محمدیہ کے میرے آئینہ ظلّیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔"

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۸ طبع اوّل)

اس اشتہار کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

"اب اس تمام تحریر سے مطلب میرا یہ ہے کہ جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں اس طور سے جو وہ خیال کرتے ہیں نہ ہی نبی ہوں نہ رسول ہاں اس طور سے

نبی اور رسول ہوں جس طور سے ابھی میں نے بیان کیا ہے پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعویٰ نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں۔ وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اسی بناء پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول رکھا مگر بروزی صورت میں میرا نفس درمیان نہیں ہے۔ بلکہ محمد ﷺ کا ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمدؐ اور احمدؐ ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ ہی کے پاس رہی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔"

(ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۱۲ طبع اول)

نیز اسی اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں۔

"براہین احمدیہ میں اور کئی جگہ رسول کے لفظ سے اس عاجز کو یاد کیا گیا تو پھر آپ کے بعد اور نبی کس طرح آسکتا ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ بے شک اس طرح سے تو کوئی نبی نیا ہو یا پرانا نہیں آسکتا۔ جس طرح سے آپ لوگ حضرت عیسیٰؑ کو آخری زمانہ میں اتارتے ہیں۔ اور پھر اس حالت میں ان کو نبی مانتے ہیں۔ بلکہ چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوت کا جاری رہنا اور زمانہ آنحضرت ﷺ سے بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بیشک ایسا عقیدہ تو معصیت ہے اور آیت ولکن رسول اللہ و خاتم النبیّنَ اور حدیث لانبی بعدی اس عقیدہ کے کذبِ صریح ہونے پر کامل شہادت ہے۔ لیکن ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا وَلٰکِنْ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اور اس آیت میں ایک پیشگوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرتِ صدیقی کی کھلی

ہے۔ یعنی فنافی الرسول کی پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے۔ اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوتِ محمدیہ کی چادر ہے اس لئے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے۔ اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لئے اسی لئے اس کا نام آسمان پر محمدؐ اور احمدؐ ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ محمدؐ کی نبوت آخر محمدؐ کو ہی ملی۔ گو بروزی طور پر مگر نہ کسی اور کو۔ پس یہ آیت کہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اس کے معنی یہ ہیں کہ لَیْسَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِ الدُّنْیَا وَلٰکِنْ هُوَ اَبٌ لِرِجَالِ الْاٰخِرَةِ لِاَنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَلَا سَبِیْلَ اِلٰی فُیُوْضِ اللّٰہِ مِنْ غَیْرِ تَوَسُّطِهٖ۔ غرض میری نبوت اور رسالت باعتبار محمدؐ اور احمدؐ ہونے کے ہے اور نہ میرے نفس کے رو سے اور یہ نام بحیثیت فنافی الرسول مجھے ملا ہے لہذا خاتم النبیین کے مفہوم میں فرق نہیں آیا لیکن عیسیٰؑ کے اترنے سے ضرور فرق آئے گا۔"

نیز فرماتے ہیں۔

"یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعویٰ میں نبی کا نام سن کر دھوکہ کھاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں میں براہ راست نبیوں کو ملی ہے۔ لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ میرا ایسا دعویٰ نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت ﷺ کے افاضۂ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا۔ اس لئے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ اور میری نبوت آنحضرت ﷺ کی ظلّ ہے نہ اصلی نبوت اس وجہ سے حدیث اور میرے الہام میں جیسا کہ میرا نام نبی رکھا گیا ایسا ہی میرا نام اُمّتی بھی رکھا ہے تا معلوم ہو کہ ہر ایک کمال مجھ کو آنحضرت ﷺ کی اتباع اور آپ کے ذریعہ سے

ملا ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۱۵۰ طبع اول)

پھر حضرت مسیح موعودؑ کشتی نوح میں فرماتے ہیں۔

"خدا ایک اور محمد ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے اور کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے پس جو کامل طور پر مخدوم (محمد ﷺ ناقل) میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت میں خلل انداز نہیں جیسا کہ جب تم آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو۔ اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں صرف ظِلّ اور اصل کا فرق ہے۔ سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود میں چاہا۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۵ طبع اوّل)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے بعد بروزی نبوت کا دروازہ کھلا ہے اور بروزی نبی کے لئے آنحضرت کا ظِلّ ہونا ضروری ہے۔ گویا ایک قسم کی نبوت جو خاتم الانبیاء کا فیضان ہے "کشتی نوح" میں آپ نے ختم نبوت کے منافی قرار نہیں دی اور ایسا نبی آنحضرت ﷺ کا ظِلّ ہونے کی وجہ سے آپ کے ہی وجود میں داخل ہے نہ کوئی الگ نبی۔ اسی مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے کشتی نوح میں اس سے دو صفحہ پہلے حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے۔

"نوعِ انسانی کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد ﷺ۔"

(کشتی نوح صفحہ ۱۳ طبع اوّل)

اسی کی تشریح میں آپ نے مذکورہ عبارت تحریر فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح آئینہ میں اپنی شکل دیکھنے سے دو وجود نہیں بن جاتے اسی طرح بروزی نبوت

آنحضرت ﷺ سے کوئی الگ نبوت نہیں بلکہ موردِ بروز ایک آئینہ کی حثیت رکھتا ہے جس میں محمدی انوار اور محمدی نبوت کی تجلی ہوتی ہے۔

دیانت کا خون

افسوس محترم برق صاحب نے اس حقیقت کو جانتے بوجھتے کہ حضرت اقدس بروزی نبوت کے مدعی ہیں۔ اور اس کا بیان آگے کشتی نوح صفحہ ۱۵ طبع اول پر موجود ہے۔ صفحہ ۱۳ کی مندرجہ بالا عبارت کا یہ مفہوم گھڑ کر پیش کیا ہے۔

"آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آسکتا۔ اور کہ ہر مدعی نبوت (بعد از حضور) کاذب و کافر ہے۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۵۲)

اب ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جناب برق صاحب نے کشتی نوح صفحہ ۱۳ طبع اول سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ منشاء متکلم کے صریح خلاف ہے کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے آگے چل کر کشتی نوح صفحہ ۱۵ طبع اول میں بروزی نبوت کا دروازہ آنحضرت ﷺ کی ظلّیت میں کھلا قرار دیا ہے۔ مگر برق صاحب سے کشتی نوح کی عبارت صفحہ ۱۳ طبع اول سے ہی بند دکھانا چاہتے ہیں اور اس عبارت کا یہ مفہوم از خود گھڑ کر یہ پیش کر رہے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کے نزدیک ہر مدعی نبوت کاذب و کافر ہے۔ کیا یہ دیانت داری کا خون کرنا نہیں؟ جناب برق صاحب نے بعض اور عبارتوں میں بھی اسی طرح دیانت داری کا خون کیا ہے۔

برق صاحب کی تحریف

چنانچہ آپ نے الفضل ۲۹ جون ۱۹۱۵ء سے بھی ایک عبارت نقل فرمائی ہے جو نہ تو حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر ہے اور نہ آپ کے کسی خلیفہ کی۔ کہ جماعت کے لئے حجت ہو سکے۔ بلکہ یہ سلسلہ کے ایک عالم کی تحریر ہے۔ مگر وہ بھی انہوں نے اس

طرح ادھوری پیش کی ہے کہ تحریر کنندہ کا مطلب اس قطع وبرید سے بالکل مخفی ہو گیا ہے وہ عبارت یہ ہے۔

"نیز مسیح موعود کو احمد نبی اللہ تسلیم نہ کرنا اور آپ کو امتی قرار دینا یا امتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت ﷺ کا جو سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں امتی قرار دینا اور امتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفر عظیم اور کفر بعد کفر ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۵۷، ۵۸)

اس عبارت سے برق صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اصل اور مظہر میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا۔ اگر جناب مرزا صاحب اسی مظہر ہونے کی بناء پر خاتم الانبیاء بن سکتے ہیں تو انہیں لازماً شرعی حقیقی اور غیر امتی نبی ہونا چاہیے اس لئے الفضل کی ترجمانی صحیح ہے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۸۰)

عجیب بات ہے کہ برق صاحب نے الفضل ۲۹ جون ۱۹۱۵ء کی مندرجہ بالا عبارت کو اپنے خود ساختہ مفہوم میں لے کر حضرت مسیح موعودؑ کے ذیل کے ارشاد کی ترجمانی قرار دی ہے۔

"پس چونکہ میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں۔ مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعویٰ اور نئے نام کے بلکہ اسی نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پا کر اور اسی میں ہو کر اور اس کا مظہر بن کر آیا ہوں۔" (نزول المسیح صفحہ ۲ طبع اول)

ظلی طور سے نبی کا نام پانے اور آنحضرت ﷺ کا مظہر ہونے سے صاف ظاہر ہے۔ اس عبارت میں نئی شریعت لانے کی نفی کرتے ہوئے ظلیت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

افسوس ہے کہ بحث کے اس مقام پر جناب برق صاحب نے دونوں عبارتوں میں قطع وبرید فرمائی ہے۔ حالانکہ ان دونوں مقامات پر ظلی نبوت ہی زیر بحث ہے نہ کہ

اصلی نبوت مظہر اصل کا ظل ہو تا ہے۔ اور ظلی طور پر اصل سے اتحاد رکھتا ہے نہ کہ اصلی طور پر اس لئے ظلی نبی لازماً غیر تشریعی نبی اور امتی ہو گا۔ برق صاحب نے ان حوالہ جات کے ادھورا پیش کرنے میں جو کمزوری دکھائی ہے۔ اب میں اسے بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے ۲۹ جون کے الفضل میں اس مضمون میں آگے چل کر لکھا گیا ہے۔

"پس مسیح موعود احمد نبی اللہ ہیں جنہوں نے بعث ثانی میں ایک امتی کے آئینہ وجود میں ظہور فرمایا ہے۔ اور جس طرح آئینہ دوسرے کا وجود دکھانے کے لئے ہستی اور فنا کے مقام کو اختیار کرنے والا ہو تا ہے اور دُوئی اور دَوْرَنگی سے بِکُلّی پاک۔ اسی طرح امتی ہونے کی حیثیت بطور آئینہ کے ہے۔" (الفضل ۲۹ جون ۱۹۱۵ء)

اس عبارت سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ تحریر کنندہ حضرت مسیح موعودؑ کے امتی ہونیکی حیثیت کو بہر حال تسلیم کرتا ہے اور مسیح موعود کو غیر امتی نہیں سمجھتا۔ بلکہ نبوت کے لئے امتی کی حیثیت کو بطور آئینہ ظِلّیت قرار دیتا ہے۔ پس مندرجہ بالا عبارت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے پہلی عبارت میں امتی ہونے کی نفی سے صرف یہ مراد ہوئی کہ مسیح موعود خالی امتی ہونے کے حیثیت نہیں رکھتا اور محض امتیوں کا فرد نہیں بلکہ مظہریت کے لحاظ سے نبی ہے اور آئینہ ہونے کے لحاظ سے امتی۔ گویا ایک پہلو سے نبی ہے اور دوسرے پہلو سے امتی اور اس کی نبوت آنحضرت ﷺ کی ظِلّ ہے نہ کہ اصلی نبوت پس وہ لازماً غیر تشریعی امتی نبی ہو گا۔ کسی شریعت جدیدہ کا حامل نہیں ہوگا۔ شریعت جدیدہ کے حامل نبی کیلئے مستقل نبی ہونا ضروری ہے وہ امتی نبی ہو تا ہی نہیں کیونکہ شریعت جدیدہ کا حامل وہ نبی ہو تا ہے جو پہلی شریعت میں ترمیم یا تنسیخ کرے یا اس کے حکم کو باطل کرے۔ مگر امتی نبی کو یہ حق حاصل نہیں ہو تا۔ چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت ﷺ کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔" (الوصیۃ صفحہ ۱۲ طبع اوّل)

پھر فرماتے ہیں۔

"خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے بر خلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔"

(چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴-۳۲۵ طبع اوّل)

افسوس ہے "نزول مسیح" کا جو حوالہ برق صاحب نے نقل کیا ہے وہ بھی ادھورا نقل کیا ہے۔ ان کی پیش کردہ عبارت کے آگے لکھا ہے۔

"یعنی باعتبار ظلّیت کاملہ کے وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔" (نزول المسیح صفحہ ۳ طبع اوّل)

پس مسیح موعود کی نبوت ظلّی ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انعکاس ہے۔ کسی الگ شریعت کے دعویٰ کو یہ مستلزم نہیں۔ آپ کی شریعت قرآن مجید ہی ہے آپ کے نزدیک ایسی نبوت کا دعویٰ جو شریعت جدیدہ کی حامل ہو ختم نبوت کے منافی اور کفر ہے۔ نہ کہ ظلی نبوت کا دعویٰ۔ ظلی نبوت کا اس کی ذاتی حیثیت میں آپ صرف ایک ایسا آئینہ قرار دیتے ہیں۔ جس میں محمدی نبوت منعکس ہو۔ اس سے ظاہر ہے خاتم النبیین ﷺ کی نبوت ہی آپ میں متجلّی ہوئی ہے۔ کوئی نیا نبی ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ آئینہ میں اپنی شکل دیکھنے سے دو وجود نہیں بن جاتے۔ بلکہ آئینہ میں جو صورت دکھائی دیتی ہے وہ اصل کی صورت کا ظِلّ ہوتی ہے۔ اور اس کا قیام اصل سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس طرح اصل اور ظل دونوں میں ایسا اتحاد ہوتا ہے کہ مورد بروز نفی وجود کا حکم رکھتا

ہے اور ؎ مَن تُو شدم تُو مَن شدی مَن تَن شدم تُو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں مَن دیگرم تو دیگری

کا مصداق ہوتا ہے۔

رفع اختلاف کی تین صورتیں

برق صاحب نے حضرت اقدسؑ کی تحریروں میں ختم نبوت کے متعلق بظاہر اختلاف دکھانے کے بعد ہماری طرف سے رفع اختلاف کی تین صورتیں بیان کر کے ان پر تنقید کی ہے ہماری طرف سے رفع اختلاف کی صورت اول یہ بیان کرتے ہیں کہ
"جناب مرزا صاحب حضورؐ کا بروز و مظہر تھے۔ آپ کی ہستی حضور سے جدا نہیں تھی۔ آپ کی صورت میں خود حضورؐ دوبارہ تشریف لائے اور آپ کا دعویٰ ختم نبوت کے منافی نہیں تھا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۶۰)

برق صاحب کا بروز ظِلّیت کے دعویٰ پر ایک اعتراض

جناب برق صاحب ہمارے اس جواب پر جو فی الحقیقت درست ہے تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں؟

"شبِ معراج کو حضور ﷺ کی ملاقات کئی انبیاء سے ہوئی تھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات عالمِ برزخ میں بقیدِ حیات ہیں۔ زندگی روح کا کرشمہ ہے۔ اگر انبیاء کرام کی روح خود ان کے برزخی اجسام میں موجود ہے تو پھر جناب مرزا صاحب میں حضور کی روح کہاں سے آگئی تھی۔ کیا ایک انسان میں کئی ارواح ہوتی ہیں کہ ایک اپنے پاس رکھ لی اور باقی بانٹ دیں۔ آریائی فلسفے کی رو سے تو بروز و اوتار کا مسئلہ سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں لیکن اسلام کی سیدھی سادھی تعلیم ان پیچیدگیوں کی متحمل نہیں ہوسکتی۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۶۲)

الجواب

حضرت اقدسؑ نہ انبیاء کے برزخی اجسام میں ایک سے زائد ارواح کے موجود ہونے کے قائل ہیں اور نہ تناسخ و حلول کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں عقیدے خلافِ اسلام ہیں۔ ہاں آپ بروز کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اگر بروز صحیح نہ ہوتا تو پھر آیت وَآخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں ایسے موعود کے رفیق آنحضرت ﷺ کے صحابہ کیوں ٹھہرتے۔ اور نفی بروز سے اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے جسمانی خیال کے لوگوں نے کبھی اس موعود کو حسنؓ کی اولاد بتایا کبھی حسینؓ اور عباسؓ کی۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا صرف یہ مقصود تھا کہ وہ فرزندوں کی طرح اس کا وارث ہوگا۔ اس کے نام کا وارث۔ اس کے خُلق کا وارث۔ اس کے علم کا وارث۔ اس کی روحانیت کا وارث۔ اور ہر ایک پہلو سے اپنے اندر اس کی تصویر دکھلائیگا۔ اور وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ سب کچھ اس سے لے گا۔ اور اس میں فنا ہو کر اس کے چہرے کو دکھائے گا۔ پس جیسا کہ ظلّی طور اس کا نام لے گا۔ اس کا خُلق لے گا۔ اُس کا علم لے گا۔ ایسا ہی اس کا نبی لقب بھی لے گا۔ کیونکہ بروزی تصویر پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہ تصویر ہر ایک پہلو سے اپنے اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصویر بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہو۔ تمام نبی اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ وجود بروزی اپنے اصل کی پوری تصویر ہوتی ہے۔" (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۹، ۱۰ طبع اول)

دوسرا اعتراض

چونکہ ظلّی نبوت اصل سے ایک رنگ میں عینیّت اور اتحاد رکھتی ہے اس لئے محترم برق صاحبؒ نے اس پر یوں اعتراض کیا ہے کہ "اگر عینیّت سے مراد

وحدتِ اوصاف و کمالات ہو تب بھی بات نہیں بنتی۔" اور یہ دکھانے کے لئے کہ بات نہیں بنتی وہ سات باتیں لکھتے ہیں۔

۱- "حضور اُمّی تھے اور مرزا صاحب چھ درجن کتابوں کے مصنّف۔

۲- وہ عربی تھے اور یہ عجمی۔

۳- وہ قریشی تھے اور یہ فارسی النسل۔

۴- وہ دنیوی لحاظ سے بے برگ و بے نوا تھے اور یہ زمین و باغات کے مالک۔

۵- انہوں نے مدنی زندگی کے دس برس میں سارا جزیرہ عرب زیر نگیں کر لیا تھا۔ اور جناب مرزا صاحب جہاد و فتوحات کے قائل ہی نہ تھے۔

۶- وہاں قیصر و کسریٰ کے استبداد کو ختم کرنے کا پروگرام اور یہاں انگریزوں کے جابرانہ تسلط کو قائم رکھنے کے منصوبے۔

۷- وہاں اسلام کو آزادی کا مترادف قرار دیا گیا تھا اور یہاں غلامی کا مترادف۔

الغرض نہ وحدت جسم و روح کا دعویٰ درست ہے نہ وحدت روحانی و کمالات کا۔ تو پھر ہم کیسے باور کر لیں کہ محمد ﷺ عین غلام احمد تھے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۶۲، ۶۳)

الجواب

ان سوالوں کے جواب میں ہم یہ کہنے کے لئے مجبور ہیں کہ ؎

سخن شناس نۂ اِیْ دلبرا خطا اینجا است

ظلّیت کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی ؒ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۲۴۸ میں فرماتے ہیں۔

"کمل تابعانِ انبیاء بجہت کمالِ متابعت و فرطِ محبت بلکہ محض عنایت

وموہبت جمیع کمالاتِ انبیاءِ متبوعۂ خود را جذب مے نماید و بکلیّت رنگِ ایشاں مُنصبّغ مے گردند حتیٰ کہ فرق نمے ماند درمیان متبوعان و تابعان اِلّا بالاَ صالۃِ وَ التبعِیۃِ والاوّلیّۃِ وَالاَ خرِیّۃِ۔"

دیکھیے اس عبارت میں کامل تابعین انبیاء اور ان کے متبوع انبیاء میں یہاں تک اتحاد اور عینیت مانی گئی ہے کہ وہ کلی طور پر اپنے متبوع کے رنگ پر رنگین ہو جاتے ہیں مگر ان میں اصل اور ظِلّ اور اول و آخر کا فرق بھی تسلیم کیا ہے۔ آگے وہ اصل اور ظل کی مبادیٔ تعنیات میں اختلاف بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مبادیٔ تعنیات سے مراد ان کی وہ مقامات ہیں جو ظِلّیت میں ملتے ہیں۔ ان مبادیٔ تعنیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔ کَیفَ یُتَصَوَّرُ المَسَاوَاتُ بَینَ الاَصلِ وَالظِلّ کہ اس لحاظ سے اصل اور ظل میں مساوات کیسے متصور ہو سکتی ہے۔ پس ظلّ من وجہٍ اصل کا عین اور اس سے متحد ہوتا ہے۔ اور من وجہٍ اصل کا غیر بھی ہوتا ہے۔ پس برق صاحب چونکہ ظلیت کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہ باتیں لکھ دی ہیں کہ حسب ونسب اور امی ہونے، مال رکھنے یا نہ رکھنے میں بھی ظِلّ اور اصل میں مساوات ہونی چاہیئے۔ اور ظِلّ کو اصل کی طرح جنگوں میں بھی حصہ لینا چاہئے اور نئی حکومت بنانی چاہئے چنانچہ انہوں نے ایسی ہی سات باتیں حضرت اقدس کے آنحضرت ﷺ کا ظِلّ ہونے کی تردید میں لکھی ہیں۔

اب پیشتر اس کے کہ ہم برق صاحب کی باتوں کا نمبر وار جواب دیں۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ مبادیٔ تعنیات کے اختلاف کو ملحوظ رکھا جائے تو برق صاحب کے تمام اعتراضات لغو ثابت ہوتے ہیں۔ دیکھیے سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم تسلیم کیے جاتے ہیں اور الہامی کتابوں میں ان کی آمد خدا کی آمد قرار دی گئی ہے اور قرآن شریف بھی ان کی شان میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِینَ

يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح: ۱۱) کہ جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں نیز فرماتا ہے وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: ۱۸) کہ بدر میں جو مٹھی کنکروں کی (اے نبی) تم نے کافروں کی طرف پھینکی وہ تم نے نہیں اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے۔ ان آیات میں آنحضرت ﷺ سے عقدِ بیعت کو خدا تعالیٰ سے عقدِ بیعت اور آنحضرت ﷺ کے ایک فعل کو خدا تعالیٰ کا فعل قرار دے کر بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے مظہر اور ظِلّ کامل تھے اسی طرح انبیاء کرامؑ جو آپ سے پہلے گذرے وہ بھی بدرجات متفاوتہ اللہ تعالیٰ کے مظاہر و اظلال تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان سب کے مبادئِ تعینات الگ الگ تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے اللہ تعالیٰ سے ظِلّیت میں اتحاد کے باوجود کسی کے متعلق بھی یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ باری تعالیٰ کے تمام صفات کا حامل تھا کیونکہ یہ امر شرک ہے۔ خدا تعالیٰ ازلی خالق اور مالک ہے مگر ان میں سے کوئی صفت انبیاء میں موجود نہ تھی ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے ظِلّ ضرور تھے۔ حدیث میں تو سلطان عادل کو بھی ظِلّ اللہ قرار دیا گیا ہے۔ گویا اسے صفت عدل میں ظِلّ قرار دیا گیا ہے نہ کہ ازلی اور خالق ہونے میں۔ پھر خدا تعالیٰ معبود ہے اور انبیاء سب عابد تھے۔ خدا تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے اور ان کا علم محدود تھا۔ خدا تعالیٰ کی قدرت غیر محدود ہے اور ان کی قدرت محدود تھی۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ ان کی ذات پر صفاتِ الٰہیہ کا پَرتَو تھا اس لئے یہ سب انبیاء مختلف درجوں میں خدا تعالیٰ کے اظلال اور مظاہر تھے۔ اور ان سب میں سے خدا تعالیٰ کا کامل مظہر سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا وجود باجود ہے۔ دوسرے انبیاء کے مبادئِ تعینات تو یہ ہیں کہ یہ سب خدا تعالیٰ کے خلیفہ تھے اور مستقل نبی اور رسول تھے جن میں بعض جدید شریعت لاتے رہے اور بعض پہلی شریعتوں کے تابع تھے اور کوئی جدید شریعت نہیں لاتے تھے۔ گویا شارع نبی اور رسول کا مبدأ تعین (مقام) تشریعی نبوت تھی۔ اور

غیر تشریعی نبی کا مبدأ تعین مستقلہ نبوت تھی۔ مگر آنحضرت ﷺ کو خلافت الٰہیہ کا بلند ترین مقام حاصل تھا۔اس لئے پہلے نبی تو صرف رسول اور نبی کہلائے اور آنحضرت ﷺ کو ان سب انبیاء کرامؑ کے مقابلہ میں خاتم النبیین کا امتیازی مقام عطا فرمایا گیا۔ یہی حال آنحضرت ﷺ کے اظلال کا ہے۔ یہ سب کے سب اظلال بدرجات مختلفہ آنحضرت ﷺ کے رنگ میں رنگین ہیں۔ لیکن مسیح موعود اور مہدی معہود کو آنحضرت ﷺ کا مظہر اتم ہونے کی وجہ سے ظلّی طور پر نبی اللہ قرار دیا گیا ہے پس اس کا مبدأ تعین یہ ہے کہ وہ ایک پہلو سے نبی اور دوسرے پہلو سے امتی ہے اس اصولی جواب کے بعد اب ہم برق صاحب کے تمام اعتراضات کا نمبروار تفصیلی جواب بھی دینا چاہتے ہیں۔ تا جو غلط فہمی وہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کا کماحقہٗ ازالہ ہو سکے۔

یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کا مظہر دنیا میں ظاہر ہونے والا تھا آیت آخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ سے مستفاد ہے۔ اس آیت سے پہلے خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بعثِ اول کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلاً مِنْھُمْ الخ (سورہ الجمعہ : ۳) کہ خدا نے اُمّیوں میں ایک رسول بھیجا ہے انہی اُمّیوں میں سے اور اس کے بعد فرمایا آخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ یعنی اسی رسول کا بھیجنا مقدر کیا ہے آخرین میں انہی میں سے مِنْھُمْ کا مرجع ایک تفسیری پہلو کے لحاظ سے آخرین ہیں۔ جو غیر اُمّی ہیں کیونکہ آخرین کے معنی ہیں اُمّیوں کے علاوہ اور اُمّیوں کے علاوہ غیر اُمّی ہوئے۔ چونکہ آخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں آنحضرت ﷺ کی بروزی بعثت مراد ہے نہ اصالتاً۔ اس لئے اس بروزی بعثت کے مظہر کے لئے غیر اُمّی اور غیر عربی ہونا ضروری ہوا۔ خود رسول کریم ﷺ نے آخرین منھم کی تفسیر میں سلمان فارسی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا۔ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِنْ ھٰؤُلَاءِ۔ (بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۴۵ تفسیر سورۃ جمعہ) کہ اگر ایمان ثریا پر

بھی چلا جائے تو اسے ایک آدمی ان لوگوں (فارسیوں) میں سے اتار لائے گا۔ پس آنحضرت ﷺ کے اس مظہرِ کامل کا غیر اُمّی اور غیر عربی ہونا نصِ قرآنی سے بھی ثابت ہے اور حدیث نبوی بھی اس کے فارسی الاصل ہونے کی مؤید ہے۔ پس پہلے تینوں سوالوں کا جواب اس آیت میں موجود ہے کہ یہ مظہرِ کامل اُمّی نہیں ہوگا۔ عجمی ہوگا اور فارسی النسل ہوگا۔ اور ان تینوں امور میں آنحضرت ﷺ سے مسیح موعود مہدی معہود کا مختلف ہونا اس کی مظہریّتِ کاملہ میں مانع نہیں۔ کیونکہ حسب ونسب میں مظہریّت مراد نہیں ہوتی۔ اور اُمیّت اور غیر اُمیّت کا اختلاف بھی مظہریّت میں حارج نہیں۔

سوال نمبر ۴ کا جواب یہ ہے کہ جب دنیوی املاک کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ بھی باوجود خدا کا مظہر اتم ہونے کے شروع میں بے برگ و نوا تھے۔ جب کہ خدا تعالیٰ زمین و آسمان اور ساری کائنات کا مالک تھا تو معلوم ہوا کہ دنیوی سازوسامان اور املاک میں مظہریت مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا تعلق صرف امور روحانیہ اخلاقیہ اور علمیہ سے ہوتا ہے۔

پس جس طرح بقول برق صاحب آنحضرت ﷺ بے برگ ونوا تھے مگر یہ بات آپ کے خدا تعالیٰ کا مظہر اتم ہونے کے خلاف دلیل نہیں بن سکتی۔ اسی طرح حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان اگر باغات اور زمین کا مالک ہونے کی وجہ سے کوئی فرق بھی ہو تو یہ فرق حضرت مرزا صاحب کی مظہریت کے خلاف دلیل نہیں بن سکتا۔

تعجب یہ ہے کہ جناب برق صاحب پانچویں سوال میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دس برس میں سارا عرب زیر نگین کر لیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ آپ کو حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں بے برگ ونوا قرار دیتے ہیں۔ اصل

حقیقت یہی ہے کہ مظہریت روحانی امور میں ہوتی ہے نہ املاک میں۔

پانچویں سوال میں وہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سارا جزیرہ عرب زیر نگین کر لیا تھا۔ اور جناب مرزا صاحب جہاد و فتوحات کے قائل ہی نہ تھے۔

واضح ہو کہ حضرت مرزا صاحب نے جہاد بالسیف اس لئے نہیں کیا کہ اس کی شرائط موجود نہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰهِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُمْ وَلَاتَعْتَدُوا اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِینَ۔ (البقرہ: ۱۹۱)

کہ انہی لوگوں سے اللہ کی راہ میں لڑائی کرو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں۔ تمہاری طرف سے اس حد سے تجاوز نہیں ہونا چاہیئے (یعنی جارحانہ اقدام منع ہے اور خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو حد سے تجاوز کرنیوالے ہوں دوست نہیں رکھتا)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جہاد بالسیف صرف مخصوص حالت اور محدود صورت میں ہی جائز ہے۔ جب کہ اس کی شرائط پائی جائیں۔ لیکن اس سے بڑا جہاد قرآن کریم یہ بیان کرتا ہے۔ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَاداً کَبِیراً (الفرقان: ۵۳) کہ قرآن کریم کے ذریعہ لوگوں سے بڑا جہاد کرو۔ گویا اشاعت قرآن کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں جہاد کبیر قرار دے رہا ہے۔ اور ہمارے زمانہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اس جہاد کو زندہ کرنے والے ہیں۔ اور اب آپ کی جماعت کے ذریعہ دنیا کے مختلف ممالک میں تبلیغ کے لحاظ سے علمِ اسلام بلند کیا جا رہا ہے۔ اور قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں تراجم شائع ہو رہے ہیں۔ اگر موجودہ زمانہ میں دشمن اسلام کو تلوار سے مٹانا چاہتا تو پھر اعتراض ہو سکتا تھا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کیوں تلوار نہ اٹھائی۔ چونکہ انگریزوں کے عہد حکومت میں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل تھی اس لئے آپ اپنی جماعت کو قرآن مجید کے منشاء کے خلاف انگریزوں سے لڑائی کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ یہ

لڑائی جہاد فی سبیل اللہ نہ ہوتی۔ بلکہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہونے کی وجہ سے معصیت ہوتی۔ اس زمانہ میں تمام سمجھ دار مسلمان لیڈر و علماء اسلام یہی فتویٰ دے رہے تھے کہ انگریزوں سے لڑائی ممنوع ہے۔ کیونکہ انگریز مذہب میں دخل اندازی نہیں کرتے۔ آپ سے پہلے سید احمد صاحب بریلویؒ نے جو اپنے زمانہ کے مجدد تھے۔ انگریزوں سے جہاد نہیں کیا۔ بلکہ ہندوستان سے دور و دراز کا سفر اختیار کر کے سرحد پر جا کر سکھوں سے لڑائی کی ہے جو اس وقت دین میں مداخلت کے مرتکب ہو رہے تھے۔ اور مسلمانوں کو اذان تک دینے سے روکتے تھے۔ حضرت سید احمدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ انگریزوں سے کیوں لڑائی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ آپ نے یہی بتائی کہ انگریز دین میں مداخلت نہیں کرتے اس لئے ان سے دینی لڑائی جائز نہیں۔

سوال ششم میں برق صاحب لکھتے ہیں کہ وہاں قیصر و کسریٰ کے استبداد کو ختم کرنے کا پروگرام تھا۔ یہاں انگریز کے جابرانہ تسلط کو قائم رکھنے کے منصوبے۔

اس کے متعلق واضح ہو کہ یہاں بھی ساری دنیا کو اسلام کے لئے فتح کرنے اور حکومت اسلامیہ قائم کرنے کا پروگرام ہے۔ مگر از روئے تعلیم قرآن مجید جنگ سے نہیں بلکہ صلح اور امن کے ساتھ اشاعت اسلام کے ذریعے۔ رسول کریم ﷺ تو داعی امن و صلح ہی تھے۔ جنہوں نے اَلصُّلْحُ خَیْرٌ (النساء : ۱۲۹) کی تعلیم دی وہ تبلیغ اسلام ہی کرتے تھے۔ آپؐ نے خود مکہ کی حکومت کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا۔ بلکہ اہل مکہ میں امن کے طریقوں سے ہی اسلام پھیلانے کی کوشش کی۔ مگر چونکہ اس صلح اور امن کے روحانی داعی کو اہل مکہ نے قتل کر دینے کا فیصلہ کیا تو اس وقت خدائی اذن کے ماتحت آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی۔ مگر جب مکہ والوں نے مدینہ منورہ میں بھی آپ کو امن سے نہ بیٹھنے دیا بلکہ تلوار لے کر چڑھ آئے تو آپ کو اس مظلومیت کی حالت میں خدائی اذن کے ماتحت جنگ کے لئے میدان میں نکلنا پڑا۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ

کے مطابق اس مقابلہ میں آپ کو فتح دی۔ ورنہ اگر یہ دشمنان اسلام تلوار سے حملہ آور نہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ ان کے خلاف کبھی تلوار نہ اٹھاتے۔ آپ کو تو تلوار اٹھانے کے بعد بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم دیا گیا تھا اِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الانفال : ٦٢) کہ اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو اے نبی تو بھی صلح کی طرف مائل ہو جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ۔

برق صاحب کا یہ فرمانا سراسر کذب وافتراء ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے انگریزوں کے جابرانہ تسلط کو قائم رکھنے کا کوئی منصوبہ کیا تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیشگوئیوں میں مسیح موعود کو عیسیٰ اور ابن مریم اسی لئے قرار دیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے رنگ میں صرف جمالی شان کے ساتھ آئے گا۔ جس طرح حضرت عیسیٰؑ غیر حکومت یعنی رومی حکومت کے ماتحت تھے اسی طرح امت محمدیہ کا مسیح موعود بھی غیر حکومت یعنی انگریزی حکومت کے ماتحت ہوگا اسی لئے صحیح بخاری کی حدیث میں اس کی شان میں یَضَعُ الْحَرْبَ کے الفاظ وارد ہیں یعنی وہ لڑائی کو روک دے گا۔ اور مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۱۱ میں بروایت ابو ہریرہؓ تَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا کے الفاظ وارد ہیں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں لڑائی اپنے اوزار رکھ دے گی۔ پس مسیح موعود کے متعلقہ پیشگوئیاں بتا رہی ہیں کہ مسیح موعود تلوار نہیں اٹھائے گا۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر جہاد بالسیف نہ کرنیکا الزام ان احادیث نبویہ کی موجودگی میں سراسر ناجائز ہے۔

سوال ہفتم میں برق صاحب لکھتے ہیں کہ وہاں اسلام کو آزادی کا مترادف قرار دیا گیا تھا۔ یہاں غلامی کا مترادف۔ یہ اعتراض بھی کذب صریح ہے۔ کسی غیر حکومت کے ماتحت رہنا اگر اسلام میں ممنوع ہوتا تو آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کو حبشہ میں ہجرت کرنے کا حکم نہ دیتے۔ جہاں کا بادشاہ عیسائی تھا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ سے پہلے مسلمانوں نے ان شرائط کے

ساتھ کہ انگریزوں کی طرف سے مداخلت فی الدین نہیں ہو گی عیسائی تسلط منظور کر رکھا تھا۔ پس جب ایک حکومت دین میں مداخلت نہ کرتی ہو تو ایسی حکومت میں رہنا اسلامی تعلیم کے مطابق غلامی نہیں۔ بلکہ از روئے فقہ اسلام ایسے ملک کو دارالاسلام ہی سمجھنا چاہیے نہ دارالحرب۔

حبشہ میں مسلمان آزادی کی خاطر ہی گئے تھے کیونکہ مکہ میں انہیں آزادی حاصل نہ تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ہجرت کا حکم دے کر آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو ایک غلامی سے نکال کر دوسری غلامی میں داخل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ پس جس طرح صحابہؓ کرام حبشہ کے بادشاہ کی ماتحتی میں غلام نہ تھے۔ کیونکہ وہ آزادی کی خاطر حبشہ گئے تھے۔ اسی طرح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ انگریزوں کے ماتحت رہ کر بھی آزاد تھے۔ اور آپ نے اس آزادی سے یہ کمال درجے کا فائدہ اٹھایا کہ اپنے زمانہ میں ملکہ معظّمہ وکٹوریہ کو نہایت زوردار طریق سے دعوتِ اسلام دی۔ کیا اس قسم کا مردِ مجاہد غلامی کی تعلیم دینے والا قرار دیا جا سکتا ہے۔

رفعِ اختلاف کی دوسری صورت

پھر برق صاحب ہماری طرف سے حضرت اقدسؑ کی عبارتوں میں رفع اختلاف کی دوسری توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نبوت دو قسم کی ہے۔ تشریعی و غیر تشریعی جہاں مرزا صاحب نے نبوت کا انکار فرمایا ہے وہاں تشریعی نبوت مراد ہے۔ اور جہاں دعویٰ کیا ہے وہاں غیر تشریعی۔ (حرفِ محرمانہ صفحہ ۶۳)

یہ توجیہہ ہمارے نزدیک درست ہے مگر برق صاحب لکھتے ہیں۔

"اگر بالفرض نبوت کی دو قسمیں تشریعی و غیر تشریعی مان بھی لی جائیں تب بھی یہ حقیقت سب کے ہاں مسلمہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صاحبِ کتاب و شریعت نبی

تھے۔اگر جناب مرزا صاحب کے الہامات انجیل کے ہم پایہ تھے تو پھر بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک چھوٹی سی کتاب یعنی انجیل کی بنا پر حضرت عیسیٰؑ کو تو صاحبِ شریعت رسول تسلیم کیا جائے اور جناب مرزا صاحب کی وحی کو جو بیس اجزاء پر مشتمل ہے نظر انداز کر دیا جائے بات یہ ہے کہ نبی وحی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔اور یہی وحی اس کی شریعت ہوتی ہے۔انبیاء کو شرعی اور غیر شرعی میں تقسیم کرنا درست نہیں۔اس مسئلہ پر مرزا صاحب کا ارشادِ ذیل کتنا فیصلہ کن ہے۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۶۵، ۶۶)

برق صاحب کی اوپر کی عبارت میں تین باتیں حل طلب ہیں۔اول یہ کہ انبیاء کو شرعی اور غیر شرعی میں تقسیم کرنا درست نہیں۔بنیادی امر ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے پہلے نمبر رکھا ہے۔دوئم یہ کہ آیا انجیل کوئی شریعت کی کتاب تھی یا نہیں۔سوئم یہ کہ کیا حضرت مرزا صاحب تشریعی نبوت کے مدعی تھے۔اس بارہ میں اقتباس جناب برق صاحب نے حرف محرمانہ صفحہ ۶۶ و صفحہ ۶۷ پر اربعین نمبر ۴ صفحہ ۷، ۸ سے نقل کیا ہے اس کی تشریح کیا ہے اور وہ کیا فیصلہ دیتا ہے!

اب ان امور کا جواب علی الترتیب دیا جاتا ہے۔

امر اوّل۔نبوت کی تقسیم از روئے قرآن مجید

قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے کہ نبوت کی دو قسمیں ہیں۔تشریعی اور غیر تشریعی۔اور یہ تقسیم قرآن مجید میں صاف مذکور ہے ہم حیران ہیں کہ برق صاحب کو یہ تقسیم کیوں نظر نہیں آئی۔دیکھئے اللہ تعالیٰ قران مجید میں فرماتا ہے۔

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْ اَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ۔

(سورۃ الانعام : ۱۵۵)

یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔جو نیکی کرنے والے پر نعمت پوری کرنے

والی تھی اوراس میں ہر چیز کی تفصیل موجود تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو الکتاب یعنی شریعت دی گئی جو بنی اسرائیل کے لئے جامع اور مفصل تعلیمات پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ قَفَّيْنَامِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ۔ (سورۃ البقرہ: ۸۸)

کہ موسیٰؑ کے بعد ہم نے کئی رسولوں کو اس کے نشان قدم پر بھیجا۔

یعنی موسیٰؑ کے تابع بنایا اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بھی جنہیں غلطی سے برق صاحب الشریعت نبی خیال کرتے ہیں۔ فرمایا۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ۔ (المائدہ: ۴۷)

کہ ہم نے ان انبیائے موسوی کے نشان قدم پر ہی حضرت عیسیٰؑ کو بھیجا۔

پس حضرت عیسیٰؑ شریعت میں موسیٰؑ کی کتاب توراۃ کے تابع تھے۔ یہ سب انبیاء جو موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ شریعت موسوی کے ہی پابند تھے اور انہیں کوئی جدید شریعت نہیں دی گئی تھی۔ البتہ توراۃ کا مغزان پر کھولا جاتا تھا۔ وہ کسی شریعت جدیدہ کے حامل نہیں ہوئے تھے۔ صرف توراۃ کی تشریح اس کی تجدید کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ دینا ان کا کام تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا۔ (المائدہ: ۴۵)

کہ ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور اس کے ذریعہ وہ نبی جو خدا تعالیٰ کو ماننے والے تھے۔ یہودیوں کے لئے حکم شریعت تھے۔

یعنی یہودیوں کے لئے وہ انبیاء احکام تورات کی صحیح تشریح کرتے اور اسے نافذ کرتے تھے۔ وہ خود کوئی الگ مستقل شریعت تورات کے علاوہ نہیں رکھتے تھے۔ تعجب ہے کہ برق صاحب کو قرآن کریم میں یہ آیت نظر نہیں آئی۔ جو نبوت کو دو

قسموں تشریعی اور غیر تشریعی میں تقسیم کرتی ہے۔

امرِ دوم

برق صاحب کی دوسری بات یہ ہے کہ۔

"اگر جناب مرزا صاحب کے الہامات انجیل کے ہم پایہ تھے تو پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک چھوٹی سی کتاب یعنی انجیل کی بنا پر حضرت عیسیٰ کو تو صاحب کتاب وشریعت رسول تسلیم کیا جائے اور جناب مرزا صاحب کی وحی کو جو بیس اجزاء پر مشتمل ہے نظر انداز کر دیا جائے۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۶۵)

الجواب

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید اس بات پر گواہ ہے کہ اس کے نزول سے پہلے بنی اسرائیل کے لئے شریعت کی کتاب صرف تورات تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ ہُود میں فرماتا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰى اِمَاماً وَّرَحْمَةً۔ (سورۃ ہود : ۱۸)

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کو قرآن کریم کے بیّنہ سے پہلے "امام" اور "رحمت" قرار دیا گیا ہے۔ انجیل اور زبور وغیرہ کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے بعد نازل ہوئیں امام کی حیثیت نہیں دی گئی۔ پس موسیٰ علیہ السلام سے بعد آنے والے نبیوں کیلئے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کو ہی امام یعنی شریعت قرار دیا ہے۔ اسی کی تائید سورۂ احقاف کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

"وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْ ابِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا اِفْكٌ قَدِيْمٌ ☆ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ

مُوۡسٰی اِمَاماً وَّ رَحۡمَةً وَهٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِسَاناً عَرَبِيًّا لِّيُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡ بُشۡرٰی لِلۡمُحۡسِنِيۡنَ۔" (سورہ الاحقاف : ۱۲، ۱۳)

"یعنی چونکہ کفار پر اس قرآن کی صداقت نہیں کھلی وہ کہیں گے کہ یہ تو ایک پرانا جھوٹ ہے (جو پہلے لوگ بھی بولتے آئے) حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب امام اور رحمت تھی۔ اور یہ کتاب (قرآن مجید) ایک ایسی کتاب ہے جو پہلی کتاب کی مصدق ہے اور عربی زبان میں ہے تاکہ جنہوں نے ظلم کیا ہے ان کو ڈرائے اور جو لوگ خدائی حکم کے مطابق کام کرتے ہیں ان کو بشارت دے۔"

پس آنحضرت ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوئے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ ان کی کتاب شریعت تورات ہی تھی۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ انجیل کو نئی شریعت کے معنی میں کوئی کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا ورنہ قرآن مجید سے پہلے اس کتاب کو بھی امام یعنی شریعت قرار دیا جاتا۔ ہاں انجیل کو صرف لغوی معنی میں کتاب کہا جاسکتا ہے وہ کسی شریعت جدیدہ پر مشتمل نہیں تھی۔

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے نزدیک بھی تمام انبیاء بنی اسرائیل تورات ہی کے تابع تھے۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کوئی الگ شریعت قرار نہیں دی فرماتے ہیں۔

"بنی اسرائیل میں کئی ایسے نبی ہوئے جن پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی صرف خدا کی طرف سے پیشگوئیاں کرتے تھے جن سے موسوی دین کی شوکت اور صداقت کا اظہار ہو پس وہ نبی کہلائے۔" (بدر مارچ ۱۹۰۸ء)

انجیل کے متعلق فرماتے ہیں۔

"انجیل کیا تھی؟ وہ صرف توریت کے چند احکام کا خلاصہ تھی جس سے پہلے

یہود بے خبر نہیں تھے گو اس پر کاربند نہ تھے۔" (تحفہ گولڑویہ ستمبر ۱۹۰۲ء) پس انجیل کے احکام صرف موسوی شریعت کی تجدید اور اس کے بیان کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت اقدس کے نزدیک وہ تورات سے کوئی الگ شریعت کی کتاب نہ تھی۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت جدیدہ نبی تھے۔ اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحب شریعت جدیدہ نبی ہیں۔ چنانچہ آپ آنحضرت ﷺ کی شان میں لکھتے ہیں۔

"وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالاتِ نبوت ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں۔ اور نہ کوئی ایسا نبی جو امت سے باہر ہو۔" (ضمیمہ چشمۂ معرفت صفحہ ۹ طبع اوّل)

پھر فرماتے ہیں۔

"ہم نبی ہیں ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔" (بدر ۵، مارچ ۱۹۰۸ء)

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ تشریعی نبوت کے دعویٰ سے آپ کو سراسر انکار ہے اور ایسے دعویٰ کو آپ کفر سمجھتے ہیں۔

قاضی محمد یوسف صاحب نے بھی ہرگز آپ کے مجموعۂ الہامات کو شریعت جدیدہ کے معنی میں "الکتاب المبین" قرار نہیں دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی واضح تحریروں کی موجودگی میں جناب برق صاحب کا قاضی محمد یوسف صاحب کی کسی تحریر سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت مرزا صاحب کے الہامات شریعت جدیدہ تھے ہرگز جائز نہیں۔ قاضی صاحب موصوف کبھی ایسی بات نہیں لکھ سکتے تھے۔ جو احمدیت سے ارتداد کے مترادف ہو۔ بلکہ ان کے نزدیک نہ انجیل کوئی شریعت جدیدہ کی کتاب تھی اور نہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کو شریعت جدیدہ پر مشتمل

سمجھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات جمع کرنے کا حکم دینا اس لئے نہیں تھا کہ آپ کے الہامات کتابِ شریعتِ جدیدہ ہیں۔

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لاہوری احمدی کا یہ لکھنا کہ ساتھ ہی مریدوں کو اس کی تلاوت کے لئے بھی ارشاد فرمایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ایک مخالف کی تحریر ہے۔ جناب برق صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے کسی قول سے ایسا نہیں دکھا سکتے ہیں کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مجموعہ الہامات کو شریعت کی کتاب قرار دیا ہے وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْراً۔ (بنی اسرائیل: ۸۹) حضرت مسیح موعودؑ کا چشمہ مسیحی صفحہ ۱۶ پر یہ فرمانا کہ میں عیسیٰ مسیح کو ہرگز ان امور میں اپنے پر کوئی زیادت نہیں دیکھتا۔ یعنی جیسے ان پر خدا کا کلام نازل ہوا ایسے ہی مجھ پر ہوا صرف اسی مفہوم میں ہے کہ جس طرح ان کی وحی غیر تشریعی تھی۔ اسطرح میری وحی بھی غیر تشریعی ہے۔ کیونکہ آپ صاف لفظوں میں آنحضرت ﷺ کے بعد شریعت جدیدہ لانے کو کفر قرار دے چکے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت جدیدہ لانیوالا نبی نہیں سمجھتے ہیں۔

برق صاحب کا ایک مغالطہ

جناب برق صاحب نے ایک عبارت حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی منسوب کی ہے کہ۔

"یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔"

(بحوالہ اخبار الفضل ۱۷ر جولائی ۱۹۲۲ء حرفِ محرمانہ صفحہ ۵۲۰)

اس عبارت کو اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہوئے جناب برق صاحب نے حسب عادت تحریف سے کام لیا ہے۔ ۷، جولائی ۱۹۲۲ء کے خطبہ مندرجہ الفضل میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے الفاظ یہ ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کسی کو رسول کریم ﷺ سے بڑھنے سے نہیں روکا۔ اگر کسی شخص میں ہمت ہے تو بڑھ جائے مگر وہ بڑھے گا نہیں کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو قربانی دی ہے کوئی وہ قربانی دینے کا اہل نہیں۔

یہ صاف بات ہے کہ بڑھ سکنا اور چیز ہے اور بڑھنا اور چیز۔ بڑھ سکنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص کے لئے آگے بڑھنے کا موقعہ ہے اور یہ راستہ اس کے لئے بند نہیں بلکہ کھلا تھا۔ لیکن جب کوئی شخص آپ سے بڑھا نہیں تو معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو عشق کا نمونہ دکھایا ویسا نمونہ اور کوئی نہیں دکھا سکا۔ عام آدمی تو الگ رہے وہ نمونہ ابراہیمؑ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بھی نہیں دکھا سکے۔

پھر یہی مضمون ۱۱، فروری ۱۹۲۲ء کے خطبہ میں یوں بیان فرمایا ہے۔

"اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کیا محمد ﷺ سے بھی کوئی شخص بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے؟ تو میں کہا کرتا ہوں کہ خدا نے اس مقام کا دروازہ بھی بند نہیں کیا۔ مگر تم میرے سامنے وہ آدمی تو لاؤ جو محمد ﷺ سے مقاماتِ قرب کے حصول میں زیادہ سرعت اور تیزی کے ساتھ اپنا قدم اٹھانے والا ہو۔ ہو سکتا اور چیز ہے اور ہونا اور چیز ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے عیسائیوں سے کہہ دے کہ اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ اب اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ واقعہ میں خدا کا کوئی بیٹا ہے۔ اسی طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ سے اپنے درجہ میں آگے نکل گیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ سے کوئی شخص بڑھنا چاہے تو بڑھ سکتا ہے۔

خدا نے اس دروازے کو بند نہیں کیا۔ مگر عملی حالت یہی ہے کہ کسی ماں نے ایسا کوئی بچہ نہیں جنا اور نہ قیامت تک کوئی ایسا بچہ جَن سکتی ہے۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑھ سکے۔"

دیکھئے اس جگہ امکانِ عقلی تو تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن قیامت تک آنحضرت ﷺ سے کسی کے فی الواقع بڑھ سکنے کا انکار کیا گیا ہے۔ عقیدہ آنحضرت ﷺ کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خداتعالیٰ سے قرب کے میدان میں اس سرعت سے ترقی کر چکے ہیں کہ گو ترقی کا دروازہ دوسروں کے لئے بند نہیں۔ لیکن کوئی شخص قیامت تک عملاً نہیں بڑھ سکے گا۔ گویا آنحضرت ﷺ اس دوڑ میں سب کو پیچھے چھوڑ کر قیامت تک سب سے آگے بڑھ جانا آپ کی قابلیّت پر دال ہے۔ یہ نہیں کی خداتعالیٰ نے زبردستی کر کے آنحضرت ﷺ کو آگے کر دیا ہے اور دوسروں کو مجبور کر کے پیچھے کر دیا ہے۔ ایسے عقیدہ سے آنحضرت ﷺ کی عظمت ظاہر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت امام جماعت احمدیہ ۷ رجولائی ۱۹۲۲ء کے خطبہ میں ہی فرماتے ہیں :-

"اگر کہا جائے کہ رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود بخود ایک خاص مقام دے دیا اور لوگوں کو اس مقام تک پہنچنے سے جبراً روک دیا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دنیا میں کئی لوگ ایسے تھے جو رسول اللہ ﷺ سے اس روحانی دوڑ میں بڑھ سکتے تھے مگر چونکہ خدا نے اس کو جبراً روک دیا اور وہ خود محمد ﷺ اور لوگوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس لئے رسول کریم ﷺ خداتعالیٰ کا خاص قرب حاصل کر گئے۔ ورنہ اور لوگ بھی ایسے ہو سکتے تھے جن کو اگر موقعہ دیا جاتا تو اس مقام کو حاصل کر لیتے۔ میرے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی گالی نہیں ہو سکتی۔"

برق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذیل کی عبارت پیش کی ہے۔

"اور بالآخر یاد رہے کہ اگر ایک امتی کو جو محض پیروی آنحضرت ﷺ سے درجہ وحی اور الہام اور نبوت کا پاتا ہے نبی کے نام کا اعزاز دیا جائے تو اس سے مہر نہیں ٹوٹتی کیونکہ وہ امتی ہے.......... مگر کسی ایسے نبی کا دوبارہ آنا جو امتی نہیں ہے ختم نبوت کے منافی ہے۔" (چشمہ مسیحی صفحہ ۴۱ طبع اول)(حرفِ محرمانہ صفحہ ۵۳۔۵۴)

برق صاحب کا ایک خلافِ اجماع نظریہ

اس پر برق صاحب لکھتے ہیں :۔

"مجھے اس قول سے اختلاف ہے میں جب انبیاء کی طویل فہرست پر نظر ڈالتا ہوں تو اس میں سے مجھے ہر ایک (آدم کے سوا) امتی نظر آتا ہے"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۵۴)

یہ برق صاحب کی اپنی خانہ ساز اصطلاح ہے کہ آدم کے سوا ہر نبی امتی ہے۔ ورنہ کسی نبی نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے سوا کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں امتی ہوں یا کم از کم یہ کہا ہو کہ میں نے دوسرے نبیوں کی اطاعت اور انکے افاضۂ روحانیہ سے مقام نبوت پایا ہے۔ امتی حضرت اقدسؑ کے نزدیک وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے تمام کمالات نبیِ متبوع کے فیض اور پیروی سے حاصل کرے۔ آنحضرت ﷺ کو خدا تعالیٰ کی یہ ہدائت کہ :۔

"وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفاً" (النساء : ۱۲۶) نیز آیت "یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ" (النساء : ۲۷) ہرگز آنحضرت ﷺ کو ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کا امتی قرار نہیں دیتی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کو ملتِ ابراہیم اور پہلے انبیاء کے طریقوں کی اپنی براہِ راست وحی کے ذریعہ اطلاع دی گئی ہے۔ کیونکہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ (الشوریٰ : ۵۳) کہ نہ تو یہ جانتا تھا شریعت کیا ہوتی ہے اور نہ ایمان کی حقیقت

سے واقف تھا۔ پس جب ملت ابراہیم اور پہلے انبیاء کے طریقوں سے آنحضرت ﷺ کو خداتعالیٰ کی براہِ راست وحی سے اطلاع دی گئی تواب یہ طریقے آپ اور آپ کی امت کے لئے نئی شریعت کا حکم رکھتے ہیں جو انبیاء موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے ان میں کسی نبی نے امتی نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لئے تمام امت کا اجماع ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاء بالا صالت یا مستقل انبیاء تھے۔ جن میں سے بعض تشریعی نبی تھے اور بعض غیر تشریعی۔ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی ہونیکا دعویٰ صرف اور صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہے۔ برق صاحب کسی نبی کی طرف سے یہ دعویٰ ثابت نہیں کر سکتے کہ میں ایک پہلو سے نبی ہوں اور ایک پہلو سے امتی۔ اگر برق صاحب ایسا دعویٰ کسی نبی کا ثابت نہیں کر سکتے۔ اور وہ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے تو ہم ان کی خود ساختہ اصطلاح کو جس سے کسی مجتہد امت کو اتفاق نہیں ۔ کیسے درست مان سکتے ہیں۔ برق صاحب کے نزدیک تو آنحضرت ﷺ بھی امتی نبی ہیں۔ حالانکہ آپؐ قرآن مجید کی شریعت جدیدہ لانے والے نبی ہیں۔ یہ دعویٰ کہ آنحضرت ﷺ امتی نبی تھے اجماع امت کے صریح خلاف ہے۔ اور برق صاحب کی خانہ ساز اصطلاح محض مغالطہ اور خود فریبی ہے۔

حضرت اقدسؑ کے نزدیک "امتی نبی" محض آنحضرت ﷺ کا متبع ہوتا ہے وہ کوئی جدید شریعت نہیں لاتا پس جب حضرت اقدسؑ کی امتی نبی کی اصطلاح برق صاحب کی اصطلاح سے معنوی طور پر مختلف ہے تو برق صاحب گو اپنی خانہ ساز اصطلاح میں آدم علیہ السلام کے سواسب انبیاء کو حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کو بھی امتی نبی کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح ان کی حضرت اقدسؑ کی اصطلاح سے ایک الگ اصطلاح ہوگی۔

برق صاحب کی اس اصطلاح میں تو تشریعی نبی بھی امتی نبی ہے۔ مگر حضرت اقدسؑ تشریعی نبی کو امتی نبی نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہی مستقل اور بالا صالتہ نبی کو امتی نبی

قرار دیتے ہیں۔

☆☆☆☆

حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ تشریعی نبوت کا نہیں

محترم برق صاحب نے ایک اور عبارت سے بھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجسدہ العنصری نزول کے رَدّ میں ہے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اس عبارت کے الفاظ یہ ہیں۔

"بلا شبہ جس کلام کے ذریعہ سے یہ تمام تفصیلات ان کو معلوم ہوں گی وہ بوجہ وحی رسالت ہونے کے کتاب اللہ کہلائے گی۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۶۴ بحوالہ ازالہ اوہام جلد ۲ صفحہ ۵۷۹ طبع اول)

اس عبارت کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصالتاً دوبارہ آنا بدیں وجہ محال ثابت کیا گیا ہے۔ کہ اگر وہ اصالتاً نازل ہوں تو شریعتِ محمدیہ کی تمام تفصیلات جب ان کو بذریعہ وحی معلوم ہونگی تو چونکہ وہ بزعمِ علماء صاحبِ شریعت رسول تھے۔ اس وجہ سے ان پر وحی رسالت ہونے سے وہ تفصیلات کتاب اللہ کہلائیں گی۔ اور چونکہ مسلمان قرآن شریف کے بعد کسی کتاب اللہ کے نزول کے تا قیامت قائل نہیں اس لئے "اسلام" آجانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت اصالتاً محال ہوئی۔ اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہوئی۔

اس عبارت سے جناب برق صاحب کو یہ کہنے کا حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر امتی نبی کے دعویٰ کی صورت میں جو وحیِ نبوتِ ظلّیہ نازل ہوتی تھی وہ انہی معنوں میں وحی رسالت قرار دی جاسکتی ہے۔ جن معنوں میں ایک تشریعی نبی کی وحی رسالت کتاب اللہ قرار دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے صفائی سے اپنا عقیدہ یہ بیان کر دیا ہے کہ آپ ہرگز تشریعی نبوت کے مدعی نہیں اور

ایسے دعویٰ نبوت کو آپ کفر سمجھتے ہیں۔ تشریعی نبی آپ کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو شریعت جدیدہ کا حامل ہو یا مستقل نبی ہونیکی صورت میں اس پر کوئی نیا حکم شریعت نازل ہو یا وہ سابقہ شریعت میں کوئی ترمیم و تنسیخ کرے۔

برق صاحب کی دروغ بافی

برق صاحب نے حرف محرمانہ صفحہ ۶۵، ۶۶ پر حضرت اقدسؑ کی کتاب اربعین نمبر ۴ صفحہ ۷، ۸ طبع اول سے بھی ایک عبارت پیش کی ہے جس سے آپ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ گویا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ خود تشریعی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ عبارت یہ ہے۔

"ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے۔ اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام ...... براہین احمدیہ میں درج ہے اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے۔ جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی۔ (الاعلیٰ: ۱۹، ۲۰) یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء (مکمل طور پر) امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر تورات یا قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے۔ تاہم خدا تعالیٰ

نے اپنے نفس پر حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی اور مامور کے ذریعہ سے یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنانہ کرو خون نہ کرو اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیان شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔"

(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۷، ۸ طبع اول)

اربعین کی عبارت کی تشریح

محترم برق صاحب نے جو حوالہ پیش فرمایا ہے یہ ان کے اس مقصد کا کہ ہر نبی شریعت جدیدہ لاتا ہے۔ مؤیّد ہونے کی بجائے اس کے صریح خلاف ہے۔ اس کا ماحصل جیسا کہ اس حوالہ کے آخری فقرات سے ظاہر ہے یہ ہے کہ ایک مجدّدِ دین پر بیان شریعت کے طور پر سابقہ شریعت کے ایسے احکام نازل ہو سکتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولو، جھوٹی گواہی نہ دو، زنانہ کرو، خون نہ کرو وغیرہ اور ان کا نزول کوئی جدید شریعت نہیں کہلا سکتا۔ صرف بیان شریعت ہی ہو گا۔ اس لئے گو یہ احکام شریعت مُطلقہ کی ذیل میں آتے ہیں۔ مگر شریعتِ جدیدہ نہیں کہلا سکتے کیونکہ اس عبارت میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے جب حضرت مرزا صاحب کے نزدیک قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے تو آپ کی وہ وحی جو قرآنی امر و نہی پر مشتمل ہے صرف بیان شریعت ہوئی نہ کہ شریعت جدیدہ۔ شریعت جدیدہ کی وحی تو صرف تشریعی نبی پر نازل ہو سکتی ہے۔ دیکھئے آپ اپنی کتاب "الوصیت" میں جو "اربعین" سے بعد کی تصنیف ہے اور جس کا نام اسکی اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے فرماتے ہیں۔

"یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوتِ تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اسکی پیروی معطل۔ بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔"

(الوصیت صفحہ ۱۲ طبع اول)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدسؑ کے نزدیک تشریعی نبی کے لئے نئے احکام لانا یا سابقہ شریعت میں ترمیم و تنسیخ کرنا یا اس کے کسی حکم کو معطل کرنا ضروری ہے۔

پھر حضور ''تجلیات الٰہیہ'' میں فرماتے ہیں۔

''نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لئے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرے اور تجدید دین کیلئے مامور ہو یہ نہیں کہ کوئی دوسری شریعت لائے کیونکہ شریعت آنحضرت ﷺ پر ختم ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جب تک اس کو امتی بھی نہ کہا جائے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک انعام اس نے آنحضرت ﷺ کی پیروی سے حاصل کیا ہے۔'' (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۹ طبع اول)

پھر چشمہ معرفت میں جو آخری کتابوں سے ہے تحریر فرماتے ہیں۔

''ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولا آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ شریعت اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔''

(چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴ طبع اوّل)

''خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے۔ اور محمدی شریعت کے خلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔''

(چشمہ معرفت صفحہ ۲۵، ۳۲۴ طبع اوّل)

محترم برق صاحب کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہوئے ہم اس تعجب کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر وہ احمدیت کے محرمِ راز تھے تو انہوں نے کیوں ان عبارتوں کے خلاف حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر تشریعی نبوت کے دعویٰ کا

الزام لگایا؟ کیا ایک محقق فرض شناس اور ذمہ دار مصنف کی شان سے یہ بعید نہیں کہ وہ کسی مصنف کی عبارت کے منشاء کے خلاف معنی لے کر اس مصنف کے خلاف کوئی الزام قائم کرے اور اس ناجائز طریق سے اس کے مقابل بحث کو جیتنا چاہے کہ ایسا طریق اختیار کرنے والے کی کتاب حرفِ محرمانہ کی بجائے حرفِ مجرمانہ بلکہ تحریفِ مجرمانہ کہلانے کی مستحق نہیں؟

رفعِ اختلاف کی تیسری صورت

اربعین نمبر ۴ صفحہ ۷، ۸ کے مذکورہ حوالہ کو جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور بیان شریعت امر و نہی قرآنی کے نزول کا ذکر فرمایا ہے اور اسے مجدد کا ایک کام بتایا ہے پیش کرنے کے بعد جناب برق صاحب ہماری طرف سے حضرت اقدسؑ کی نبوت کے متعلق تحریروں سے رفعِ اختلاف کی تیسری صورت یوں بیان کرتے ہیں۔

"اس الجھن کا حل جماعت احمدیہ کے امام جناب میاں محمود احمد صاحب نے پیش فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ (مرزا صاحب) نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے۔ اب منسوخ ہیں۔ اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔" (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۲۱) (حرفِ محرمانہ صفحہ ۶۷)

گو حضرت امام جماعت احمدیہ نے یہ فقرات اربعین کے اس حوالہ کے متعلق نہیں فرمائے جن کا حل ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے ہی پیش کر چکے ہیں۔ تاہم مسئلہ نبوت مسیح موعودؑ کے اثبات کے سلسلہ میں آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی سابقہ تحریرات کے متعلق جو انکار نبوت کے بیان پر مشتمل ہیں یہ بات ضرور لکھی ہے کہ ایسی تحریرات اب منسوخ ہیں۔ امام جماعت احمدیہ کے اس

بیان کو جناب برق صاحب نے پانچ وجوہ کی بنا پر محل نظر قرار دیا ہے۔

پہلی وجہ

برق صاحب نے یوں لکھی ہے کہ۔

"ملہم سے زیادہ الہامات کی حقیقت کو دوسرا نہیں سمجھ سکتا اور اس کی تحریروں کو منسوخ کرنا ایک امتی کا کام نہیں ہو سکتا (حضرت امام جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی امتی نہیں ناقل) ایک تحصیلدار کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ گورنر کے احکام کو منسوخ کرتا پھرے۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۶۷)

الجواب

اس جگہ بات یوں نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کسی بیان کو حضرت امام جماعت احمدیہ نے از خود منسوخ قرار دیا ہو بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے پہلے بیان کو جو اس معروف تعریف نبوت کے ماتحت تھا جس میں نبی کے لئے امتی نہ ہونا ضروری قرار دیا تھا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے صریح طور پر نبی کا خطاب ملنے پر تبدیل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے

امتی۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰ طبع اول)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"میں تو خدا تعالیٰ کی وحی کا پیروی کرنے والا ہوں۔ جب تک مجھے اس کی طرف سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں۔ بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰ طبع اوّل)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر اپنی فضیلت کے عقیدہ میں تبدیلی اس وحی کی بنا پر کی ہے جو آپ پر اپنی نبوت کے بارہ میں بارش کی طرح نازل ہوئی۔ پس آپ نے اپنے پہلے الہامات کی جو آپ کو نبی اور رسول قرار دیتے تھے یہ تاویل کہ آپ مُحَدَّث یا جزوی نبی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی متواتر وحی کی روشنی میں ترک فرمادی ہے اور خود کو صریح طور پر نبی متواتر وحی کی بنا پر قرار دیا ہے مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ لہٰذا اس جگہ تحصیلدار کے گورنر کے حکم کو منسوخ کرنے کی مثال صادق نہیں آتی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی نبوت کے متعلق پہلے عقیدہ کو خود ترک فرما کر اس میں تبدیلی کا ذکر فرمادیا ہے۔ جیسا کہ آپ کے اوپر کے بیان سے ظاہر ہے پس حضرت امام جماعت احمدیہ نے نسخ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے بیان کی بنا پر تحریر فرمایا ہے۔

دوسری وجہ

دوسری وجہ برق صاحب نے یہ لکھی ہے :۔

"ایک رسول کے ثلث صدی کے الہامات کو بہ یک کشش قلم منسوخ کر دینا ایک ایسا اقدام ہے جس کے لئے سند کی ضرورت ہے" الخ۔

الجواب

اس کے جواب میں واضح ہو کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا زیر بحث بیان اپنے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سند رکھتا ہے۔ جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

تیسری وجہ

تیسری وجہ برق صاحب نے بصورت اعتراض یہ لکھی ہے۔

"اگر کوئی صاحب چونتیس برس کی وحی کو یہ کہہ کر مسترد کر دے کہ وہ آخری آٹھ برس کی وحی سے متصادم ہوتی ہے تو ایک غیر احمدی لازماً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یا تو پہلی وحی غیر خدائی تھی یا آخری اس لئے کہ خدا کی وحی میں تضاد و تصادم نہیں ہوتا۔" (حرفِ مَحرمانہ صفحہ ۶۸)

الجواب

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بے شک خدا کی وحی میں تضاد و تصادم نہیں ہوتا۔ مگر اس جگہ خدا تعالیٰ کی وحی میں تضاد و تصادم موجود نہیں بلکہ تضاد و تصادم صرف اجتہاد کا ہے۔ آپ کی وحی میں براہین احمدیہ کے زمانہ سے نبی اور رسول کے الفاظ موجود ہیں۔ جن کی معروف تعریفِ نبوت کے مقابل آپ تاویل کرتے رہے۔ اور بعد کی متواتر وحی کی بنا پر آپ نے وہ تاویل ترک فرما دی اور اجتہاد میں تبدیلی کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔ اس اجتہاد میں تبدیلی کا باعث بعد کا الہام ہے۔

چوتھی وجہ

برق صاحب نے چوتھی وجہ یہ لکھی ہے کہ :-

"ہم صفحات گذشتہ میں دافع البلاء اور کشتی نوح کے چند اقتباسات درج کر چکے ہیں جن میں مرزا صاحب خاتمۂ نبوت کے صریحاً قائل ہیں یہ دونوں کتابیں ۱۹۰۲ء میں لکھی گئی تھیں۔ اگر صرف ۱۹۰۱ء کی تحریرات منسوخ ہیں تو پھر ان اقتباسات کا تطابق آخری تحریرات سے کیسے ہوگا۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۶۸)

الجواب

۱۹۰۱ء کی تحریرات کا منسوخ ہونا کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ غالباً یہ برق صاحب سے سہواً لکھا گیا ہے کیونکہ آگے وجہ پنجم میں خود انہیں مُسلّم ہے کہ احمدی ۱۹۰۱ء سے پہلے کی ان تحریرات میں نسخ کے قائل ہیں جو نبوت کی تشریح کے متعلق ہیں۔

برق صاحب نے دافع البلاء سے حرف محرمانہ صفحہ ۶۰ پر جو حوالہ نقل فرمایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"قادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کے رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔" (دافع البلاء صفحہ ۵ طبع اوّل)

اور کشتی نوح سے حرفِ محرمانہ کے صفحہ ۵۲ پر جو حوالہ جناب برق صاحب نے نقل فرمایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :-

"کیا ضروری نہیں کہ اس امت میں بھی کوئی نبیوں اور رسولوں کے رنگ میں نظر آوے جو بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کا وارث اور ان کا ظلّ ہو۔"

یہ دونوں عبارتیں آپ کے دعویٰ نبوت و رسالت کے ثبوت میں ہیں نہ کہ نفی میں۔ لہٰذا ۱۹۰۲ء سے بعد کی تحریرات سے ان کا کوئی اختلاف موجود نہیں کیونکہ

ان تحریرات میں ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی ہونے یا ظلّی نبی ہونے کی تردید نہیں کی گئی۔ بلکہ ایسی نبوت کا دعویٰ تسلیم کیا گیا ہے۔

پانچویں وجہ

برق صاحب نے پانچویں وجہ یہ لکھی ہے کہ :-

"اگر ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریرات منسوخ کر دی جائیں تو مرزا صاحب کی دو تہائی تحریرات سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔ اگر ایک رسول کی دو تہائی تحریرات کو ناقابلِ اعتماد قرار دیا جائے تو باقی ماندہ ایک تہائی سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۶۹)

الجواب

اس کے جواب میں واضح ہو کہ سابقہ تحریرات میں نسخ صرف ایک تاویل کا ہؤا ہے نہ کہ الہامات کا۔ اور تاویل اجتہاد پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر بعد کے الہامات سے ثابت ہو جائے کہ وہ تاویل بدیں وجہ تبدیلی کے قابل ہے۔ تو بعد کے الہامات سے اعتماد نہیں اٹھ سکتا۔ کیونکہ پہلے کے تمام الہامات بھی سے تطابق رکھتے ہیں۔ اختلاف صرف اجتہادی تاویل کی وجہ سے پایا گیا ہے۔ جسے الہامِ الٰہی نے منسوخ کر دیا۔

دیکھئے رسول کریم ﷺ اپنی نبوت کے زمانہ میں ایک لمبے عرصہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے رہے۔ اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے سولہ ماہ بعد جو وحی نازل ہوئی اس نے قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ قرار دے دیا اب کیا بعد والی وحی کے متعلق جو کعبہ کو قبلہ قرار دیتی ہے کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ تیرہ سال بعد کی وحی ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہے ہر گز نہیں۔

اسی طرح پہلے آنحضرت ﷺ اپنی شان کے متعلق انکسار طبع کی بنا پر یہ

فرماتے رہے کہ مجھے یونس علیہ السلام پر فضلیت نہ دو۔ اور مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح مت دو۔ لیکن نبوت کے آخری سالوں یعنی ۵ھ میں جب آیت خاتم النبیین نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تمام انبیاء سے چھ باتوں میں افضل ہوں۔ نیز فرمایا اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ تھا۔ اب کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مسلمان یہ کہہ سکے کہ آنحضرت ﷺ کی بعد کی وحی جس میں آپ کو خاتم النبیین قرار دے کر سب انبیاء سے اس خصوصیت میں ممتاز کر دیا گیا اور جس کے نتیجہ میں آپ نے تمام انبیاء سے افضل ہونے کا دعویٰ فرمایا وہ نا قابلِ اعتماد ہے؟ اور آپؐ کا اپنی شان کے متعلق پہلا بیان ہی حجت ہے کہ آپ حضرت موسیٰ اور یونسؑ سے افضل نہیں ہیں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں۔ کوئی مسلمان آنحضرت ﷺ کی بعد کی وحی کو نا قابلِ اعتماد قرار دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ مسلم امر ہے کہ یؤ خذ من النبی الآخر فالا خر کہ نبی سے آخری بات لی جاتی ہے۔

باب دوم

حرفِ محرمانہ کے دوسرے باب، متعلق مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

برق صاحب نے اپنی کتاب کے دوسرے باب میں مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر تنقید اور نکتہ چینی کی ہے جس کا خلاصہ ان کے الفاظ میں ہی یہ ہے کہ :-

۱- کسی مجدد مسیح ابن مریم یا مسیح موعودؑ کے آنے کا ذکر قرآن میں موجود نہیں۔ بعض احادیث میں صرف مسیح ابن مریم کے نزول کا ذکر ملتا ہے تو کیا ایسے مسیح پر اگر وہ آبھی جائے تو ایمان لانا ضروری ہے ؟ (حرف محرمانہ صفحہ ۷۲)

۲- علماء اسلام جو احادیث جناب مرزا صاحب کے سامنے پیش کرتے تھے ان تمام کا تعلق مسیح ابن مریم اور دجال وغیرہ سے تھا............... اگر یہ تمام احادیث محرّف اور مَوضُوع ہیں تو پھر انہی کی بنا پر آپ کا دعویٰ مسیحیت اور نبوت کیونکر جائز ٹھہرا؟

(ایضاً صفحہ ۷۶)

۳- کس حدیث کی بنا پر جناب مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا ہے اس میں مسیح موعود کے آنے کا ذکر نہیں بلکہ مسیح بن مریم کے نزول کا ذکر ہے اگر آپ کو یقین ہے کہ قرآن کی رو سے حضرت مسیح وفات پا چکے ہیں تو لازماً اس حدیث کو غلط قرار دینا ہو گا۔ اس حدیث کو لے کر پہلے بصد تکلف مثیلِ مسیح بننا اور پھر مسیح بن مریم ہونے کا اعلان کرنا اور اس کے بعد اپنے آپ کو مسیح موعود سمجھنا اور آخر میں ایک مستقل رسول (یہ جناب برق صاحب کا افترا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے مستقل رسول ہونے کا کبھی

دعویٰ نہیں کیا۔ ناقل) بن کر مسلمانوں کے سامنے آجانا کہاں تک جائز ہے؟ مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ "تمام حدیثیں تحریف معنوی اور لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔" (ایضاً صفحہ ۷۵)

احادیث کے متعلق مسیح موعودؑ کا مسلک اور برق صاحب کی مفتریات

برق صاحب نے اپنی ان عبارات میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف کئی غلط بیانیوں اور مفتریات سے کام لیا ہے۔

اوّل یہ کہ آپ کے دعویٰ مسیح موعود کی بنیاد نزولِ مسیح ابن مریم کی حدیث پر ہے۔

دوم یہ کہ آخر میں ایک مستقل رسول بن کر مسلمانوں کے سامنے آئے۔

سوم یہ کہ آپ تمام حدیثوں کو تحریفِ معنوی اور لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع قرار دیتے ہیں۔ یہ تینوں باتیں درست نہیں۔

پہلی بات کا جواب

پہلی بات کا جواب یہ کہ آپ کے دعویٰ کی بنیاد احادیث پر نہیں بلکہ آپ اپنے دعویٰ کی بنیاد قرآن مجید اور اپنے الہام پر رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ اعجاز احمدی صفحہ ۳۰، ۳۱ پر فرماتے ہیں۔

"میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں۔"

دوسری بات کا جواب

دوسری بات کا جواب کہ آپ کے نزدیک تمام حدیثیں تحریف معنوی اور

لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں یہ ہے کہ اس قول میں برق صاحب سراسر افتراء سے کام لے رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ نے کسی جگہ بھی تمام حدیثوں کے متعلق یہ الفاظ تحریر نہیں فرمائے۔ بلکہ صرف بعض احادیث کے متعلق ایسا خیال ظاہر کیا ہے چنانچہ ایک ایک عبارت جو خود برق صاحب نے بھی حضرت اقدسؑ کے کلام سے اپنی کتاب حرف محرمانہ صفحہ ۷۶ پر نقل کی ہے ان کی تردید کے لئے کافی ہے۔ اس عبارت میں حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ کمال درجہ کی بد نصیبی اور بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں...... یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مسیح بن مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اول درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے۔"

(ازالہ اوہام جلد ۲ صفحہ ۵۵۷ طبع اوّل)

پس مسیح موعود کی آمد کے متعلق پیشگوئی کو جو حدیثوں میں بیان ہوئی آپ سچا سمجھتے ہیں۔ اور یک دم تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لینا کمال درجہ کی بد نصیبی اور بھاری غلطی قرار دیتے ہیں۔ آپ نے صرف ان احادیث کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ جو علماء آپ کے خلاف پیش کرتے تھے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو یہ پیش کرتے ہیں تحریف معنوی یا لفظی میں آلودہ ہیں یا سرے سے موضوع ہیں۔"

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۸ طبع اوّل)

یہی الفاظ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۲ طبع اول پر لکھتے ہیں۔ پھر حضرت اقدس اعجاز احمدی صفحہ ۲۸ طبع اول پر تحریر فرماتے ہیں۔

"ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام حدیثوں کو ردّی کی طرح پھینک دو بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں سے وہ قبول کرو جو قرآن کے منافی و معارض نہ ہوں تا ہلاک نہ ہو جاؤ۔ کسی

حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ عیسیٰؑ کی عمر دو ہزار یا تین ہزار برس ہو گی۔ بلکہ ایک سو بیس برس کی عمر لکھی ہے اب بتلاؤ کیا ایک سو بیس برس اب تک ختم ہوئے یا نہیں؟"

پھر صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں۔

"پھر وہ "حَکَم" کا لفظ جو "مسیح موعود" کی نسبت "صحیح بخاری" میں آیا ہے اس کے ذرا معنی تو کریں ہم تو اب تک یہی سمجھتے تھے کہ حَکَم اس کو کہتے ہیں کہ اختلاف رفع کرنے کے لئے اس کا حکم قبول کیا جائے اور اس کا فیصلہ گو وہ ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے ناطق سمجھا جائے...... جس شخص کو خدا نے کشف و الہام عطا کیا۔ اور بڑے بڑے نشان اس کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے اور قرآن کے مطابق ایک راہ اس کو دکھلا دی تو پھر وہ بعض ظنی حدیثوں کے لئے اس روشن اور یقینی راہ کو کیوں چھوڑے گا۔ کیا اس پر واجب نہیں ہے کہ جو کچھ خدا نے اسے دیا ہے اس پر عمل کرے۔ اور اگر خدا کی پاک وحی سے حدیثوں کا کوئی مضمون مخالف پاوے اور اپنی وحی کو قرآن کے مطابق پاوے اور بعض حدیثوں کو بھی اس کے مؤید دیکھے تو ایسی حدیثوں کو چھوڑ دے اور ان حدیثوں کو قبول کرے جو قرآن کے مطابق ہیں اور اس کی وحی کی مخالف نہیں۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۲۹، ۳۰ طبع اوّل)

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود کے متعلق کچھ ایسی حدیثیں بھی ہیں جو آپ کی تائید کرتی ہیں اور صحیح بخاری کی حدیث کو جس میں مسیح موعود کو حَکَم قرار دیا گیا ہے۔ آپ صحیح حدیث سمجھتے ہیں اور مخالفین پر اپنی تائید میں اسے بطور حجت پیش کرتے ہیں۔

پھر آپ محولہ بالا اقتباس سے آگے تحریر فرماتے ہیں:-

"پھر مولوی ثناء اللہ صاحب کہتے ہیں کہ آپ کو مسیح موعود کی پیشگوئی کا خیال کیوں دل میں آیا۔ آخر وہ حدیثوں سے ہی لیا گیا۔ پھر حدیثوں کی اور علامات کیوں

قبول نہیں کی جاتیں۔ یہ سادہ لوح یا تو افتراء سے ایسا کہتے ہیں یا محض حماقت سے۔ ہم اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں۔ بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں۔جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردّی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔اگر حدیثوں کا دنیا میں وجود بھی نہ ہوتا تب بھی میرے اس دعویٰ کو کچھ حرج نہ پہنچتا تھا۔ہاں خدا نے میری وحی میں جابجا قرآن کریم کو پیش کیا ہے چنانچہ تم براہین احمدیہ میں دیکھو گے اس دعویٰ کے متعلق کوئی حدیث بیان نہیں کی گئی۔ جابجا میری وحی میں خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کو پیش کیا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۰-۳۱ طبع اوّل)

پس برق صاحب کا یہ لکھنا کہ آپ کے نزدیک تمام حدیثیں تحریف لفظی اور معنوی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔ حضرت اقدسؑ کی ان تحریرات کی روشنی میں سراسر باطل ہے۔لہٰذا ان کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ آپ نے مسیح موعود کا دعویٰ حدیثوں کی بنا پر کیا ہے۔ حدیثیں تو آپ صرف تائید دعویٰ میں پیش کرتے ہیں ورنہ اپنے دعویٰ کی بنیاد آپ قرآن مجید اور اپنے الہامات پر قرار دیتے ہیں۔

ایک اور عبارت کا حل

پھر جناب برق صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک اور عبارت یوں پیش کرتے ہیں :-

"مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔ بلکہ صدہا پیشگوئیوں میں سے یہ ایک پیشگوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔"

(ازالہ اوہام جلد ۱ صفحہ ۱۴۰ طبع اوّل)

برق صاحب اس حوالہ کی رو سے مسیح موعود پر ایمان لانا ضروری قرار نہیں دیتے حالانکہ اس حوالہ کا مفاد صرف یہ ہے کہ نزول مسیح کا عقیدہ اسلام کے ارکان میں سے نہیں۔ بلکہ منجملہ پیشگوئیوں کے ایک پیشگوئی تھی۔ اسلام کے ارکان پانچ ہیں۔ کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ اور نزول مسیح کا عقیدہ واقعی ان پانچ رکنوں میں سے نہیں بلکہ ان پیشگوئیوں میں سے ہے جن کا ظہور سے پہلے اجمالی طور پر ماننا ضروری ہوتا ہے۔

ہاں جب مسیح موعودؑ کا ظہور ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کا یہ نائب بطور حکم وعدل ظاہر ہو گیا تو اس کے فیصلوں کو قبول نہ کرنا اور اس سے عداوت رکھنا منشاء ایزدی کی مخالفت کرنا ہے۔ خود حضرت اقدس "مسیح موعود" پر بعد از ظہورِ مسیح موعود ایمان لانا ضروری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"فَاَنَا ذَالِكَ اَلْمَظْهر الْمَوْعُوْدُ وَالنُّوْرُ الْمَعْهُوْدُ فَآمَنْ وَلاَ تَكُنْ مِنَ الْكَافِرِيْنَ۔" (خطبہ الہامیہ صفحہ ۷۸ طبع اوّل)

"یعنی میں وہ مظہر موعود اور نور معہود ہوں پس (اے مخاطب) تو ایمان لا اور منکروں میں سے مت ہو۔"

حدیث میں تو ولی کی مخالفت کے بارہ میں بھی وارد ہے۔ مَنْ عَادیٰ وَلِیاًلِیْ فَقَدْ آذنْتُہٗ لِلْحَرْبِ۔ پس جب ایک ولی سے عداوت بھی خدا سے لڑائی کے مترادف ہے تو جس کو خدا نے امت کے لئے حَکَم بنا کر بھیجا اس کی عداوت اور مخالفت کیوں کر اس سے زیادہ بُرا پھل نہیں لائے گی؟ اور کیوں وہ سلبِ ایمان کا موجب نہ ہو گی۔ کفر کا لفظ ہمارے نزدیک ایک اضافی اصطلاح ہے۔ اسی طرح دائرۂ اسلام سے خروج کا لفظ کبھی کسی قبیح فعل کی شدت ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یعنی اطاعت کے دائرہ سے نکل جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

دیکھئے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهٗ کُفْرٌ
اس حدیث میں گو کفر کا لفظ فسق کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے تاہم یہ کفر کا لفظ اس جگہ اضافی حیثیت ہی رکھتا ہے۔ اور ایسا شخص جو ایک مسلمان کو قتل کر دے اگر پانچوں ارکان اسلام کے ماننے کا دعویدار ہو تو وہ اسلام کے ظاہری دائرہ سے خارج نہیں ہو جاتا۔ ہاں تغلیظاً ایسے شخص کے لئے کافر یا خارج از اسلام کے الفاظ کا استعمال بر محل ہوگا۔ کیونکہ اس کا یہ فعل کافروں والا ہے مسلمانوں والا نہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں۔

"مَنْ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ لِیُقَوِّیَهٗ وَهُوَ یَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔"
(مشکوٰۃ باب الظلم)

"کہ جو شخص ایک ظالم کے ساتھ اس کی تائید کے لئے چلا یہ جانتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے تو بے شک وہ اسلام سے نکل گیا۔"

اس حدیث میں خرج من الاسلام کے الفاظ بھی اضافی کفر کو بیان کرنے کے لئے وارد ہیں۔ ایسے لوگ کفر کے باوجود اسلام کی ظاہری چاردیواری سے خارج نہیں سمجھے جاتے اور مسلمان ہی کہلاتے ہیں۔

مسیح موعودؑ کا ذکر قرآن مجید میں

یہ درست ہے کہ قرآن مجید میں مسیح موعودؑ کے نزول کی پیشگوئی کھلے کھلے اور صریح لفظوں میں موجود نہیں۔ لہٰذا برق صاحب نے مسیح موعودؑ کی جو عبارتیں اس بارہ میں پیش کی ہیں ان کا مفاد بھی صرف یہی ہے کہ قرآن مجید میں مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کھلے لفظوں میں موجود نہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اشارۃ النص کے طور پر ایک مثیلِ مسیح کی آمد کی خبر قرآن کریم میں دی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہ

احمد یہ فرماتے ہیں۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآیۃ۔"(النُّور:۵۶)

"خلفاء کے تقرر کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا اسی وعدہ میں وہ خاتم الخلفاء بھی شامل ہے اور نص قرآنی سے ثابت ہے کہ وہ موعود ہے جو خط ایک نقطہ سے شروع ہوگا وہ ختم بھی ایک نقطہ پر ہی ہوگا۔ پس جیسے وہاں موسوی سلسلہ میں خاتم مسیح ہے یہاں بھی وہ خاتم خلفاء ہے۔ اس لئے یہ اعتقاد اسی قسم کا ہے کہ اگر کوئی انکار کرے اس امت میں مسیح موعود نہ ہوگا وہ قرآن سے انکار کرتا ہے۔ اور اس کا ایمان جاتا رہے گا۔ یہ بالکل واضح بات ہے۔" (ملفوظات مسیح موعودؑ جلد ۲ صفحہ ۲۵۱،۲۵۲ طبع اوّل)

پھر آپ شہادت القرآن میں فرماتے ہیں :-

"مماثلتِ تامّہ کاملہ استخلافِ محمدی کی استخلافِ موسوی سے مسیح موعود کا آنا ضروری ٹھہراتی ہے۔ جیسا کہ آیت مندرجہ ذیل سے مفہوم ہوتا ہے۔ یعنی آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ الخ۔ (النُّور:۵۶) صاف بتا رہی ہے کہ ایک مجدد حضرت مسیح کے نام پر چودھویں صدی میں آنا ضروری ہے۔ کیونکہ امرِ استخلافِ محمدی امر استخلاف موسوی سے اسی حالت پر اتمّ اور اکمل مشابہت پیدا کر سکتا ہے۔ جب کہ اول زمانہ اور آخری زمانہ باہم نہایت درجہ کی مشابہت رکھتے ہوں۔ اور آخری زمانوں کی مشابہت دو باتوں میں تھی۔ ایک امت کا حال ابتر ہونا اور دنیا کے اقبال میں ضعف آجانا اور دینی دیانت اور ہمدردی اور تقویٰ میں فرق آجانا۔ دوسرے ایسے زمانہ میں ایک مجدد کا آنا جو مسیح موعود کے نام پر آوے۔ اور ایمانی حالت کو پھر بحال کرے۔"

(شہادت القرآن صفحہ ۶۸ طبع اوّل)

پس برق صاحب کا یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ مسیح موعود یا ایک مثیل

مسیح کی پیشگوئی قرآن مجید میں مذکور ہی نہیں۔ اس لئے کسی مسیح موعود کا ماننا ہمارے لئے ضروری نہیں۔

تیسری بات کا جواب

اب رہ گئی تیسری بات جو برق صاحب نے کہی تھی کہ آخر میں ایک مستقل رسول بن کر مسلمانوں کے لئے آجانا کہاں تک جائز ہے؟ (حرفِ محرمانہ صفحہ ۷۵)

بُہتانِ عظیم

یہ جناب برق صاحب کا بُہتانِ عظیم ہے ان کا یہ کلام کوئی حرفِ محرمانہ نہیں بلکہ حرفِ مجرمانہ ہے۔ کیونکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے اپنی کسی تحریر و تقریر میں مستقل رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ جناب برق صاحب کا حضرت مسیح موعودؑ پر صریح افتراء ہے وہ آپ کا کوئی قول یا تحریر اپنی اس بات کی تصدیق میں پیش نہیں کر سکتے۔ حضرت اقدسؑ نہ تو نبوت کی تشریعی اور غیر تشریعی تقسیم کے لحاظ سے مستقل رسول ہونے کے مدعی ہیں اور نہ آپ نے نبوت کی اس تعریف کے لحاظ سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو جناب برق صاحب کے ذہن میں ہے جس کی رو سے ان کے نزدیک ایک شخص کا شریعت جدیدہ کا حامل ہونا ضروری قرار پاتا ہے۔

برق صاحب کی ایک الجھن کا حل

جناب برق صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۷۸ تا ۸۳ میں یہ الجھن پیش کرتے ہیں کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے اور ازالۂ اوہام جلد اول کے صفحہ ۱۹۰ طبع اوّل پر یہ بھی لکھا ہے۔ "اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں" دعویٰ مسیح موعود سے متعلقہ عبارتوں کے بالمقابل یہ عبارت پیش کرنے کے بعد برق صاحب لکھتے

ہیں ہم ان بیانات سے کیا نتیجہ اخذ کریں؟

الجواب

کاش برق صاحب تعصب سے الگ ہو کر حقیقت بین نگاہ سے حضرت اقدسؑ کی اس عبارت کے اگلے حصہ پر غور کر لیتے جو خود انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۰ پر حضرت صاحب کے اقتباس کے طور پر یوں درج کی ہے۔

"اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں...... میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام مجھ پر لگادے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔ بلکہ میری طرف سے عرصہ ۷، ۸ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات واخلاق وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے میری طبع میں بھی رکھے ہیں۔" (ازالہ اوہام جلد ا صفحہ ۱۹۰ طبع اوّل)

اس عبارت میں جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں سے مراد غیر احمدی علماء کا خیالی مسیح موعود ہے یعنی مسیح ابن مریم۔ آپ ان کے خیالی مسیح موعود ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتے۔ جس کی تشریح آپ نے یہ فرمادی ہے کہ میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں۔ پس اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کم فہم لوگ آپ کے دعویٰ سے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ حضرت مرزا صاحب ان خیالی مسیح موعود اور خیالی ابن مریم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ نے ان کی تردید فرمائی ہے کہ میں ایسا مسیح موعود نہیں۔ بلکہ ان کے ذہنی اور خیالی موعود کا مثیل ہوں اور آپ نے جن عبارتوں میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے ان سے مراد صرف یہ ہے کہ آپ مسیح بن مریم کے مثیل ہیں اور پیشگوئیوں میں دراصل مسیح بن مریم کا مثیل ہی مراد

ہے۔اصالتاً ابن مریم کا لفظ بطور استعارہ ہے اور آپ کو ابن مریم کا نام بھی پیشگوئیوں میں بطور استعارہ دیا گیا ہے۔اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر آپ نے یہ لکھا ہے۔

"سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۶۵۹ طبع اوّل)

اور اسی استعارہ کی تشریح میں آپ نے کشتی نوح میں لکھا ہے۔

"اس (اللہ) نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریمؔ رکھا...... مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینوں کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔"(کشتی نوح صفحہ ۴۶ طبع اوّل) اسی حقیقت کو مولانا رومؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

ہمچو مریم جاں ز آسیبِ حبیب
حاملہ شد از مسیح دلفریب (مثنوی)

یعنی ایسے مومن کی جان پر جو مریم صفت ہو جب حبیب کا سایہ پڑا تو وہ دلفریب مسیح سے حاملہ ہو گئی۔

پس یہ مومن کی ولادت معنوی ہی ہے جس سے وہ پہلے بزرگوں کا مثیل بنتا ہے۔کاش آپ اس حقیقت کو سمجھتے۔پس حضرت اقدسؑ کا مسیح موعود ہونے سے انکار کم فہم لوگوں کے خیالی مسیح موعود ہونے سے انکار ہے اور آپ کا مسیح موعود کے دعویٰ کا اقرار صرف ان معنی میں ہے کہ آپ مسیح بن مریم کے مثیل ہیں اور پیشگوئیوں کا موعود مسیح دراصل مثیل مسیح تھا نہ کہ حقیقۃً ابن مریم۔

پس مسیح موعود ہونے سے انکار الگ جہت ہے اور اقرار دوسری الگ جہت سے ہے لہذا دونوں قسم کی عبارتوں میں کوئی تناقض اور تضاد موجود نہیں لولا

الاعتبارات لبطلت الحکمۃ۔

برق صاحب کا غیر منطقی اعتراض

برق صاحب نے ایک دلچسپ جواب کے عنوان کے ماتحت حضرت مسیح موعودؑ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے۔

"مگر خدا نے میری نظر کو پھیر دیا میں براہین کی وحی کو نہ سمجھ سکا کہ وہ مجھے مسیح موعود بناتی ہے یہ میری سادگی تھی جو میری سچائی پر عظیم الشان دلیل تھی۔ ورنہ میرے مخالف مجھے بتلائیں کہ میں نے باوجودیکہ براہین احمدیہ میں مسیح موعود بنایا گیا بارہ برس تک یہ دعویٰ کیوں نہ کیا اور کیوں براہین میں خدا کی وحی کے مخالف لکھ دیا۔"

(اعجاز احمدی صفحہ ۷ طبع اوّل)

برق صاحب کو اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ تضاد تو پیدا ہوا جناب مرزا صاحب کے کلام میں اور اس کا جواب دیں آپ کے مخالفین کیا دلچسپ منطق ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۸۲)

اعتراض کا جواب

برق صاحب کے اعتراض کا یہ خزف ریزہ قابلِ تعجب ہے میں حیران ہوں کہ انہیں یہ منطق کیوں سمجھ میں نہیں آئی۔ مخالفین کا اعتراض تھا کہ آپ نے براہین کے زمانہ میں عیسیٰؑ کے آنے کا اقرار کیوں کیا؟ حضرت اقدسؑ اس اقرار کو اپنی سادگی اور عدم تصنع پر محمول قرار دیتے ہیں اس طرح کہ براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ کے الہام میں آپ کو عیسیٰ قرار دیا گیا تھا۔ مگر پھر بھی سادگی سے آپ عیسیٰؑ کی آمد کے منتظر رہے اور یہ نہ سمجھے کہ اس الہام میں مجھے مسیح موعود قرار دیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اگر آپ کے دل میں بناوٹ ہوتی تو آپ اسی وقت وفات مسیح کا اعلان کر کے مسیح موعود ہونے کا

دعویٰ کر دیتے۔ لیکن چونکہ آپ نفسانیت اور بناوٹ سے پاک تھے اس لئے آپ اپنے پہلے رسمی عقیدہ پر جمے رہے کہ حضرت مسیحؑ زندہ ہیں اور وہ دوبارہ آئیں گے اور خدا تعالیٰ کی وحی کو آپ نے ظاہر پر حمل نہ کیا۔ بلکہ اس وحی کی یہ تاویل کی کہ میں حضرت مسیحؑ سے شدید مشابہت رکھتا ہوں اور جب تک خدا تعالیٰ نے آپ پر اصل حقیقت خود نہیں کھولی کہ مسیح بن مریمؑ فوت ہو گئے ہیں اور پیشگوئیوں کے مطابق آپ ہی مسیح موعود ہیں تو آپ پہلے رسمی عقیدہ پر ہی جمے رہے۔ ان مخالفین میں سے اگر کوئی اس سارے معاملہ کو آپ کی سادگی اور عدم تصنع پر محمول قرار نہ دے تو اسے بجز اس کے اور کیا جواب دیا جا سکتا تھا کہ اگر تمہیں آپ کی سادگی اور عدم تصنع مُسَلّم نہیں تو پھر تم ہی بتاؤ اس کا موجب اور کیا امر ہے؟

اسی صورت میں یہ مطالبہ آپ کا مخالفین سے کیونکر ناجائز قرار دیا جا سکتا ہے کیوں یہ صحیح منطق پر مشتمل نہیں؟

جناب برق صاحب! دو اور دو چار یا دو اور دو اٹھارہ کی مثال اس جگہ صادق نہیں آسکتی۔ بلکہ یہ مثال صادق آتی ہے کہ جب کوئی دو اور دو کو چار نہ مانے تو پھر اس سے سوال ہو گا کہ پھر تم خود ہی بتاؤ کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے تو کتنے ہوتے ہیں؟ یہ سوال اس موقع پر صحیح منطق ہو گا۔ کاش برق صاحب حقیقت بین نگاہ سے غور فرماتے۔

ضمنی سوال کا جواب

باقی رہا آپ کا یہ سوال کہ بارہ سال تک کیوں آپ کو وحی کا مطلب سمجھ نہ آسکا۔ ہر رسول کا فرض منصبی ہوتا ہے کہ وہ اپنی وحی کی تبلیغ کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ۔

آپ نے اس وحی کا جو مطلب سمجھا تھا کہ میں مسیح سے اشد مشابہت رکھتا

ہوں۔ اور ان کا مثیل ہوں۔ یہ بھی تو ان الہامات کا ضروری مفہوم ہی تھا۔ چنانچہ اس کی آپ نے اشاعت بھی فرمائی۔ ہاں اس وقت آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ انکشاف نہیں ہوا تھا کہ مسیح بن مریم وفات پا چکے ہیں۔ اس لئے آپ مثیلِ مسیح کے دعویٰ کے ساتھ مسیح موعود کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ انکشاف آپ پر بعد میں ہوا کہ آپ ایسے مثیلِ مسیح ہیں جو مسیحِ موعود ہے۔ تدریجی انکشاف میں اللہ تعالیٰ کے کچھ مصالح ہوتے ہیں جن پر آنکھیں بند کر کے اعتراض کرنا درست نہیں۔ آخر رسول کریم ﷺ پر اپنے خاتم النبیین ہونے کا انکشاف بھی اپنی وفات سے چند سال پہلے ہوا تھا۔ یعنی پانچ ہجری میں اور اپنی نبوت کے متعلق انکشاف بھی آپ پر شروع کے الہامات میں ہی نہیں ہو گیا تھا بلکہ اس انکشاف میں بھی تدریج سے کام لیا گیا تھا۔ جب تک آنحضرت ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی مسئلہ کے بارہ میں انکشافِ حقیقت نہیں ہو جاتا تھا آپ اہلِ کتاب کے طریق پر عمل فرمالیتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

"کَانَ یُحِبُّ مُوَا فَقَةَ اَھْلِ الْکِتَابِ فِیْمَا لَمْ یُؤْ مِرُ بِهٖ"

(مسلم باب سدلُ النبی شعرہٗ)

"یعنی آپ ان امور میں اہل کتاب سے موافقت پسند کرتے تھے جن امور میں آپ پر وحی سے انکشاف نہ ہو جاتا تھا۔"

اور اپنی شان کے متعلق تدریجی انکشاف بھی آنحضرت ﷺ کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہے جس پر قبل ازیں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

☆☆☆

باب سوم

مسیح و مثیلِ مسیح

برق صاحب نے اپنی کتاب کے تیسرے باب میں مندرجہ بالا عنوان قائم کر کے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی بعض عبارتوں سے جن میں سے اکثر الزامی جوابات کے رنگ میں ہیں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ آپ نے حضرت مسیحؑ کے اخلاق و خواص کا یوں جائزہ لیا ہے۔

۱- حضرت مسیحؑ کا علم مرزا صاحب سے کم تھا۔

۲- خدائی تائید مرزا صاحب کے ساتھ زیادہ تھی۔

۳- حضرت مرزا صاحب اپنی تمام شان میں حضرت مسیحؑ سے بہت بڑھ کر تھے۔

۴- مسیحؑ شرابی تھے۔

۵- وہ بد زبان تھے۔

۶- وہ نہایت غیر مہذّب الفاظ استعمال کرتے تھے۔

۷- وہ مسمریزم جیسے مکروہ اور قابلِ نفرت عمل میں کمال رکھتے تھے۔

۸- وہ روحانی تاثیروں میں ضعیف، نکمے اور قریب قریب ناکام تھے۔

۹- اس درماندہ انسان کی پیشگوئیاں بے معنی تھیں۔

۱۰- اس کی نبوت کے ابطال پر کئی دلائل قائم تھے۔

۱۱- آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔

۱۲- ان کی معجزانہ پیدائش ایسی ہی تھی جیسے برسات میں کیڑے پیدا ہوں۔

۱۳- وہ رَجُولیت سے محروم تھے اور ہیجڑہ ہونا کوئی صفت نہیں۔

۱۴- گندی گالیوں کی وجہ سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کر لیا تھا۔

۱۵- آپ کی تین دادیاں اور نانیاں زناکارہ تھیں۔

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۹۲، ۹۳)

پھر برق صاحب نے مقدمہ چشمہ مسیحی سے حاشیہ صفحہ ب طبع اوّل سے حضرت بانی سلسلہ کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے۔

"ہمارے قلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت جو کچھ خلاف شان نکلا ہے وہ الزامی جواب کے رنگ میں ہے۔ اور وہ دراصل یہودیوں کے الفاظ ہم نے نقل کئے ہیں۔"

پھر اسی جگہ اسی کتاب کا یہ حوالہ بھی درج کیا ہے۔

"جس طرح یہود محض تعصب سے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی انجیل پر حملے کرتے ہیں اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ پر کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو مناسب نہ تھا کہ اس طریق بد میں یہودیوں کی پیروی کرتے۔"

(چشمہ مسیحی صفحہ ج طبع اوّل)

ان ہر دو عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے یسوع مسیحؑ کے متعلق جو سخت الفاظ لکھے ہیں وہ دراصل "نقل کفر کفر نباشد" یہودیوں کے اعتراضات نقل کئے ہیں ورنہ آپ حضرت عیسیٰؑ کو جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ قرآن مجید کے مطابق خدا کا نبی اور رسول اور برگزیدہ مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"خدا میں وہ سچی محبت اُس (مسیحؑ) سے رکھتا ہوں جو تمہیں ہرگز نہیں اور جس نور کے ساتھ میں اسے شناخت کرتا ہوں تم ہرگز اسے شناخت نہیں کر سکتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ خدا کا ایک پیارا اور برگزیدہ نبی تھا۔"

(دعوت حق صفحہ ۵ مشمولہ حقیقۃ الوحی طبع اول)

مگر چونکہ عیسائی قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ پر گندے اور ناپاک اعتراضات کر رہے تھے۔ اس لئے جب وہ اعتراضات میں حد سے بڑھ گئے تو پھر آپ نے مجبور ہو کر الزامی جواب کا طریق اختیار کیا۔ اور عیسائیوں کے سامنے ان کے مزعوم مسیح کی شخصیت کے متعلق ازروئے انجیل بحث کی۔ یہ قرآن مجید کا واقعی احسان تھا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو راستباز اور خدا کا برگزیدہ نبی پیش کرتا ہے۔ ورنہ اگر عیسائیوں کے معتقدات ملحوظ رکھے جائیں تو پھر واقعی ان کی نبوت ثابت نہیں ہو سکتی جب تک انجیل اپنی اصل روح میں نہ پڑھی جائیں۔ چونکہ عیسائیوں نے اپنے زعم میں انجیل کی رو سے انہیں خدا مان رکھا تھا اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ پر ناپاک حملے کر رہے تھے۔ اس لئے ان پر ان کے طریق اعتراضات کی قباحت واضح کرنے کے لئے ان کے سامنے یہودیوں کے اعتراضات پیش کئے گئے تا انہیں سمجھ آسکے کہ جس طرح یہودیوں کا مسیح پر اعتراضات کرنے کا طریق ایک ناپاک طریق تھا۔ اسی طرح عیسائی آنحضرت ﷺ پر جو اعتراضات کر رہے ہیں ان میں انہوں نے بھی یہودیوں کی ناپاک روش اختیار کر رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے یہودیوں کے اعتراضات کو عیسائیوں کے مقابل میں پیش کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ انہیں لینے کے دینے پڑ گئے۔ اور انہیں سمجھ آگئی کہ ان کا اسلام اور بانی اسلام پر ناپاک حملے کرنے کا طریق نامناسب تھا۔ اسی لئے انہیں وہ باتیں مسیح کے متعلق ازروئے انجیل سننا پڑی ہیں۔ جن کا جواب ان کے لئے سخت مشکل ہے۔ حضرت اقدسؑ نے ان اعتراضات میں اپنا کوئی عقیدہ بیان نہیں کیا تھا۔ بلکہ عیسائیوں کو صرف یہ سمجھانا مقصود تھا کہ جس قسم کے اعتراضات وہ اسلام اور بانی اسلام پر کر رہے ہیں ان سے بڑھ کر اعتراضات خود انجیل اور عیسائیوں کے معتقدات کی رو سے یہودیوں نے یسوع مسیح کے خلاف پیش کر رکھے ہیں۔ عیسائیوں کو اسلام اور بانی اسلامؐ پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لینی

چاہیے۔ اس طرح الزامی جواب کا طریق اختیار کرنے سے خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ کیونکہ عیسائیوں نے اس کے بعد اپنی روش میں تبدیلی کر لی۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے پہلے الزامی جوابات کا یہ طریق عیسائیوں کے مقابلہ میں خود مسلمان علماء بھی اختیار کرتے رہے ہیں۔ بلکہ برق صاحب نے اپنی کتاب بھائی بھائی میں شیعوں کے بالمقابل خود بھی ایسے الزامی جوابات کا طریق اختیار کیا ہے۔ جو باتیں حضرت اقدس نے عیسائیوں کے یسوع کے متعلق یہودیوں کے اعتراضات عیسائیوں کے سامنے پیش کرنے کی صورت میں اسلام و آنحضرت ﷺ کی مدافعت میں لکھی ہیں ویسے ہی اعتراضات مولوی آل حسن صاحب نے اپنی کتاب استفسار میں عیسائیوں کے سامنے پیش کئے ہیں جنہیں ہم نقل کرنا نہیں چاہتے۔ جو صاحب یہ اعتراضات دیکھنا چاہیں استفسار کے صفحہ ۷۳، ۱۰۷، ۳۴۳، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۶۹، ۳۹۰، ۳۹۱۔ میں ملاحظہ کریں۔ "مباحثہ جہانگیری" میں جو محمد جہانگیر خاں اور مسٹر مسیح داس کے مابین ۱۸۹۳ء میں آگرہ میں ہوا تھا اس میں حضرت اقدس کے الفاظ سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں اعتراضات کئے گئے ہیں۔

اسی طرح مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی نے اپنی کتاب "اعجاز عیسوی" میں حضرت مسیح کے متعلق اسی قسم کے سخت اعتراضات تحریر کئے ہیں جیسے حضرت اقدسؑ نے یہودیوں کے اعتراضات عیسائیوں کے سامنے پیش کئے ہیں تا وہ اسلام و آنحضرت ﷺ پر اپنے اعتراضات کی ناپسندیدہ اور مکروہ روش میں تبدیلی کریں۔ پس اسلام کی مدافعت میں حضرت اقدسؑ نے جو طریق مجبوراً اختیار کیا برق صاحب اس پر معترض ہوتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اعتراض

"اگر عیسائیوں کے لئے یہود کے طریقِ بد کی پیروی نامناسب تھی تو جناب

مرزا صاحب کے لئے اس پیروی کا جواز کہاں سے نکل آیا۔“

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۹۳)

الجواب

یہودیوں نے یہ اعتراضات حضرت مسیح علیہ السلام پر از راہ شرارت کئے تھے کیونکہ عیسائیوں نے ان کے مسلمہ انبیاء پر کوئی حملہ نہیں کیا تھا۔ پس یہودیوں کا طریق جارحانہ اور ظالمانہ تھا۔ حضرت اقدسؑ کے زمانہ میں عیسائی یہودیوں کے طریق پر اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ پر حملہ آور ہوئے تھے اس لئے آپ کو یہودیوں کے اعتراضات جارحانہ طور نہیں بلکہ مدافعانہ طور پیش کرنا پڑے آیت لَایُحِبُّ اللّٰہُ الۡجَھۡرَ بِالسُّوۡءِ مِنَ الۡقَوۡلِ اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ۔ (النساء: ۱۴۹)

یعنی خدا تعالیٰ اعلانیہ بُری بات کو پسند نہیں کرتا بجز اس صورت کے کہ کوئی شخص مظلوم ہو۔ (اور سخت الفاظ استعمال کرے) اس مدافعانہ طریق کو جائز قرار دیتی ہے۔

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں۔

”جس طرح یہود محض تعصب سے حضرت عیسیٰ اور ان کی انجیل پر حملہ کرتے ہیں۔ اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ پر کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو مناسب نہ تھا کہ اس طریق بد میں یہودیوں کی پیروی کرتے۔“

(چشمہ مسیحی صفحہ ج طبع اوّل)

پس عیسائی چونکہ اسلام اور بانی اسلامؐ پر ظالمانہ طریق سے ناپاک حملے کرتے تھے ان کے مقابلے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نقلِ کفر کفر نباشد کے مطابق یہودیوں کے اعتراضات نقل کر کے عیسائیوں کو توجہ دلائی ہے۔ تا اس طریق

کا نامناسب ہونا انہیں اچھی طرح محسوس ہو جائے۔ خود انجیل میں لکھا ہے۔

"عیب نہ لگاؤ تا تم پر عیب نہ لگایا جائے۔" (متی ۱/۷)

یسوع مسیح کے اس قول کے مطابق جب عیسائیوں نے دوسروں کو الزام دینے کا طریق اختیار کیا تو پھر ضروری تھا کہ اس پیشگوئی کے مطابق ان کے لئے وہی پیمانہ استعمال کیا جاتا جو وہ استعمال کر رہے تھے۔ پس از روئے انجیل بھی مدافعت کے اس طریق کا استعمال ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے بعد عیسائیوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام پر کھلے کھلے ناپاک حملوں کا طریق چھوڑ دیا اور ان کے اعتراضات کی روش بدل گئی اور انہوں نے اس میں خاصی اصلاح کر لی۔ ماسوا اس کے اگر مدافعت کا یہ طریق اختیار نہ کیا جاتا اور عیسائیوں کی روش میں تبدیلی نہ ہوتی تو ملک میں سخت فتنے کا دروازہ کھل جاتا اور مسلمانوں کو سخت مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا۔ کیونکہ مسلمان اپنے نبی کریم ﷺ کے خلاف گندے اعتراضات نہیں سُن سکتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے سامنے یہودیوں کے اعتراضات پیش کر کے مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا اور اس طرح مسلمان ایک سخت تباہی اور کشت و خون سے بچ گئے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دو مصیبتوں میں آسان مصیبت کو اختیار کیا ہے جس سے عیسائی بھی راہِ راست پر آگئے اور مسلمان بھی فتنہ سے بچ گئے اور مدافعت کا یہ طریق آپ کا اضطراراً اختیار کرنا پڑا، ورنہ آپ دل سے یہ طریق اختیار کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اسلام کا اصول یہ ہے کہ وہ باتیں جو عام حالات میں جائز نہ ہوں اضطرار میں جائز ہو سکتی ہیں جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ: ۴۱) تو ایک عام قانون ہے کہ بدی کی جزا بدی سے دینا جائز ہے۔

پس اپنی نیت کو صحیح رکھتے ہوئے اس قسم کی تنقید جو الزامی رنگ میں دشمن کا

منہ بند کرنے والی ہو اس اصل کے ماتحت جائز ہے۔ اس لئے علمائے اسلام عیسائیوں وغیرہ کے بالمقابل الزامی جواب دیتے رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس طریقِ کلام کو اختیار کرنے کی وجہ نور القرآن نمبر ۲ ”ناظرین کے لئے ضروری اطلاع“ کے عنوان کے ماتحت خود یوں رقم فرماتے ہیں۔

۱۔ ”ہم اس بات کو افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کے مقابل پر یہ نمبر نور القرآن کا جاری ہوا جس نے بجائے مہذبانہ کلام کے ہمارے سید و مولیٰ نبی ﷺ کی نسبت گالیوں سے کام لیا ہے اور اپنی خباثت سے اس امام الطیبین و سید المطہرین پر سراسر افتراء سے ایسی تہمتیں لگائی ہیں کہ ایک پاک دل انسان کا ان کے سننے سے بدن کانپ جاتا ہے۔ لہذا محض ایسے یاوہ گو لوگوں کے علاج کے لئے جواب ترکی بترکی دینا پڑا ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے تھے اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے اپنی نجات کے لئے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر دل و جان سے ایمان لائے تھے۔ اور حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے۔ پس ہم انکی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے جو ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اولین اور آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا۔ یعنی ان بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا۔ جن کی سزا لعنت ہے ایسے شخص کو ہم بھی رحمتِ الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بدزبان یسوع کی خبر نہیں دی۔ اس شخص کے چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے جس نے خدا پر مرنا جائز رکھا اور آپ خدائی کا دعویٰ کیا اور ایسے پاکوں کو جو ہزار درجہ اس سے بہتر تھے گالیاں دیں سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا

فرضی مسیح مراد لیا ہے اور خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسیٰ ابن مریم جو نبی تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہر گز مراد نہیں یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے۔"

(نور القرآن نمبر ۲، ستمبر ۱۸۹۵ء تا اپریل ۱۸۹۶ء بعنوان ناظرین کیلئے ضروری اطلاع ۲۰ دسمبر ۱۸۹۵ء)

۲- پھر نور القرآن میں "رسالہ فتح مسیح" کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"چونکہ پادری فتح مسیح فتح گڑھ ضلع گورداسپور نے ہماری طرف ایک خط نہایت گندہ بھیجا۔ اور اس میں ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر زنا کی تہمت لگائی۔ اور سوائے اس کے اور بہت سے الفاظ بطریق سب و شتم استعمال کئے اس لئے قرین مصلحت معلوم ہوا کہ اس کے خط کا جواب شائع کر دیا جائے لہٰذا یہ رسالہ لکھا گیا۔ امید کہ پادری صاحبان اس کو غور سے پڑھیں اور اس کے الفاظ سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ یہ تمام پیرایہ میاں فتح مسیح کے سخت الفاظ اور نہایت ناپاک گالیوں کا نتیجہ ہے۔ تاہم ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ مقدس کا بہر حال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت ﷺ کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے۔" (نور القرآن نمبر ۲ صفحہ اطبع اول)

۳- پھر آپ اعجاز احمدی صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں۔

"یہود تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اور ان کی پیشگوئیوں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہے کیونکہ قرآن نے ان کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ابطالِ نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں یہ

احسان قرآن کا اُن پر ہے کہ اُن کو بھی نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا اسی وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی ہیں اور برگزیدہ ہیں اور اُن تہمتوں سے معصوم ہیں۔ جو اُن پر اور اُن کی ماں پر لگائی گئی ہیں۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۳ طبع اول)

یہی بات ضمیمہ انجام آتھم میں یوں لکھی ہے۔

"بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی انہوں نے ناحق ہمارے نبی ﷺ کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ ان کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اسی پلید نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے آنحضرت ﷺ کو زانی لکھا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں پس اسی طرح اس مُردار اور خبیث فرقہ نے جو مُردہ پرست ہے ہمیں اس بات کے لئے مجبور کر دیا ہے کہ ہم بھی ان کے یسوع کے کسی قدر حالات لکھیں۔ اور مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ نادان پادریوں کو چاہیئے کہ وہ گالیوں کا طریق چھوڑ دیں۔ ورنہ نہ معلوم خدا کی غیرت کیا کیا ان کو دکھلائے گی۔"

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۸، ۹ طبع اول)

پھر فرماتے ہیں :-

"اور یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹمار کہا۔ اور خاتم الانبیاء ﷺ کی نسبت بجز اس کے

کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔" (انجام آتھم صفحہ ۱۳ طبع اول)

تریاق القلوب کے حاشیہ صفحہ ۷۷ طبع اول پر تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ میرے منہ سے نہیں نکلا یہ سب مخالفوں کا افتراء ہے۔ ہاں چونکہ درحقیقت کوئی ایسا یسوع مسیح نہیں گزرا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جھوٹا قرار دیا ہو اور حضرت موسیٰ کو ڈاکو کہا ہو اس لئے میں نے فرضِ محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں۔ راستباز نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدّق ہے۔ اس پر ہم ایمان لاتے ہیں اور آیت جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم اس قدر نرمی کریں کہ مداہنہ کر کے خلاف واقعہ بات کی تصدیق کریں کیا ہم ایسے شخص کو جو خدائی کا دعویٰ کرے اور ہمارے رسول کو پیشگوئی کے طور پر کذّاب قرار دے اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو رکھے راستباز کہہ سکتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا مجادلہ حسنہ ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ منافقانہ سیرت اور بے ایمانی کا ایک شعبہ ہے۔"

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے جو درشت الفاظ لکھے ہیں ان کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ ان کا مرجع عیسائیوں کا ایک فرضی یسوع ہے۔ اور آپ نے اس کے متعلق بھی بعض باتیں مجبوراً الزامی رنگ میں فرضِ محال کے طور پر لکھی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آپ صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں اور انہیں خدا کا برگزیدہ اور راستباز نبی یقین کرتے ہیں اور مخالفین کو آپ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے ادبی کا الزام لگانے کو ان مخالفوں کا افتراء قرار دیتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں۔

"ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور ان کی نبوت پر ایمان لاویں سو ہماری کتاب میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جو ان کی شانِ بزرگ کے بر خلاف ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔"

(ایام الصلح ٹائیٹل پیج صفحہ ۲ طبع اول و تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد ۷ صفحہ ۷۷)

پھر تحریر فرماتے ہیں۔

"موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔"

(کشتی نوح صفحہ ۱۶ طبع اول)

پھر تحریر فرماتے ہیں۔

"جس حالت میں مجھے دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے مشابہت ہے تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ میں نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بُرا کہتا تو اپنی مشابہت ان سے کیوں بتلاتا کیونکہ اس سے تو خود میرا بُرا ہونا لازم آتا ہے۔"

(اشتہار ۲۷ دسمبر ۱۸۹۸ء حاشیہ و تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۷۰ حاشیہ)

پس یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے فرضی یسوع کے متعلق الزامی رنگ میں یہودیوں کے اعتراضات عیسائیوں کے سامنے پیش کئے ہیں۔

برق صاحب کا اعتراض

اس پر برق صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ "قرآن کا عیسیٰ انجیل کے یسوع سے

کوئی الگ ہستی نہ تھا۔"

الجواب

اصل حقیقت تو یہی ہے کہ قرآن کا عیسیٰ اور انجیل کا یسوع ایک ہی انسان تھا۔ مگر الزامِ خصم کے لئے انجیلی یسوع کو قرآن مجید کے حضرت عیسیٰؑ سے الگ فرض کرنا ازبس ضروری تھا۔ کیونکہ عیسائیوں کا مُتصوّر یسوع بقول ان کے خدائی کا دعویٰ دار تھا۔ اور قرآن مجید کا پیش کردہ مسیح علیہ السلام خدا کا بندہ اور نبی اور رسول تھا۔

الزامی استدلال کے لئے خود جناب برق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام والا طریقِ اختیار کیا ہے۔ مگر خود اپنے طریقِ الزام کو نظر انداز کر کے اب محض اعتراض برائے اعتراض پر کمر بستہ ہیں۔

دیکھئے خود محترم برق صاحب نے بھی "دو اسلام" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ حالانکہ اسلام تو ایک ہی ہے مگر انہوں نے روائتی اسلام اور اپنے مزعوم و متصور اسلام کے لحاظ سے دو اسلام قرار دیدیئے ہیں اور پھر روائتی اسلام کی خوب مذمت کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب بھائی بھائی کے صفحہ ۱۳، ۱۴ پر "روائتی اسلام" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"روائتی اسلام ایک بڑا ہی دلچسپ اسلام ہے اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ آتشِ اختلاف کبھی بُجھنے نہیں دیتا۔ دوسری یہ کہ انسان کو انسان کا بَیری بنائے رکھتا ہے اور تیسری یہ کہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت یعنی عمل (محنت) جدوجہد و تگاپو سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اہل سنت کے ہاں ہزاروں ایسی احادیث موجود ہیں جس کی رو سے خالی کلمہ پڑھنا یا کسی دعا کا ورد کرنا فلاح دنیوی و اُخروی کے لئے کافی ہے عمل کی ضرورت ہی نہیں (تفصیل میری کتاب دو اسلام میں ملاحظہ فرمائیے) اور شیعوں کے

ہاں بھی ماتم حسین اور حبِّ علی کو نجات کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے اور اس پر بے شمار روایات موجود ہیں۔“

جس طرح جناب برق صاحب نے اسلام کے متعلق دو تصوروں کے لحاظ سے دو اسلام قرار دیئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک اسلام آپ کے نزدیک اچھا نہیں۔ اس لئے اس پر آپ معترض ہیں کہ وہ بقول آپ کے جدوجہد سے بے نیاز کرتا ہے۔ اور دوسرا اسلام آپ کا مرغوب اور پسندیدہ ہے۔ حالانکہ اسلام حقیقت میں ایک ہی دین ہے دو نہیں لیکن دو الگ الگ تصوروں کے لحاظ سے آپ نے دو اسلام قرار دیئے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یسوع تو در حقیقت ایک ہی انسان ہے مگر عیسائیوں کا مُتصوَّر یسوع اور قرآن مجید کا عیسائی تصور اور قرآنی تصور کے لحاظ سے حضرت اقدسؑ نے الگ الگ قرار دے کر عیسائیوں کے فرضی یسوع پر الزامات قائم کئے ہیں۔ جس طرح برق صاحب نے اہل سنت کے دینِ اسلام کو روائتی اسلام قرار دے کر اسے ہدفِ ملامت بنایا ہے۔

حالانکہ برق صاحب کا موقف نہایت ہی کمزور ہے۔ کیونکہ آپ صرف احادیث کا انکار کرنے کی خاطر اہلِ سنت کے روائتی اسلام کو نشانۂ اعتراض بنا رہے ہیں۔ اہلِ سنت کا اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ عمل اور جدوجہد سے کام نہ کیا جائے یا یہ کہ عمل کی ضرورت نہیں اور نجات کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا کافی ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا سمجھتا ہے تو وہ موردِ طعن ہے نہ کہ اہلِ السنّت کا اسلام اور ان کی احادیث صحیحہ۔ تعجب ہے کہ اسلام کے دو تصوروں کے لحاظ سے آپ کا یہ لکھنا تو آپ کے نزدیک درست ہے کہ اسلام دو ہیں۔ لیکن عیسائیوں کے فرضی یسوع اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دو مسیح ہونا آپ کی سمجھ میں نہیں آرہا۔

فضیلت بر مسیح علیہ السّلام

یہ درست ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ ہے کہ آپ اپنی تمام شان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ آپ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں :-

"میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ مسیح ابن مریم آخری خلیفہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور میں آخری خلیفہ اُس نبی کا ہوں جو خَیرُ الرُّسُلُ ہے۔ اس لئے خدا نے چاہا کہ مجھے اس سے کم نہ رکھے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ الفاظ ان لوگوں کو گوارا نہ ہوں گے۔ جن کے دلوں میں حضرت مسیح کی محبت پرستش کی حد تک پہنچ گئی ہے مگر میں ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں کیا کروں میں کِس طرح خدا کے حکم کو چھوڑ سکتا ہوں اور کس طرح اس روشنی سے جو مجھے دی گئی تاریکی میں آسکتا ہوں۔

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :-

"میں اس قدر جانتا ہوں کہ آسمان پر خدا تعالیٰ کی غیرت عیسائیوں کے مقابل پر بڑا جوش مار رہی ہے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان کے مخالف وہ توہین کے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ قریب ہے کہ ان سے آسمان پھٹ جائیں۔ پس خدا دکھلاتا ہے کہ اُس رسولؐ کے ادنیٰ خادم اسرائیلی مسیح ابن مریم سے بڑھ کر ہیں۔ جس شخص کو اس فقرہ سے غیظ و غضب ہو اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے غیظ سے مر جائے۔ مگر خدا نے جو چاہا ہے کیا۔ اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا انسان کا مقدور ہے کہ وہ اعتراض کرے کہ ایسا تو نے کیوں کیا؟ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰ طبع اول)

مسیح کا شراب پینا

برق صاحب نے کشتی نوح کے حاشیہ صفحہ ۶۵ طبع اول کی عبارت یوں درج کی ہے :-

”یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰؑ شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پُرانی عادت کی وجہ سے۔“

جناب برق صاحب نے یہ عبارت ادھوری پیش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسلمانوں کو جو یورپ کی تقلید میں شراب پیتے ہیں ہدایت فرمارہے ہیں کہ یورپ کے لوگ تو شراب پینے کے لئے اپنے زُعم میں ایک یہ وجہ جواز رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح شراب پیتے تھے لیکن اسلام میں تو اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔ پس تم کس بنا پر شراب پیتے ہو۔ مسیح کے زمانہ میں تو شراب حلال تھی اور اسلام میں حرام ہے۔

جب حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں شراب حرام ہی نہ تھی بلکہ حلال تھی تو پھر ان کا شراب پینا معصیّت نہ ہوُا۔ اس لئے اس کا ذکر قابلِ اعتراض کس طرح ہوُا عیسائیوں میں تو عشائے ربانی کی رسم میں شراب کا استعمال ایک مذہبی رسم ہے اور وہ اس رسم کو یسوع مسیح کے ذریعہ جاری کردہ خیال کرتے ہیں۔

عمل الترب

اس عمل الترب کے بارہ میں جس میں حضرت مسیحؑ کمال رکھتے تھے اور آپ نے یہ عمل معجزانہ طور پر باذن وحکمِ الٰہی اختیار کیا تھا۔ جناب برق صاحب نے اپنی عادت کے مطابق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ادھوری اور نامکمل تحریریں آگے یا پیچھے اور درمیان سے کاٹ کر پیش کرتے ہوئے ایک غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ اور دل میں چور ہونے کی وجہ سے اس غلط تاثر کو مضبوط کرنے کے لئے حرف محرمانہ کے حاشیہ صفحہ ۸۶، ۸۷ پر یہ نوٹ دیا ہے کہ :-

"اقتباس میں نقطوں کا یہ مطلب نہیں کہ ہم نے بعض حصے حذف کر کے عبارت کو حسب منشاء ڈھال لیا ہے۔ حاشا وکلا بد دیانتی کا کوئی ارادہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ بعض زائد الفاظ کو بغرض اختصار حذف کر دیا گیا ہے۔"

ہم اس جگہ حضرت اقدسؑ کی پوری عبارت نقل کر دیتے ہیں۔ جس سے پڑھنے والوں پر خود بخود جناب برق صاحب کے ارادہ اور دیانت کی قلعی کھل جائے گی۔ جناب برق صاحب نے ایک ہی مضمون سے دو عبارتیں درمیانی اور پہلا اور آخری حصہ چھوڑ کر نقل کی ہیں۔ ہم نے چھوڑے ہوئے حصہ پر خط کھینچ دیا ہے تا پڑھنے والوں کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

"یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن و حکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب☆ میں کمال رکھتے تھے۔ گو الیسع کے درجہ کاملہ سے کم رہے ہوئے تھے کیونکہ الیسع کی لاش نے بھی معجزہ دکھلایا کہ اس کی ہڈیوں کے لگنے سے ایک مردہ زندہ ہو گیا۔ مگر چوروں کی لاشیں مسیح کے جسم کے ساتھ لگنے سے ہرگز زندہ نہ ہو سکیں۔ بہر حال مسیح کی یہ ترِبی کارروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے تھیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے جس پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مارا ہے اور حضرت مسیح نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو ان کی فطرت میں مرکوز تھے باذن و حکم الٰہی

☆ عمل الترب کے آگے برق صاحب نے بریکٹ میں اپنی طرف سے "دو مسمریزم شعبدہ بازی" کے لفظ لکھ دیئے تھے جو کاٹ دیئے گئے ہیں۔

اختیار کیا تھا اور نہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔ ”

(ازالہ اوہام صفحہ ۳۰۹، ۳۱۰ حاشیہ طبع اول)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ عمل ناپسند ہے ویسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ناپسند تھا۔ لیکن انہوں نے مجبوراً یہودیوں کے پست خیالات کی وجہ سے باذن و حکم الٰہی اس عمل کو اختیار کیا تھا۔ پس اس میں کون سی بات قابلِ اعتراض ہے حضرت اقدس ؑ نے بائیبل کی بنا پر یہ دکھایا ہے کہ الیسع نبی اس عمل میں حضرت مسیح علیہ السلام سے بڑھ کر تھا کہ اس کی ہڈیوں سے ایک مردہ کی لاش چُھو جانے سے مردہ زندہ ہو گیا۔ واضح ہو کہ حضرت اقدس ؑ کا یہ عقیدہ نہیں کہ کبھی کوئی حقیقی مُردہ زندہ ہوا۔ یہ بات عیسائیوں کے مسلمات کی بنا پر لکھی گئی ہے وہ کہتے تھے کہ حضرت مسیح نے مُردے زندہ کئے لہذا وہ خدا تھے۔ آپ نے بتایا ان سے بڑھ کر الیسع کی ہڈیوں نے ایک مُردہ زندہ کر دیا۔ چونکہ حضرت اقدس ؑ کے نزدیک اس عمل کا روحانیت سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے آپ نے اسے اختیار نہ کیا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی روحانی راہوں کی پیروی اختیار کی۔ برق صاحب کا بریکٹ میں اپنی طرف سے اسے شعبدہ بازی لکھنا درست نہیں۔

حضرت اقدس ؑ تو اس عمل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عقلی معجزہ قرار دیتے ہیں چنانچہ آپ ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۱، ۳۰۲ حاشیہ طبع اول پر تحریر فرماتے ہیں :-

”سو واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱)۔ ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے شق القمر جو ہمارے سید و مولیٰ نبی ﷺ کا معجزہ تھا اور خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے اس کو دکھایا تھا۔ (۲)۔ دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس خارق عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو الہام

الٰہی سے ملتی ہے جیسے سلیمان کا وہ معجزہ جو صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِیۡرَ (النمل : ۴۵) ہے جس کو دیکھ کر بلقیس کو ایمان نصیب ہوا۔

اب جاننا چاہیے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کا معجزہ حضرت سلیمان کی طرح صرف عقلی تھا۔"

پس یہ کس قدر ظلم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ترِلی کارروائیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو ان کا معجزہ قرار دیتے ہیں جو خارق عادت عقل سے ظہور میں آتا تھا مگر جناب برق صاحب شعبدہ بازی کا لفظ حضرت اقدسؑ کی عبارت کے درمیان بریکٹ میں داخل کر کے اپنی دیانت کا ثبوت دے رہے ہیں۔

دوسری عبارت

دوسری عبارت جو برق صاحب نے لکھی ہے۔اس کے درمیانی حصوں کا چھوڑنا تو کوئی غلط تاثر پیدا نہیں کرتا البتہ اس کے بعد کے حصہ کو ترک کر دینا ضرور غلط تاثر پیدا کر سکتا ہے۔بعد کا حصہ یوں ہے۔

لیکن ہمارے نبی ﷺ نے ان جسمانی امور کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور تمام زور اپنی روح کا دلوں میں ہدایت پیدا ہونے کے لئے ڈالا اسی وجہ سے تکمیل نفوس میں سب سے بڑھ کر رہے۔

یہ تقابل بھی عیسائیوں کے مقابلہ میں حضرت مسیح علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان دکھایا گیا ہے۔چونکہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کو خدا مان رکھا ہے اس لئے لکھا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے بالمقابل کوئی خاص کارروائی توحید کو قوم کے دلوں میں بٹھانے کی نسبت نہیں رکھتے۔

مسیح کی پیدائش

عیسائی چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ ولادت کو ان کے خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے یہ عبارت لکھی۔

"جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزار ہا کیڑے مکوڑے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں...... عیسیٰؑ کی اس (معجزانہ) پیدائش سے کوئی بزرگی انکی ثابت نہیں۔"

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۸ طبع اول)

یہ عبارت عیسائیوں کے جواب میں ہے اب جناب برق صاحب بتائیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے سے ان کی دوسرے انبیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا بزرگی ثابت ہوتی ہے؟ خدا تعالیٰ تو قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کو آدم کی مثل ہی قرار دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیسیٰ عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ (ال عمران : ۶۰)

یعنی بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے۔ آدم کو اس نے مٹی سے پیدا کیا تھا۔ پس جب حضرت مسیح اور آدم دونوں مٹی سے پیدا ہوئے تو اب حضرت مسیح کا بن باپ پیدا ہونا کیسے ان کے خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے؟ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے تجربہ بتایا ہے کہ برسات کے دنوں میں ہزار ہا کیڑے مکوڑے خود (یعنی بلا ماں باپ) پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر مسیح کا بن باپ پیدا ہونا ان کی الوہیت اور خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل کس طرح ہو سکتی ہے۔

مردانہ صفت

عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ نکاحوں پر ناپاک حملہ کرتے تھے اور مسیح کے نکاح نہ کرانے اور مُجرّد رہنے کو ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت قرار دیتے تھے

اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیونکو الزامی جواب دیا ہے کہ۔

"حضرت مسیح مردانہ صفت کی اعلیٰ ترین صفت سے محروم ہونے کے باعث ازدواج سے سچی اور کامل حُسنِ معاشرت کا کوئی عملی نمونہ نہ دے سکے۔"

(مکتوبات احمد جلد ۳ صفحہ ۲۸ طبع اول)

اب برق صاحب بتائیں کہ آنحضرت ﷺ کے حسن معاشرت کا اعلیٰ نمونہ تو آپ کی ازدواجی زندگی میں ملتا ہے۔ مگر عیسائیوں کے لئے حضرت مسیح کی ازدواجی زندگی کا کون سا نمونہ موجود ہے ؟

حضرت مسیح کی دادیاں نانیاں

عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کے خاندان پر ناپاک حملے کئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور الزامی جواب بائیبل سے دکھایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے خاندان میں تین ایسی عورتیں جو آپ کی دادیاں یا نانیاں قرار پاتی ہیں زناکار اور کسبی تھیں۔

اگر عیسائی آنحضرت ﷺ کے خاندان کے آباؤ اجداد کو ناپاک اور گندے قرار نہ دیتے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیلئے عیسائیوں کو یہ الزامی جواب دینے کی ضرورت نہ تھی۔ اس جواب نے تو عیسائیوں کے آنحضرت ﷺ پر اس حملے کو پورے طور پر رَدّ کر دیا ہے۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کا منہ بند کر دیا ہے اور اب وہ آنحضرت ﷺ کے خاندان پر ناپاک حملہ کر کے آپ کی طرف ناپاکی کی نسبت کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

تمر[1]، راحاب[2] اور بنت سبع[3] کو جو حضرت مسیحؑ کی ایک لحاظ سے دادیاں اور ایک لحاظ سے نانیاں تھیں خود بائیبل بدکار اور کسبی قرار دیتی ہے دیکھئے :-

راحاب کسبی تھی یشوع ۲/۱۔

تمر حرامکار تھی پیدائش ۳۸/۱۶تا۳۰۔

بنت سبع بھی بدکار تھی اس نے داؤد سے زنا کیا تھا ۲ سموئل باب ۱۱/ ۲ تا ۴

اسی بنا پر پادری عماد الدین نے تفسیر متی میں لکھا ہے۔

"یہاں سے ظاہر ہے کہ مسیح خداوند نے گنہ گاروں کے سلسلہ میں آنے سے نفرت نہیں کی۔ تفسیر متی مصنفہ پادری عماد الدین صفحہ ۳۔"

☆☆☆

باب چہارم

تاریخ بعثت

برق صاحب نے اپنی کتاب کے چوتھے باب کا عنوان تاریخ بعثت رکھا ہے لیکن آپ حضرت مرزا صاحب کی بعثت کی تاریخ معلوم کرنے کی بجائے وحی کی تاریخ معلوم کرنے کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور پھر حضرت اقدسؑ کی کتابوں سے گیارہ اقوال پیش کر کے یہ نتیجہ پیش کیا کہ یہ گیارہ اقوال باہم مختلف ہیں اور پھر سوال کیا ہے۔

"احمدی بھائیو آپ ہی فرمائیں کہ ہم جناب مرزا صاحب کے کس قول کو مانیں یہ گیارہ اقوال ہیں۔ ان میں سے جس ایک پر ایمان لائیں۔ باقی دس کی تکذیب ہوتی ہے؟" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۰۰)

الجواب

جناب برق صاحب نے نتیجہ کے نکالنے میں اپنی عادت کے مطابق مغالطے دہی سے کام لیا ہے ورنہ بادنیٰ تامل انہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ جو حوالہ جات حضرت اقدسؑ کی کتب سے انہوں نے پیش کئے ہیں ان میں صرف بعض حوالہ جات میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ آپ پر وحی کب نازل ہونا شروع ہوئی۔ باقی حوالہ جات میں آپ نے اپنے زمانہ ماموریت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ماموریت کا آغاز ہونے سے کافی عرصہ پہلے آپ موردِ وحی ہو چکے تھے۔ پھر وحی کے نزول کے متعلق حضرت اقدسؑ کے جو حوالے برق صاحب نے پیش کئے ہیں وہ بھی اندازے کے لحاظ سے ہیں ورنہ حضرت اقدسؑ نے پہلی وحی کے نازل ہونے کے متعلق کوئی معین سال بیان

نہیں فرمایا اور اندازہ میں چند سالوں کی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ نشانِ آسمانی کی تحریر سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی عمر کے چالیسویں برس دعوتِ حق کے لئے بالہام خاص مامور کئے گئے۔ اور آپ کو یہ بشارت دی گئی کہ آپ کی عمر اسّی (۸۰) برس یا اس کے قریب ہے اور آپ نے یہ لکھا کہ اس وقت تک دس کامل سال گذر بھی گئے ہیں۔

برق صاحب نے ۱۸۹۲ء زمانہ تصنیف نشانِ آسمانی سے دس سال کم کر کے ۱۸۸۲ء نکالا ہے۔ پس آپ کی ماموریت کا زمانہ ۱۸۸۲ء کے قریب قرار پایا نہ کہ پہلا الہام نازل ہونیکا زمانہ مگر جناب برق صاحب نے نہایت بھولے پن سے ماموریت کے زمانہ کو پہلا الہام نازل ہونے کا زمانہ قرار دے کر آپ کے اقوال میں اختلاف دکھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ ان کے محرم ہونے کا ثبوت نہیں بلکہ مجرم ہونے کا ثبوت ہے۔

شہادت القرآن ۱۸۹۳ء کی تصنیف ہے اس میں لکھا ہے کہ مسیح موعود نے بھی چودھویں صدی کے سر پر ظہور کیا۔ برق صاحب نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر آغاز سے مراد ۱۳۰۰ھ لی جائے تو یہ ۱۸۸۳ء کے مساوی بنتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ چودھویں صدی کے سر سے معین طور پر ۱۳۰۰ھ مراد لینا درست نہیں۔ بلکہ ایک سال پہلے بھی آپ پر ماموریت کا انکشاف ہو چکا ہو تب بھی چودھویں صدی کے سر پر ظہور کے الفاظ صادق آتے ہیں۔ اور اس طرح یہ ۱۸۸۲ء ہی قرار پاتا ہے۔ آپ کی ماموریت کا زیادہ زمانہ چودھویں صدی ہجری ہی میں گذرا ہے اس صورت میں نشانِ آسمانی اور شہادت القرآن کے حوالوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر ماموریت کا سال ۱۲۹۹ھ ہی قرار دیا جائے تو یہ ۱۸۸۲ء عیسوی کے مطابق ہی ہوا مگر یہ بھی اندازہ ہی ہے۔ تریاق القلوب کے حوالہ کو برق صاحب نے خود شہادت القرآن کے حوالہ کا مؤید مان لیا ہے جس میں لکھا ہے کہ تیرھویں صدی کے ختم ہونے پر یہ مجدد آیا۔ ۱۲۹۹ھ کے لئے بھی تیرھویں صدی کے ختم کا اطلاق درست ہے۔

ازالہ اوہام ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے جس میں آپ لکھتے ہیں۔

"وہ آدم اور ابن مریم یہی عاجز ہے۔ کیونکہ اوّل تو ایسا دعویٰ اِس عاجز سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا۔ اور اس عاجز کا یہ دعویٰ دس برس سے شائع ہو رہا ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۶۹۵ طبع اوّل)

اس عبارت میں آدم اور ابن مریم کے الہامی دعویٰ کا ذکر ہے۔ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۱ء سے دس برس پہلے ہی ۱۸۸۱ء میں آپ کو الہام میں آدم اور ابن مریم قرار دیا گیا تھا۔ آپ اس جگہ ماموریت کے متعلق دعویٰ کو زیر بحث نہیں لارہے۔ اور دس برس بھی اندازاً بیان کیا گیا ہے۔ پس ان الہامات کا زمانہ اور ماموریت کا زمانہ اگر قریب قریب ہو تو بھی نشانِ آسمانی اور شہادت القرآن کی عبارتوں سے اس کا کوئی تضاد پیدا نہیں ہوتا۔

جناب برق صاحب نے براہین احمدیہ کا سال تصنیف ۸۴، ۱۸۸۰ء لکھا ہے پھر لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں ایک مقام پر ۱۸۶۹ء کا الہام درج کرتے ہیں۔ جسے وہ آخر تک اپنی دیگر تصانیف میں دہراتے چلے جاتے ہیں اور وہ یہ ہے :-

"وہ تجھے بہت برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

یہ الہام بے شک ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء کا ہے۔ مگر اس وقت آپ پر اپنی ماموریت کے بارہ میں کوئی انکشاف نہیں ہوا تھا اور پھر حضرت اقدسؑ نے اس الہام کو اپنا پہلا الہام بھی قرار نہیں دیا۔ کہ اس سے آپ پر وحی کے آغاز کی تاریخ معین ہوتی۔ پس براہین احمدیہ میں مندرجہ الہام کا دوسری کتب کی عبارتوں سے کوئی تضاد نہیں۔

چھٹے نمبر پر برق صاحب نے جون ۱۹۰۰ء کی تصنیف اربعین کا یہ حوالہ درج کیا ہے۔

"یہ دعویٰ من جانب اللہ ہونے اور مکالمات الہٰیہ کا قریباً تیس برس سے ہے۔" (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۶ طبع اوّل)

برق صاحب نے ۱۹۰۰ء میں سے تیس برس گھٹا کر ۱۸۷۰ء نکالا ہے۔ اربعین میں لَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ والی آیت زیر بحث ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ جھوٹے الہام گھڑنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ الہام کی عمر نہیں پاسکتا جو تئیس سال ہے۔ حضرت اقدسؑ اس جگہ ۱۹۰۰ء میں یہ بتارہے ہیں کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے قریباً تیس برس پہلے مکالمات الہٰیہ سے مشرف فرمادیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ پر ایسے الہامات نازل ہو چکے تھے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جارہے ہیں۔ قریباً تیس برس کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آپ اندازے سے فرمارہے ہیں۔ کوئی معین سن بیان نہیں فرمارہے۔ جب کہ آپ مکالمہ مخاطبہ الہٰیہ سے مشرف ہوئے۔

برق صاحب براہین کے حوالہ سے دکھا چکے ہیں کہ ۱۸۶۹ء میں آپ پر یہ الہام ہو چکا تھا "وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

پس ۳۱ برس کو بھی تقریباً تیس برس کہا جاسکتا ہے۔ اور اگر ۱۸۶۹ء کو مکالمہ مخاطبہ الہٰیہ کا آغاز سمجھا جائے تو اربعین کی عبارت کا بھی دوسری عبارتوں سے کوئی تناد پیدا نہیں تھا۔ اسی طرح اربعین میں آپ کا یہ لکھنا میرے وحی اللہ پانے کے دن سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنوں سے برابر کئے سے مراد یہ تو لی جاسکتی ہے کہ اس وقت تک آپ پر وحی اور الہام کے نزول پر تئیس سال بہر حال گزر چکے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر الہامات کے نزول کا زمانہ ہے مگر اس عبارت سے یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے الہامات پر اس وقت تئیس سال سے زیادہ عرصہ نہیں

گزرا تھا۔ کیونکہ وہ صاف لفظوں میں اس کتاب کے صفحہ ۷ پر لکھ چکے تھے کہ مکالمات الٰہیہ کے زمانہ پر تیس برس گزر چکے ہیں۔

پس اس فقرہ کا صرف یہ مطلب ہے کہ آپ کی وحی پر بہر حال تئیس سال گزر چکے ہیں۔ جو آنحضرت ﷺ کی وحی کی عمر ہے۔ یعنی آپ کی وحی پر تئیس سال سے کم زمانہ اس وقت تک نہیں گزرا اس لئے آپ اپنے مخالفین پر آیت لو تقول کے معیار کی رو سے حجت قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ پس اربعین کے دونوں اقوال میں در حقیقت کوئی تضاد نہیں۔ اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۲ طبع اوّل سے برق صاحب نے ایک اور عبارت درج کی ہے۔

"تیری عمر اسّی برس کی ہوگی......اور یہ الہام قریباً ۳۵ برس سے ہو چکا ہے۔" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹ طبع اول)

اربعین ۱۹۰۰ء کی تصنیف ہے اس لحاظ سے اس الہام کا نزول ۱۸۶۵ء قرار پاتا ہے اور اس سے اگر یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہی پہلا الہام ہے جو آپ پر ہوا تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ "میں تجھے برکت دوں گا۔" والا الہام اس سے بعد کا ہے۔ کیونکہ وہ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء کا الہام قرار دیا گیا ہے اور چونکہ یہ دونوں الہام الگ الگ ہیں اور الگ الگ اوقات میں نازل ہوئے پس اس عبارت کا کسی عبارت سے کوئی تضاد نہیں۔

نمبر ۷ پر برق صاحب نے تحفہ گولڑویہ ۱۹۰۱ء کی یہ عبارتیں درج کی ہیں۔

"میرے دعویٰ کے وقت رمضان کے مہینے میں اسی صدی یعنی چودھویں صدی ۱۳۱۱ھ میں خسوف کسوف ہوا۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۴ طبع اوّل)

اس عبارت کو درج کر کے نہایت سادہ لوحی سے برق صاحب نے ۱۳۱۱ھ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء کو آپ کی بعثت کا سن قرار دیا ہے۔ حالانکہ حضرت اقدسؑ اس

جگہ صرف یہ بیان فرما رہے ہیں۔ کہ ۱۳۱۱ھ میں جب کہ آپ کا دعویٰ موجود تھا۔ نشان کے طور پر رمضان میں کسوف خسوف ہوا جو ازروئے حدیث دارقطنی امام مہدی کی علامت تھا۔ حضور یہ نہیں بیان فرمارہے کہ میں نے ۱۳۱۱ھ میں دعویٰ کیا ہے بلکہ یہ فرمارہے ہیں کہ آپ کے دعویٰ کے وقت یعنی دعویٰ کی موجودگی میں یہ نشان ظاہر ہوا۔

پس برق صاحب کا یہ استدلال محض بچوں کا ایک کھیل ہے جو وہ حضرت اقدسؑ کی عبارتوں سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس استدلال میں اپنے کسی علمی کمال کا اظہار نہیں کیا بلکہ ایک عامیانہ طرز کا اعتراض کر دیا ہے جس پر اگر وہ خود ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں تو انہیں اپنے اس اعتراض پر ہنسی آئے گی کہ مجھ سے یہ کیا حرکت سرزد ہوئی؟

دوسرا حوالہ اسی نمبر میں برق صاحب نے حاشیہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۱۷ طبع اوّل سے درج کیا ہے۔ جو یہ ہے :-

"دانیال نبی بتاتا ہے کہ اس نبی آخر الزمان کے ظہور سے جب بارہ سو نوے (۱۲۹۰) برس گذر جائیں گے تو وہ مسیح موعودؑ ظاہر ہوگا اور تیرہ سو پینتیس ہجری تک اپنا کام چلائے گا۔" (حاشیہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۱۷ طبع اوّل)

اس عبارت کے آخر میں حضرت اقدسؑ تحریر فرماتے ہیں :-

"اب دیکھو اس پیشگوئی میں کس قدر تصریح سے مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی قرار دی گئی ہے۔ اب بتاؤ کیا اس سے انکار کرنا ایمانداری ہے؟"

ظاہر ہے کہ دانیال نبی کی اس پیشگوئی سے حضرت اقدسؑ مسیح موعود کے چودھویں صدی میں ظہور کے متعلق استدلال فرمارہے ہیں اور یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ دانیال نبی کی اس پیشگوئی سے ۱۲۹۰ھ سے ۱۳۳۵ھ کا زمانہ مسیح موعود

کے ظہور کا زمانہ قرار پاتا ہے۔ ۱۲۹۰ھ اور ۱۳۳۵ھ دو حدیں ہیں جن کے اندر مسیح موعود کو ظاہر ہو کر کام کرنا تھا۔

پس اس حوالہ میں نبی آخر الزمان کے ظہور سے اجتہاداً حضرت مسیح موعود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہجرت مراد لیا ہے چنانچہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹ حاشیہ طبع اوّل میں آپ فرماتے ہیں :-

"دن سے مراد دانیال کی کتاب میں سال ہے اور اس جگہ وہ نبی ہجری سال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔"

کیونکہ سن ہجری کے لحاظ سے ۱۲۹۰ھ وہ زمانہ ہے جبکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ پر مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ پیشگوئی کے الفاظ ۱۲۹۰ دن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ۱۲۹۰ سال مراد لئے گئے کیونکہ پیشگوئیوں میں دن سے مراد سال بھی ہوتا ہے۔ آپ نے مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ ۱۲۹۰ ہجری اور ۱۳۳۵ ہجری کے درمیان کا زمانہ قرار دیا ہے جو چودھویں صدی قرار پاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی عمر اپنی پیشگوئی ثَمَانِیْنَ حَولًا اَوقریبًا مِنْ ذَالِكَ اَونَزِیْدُ عَلَیهِ سِنِیْنَ کے مطابق ۸۰ سے چار پانچ سال کم یا چار پانچ سال زیادہ ہونی چاہیئے۔ آپ کی عمر کی اس پیشگوئی میں بعض مصالح کے ماتحت خدا تعالیٰ نے ابہام رکھا ہے۔ اور پیشگوئیوں میں ایسا ابہام ہونا قابل اعتراض نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ اس قسم کا ابہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک قرآنی پیشگوئی میں بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ آیت۔ اِمَّا نُرِینَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُ هُمْ اَونَتَوَ فَّیَنَّكَ (یونس : ۴۷) سے ظاہر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اے نبی یا تجھے ہم کافروں کا موعود عذاب میں مبتلا ہونا دکھا دیں گے یا تجھے وفات دیدیں گے۔

پس اگر حضرتِ اقدسؑ کو پچاسی سال کی عمر ملتی تو دانیال کی پیشگوئی کی آخری مبینہ حد ۱۳۳۵ھ کے مطابق ہوتی۔ لیکن آپ کی وفات چونکہ ۷۶ سال کی عمر میں

ہوئی ہے اور یہ آپ کی اپنی پیشگوئی کے مطابق ہے۔ لہٰذا اگر دانیال کی پیشگوئی میں ۱۳۳۵ھ ہجری مراد لی جائے تو یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ دانیال کی پیشگوئی میں آپ کی زیادہ سے زیادہ ممکن عمر کی آخری حد بیان ہوئی ہے۔ جیسا کہ آپ کا الہام بتاتا ہے کہ آپ کی عمر ۸۰ سال کی ہو گی یا چار پانچ سال کم یا چار پانچ سال زیادہ۔ برق صاحب نے ولادت نبوی یا بعثت نبوی سے سالوں کا شمار کر کے پیشگوئی مشتبہ کرنے کی کوشش کی ہے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا شمار ہجرت نبوی سے درست قرار پاتا ہے۔

پس دانیال نبی کی پیشگوئی کا مفاد یہ ہے کہ اقوام عالم کو ۱۲۹۰ ہجری سے ۱۳۳۵ ہجری کے درمیان مسیح موعود کے ظہور کا انتظار کرنا چاہیئے۔ ۱۳۳۵ھ آپ کی وفات کا قطعی سنہ نہیں سمجھا جائے گا بلکہ یہ آپ کی ممکن الہامی عمر کی آخری حد سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا اور پیشگوئی کی صحیح تعبیر وہی ہوتی ہے جو واقعات سے درست ثابت ہو کیونکہ پیشگوئیوں میں اجمال اور ابہام ضرور رکھا جاتا ہے تاکہ اخفاء کا پردہ ایمان بالغیب کی قدرو قیمت کو ضائع ہونے سے بچائے اگر پردہ بالکل اٹھا دیا جائے تو ایمان کی قدرو قیمت آزمائش کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے کچھ بھی باقی نہیں رہتی۔

نمبر ۸ میں برق صاحب نے ضمیمہ تحفہ گولڑویہ کی دو تحریریں پیش کی ہیں اور ان میں پانچ سال کا تضاد دکھایا ہے۔ حالانکہ یہ تحریریں بھی دراصل اربعین کی ہی ہیں جن کی تصنیف کا زمانہ ۱۹۰۰ء ہے اور ۱۹۰۲ء میں اربعین ہی تحفہ گولڑویہ میں بطور ضمیمہ کے بھی شامل کر دی گئی تھی۔ مگر برق صاحب اس حقیقت سے واقف نہیں وہ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ کو اربعین سے کوئی الگ کتاب سمجھ کر حساب لگا رہے ہیں۔

پہلی عبارت میں مکالمات الٰہیہ کا زمانہ قریباً تیس سال اندازے سے لکھا گیا ہے اور دوسری عبارت ایک معین الہام کے متعلق ہے جو آپ کی عمر سے تعلق

رکھتا ہے۔ اس کا زمانہ آپ نے قریباً پینتیس[۳۵] سال پہلے کا بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہ پہلا الہام ہے جو آپ پر ۱۸۶۵ء میں ہوا۔ اور پہلی عبارت کے مطابق قریباً ۱۸۷۰ء میں آپ پر مکالمات الہٰیہ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

پس ان دونوں عبارتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ مکالمات کا سلسلہ تو آپ پر ۱۸۷۰ء سے شروع ہوا۔ لیکن اکا دُکا الہام آپ پر ۱۸۷۰ء سے پہلے بھی ہوا ہے۔

پس دونوں عبارتوں میں تیس[۳۰] برس اور پینتیس[۳۵] برس کے ذکر کی اغراض الگ الگ ہونے کی وجہ سے دونوں عبارتوں میں کوئی تضاد موجود نہیں۔

نمبر ۹ میں برق صاحب نے حقیقۃ الوحی کی مندرجہ ذیل عبارت درج کی ہے :-

"ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرفِ مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹ طبع اوّل)

مگر اس عبارت سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ۱۲۹۰ھ میں مکالمہ مخاطبہ الہٰیہ سے مشرف ہو چکے تھے اسکا ہرگز یہ مفاد نہیں کہ ۱۲۹۰ھ کے آغاز میں آپ کو پہلا الہام ہوا تھا۔

پس آپ کا یہ بیان اپنی جگہ درست ہے اور اس کا دوسری عبارتوں سے کوئی تضاد نہیں۔

نمبر ۱۰ پر پیغام صلح صفحہ ۱۳ طبع اوّل کا حوالہ دیا ہے جو ۱۹۰۸ء کی کتاب ہے۔ اس میں حضرت اقدسؑ لکھتے ہیں :-

"میں تخمیناً تیس[۳۰] برس سے خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں۔"

برق صاحب نے اس لحاظ سے ۱۹۰۸ء میں سے تیس کم کر کے ۱۸۷۸ء نکالا ہے۔

پس اندازوں کے لحاظ سے آپ کے یہ سارے بیانات اپنی جگہ درست ہیں مگر ان سے پہلے الہام یا دعویٰ ماموریت کی معین تاریخ استنباط کرنا درست طریق نہیں۔

چونکہ دراصل دوسری تحریروں کی بناء پر ۱۹۰۸ء میں آپ کے مکالمات الٰہیہ سے مشرف ہونے کا زمانہ ۳۸ سال کا بنتا ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ سہو کتابت سے اڑتیس کی بجائے تیس لکھا گیا ہے۔ پہلے حوالوں کے حساب سے قریباً ۱۸۷۰ء کا زمانہ ایسا زمانہ ہے جب آپ پر مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ گو اِکّا دُکّا الہام اس سے پہلے بھی ہوا۔ جیسا کہ اپنی عمر کے متعلق حضرت اقدسؑ کو الہام ۱۸۶۵ء میں ہوا تھا۔

باب پنجم
دلائل نبوّت

برق صاحب نے اپنی کتاب کا پانچواں باب ”دلائل بر نبوت“ کے عنوان کے تحت لکھا ہے اور اس باب میں چند آیات زیر بحث لائے ہیں جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کے دعویٰ کی صداقت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں۔ پہلے آپ مندرجہ ذیل آیت زیر بحث لائے ہیں۔

”وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔“ (نساء : ۷۰)

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ”جو لوگ اللہ اور الرسول (محمد ﷺ) کی پیروی کریں گے وہ (انعام پانے میں) ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین سے انعام کیا ہے اور یہ اطاعت کرنے والے لوگ ان انعام یافتہ لوگوں کی اچھی معیت رکھتے ہیں۔“

اس سے جماعت احمدیہ کا استدلال یہ ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کے افاضۂ روحانیہ کو بیان کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کی اتباع کریں گے وہ انعام یافتہ چاروں گروہوں کا فرد بن سکتے ہیں۔ لہٰذا کوئی امتی ان چاروں میں سے پہلے گروہ النبین کا فرد بھی بن سکتا ہے۔ جس طرح آپ کے امتی، صدیق، شہید اور صالح کا مرتبہ پا سکتے ہیں گویا اس آیت نے بتایا ہے کہ نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت کا مرتبہ اور کمال حاصل کرنے کے لئے اب خدا تعالیٰ

کی اطاعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی اطاعت بھی شرط ہے جس سے الگ ہو کر کوئی شخص ان چاروں مدارجِ قرب میں سے قرب الٰہی کا کوئی مرتبہ نہیں پا سکتا۔ یہ فخر صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت میں انہیں چاروں مدارج مل سکتے ہیں محترم برق صاحب کو ہمارے اس استدلال سے اختلاف ہے وہ لکھتے ہیں۔

"آیت میں مع (ساتھ رفاقت ہمراہ ہونا) کا لفظ ہے یعنی وہ لوگ انبیاء کی رفاقت میں ہوں گے۔ نہ کہ خود نبی بن جائیں گے۔ گورنر کے ساتھ ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ساتھی بھی گورنر ہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۰۲)

جناب برق صاحب! اس آیت میں صرف انبیاء کی رفاقت ہی کا ذکر نہیں بلکہ صدیقوں، شہداء، اور صالحین سے بھی رفاقت کا ذکر ہے اور پھر اس رفاقت کو آیت کے آخری حصے میں اچھی رفاقت قرار دیا گیا ہے۔ بے شک ضروری نہیں کہ گورنر کا رفیق گورنر ہو۔ لیکن یہ آیت چونکہ صرف نبیوں سے ہی رفاقت کا ذکر نہیں کرتی۔ بلکہ تین اور گروہوں سے رفاقت کا ذکر بھی کرتی ہے اور اسے رفاقت حسنہ ٹھہراتی ہے۔ اس لئے اگر اس رفاقت حسنہ سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت کرنے والے نبی نہیں بن سکتے۔ صرف ان کو نبیوں کی ظاہری رفاقت حاصل ہو سکتی ہے تو پھر باقی حصہ آیت کے معنی یہ بن جائیں گے کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت کرنے والے صدیق، شہید اور صالح بھی نہیں بن سکتے۔ بلکہ صرف ظاہری طور پر ان کے ساتھ ہوں گے۔ کیونکہ چاروں مدارج واؤ عاطفہ کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے اگر نبیوں کے ساتھ ہونے کا حکم یہ ہو کہ وہ نبی نہیں بن سکتے تو باقی تین مدارج کا حکم بھی یہی ہو گا کہ وہ صدیق، شہداء اور صالح بھی نہیں بن سکتے اور یہ معنی آنحضرت ﷺ کے مصدر فیوض ہونے کی شان کے صریح منافی ہیں۔ اس طرح تو نبوت کو بند قرار دیتے دیتے آپ کی امت کو اس سے نچلے درجوں صدیقیت اور شہادت

اور صالحیت سے بھی محروم قرار دینا پڑے گا۔ حالانکہ صدیق، شہید اور صالح تو پہلے انبیاء کی امتوں میں بھی ہوتے رہے۔ اور امت محمدیہ کو آیت کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس میں خیر امت قرار دیا گیا ہے۔ پس خیر امت کو پہلی امتوں سے بڑھ کر مدارج ملنے چاہئیں۔ پس مع کے معنی ظاہری رفاقت قرار دینے کے نتیجہ میں امت محمدیہ خیر امت قرار نہیں پاسکتی۔ بلکہ اس کا کوئی فرد صالح بھی قرار نہیں پا سکتا۔ ظاہر ہے ایسے معنی سراسر منشاء قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ اور ان معنی سے شانِ نبوی اور شانِ امت کو سخت دھبہ لگتا ہے۔ لہٰذا اس جگہ معیت سے مراد نہ معیت زمانی لی جاسکتی ہے نہ مکانی۔ بلکہ معیت فی الدرجہ مراد لینا ہی ضروری ہے۔ اور ایسی معیت کے لئے ہی اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت تمام قوموں کے لئے شرط قرار دی گئی ہے صدیق، شہید اور صالح تو دوسرے تمام انبیاء کی اطاعت سے بھی ان کے امتی بنتے رہے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ۔"

(الحدید: ۲۰)

"یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ صدیق اور شہید ہیں۔"

لہٰذا جب دوسرے رسولوں کی اطاعت پر ان کے امتیوں کو صدیقیت اور شہادت کا مرتبہ حاصل ہو سکتا تھا تو آنحضرت ﷺ کا ان انبیاء سے بلند مقام جو خاتم النبیین کا مرتبہ ہے اپنے افاضہ میں بڑھ کر ہونا چاہیئے اور وہ افاضہ زیر بحث آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی سے نبوت کی نعمت بھی امّت محمدیہ کو مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ مع کی وہ غلط تفسیر بھی پیش کی جائے گی جو برق صاحب وغیرہ پیش کرتے ہیں اس لئے اُس نے آیت میں النبیین کے بعد واؤ عاطفہ کے

ذریعہ الصدیقین، الشھداء اور الصالحین کے مقامات بھی عطف کر دیئے اور آیت کے آخر میں حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيقًا کہہ کر توجہ دلادی کہ اس رفاقت کو ظاہری اور معمولی رفاقت نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اچھی قسم کی رفاقت سمجھا جائے جو ایک گورنر کو گورنر سے یا ایک ڈپٹی کمشنر کو ڈپٹی کمشنر سے یا ایک تحصیلدار کو تحصیلدار سے ہوتی ہے۔ گویا اس جگہ رفاقت فی الدرجہ مراد ہے نہ کہ رفاقت ظاہری جو زمانی اور مکانی ہوتی ہے۔ مکانی اور زمانی رفاقت اس جگہ محال ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت کرنے والے امتی سابق انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کا زمانہ اور مکان تو اس دنیا میں پا ہی نہیں سکتے۔

جب ظاہری معیت محال ہوئی تو یہ امر قرینہ ہوگا۔ اس بات کے لئے کہ آیت میں معنوی معیت ہی مراد ہے اور معنوی معیت سے مراد یہی ہوتی ہے کہ درجہ میں معیت ہو۔

پس آنحضرت ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو جس طرح صدیقوں، شہداء اور صالحین کا درجہ مل سکتا ہے ویسے ہی نبیوں کا درجہ بھی مل سکتا ہے ان معنوں کے سوا آیت کے کوئی اور معنی لینا اس کلام کے حسن کو بگاڑ دینے کے مترادف ہے۔ اور ایسے معنی آنحضرت ﷺ کی باعظمتِ شان کے صریح منافی ہیں۔ مَعَ کا لفظ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ کے ساتھ آیا ہے۔ اس سے صرف ظاہری رفاقت مراد لینے کے یہ معنی ہونگے کہ امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا انعام نہیں ہوگا۔ پس ظاہری معیت معنی لینا اس جگہ نامناسب ہیں۔

قرآن کریم نے مع کا لفظ کئی جگہ معنوی معیت کے لئے استعمال فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ‌ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِيۡرًا ۙ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَاعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰهِ وَاَخۡلَصُوۡا دِيۡنَهُمۡ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ

اَلْمُؤْمِنِیْنَ۔" (نساء : ۱۴۶،۱۴۷)

"یعنی منافق آگ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔اور توان کا کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ مگر جنہوں نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی۔اور اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیااور فرمانبرداری کو خالص نیت سے اختیار کیاوہ مومنوں کے ساتھ ہیں۔یعنی مومنوں میں سے ہیں اور ان کے مراتب و کمالات کے حامل ہیں۔

پس جس طرح اس آیت میں توبہ کرنے والوں کی مومنین کے ساتھ ظاہری معیت مراد نہیں بلکہ معنوی معیت مراد ہے اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی معنوی معیت ہی مراد ہے کیونکہ ظاہری معیت کے محال ہونے کا قرینہ خود نفس آیت میں موجود ہے جیساکہ قبل ازیں بیان ہوا۔

یادرہے کہ آیت زیر بحث میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو قیامت کے دن انبیاء کی ظاہری معیت حاصل ہو گی کیونکہ آیت میں فَاُوْلٰئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ جملہ اسمیہ ہے۔جو استمرار پر دلالت کرتا ہے نہ کہ حدوث پر۔اگر آیت میں جملہ فعلیہ ہو تا تو پھر قیامت سے اس کی تحدید کی جا سکتی تھی۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس جگہ جملہ اسمیہ اس لئے استعمال کیا ہے تا یہ ظاہر کرے کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت سے اسی دنیا میں انسان نبی، صدیق، شہید اور صالح بن سکتا ہے۔ہاں آخرت میں جو تکمیل ثواب کا مقام ہے۔ ثواب پانے میں کامل رفاقت بھی آنحضرت ﷺ کے متبعین کو حاصل ہو گی کیونکہ استمرار اپنے وسیع معنوں کے لحاظ سے قیامت کے زمانہ پر بھی مشتمل ہو سکتا ہے۔جس طرح زیر بحث آیت میں جملہ اسمیہ وارد ہے اسی طرح اولئك مع المؤمنين جملہ اسمیہ ہے۔تا یہ ظاہر ہو کہ سچی توبہ کرنے والا اسی دنیا میں مومنوں کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور ان کے کمالات سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔اور آخرت میں ثواب پانے میں ان کے ساتھ ہو گا۔

تادیل کے متعلق اس جگہ جو طفلانہ باتیں برق صاحب نے لکھی ہیں ان کا
اس جگہ کوئی تعلق نہیں۔

مفتری علی اللہ اور صادق میں امتیاز کی دلیل

دوسری آیت جو جناب برق صاحب زیر بحث لائے ہیں یہ ہے۔

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلاً مَّا تُؤمِنُوْنَ وَلَا بِقَوْلِ
کَاھِنٍ قَلِیْلاً مَّا تَذَ کَّرُوْنَ تَنْزِیْلٌ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَ قَاوِیْلِ
لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ۔ (الحاقۃ : ۴۰ تا ۴۷)

اس آیت کا ترجمہ برق صاحب نے یوں کیا ہے :۔

”یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے شاعر کا قول نہیں تم کیوں نہیں مانتے نہ
کسی کاہن کا قول ہے پھر کیوں درس ہدایت نہیں لیتے اس کے اتارنے کا سامان اللہ نے
کیا ہے اگر یہ رسول کریم ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرے تو ہم اسکا دایاں ہاتھ پکڑ
کر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالیں۔“ (حرف محرمانہ صفحہ ۱۰۵)

اس کے بعد برق صاحب نے اس آیت سے متعلق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ
کا استدلال یوں درج کیا ہے :۔

۱۔”خدا تعالیٰ قرآن کریم میں صاف فرماتا ہے کہ جو میرے پر افتراء کرے اس سے
بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ اور میں جلد مفتری کو پکڑتا ہوں اور اس کو مہلت نہیں دیتا۔
لیکن اس عاجز کے دعویٰ مجدد و مثیل مسیح ہونے اور دعویٰ ہمکلام الٰہی ہونے پر اب بفضلہٖ
تعالیٰ گیارہواں برس جاتا ہے۔ کیا یہ نشان نہیں ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ
کاروبار نہ ہوتا تو کیونکر عشرہ کاملہ تک جو ایک حصہ عمر کا ہے ٹھہر سکتا تھا۔“

(نشان آسمانی صفحہ ۴۳ طبع اوّل)

۲۔”پھر تعجب پر تعجب یہ کہ خدا تعالیٰ نے ایسے ظالم مفتری کو اتنی لمبی مہلت بھی دے

دی جسے آج تک بارہ برس گذر چکے ہوں۔ اور مفتری ایسا اپنے افتراء میں بے باک ہو۔"
(شہادت القرآن صفحہ ۷۶ طبع اوّل)

۳۔"خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابیں اس پر متفق ہیں کہ جھوٹا نبی ہلاک کیا جاتا ہے۔"
(ضمیمہ اربعین نمبر ۳، نمبر ۴ طبع اوّل)

۴۔"خدا تعالیٰ مفتری علی اللہ کو ہرگز سلامت نہیں چھوڑتا اور اسی دنیا میں اس کو سزا دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے۔" (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۴ طبع اوّل)

۵۔"خدا تعالیٰ قرآن شریف میں بار بار فرماتا ہے کہ مفتری اسی دنیا میں ہلاک ہو گا بلکہ خدا کے سچے نبیوں اور ماموریں کے لئے سب سے بڑی یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے کام کی تکمیل کر کے مرتے ہیں اور ان کو اشاعتِ دین کی مہلت دی جاتی ہے اور انسان کی اس مختصر زندگی میں بڑی سے بڑی مہلت ۲۳ برس ہے۔"
(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۵ طبع اوّل)

۶۔"پھر تورات میں یہ عبارت ہے...... اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صاف فرمادیا کہ افتراء کی سزا خدا کے نزدیک قتل ہے۔" (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۹ طبع اوّل)

دلیل سے برق صاحب کی پریشانی

برق صاحب حضرت بانی سلسلہ کے اس آیت سے اپنی صداقت کے متعلق استدلال سے بہت پریشان ہیں چنانچہ ان کی پریشانی کی قطعی دلیل یہ ہے کہ وہ اس آیت کے الفاظ "رسول کریم" سے آنحضرت ﷺ کی بجائے وحی لانے والا فرشتہ مراد لے رہے ہیں۔ مگر اپنی پریشانی کو چھپانے کے لئے بڑے فخر سے لکھتے ہیں :-

"بات یہ ہے کہ آیت زیر بحث کا مفہوم ہمارے علماء سے آج تک مخفی رہا۔ قرآن مفسر قرآن ہے۔ اس آیت کی تفسیر ایک اور آیت میں موجود ہے یہاں قابل حل صرف یہ سوال ہے کہ رسول کریم کون ہیں؟ اگر اس سے مراد حضور ﷺ ہوں تو

جناب مرزا صاحب کا استدلال درست ہے اگر کوئی اور ہوں تو درست نہیں۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲)

چونکہ برق صاحب کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر رسول کریم سے اس آیت میں آنحضرت ﷺ مراد لئے جائیں تو پھر بانی سلسلہ احمدیہ کا استدلال درست ہو جاتا ہے اور آپ کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے۔ مگر ان کا دل آپ کو ماننا نہیں چاہتا۔ بلکہ آپ آزادی پسند ہیں۔ اس لئے اس جگہ خلاف منشاء متکلم انکار کے لئے بہانہ تلاش کرتے ہوئے انہوں نے رسول کریم سے وحی لانے والا فرشتہ مراد لے لیا ہے۔ اور پھر یہ مضحکہ خیز بات لکھنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی کہ :-

"رگِ جان کاٹنے کی وعید اس فرشتے سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ حضورؐ سے جب بنیاد ہی نہ رہی تو پھر وہ قصر استدلال کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ جو مرزا صاحب نے صرف اسی بنیاد پر اٹھایا تھا۔ کہ رگِ جان والی وعید کا تعلق حضورؐ سے ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۱۴)

برق صاحب کی تفسیر کا ردّ

گویا برق صاحب کے نزدیک آیت کا مفہوم یہ بن گیا کہ خدا تعالیٰ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ اگر "رسول کریمؐ یعنی وحی لانے والا فرشتہ ہماری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ ڈالیں۔ مگر برق صاحب کے معنی تب درست ہو سکتے ہیں جب کہ :-

اوّل :- یہ بات کافروں کو تسلیم شدہ ہو کہ فرشتے بھی انسان کی طرح جھوٹ بول سکتے ہیں۔

دوم :- یہ بھی انہیں مسلم ہو کہ فرشتے بھی مادی وجود رکھتے ہیں اور انسان کی طرح گردن اور گردن میں شاہ رگ بھی رکھتے ہیں۔ جس کے کاٹنے سے ان کی ہلاکت واقع

ہوتی ہے لیکن کافروں کے ان دونوں باتوں کا یقین رکھنے کے متعلق کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اور پھر قرآن کریم کے بیان سے ثابت ہے کہ فرشتے یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ کا مصداق ہوتے ہیں یعنی وہ یقینی طور پر معصوم ہوتے ہیں اور جھوٹ نہیں بول سکتے اور از روئے قرآن مجید ملائکہ مادی وجود بھی نہیں رکھتے کہ ان کے لئے رگ گردن تجویز کی جائے۔

سوم :- تیسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ مخالفینِ قرآن مجید کے اعتراضات یہ تھے۔

۱- یہ محمد (رسول اللہ ﷺ) کا افتراء ہے۔

۲- یا محمد (رسول اللہ ﷺ) شاعر ہیں یا کاہن اور انہوں نے قرآن کریم کی یہ باتیں از خود گھڑ لی ہیں۔ یہ باتیں خدا کا کلام نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ان کے ان اعتراضات کے ردّ میں یہی فرمانا مناسب ہو سکتا ہے کہ یہ باتیں محمد (رسول اللہ ﷺ) نے نہیں گھڑیں وہ تو رسول کریم ہیں۔ پس ان کا یہ کلام پیش کرنا اپنی طرف سے نہیں بلکہ ان کو رسول کے طور پر بھیجنے والے کی طرف سے ہی ہے۔ اور یہ شاعر کا کلام بھی نہیں اور کاہن کا قول بھی نہیں۔ یعنی محمد مصطفےٰ ﷺ کوئی شاعر یا کاہن بھی نہیں۔ بلکہ یہ کلام ربّ العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اگر یہ (رسول کریم) ہماری طرف بعض جھوٹے قول بھی منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ دیتے جس کے کٹ جانے سے اس رگ سے خون بہ جانے پر دل کی حرکت بند ہو کر موت واقع ہو جاتی ہے۔ وحی لانے والے فرشتے کو تو قرآن مجید میں روح قرار دیا گیا ہے۔ پس جبریل انسان کی طرح کوئی مادی وجود نہیں رکھتا کہ اس میں انسان کی طرح رگیں اور پٹھے ہوں۔ اور دورانِ خون پر اس کی زندگی کا مدار ہو۔ اور اس کیلئے رگِ گردن تجویز کی جائے۔ کافروں اور مشرکوں کا اس موقعہ پر یہ اعتراض تو تھا ہی نہیں کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) پر وحی لانے والے فرشتے نے اس کلام

کو جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ تا خدا کو یہ فرمانا پڑتا کہ اگر جبریل بھی کوئی قول جھوٹ بنالیتا تو میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ گردن کاٹ دیتا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ جواب اعتراض کے مطابق نہ ہوتا اور کافروں کو اس سے کوئی تسلّی نہ مل سکتی جس سے وہ یقین کر سکتے یہ کلام خدا تعالیٰ کا ہے۔ کیونکہ وہ کہہ سکتے تھے کہ وحی لانے والا فرشتہ تو ہمارے سامنے کبھی آیا ہی نہیں۔ وہ تو ایک مخفی وجود ہی ہو سکتا ہے جس کا گرفت میں آنا اور اس کی رگِ جان کا کاٹا جانا ہم مشاہدہ ہی نہیں کر سکتے۔ پس کفار و مشرکین کو کسی وحی لانے والے فرشتے پر اعتراض نہ تھا۔ وہ تو محمد رسول اللہ ﷺ کو کاہن اور شاعر قرار دے کر اس کلام کو خود گھڑ لینے والا اور خدا تعالیٰ کی طرف اسے منسوب کرنے والا قرار دے رہے تھے۔ لہٰذا ان کے اعتراض کے جواب میں جس رسول کریم کا ذکر ہو سکتا تھا وہ آنحضرت ﷺ ہی ہو سکتے ہیں جنہیں معترضین ایک انسان یقین کرتے تھے اور یہ بھی سمجھ سکتے تھے کہ ان کی رگِ جان کٹنے سے ان کی ہلاکت واقع ہو سکتی ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے ان کے اعتراضات کے پیش نظر یہ فرمایا کہ یہ کلام رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ کے منہ سے بحیثیت رسول خدا (پیغامبر اور ایلچی) کے نکلا ہے۔ اور اگر یہ رسول خدا پر کچھ بھی افتراء کر لیتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ دیتے۔

علاوہ ازیں آیت کے اندر ایک اور زبردست قرینہ بھی موجود ہے۔ جو برق صاحب کی بات کی تردید کر رہا ہے۔ یہ قرینہ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ کے الفاظ ہیں۔ کہ جب خدا قطع وتین کا ارادہ کرے تو تم میں سے کوئی بھی اس کے اس فعل میں روک نہیں ہو سکتا۔ صاف ظاہر ہے کہ جہاں تک انسانی روک کا تعلق ہے وہ انسانوں کی طرف سے انسان کو بچانے کے لئے ہی ہو سکتی ہے نہ کہ کسی فرشتہ کو بچانے کے متعلق۔ کسی فرشتہ کے متعلق تو خدا تعالیٰ کا ان الفاظ میں چیلنج دینا معقول ہی نہیں

ہو سکتا۔ پس چونکہ افتراء کرنیوالے انسان کو ہی قطع وتین کی سزادی جاسکتی ہے۔ اس لئے علماء امت نے اس آیت میں رسول کریم سے مراد فرشتہ نہیں لیا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ ہی مراد لئے ہیں۔

چونکہ آنحضرت ﷺ ۲۳ سال کا لمبا عرصہ اپنے دعویٰ پر قائم رہے اور دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتے رہے اور آپ کی قطع وتین نہ ہوئی بلکہ آپ نے وحی کا دعویٰ کرنے کے بعد لمبی عمر پائی۔ اس لئے فقہاء امت نے اس سے یہ معیار اخذ کیا ہے :-

"فَاِنَّ الْعَقْلَ یَجْزِمُ بِامْتِنَاعِ اِجْتِمَاعِ ھٰذِہِ الْاُمُوْرِ فِیْ غَیْرِالْاَنْبِیَاءِ فِیْ حَقِّ مَنْ یَّعْلَمُ اَنَّہٗ یَفْتَرِیْ عَلَیْہِ ثُمَّ یُمْھِلُہٗ ثَلَاثاً وَعِشْرِیْنَ سَنَۃً۔"

(شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۰۰)

یعنی "عقل اس بات کو ناممکن قرار دیتی ہے کہ یہ باتیں ایک غیر نبی میں جمع ہو جائیں اس شخص کے حق میں جس کے متعلق خدا جانتا ہے کہ وہ خدا پر افتراء کرتا ہے۔ پھر اس کو ۲۳ سال کی مہلت دے۔"

گویا اس معیار کی رُو سے ممکن نہیں کہ کوئی جھوٹا مدعی نبوت ۲۳ سال کی لمبی عمر پا سکے۔

ایک اور طرح سے فہمائش

ہم اس موقعہ پر برق صاحب کو ایک اور طرح سے بھی سمجھانا چاہتے ہیں۔ ان پر واضح ہو کہ اگر ہم علیٰ سبیل التنزل ان کی یہ بات مان بھی لیں کہ رسول کریم سے مراد فرشتہ ہے اور فرشتہ اگر جھوٹا قول بناتا تو خدا فرماتا ہے میں اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ گردن کاٹ دیتا۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ افتراء علی اللہ کی سزا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخذ بالیمین کے بعد قطع وتین ہے۔ تبھی تو اس نے فرمایا کہ اگر فرشتہ

بھی ایسا کرتا تو میں اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ دیتا۔

پس اگر فرشتہ کے افتراء کرنے پر اس کی قطع وتین ہو سکتی ہے تو یہ سزا اس انسان کو بدرجہ اولیٰ ملنی چاہیئے جو افتراء سے کوئی قول خدا کی طرف سے منسوب کرے۔ فرشتے اور ان کی قطع وتین تو انسانوں کو نظر ہی نہیں آسکتی کہ دلیل افتراء بن سکے انسان کی قطع وتین یا اس کا قطع وتین سے بچ جانا ہی انسانوں کو نظر آسکتا ہے جس سے اس انسان کے مفتری یا منجانب اللہ ہونے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ پس جب فرشتے کے لئے بقول برق صاحب افتراء کرنے پر قطع وتین کی سزا دی جا سکتی ہے تو یہی سزا بدرجہ اولیٰ انسان کو خدا پر افتراء کی صورت میں دی جانی چاہیئے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ اور اس جگہ اسبات کے لئے کوئی مرجح موجود نہیں کہ فرشتہ افتراء علی اللہ کرے تو اس کی سزا تو قطع وتین ہی ہونی چاہیئے۔ لیکن انسان افتراء علی اللہ کرے تو اس کی سزا قطع وتین نہ ہو گی۔ ترجیح بلا مرجح چونکہ جائز نہیں۔ لہٰذا انسان کے مفتری علی اللہ ہونے پر بھی ایسی ہی سزا ملنی چاہیئے کیونکہ مخلوقِ خدا کا مفاد تو اسی میں ہے کہ مدعیِ الہام انسان کے متعلق اسے تسلی ہو کہ وہ مفتری علی اللہ ہے یا منجانب اللہ۔ فرشتوں کے افترا علی اللہ کرنے کا تو اس کے ذہن میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس پبلک کے مفاد کی خاطر مفتری علی اللہ انسان کو سزا ضرور ملنی چاہیئے تا صادق اور کاذب کے درمیان فرق ہو جائے۔ فرشتے تو عام انسانوں کے سامنے وحی لے کر آیا ہی نہیں کرتے لہٰذا معترضین انسان کو ہی مفتری علی اللہ قرار دے سکتے ہیں۔ نہ وحی لانے والے فرشتہ کو۔ ان کا تو اعتراض یہ ہوتا ہے کہ فرشتوں سے اس مدعی کا کوئی تعلق نہیں۔

مفتری علی اللہ کے متعلق برق صاحب کی پیش کردہ آیتیں

برق صاحب نے مفتری علی اللہ اور جھوٹے مدعیان الہام سے متعلق دو اور آیتیں قرآن کریم سے پیش کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ایسے لوگوں کی سزا یا تو ناکامی ہے یا

اگلی دنیا میں جہنم یا صرف لعنت۔ وہ دو آیتیں یہ ہیں۔

ا۔ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی۔ (طٰہٰ : ۶۲)

اس آیت سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مفتری علی اللہ ناکام ہوتا ہے نہ کہ قتل۔

۲۔ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِباً اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ ط وَلَوْ تَرٰی اِذِالظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰئِکَۃُ بَاسِطُوْا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْا اَنْفُسَکُمْ ط اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَالْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیَاتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ۔ (الانعام : ۹۴)

یہ آیت آپ نے اس بات کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ جھوٹا نبی اپنی موت تک مہلت پاتا ہے اور اس کی سزا کا سلسلہ بعد از موت شروع ہوتا ہے۔ اگر برق صاحب کی تفسیر مان لی جائے تو ان کی بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ اگر فرشتہ افتراء علی اللہ کرے تو اسے تو دنیا میں ہی قطع وتین کی سزا مل جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان افتراء علی اللہ کرے تو اسے صرف ناکامی ہوتی ہے۔ گویا ان کے نزدیک یہ آیتیں ایسے انسان کے متعلق ہیں جو مفتری علی اللہ ہو اور آیت لَوْ تَقَوَّلَ صرف ایسے فرشتہ سے تعلق رکھتی ہے جو افتراء کرے حالانکہ فرشتہ کے افتراء کرنے کا تو کسی کو وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے لئے سزا کی ضرورت ہوتی کیونکہ نہ تو فرشتے انسانوں کے سامنے آ کر انہیں اپنی طرف دعوت دیتے ہیں اور نہ ہی ان کی طرف سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا وہم وگمان ہو سکتا ہے۔ ایسا احتمال صرف انسان ہی کے متعلق پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے مفتریانہ دعویٰ کر رہا ہو۔

آیات کی اصل حقیقت

اصل حقیقت ان آیاتِ قرآنیہ کی یہ ہے کہ :-

قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی کے الفاظ میں مفتری علی اللہ کا انجام مختصراً نا کامی بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل کچھ لَوْ تَقَوَّلَ والی آیت میں بیان ہوئی ہے اور کچھ وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ (الانعام : ۹۴) والی اوپر بیان کردہ آیت میں اس دوسری آیت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ ان کو مرنے کے بعد بھی عذاب ہوگا۔ لَوْ تَقَوَّلَ والی آیت میں صرف ان کیلئے دنیا کی سزا بیان ہوئی ہے جو یہ ہے کہ

ان کا دایاں ہاتھ پکڑ کر ان کی رگِ جان کاٹی جائے گی۔ پس ان دونوں قسم کی آیات میں در حقیقت کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کی وجہ سے لَوْ تَقَوَّلَ والی آیت میں "رسول کریم" کے الفاظ سے وحی لانے والا فرشتہ مراد لیا جاسکے۔ تَقَوَّلَ کا لفظ تَقَوَّلَ باب تفعُّلُ سے فعل ماضی ہے۔ تفعُّل کا خاصہ تصنع اور بناوٹ بھی ہوتا ہے اس لئے لو تقول علینا بعض الا قاویل کے الفاظ میں کسی شخص کی طرف سے دانستہ جھوٹے قول کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا مراد ہے نہ کہ نادانستہ۔ کیونکہ ایسے مدعیانِ الہام بھی پائے جاسکتے ہیں جو جنون وغیرہ قسم کے دماغی عوارض کے ماتحت اپنی احادیث النفس کو الہام خیال کرلیں اور اپنے تئیں اس طرح مدعی نبوت کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرنے لگیں۔ ایسے لوگوں کی سزا قطع وتین نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسے لوگوں کی شناخت صرف اس بات سے ہو جاتی ہے کہ ان کے کام اور کوشش کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ نہ ان کی زندگی میں اور نہ ان کی زندگی کے بعد کیونکہ وہ کوئی روحانی انقلاب پیدا نہیں کرسکتے بلکہ ان کی تحریک ناکام رہتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

نٓ۔ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ بِاَیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ۔

(سورۃ القلم : ۲ تا ۷)

جب بعض لوگوں نے رسول کریمؐ کو مجنون قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی

تردید میں فرمایا۔ کہ دوات اور قلم اور جو کچھ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی طرف سے (الہام الٰہی کے طور پر) لکھ رہے ہیں اس امر پر گواہ ہے کہ اے نبی تو خدا کی طرف سے نبوت کی نعمت پانے کے دعویٰ میں مجنون نہیں ہے (جس کا ثبوت یہ ہے) کہ بے شک تیرے کام کا غیر منقطع اجر ہے اور تو خلق عظیم پر ہے پس عنقریب تو بھی دیکھے گا اور یہ معترضین بھی دیکھ لیں گے کہ دونوں میں سے خدا کی آزمائش میں کون مبتلا ہے"۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ دیوانے کے کام کا کوئی اجر نہیں ہوتا۔ اور وہ دُنیا میں کوئی روحانی انقلاب پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی ساری زندگی بے مقصد گذرتی ہے۔

پس ایسے مدعیان جو دماغی عوارض کے ماتحت الہام کا دعویٰ کریں۔ وہ لَوْ تَقَوَّلَ کے معیار پر پرکھے نہیں جا سکتے کیونکہ ان کے دعویٰ میں تصنع اور بناوٹ موجود نہیں ہوتی بلکہ وہ خود فریب خوردہ ہوتے ہیں۔ ان کے اپنے مقصد میں ناکامی ہی اس بات کا کافی ثبوت ہوتی ہے کہ ان کا دعویٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مماثلت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ"۔ (سورہ نور : ۵۶)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان لا کر اعمال صالحہ بجا لانیوالوں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا۔ جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو تم سے پہلے گذر چکے۔" (جو موسوی سلسلہ کے خلفاء تھے)

اور اس طرح ان کے دین کو ضرور مضبوط کرے گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا یہ خلفاء میرے عبادت گذار ہوں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد انکار کرینگے وہ فاسق ہوں گے۔"

(یعنی ان خلفاء کا انکار اور ان کی عدم اطاعت خدا تعالیٰ سے بغاوت کے مترادف ہو گی)

اس آیت میں امت محمدیہ کے خلفاء کو ان سے پہلے گذرے ہوئے خلفاء سے لفظ کما کے ذریعے تشبیہ دی گئی ہے۔ چونکہ امت محمدیہ سے قریب ترین خلفاء حضرت موسیٰؑ کے بعد آنے والے موسوی شریعت کے تابع انبیاء ہی تھے۔ اور بنی اسرائیل میں آخری خلیفہ حضرت عیسیٰؑ تھے اس لئے ضروری تھا کہ سلسلہ محمدیہ کا آخری خلیفہ حضرت عیسےٰؑ کا مثیل ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی شان میں اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلاً شَاهِداً عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً۔

(المزمل: ۱۶)

فرما کر آپؐ کو حضرت موسیٰؑ کا مثیل قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں آیتوں کا مفاد یہ ہؤا کہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسوی سے مشابہت رکھتا ہے۔ سلسلہ محمدیہ کے پہلے نبی آنحضرت ﷺ مثیل موسیٰؑ ہیں اور اس سلسلہ کا آخری خلیفہ سورۃ نور کی آیت مذکورہ کی رو سے مثیل عیسیٰؑ ہے۔ اس طرح اول اور آخر کی مشابہت سے دونوں سلسلوں میں مشابہت کا تحقق ضروری تھا۔

پس قرآن کریم کی اس نص میں امتِ محمدیہ کو ایک مثیل مسیح کا وعدہ دیا گیا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس موعود خلیفہ کو حضرت مسیحؑ کا مثیل قرار دینے کے لئے فرمایا کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَانَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ یعنی تم کیسی حالت میں ہو گے جب کہ تم میں ابن مریم نازل ہو گا۔ اور وہ تم میں سے تمہارا امام ہو گا۔ اس جگہ اس موعود خلیفہ کو ابن مریم کا نام حضرت عیسیٰؑ سے مماثلت کی وجہ سے استعارہ کے طور پر دیا گیا ہے۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی بجائے فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ وارد ہیں اس طرح ان دونو حدیثوں میں اس ابن مریم کو امت محمدیہ کے افراد میں سے ایک فرد قرار دے کر امت کا امام قرار دیا گیا ہے۔

پس اِمَا مُکُمْ مِنکُمْ اور فَاَمَّکُمْ مِنکُمْ کے الفاظ اس موعود کا نام بطور استعارہ ابن مریم رکھا جانے کے لئے قوی قرینہ ہیں۔ ہمارے نزدیک قرآن مجید اور حدیث کی یہ پیشگوئی حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کے وجود میں پوری ہو چکی ہے اور آپ ہی اس امت کے مسیح موعود ہیں اور حضرت عیسےٰؑ سے مشابہت تامہ رکھتے ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے اس آیت سے یہی استنباط فرمایا ہے چنانچہ خود برق صاحب نے آپ کی کتاب ''شہادت القرآن'' صفحہ ۲۶ تا ۲۸ سے اور پھر صفحہ ۶۹ سے اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد آپ کی کتب سے چند حوالہ جات حضرت عیسیٰؑ سے بعض وجوہِ مماثلت پر بھی پیش کئے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اس بارہ میں انہوں نے آپ کی تحریرات سے ان تمام وجوہِ مماثلت کو بیان نہیں کیا جن کا پایا جانا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے اور مسیحؑ کے وجود میں ثابت کیا ہے۔ بہر حال ان اقتباسات سے برق صاحب نے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے ہیں۔

اوّل :- آیت میں کما کا لفظ حضورؐ کو حضرت موسیٰؑ کا مثیل ثابت کرتا ہے۔ (یعنی آیت کُماارسلنا اِلی فرعون رسولاً (المزمّل : ۱۶ میں)

دوم :- مماثلت سے مراد مماثلت تامّہ ہے یعنی دونوں سلسلوں (موسوی و محمدی) کے خلفاء تعداد میں برابر تھے اور مسیح اور موسیٰؑ کے درمیان اتنا ہی زمانہ حائل تھا جتنا مسیح موعود اور حضور پُر نور (آنحضرت ﷺ) میں۔ نیز موسوی سلسلہ میں بارہ خلفاء تھے اور تیرھواں مسیح تھا۔

سوم :- جناب مرزا صاحب ختم الخلفاء (یعنی آخری خلیفہ) تھے۔

چہارم :- جس طرح حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھے اسی طرح مرزا صاحب بھی قریشی نہیں تھے۔ سلسلہ محمدیہ کا پہلا خلیفہ حضرت ابو بکر اور بارھواں خلیفہ سید احمد بریلوی تھا۔

مماثلت پر برق صاحب کی تنقید کی جزو اوّل

ان پانچ نتائج کو لکھنے کے بعد برق صاحب نے ان پر جداگانہ نظر ڈالی ہے۔ چنانچہ اپنی تنقید کی جزو اول میں وہ لکھتے ہیں :-

"کما حرف تشبیہ ہے۔ اور تشبیہ کے لئے مکمل مشابہت (مماثلت تامہ) ضروری نہیں۔" (صفحہ ۱۲۰)

پھر لکھتے ہیں :-

"تشبیہ کے لئے صرف ایک پہلو میں مشابہت یعنی ایک وجہ شبہ کافی ہوتی ہے۔ زید کو شیر سے تشبیہ دینے کے لئے صرف شجاعت کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ زید پہلے بیس برس جنگل میں رہے۔ وہاں ہرنوں اور گیدڑوں کا گوشت کھانا سیکھے۔ دھاڑنے کی مشق کرے۔ کہیں سے چار ٹانگیں اور ایک پونچھ لائے اور پھر ہم اسے شیر کہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۲۲۔ ۱۲۳)

پھر لکھتے ہیں :-

"اگر تشبیہ ہر جگہ جزئی ہوتی ہے تو پھر قرآن کی آیت زیر بحث میں کما سے مکمل تشبیہ مراد لے کر اس پر سلسلہ خلافت و مسیحیت تعمیر کرنا ایک ایسا اقدام ہے جس کی تائید کہیں سے نہیں مل سکتی۔ آیت زیر بحث میں اللہ تعالیٰ نے ایک سیدھی سی بات کہی ہے کہ ہم نے اے اہل عرب تمہاری اصلاح کے لئے اسی طرح ایک رسول بھیجا ہے۔ جیسا کہ پہلے فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہاں کئی وجوہات تشبیہ موجود ہیں۔

اول فرعون اور اہل عرب کا ہر دو کا بدکار و ظالم ہونا موسیٰ اور حضورؐ ہر دو کو آتشی شریعت ملنا دونوں کا صاحب السیف والکتاب ہونا۔"

"موسیٰؑ کا فرعون کے ہاں پل کر فرعون کے خلاف اٹھنا اور حضور کا عربوں میں پل کر ان کے خداؤں کے خلاف لرا۔ علم بغاوت بلند کرنا وغیرہ وغیرہ۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۲۲)

برق صاحب کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انہیں صرف حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے سلسلہ موسوی اور محمدی میں ''مشابہت تامہ'' قرار دینے پر اعتراض ہے نہ کہ جزوی مشابہت پر اور اسی طرح ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کو موسیٰؑ سے مشابہ قرار دینے میں کچھ جزوی مشابہتیں مراد ہیں نہ کہ تمام جزوی امور میں مشابہت۔

اعتراض کا جواب

اب اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ محترم برق صاحب کی ساری بحث صرف ایک نزاعِ لفظی پر مشتمل ہے انہیں یہ تو مسلّم ہے کہ آنحضرت ﷺ قرآن میں موسیٰؑ کی مانند نبی قرار دیئے گئے ہیں اور انہیں یہ بھی مسلّم ہے کہ محمدی اور موسوی دونوں سلسلوں کے خلفاء میں جزوی مشابہت ہونی چاہیئے نہ کہ مشابہت تامہ۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ ان آیات میں لفظ کَمَا آیا ہے۔ جو حرف تشبیہ ہے اور جزوی مشابہت کو چاہتا ہے۔ اس دلیل کے جواب میں عرض ہے کہ بے شک کَمَا وہاں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں دو وجودوں میں صرف ایک ہی امر میں جزوی مشابہت ہو جیسے ہم یہ کہیں کہ زید شیر کی مانند ہے تو وہاں صرف بہادری میں مشابہت ہو گی۔ لیکن حرف تشبیہ کَمَا اس بات کے لئے قطعی دلیل نہیں کہ جہاں استعمال کیا جائے وہاں ضروری طور پر صرف ایک ہی وجہ شبہ مدّ نظر ہو گی چنانچہ خود برق صاحب نے آنحضرت ﷺ کو موسیٰؑ سے دی گئی مشابہت میں چار وجوہِ شبہ لکھ کر آگے وغیرہ وغیرہ دے کر اور وجوہِ شبہ کے موجود ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ حضرت اقدسؑ کے نزدیک بھی مشابہت تامہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان مشابہت تامہ کی صورت میں تمام جزوی امور میں مشابہت کا پایا جانا ضروری ہے۔ بلکہ مشابہتِ تامہ کے لئے علم بلاغت کی رُو سے صرف ایک ہی وجہ شبہ میں بھی علی وجہ الاتم تشبیہ کا پایا جانا کافی ہوتا ہے۔ جیسا کہ استعارہ میں مشابہتِ تامہ کا ہی دعویٰ

ہو تا ہے ۔ خواہ وجہ شبہ اس جگہ ایک ہی امر ہو۔ استعارہ بھی تشبیہ پر ہی مشتمل ہو تا ہے۔ اور اس میں اور عام تشبیہ میں یہ فرق ہو تا ہے کہ عام تشبیہ میں تو مشبہ اور مشبہ بہ اور حرف تشبیہ مذکور ہوتے ہیں۔ لیکن استعارہ میں حرف تشبیہ اور مشبہ کا ذکر حذف کر دیا جاتا ہے اور صرف مشبہ بہ کا ذکر ہو تا ہے اور مراد اس سے مشبہ کا وجود ہو تا ہے۔ جیسے ہم کہیں اَسَدُ نَافِی الْحَمَّامِ ہمارا شیر حمام میں ہے۔ اور شیر سے مراد مثلاً زید ہو سو اس جگہ تشبیہ بھی موجود ہے اور وجہ شبہ بھی صرف ایک جزوی امر یعنی بہادری ہے لیکن حرف تشبیہ اڑا کر مشابہت تامہ کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

پس استعارہ میں مشابہت تامہ ہی کا ادّعا ہو تا ہے۔ خواہ اس جگہ مشبہ اور مشبہ بہ میں صرف ایک ہی وجہ شبہ پائی جائے اور کَمَا کا حرف استعمال کرنے کی صورت میں مطلق تشبیہ مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں مشابہت تامہ اور ناقصہ دونوں کے پائے جانے کا احتمال ہو تا ہے۔

پس اگر مشبہ اور مشبہ بہ میں سے مشبہ (تشبیہ دیا گیا) افضل وجود ہو تو خواہ اس جگہ چند جزوی امور میں ہی یا صرف ایک ہی امر میں مشابہت ہو۔ اس جگہ مشابہت تامہ ہی سمجھی جائے گی۔ آنحضرت ﷺ قرآن کریم میں کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً کے الفاظ میں موسیٰؑ کی مانند ہی قرار دیئے گئے ہیں اور کَمَا کے ذریعے ہی آپؐ کو حضرت موسیٰؑ سے مشابہت دی گئی ہے۔ مگر آپ کو خاتم النبین کہہ کر تمام انبیاء کے کمالات کا جامع بھی ظاہر کیا گیا ہے اس لئے آپ حضرت موسیٰؑ سے افضل ہیں۔ اور جب افضل ہیں تو اہم وجوہ شبہ میں آپ کی حضرت موسیٰ سے مشابہت تامہ ہی قرار دی جائے گی۔ بہر حال امت محمدیہ کا مسیح موعودؑ وہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ سے کئی اہم امور میں مشابہت رکھتا ہے اور حضرت عیسیٰؑ سے افضل بھی ہے۔ اس لئے اس کی مسیح ناصری سے مشابہت تامہ ہی قرار دی جائے گی۔ اس طرح سلسلہ محمدی کے اول نبی اور

آخری خلیفہ کے سلسلہ موسوی کے اول نبی اور آخری خلیفہ سے افضل ہونے کی وجہ سے سارا سلسلہ محمدی سلسلہ موسوی سے افضل ٹھہرے گا۔ اور سلسلہ محمدی کی سلسلہ موسوی سے مشابہت تامہ قرار دی جائے گی گو یہ مشابہت کئی جزوی امور میں ہی ہو گی۔

پس برق صاحب نے اس جگہ محض نزاعِ لفظی سے کام لیا ہے انہوں نے مشابہت تامہ کے ایک خود ساختہ معنی لئے ہیں جو غلط ہیں۔ اور پھر ان معنی پر اپنے اعتراضات کی عمارت کھڑی کر دی ہے۔ کاش وہ علم بلاغت سے صحیح واقفیت رکھتے۔ تا ایسی علمی ٹھوکر سے بچ جاتے جو اس اعتراض میں انہوں نے کھائی ہے۔

محترم برق صاحب! جب کسی انسان کو شیر کہا جائے اور تشبیہ دیتے ہوئے مشبہ کا ذکر نہ کیا جائے اور حرف تشبیہ کو بھی حذف کیا جائے تو علم بلاغت کی رو سے یہ استعارہ ہو گا جس میں مشابہت تامہ پائے جانے کا ادّعاء ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس نے بیس سال جنگل میں رہ کر کچا گوشت کھایا ہے یا اس کی پونچھ بھی ہے اور اس نے دھاڑنے کی مشق بھی کی ہے اور اس کی چار ٹانگیں بھی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے امت محمدیہ کے مسیح موعودؑ کی حضرت عیسیٰؑ سے مشابہت تامہ ہی سمجھی ہے۔ تبھی تو اس کو ابن مریم کہا ہے۔ کَابْنِ مَرْیَم نہیں کہا کہ اس سے ناقص تشبیہ کا بھی احتمال ہو سکتا۔ بلکہ آپ نے استعارہ استعمال فرما کر مشابہت تامہ کا تحقق قرار دیا ہے۔ گویا مسیح محمدی کی آمد کو ہو بہو ابن مریم کی آمد قرار دیا ہے۔ گو اس جگہ استعارہ میں اہم جزوی امور میں ہی تشبیہ مراد ہے۔

تنقید کی جزو دوم

اپنی تنقید کی جزو دوم میں برق صاحب نے دو اعتراض کئے ہیں۔

پہلا اعتراض

ان کا پہلا اعتراض یہ ہے۔

"حضرت موسیٰ اور عیسیٰؑ کے درمیانی زمانے میں ہزار ہا انبیاء مبعوث ہوئے تھے...... سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہزار ہا انبیاء حضرت موسیٰؑ کے ظاہری اور روحانی خلیفے تھے یا نہیں؟ اگر تھے اور ظاہر ہے کہ تھے تو پھر سلسلہ موسوی اور محمدی میں مماثلت تامہ کیسے ہوئی۔ وہاں ہزار ہا خلیفے سارے انبیاء اور یہاں کل تیرہ خلیفے۔ جن میں سے صرف آخری نبی اور باقی سب امتی۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷)۔

الجواب

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی اسرائیل میں صدہا نبی ہوئے بعض ان میں سے اولوالعزم انبیاء تھے جن کا نام لے کر قرآن کریم میں ذکر بھی آیا ہے۔ اور بائیبل کی رو سے بعض ایسے نبی بھی تھے جن کو صرف ملہم ہونے اور پیشگوئی کرنے کی وجہ سے لغت کے وسیع معنوں میں نبی کہہ دیا جاتا تھا اس قسم کے نبی امت محمدیہ میں بھی ہزار ہا ہوئے ہیں چنانچہ رسول کریمؐ فرماتے ہیں۔ عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ اس جگہ علماء سے مراد علماءِ ربّانی ہیں۔ یعنی امت محمدیہ کے ملہم اور محدّث جو ہزاروں ہوئے ہیں چونکہ امتی ایک معنی میں اپنے متبوع نبی کا خلیفہ ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا خلیفہ کے ان وسیع معنوں میں وہ ہزار ہا اولیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہی ہیں۔ گو اصطلاحی معنوں میں یہ سارے خلیفہ نہ تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک مجددین کی حدیث اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِأۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔ (ابوداؤد) کے مطابق ہر صدی کے سر پر آنے والا مجدد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص نوع کا خلیفہ ہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے تجدید دین کے لئے مبعوث کیا جاتا تھا۔ چونکہ مسیح موعودؑ کے زمانہ تک بارہ صدیاں گذر چکی تھیں اور اس حدیث کے مطابق آپ سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور مجدد الف ثانی کے دعاوی ثابت تھے۔ اس لئے بموجب حدیث ہذا یہ تسلیم کیا جانا ضروری تھا کہ آپ سے پہلے کم از کم بارہ مجدد دین بہر حال گذر چکے ہیں۔ اور چونکہ آیتِ استخلاف میں سلسلۂ محمدی اور سلسلۂ موسوی کے خلفاء میں مشابہت قرار دی گئی ہے۔ اس لئے موسوی سلسلہ کے بارہ انبیاء جو قرآن مجید میں مذکور ہیں مجدد دین امتِ موسوی قرار پاتے ہیں تا دونوں سلسلوں میں قرآن کریم کے بیان کے مطابق مشابہت متحقق ہو جائے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے۔ لَا یَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِیْزًا اِلٰی اِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ خَلِیْفَۃً کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ۔ اس حدیث کو حضرت اقدسؑ کی عبارت میں سے جناب برق صاحب نے اپنے مطلب کے برعکس پا کر قصداً حذف کر دیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں بارہ خلیفوں کے قریش میں سے ہونے کی تعیین موجود ہے۔ اب خواہ شیعوں کی طرح بارہ امام مان لئے جائیں یا اہل سنت کی طرح بارہ مجدد دین تسلیم کئے جائیں جن کا قریش میں سے ہونا ضروری ہے۔ بہر حال ۱۴ھویں مجدد کو غیر قریشی ماننا پڑے گا۔

معلوم ہوتا ہے برق صاحب حدیثوں کے منکر ہیں اس لئے وہ احادیث کو نظر انداز کر کے حضرت اقدسؑ کے بیان کو قابل اعتراض بنانا چاہتے ہیں۔ چونکہ جو احادیث نبویہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق ہوں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ان احادیث کو درست مانا ہے۔ پس ایک منکر حدیث تو حضرت اقدسؑ کے ان بیانات پر اعتراض کر سکتا ہے۔ لیکن احادیث کے ماننے والے شخص کو حضرت اقدس کے بیان کی سچائی کا قائل ہونا پڑے گا۔ ورنہ آیتِ استخلاف اور حدیثوں میں تناقض قرار دینا ہو گا حالانکہ اس جگہ قرآن و حدیث میں کوئی تناقض نہیں۔

منکرین حدیث کا جواب

ہاں ایسے منکرین حدیث کے لئے ہمارا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہرگز بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں ہزارہا نبی ہوئے ہیں۔ قرآن مجید نے تو چند ایک نبیوں کا نام لیا ہے اور یہ جو فرمایا ہم نے کئی رسولوں کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے مراد دوسری قوموں کے رسول ہو سکتے ہیں۔ جو مثلاً ہندوؤں، چینیوں اور فارسیوں اور دیگر اقوام عالم میں مبعوث ہوئے۔

پس قرآن کریم کے ماننے والے کو آیت استخلاف کے رو سے سلسلہ محمدی اور سلسلہ موسوی میں مشابہت بہر حال ماننی پڑے گی۔ جزوی مشابہت کے تو برق صاحب بھی قائل ہیں۔ انہیں صرف مشابہت تامہ کے لفظ پر اعتراض ہے۔ حالانکہ یہ اعتراض بھی ان کا دراصل ان کے مشابہت تامہ کے اپنے مزعوم معنی پر مبنی ہے۔ ورنہ علماءِ بلاغت کے نزدیک مشابہت تامہ کے وہ معنی نہیں جو برق صاحب سمجھتے ہیں۔ علماءِ بلاغت کے نزدیک تو کسی جگہ اگر صرف ایک امر میں ہی علی وجہ الاتم مشابہت پائی جائے تو اس جگہ مشابہت تامہ کا تحقق سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ استعارہ میں مشابہت تامہ ہی مراد ہوتی ہے۔ خواہ وہ کسی جزوی امر میں ہی ہو۔ لہٰذا اگر سلسلہ موسوی میں پہلے نبی اور سلسلہ محمدی کے پہلے نبی اور سلسلہ موسوی کے آخری خلیفہ۔ اور سلسلہ محمدی کے آخری خلیفہ میں بعض اہم امور میں مشابہت ہو تو دونوں سلسلوں میں مشابہت تامہ متحقق سمجھی جائے گی۔ خواہ درمیانی زمانہ کے خلفاء میں مشابہت تامہ نہ بھی ہو۔

پس جناب برق صاحب کو اس بحث میں حضرت اقدس سے محض نزاعِ لفظی ہے۔ ورنہ از روئے قرآن مجید تو دونوں سلسلوں میں مشابہت ضرور موجود ہونی چاہئے اور یہ تبھی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دونوں سلسلوں کے اول و آخر میں ضرور باہم مشابہت

تامہ متحقق ہو۔

پس ایک مسیح محمدی کا جو حضرت عیسیٰؑ کا مثیل ہو ازروئے قرآن مجید آنا ضروری قرار پایا۔ محترم برق صاحب! حیلوں اور بہانوں سے منشاء قرآن کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ آپ اپنے اقبال کے مطابق یہی کہہ لیں کہ سلسلہ موسوی اور سلسلہ محمدی میں جزوی مشابہت ہے۔ بہر حال اتنا تو آپ بھی مانتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ سلسلہ موسوی کے آخری نبی ہیں۔ پس امتِ محمدیہ میں ایک خلیفہ کے۔لئے ممکن ہؤا کہ وہ حضرت عیسےٰؑ کے رنگ میں رنگین ہو اور وہ خاتم الخلفاء قرار پائے اور یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ خلیفہ احادیث نبویہ☆ کے مطابق ہمارے زمانہ چودہویں صدی میں ظاہر ہو گیا ہے۔ جس سے انکار کے لئے محترم برق صاحب نئی نئی راہیں ایجاد کر رہے ہیں۔ انّا للّٰہ وانّاالیہ راجعون۔

اعتراض دوم

برق صاحب کو دوسرا اعتراض مماثلت پر یہ ہے کہ ان کے نزدیک موسیٰؑ اور مسیحؑ کے درمیان جو زمانہ ہے وہ اس زمانہ سے مماثلت تامہ نہیں رکھتا جو آنحضرت ﷺ اور بانی سلسلۂ احمدیہ کے درمیان پایا جاتا ہے انہوں نے ایک حساب پیش کیا ہے۔ چونکہ ان کی طبیعت میں کجی تھی اس لئے انہوں حساب کو ایسے رنگ میں پیش کیا ہے جس سے ان کی مطلب برآری ہو۔ حضرت موسیٰ اور حضرت

☆ حدیث میں نازل ہونے والے ابن مریم کو اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کہہ کر امت محمدیہ کا ایک فرد قرار دیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں اس کا کام یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ (عیسائیت کا ابطال) بتا کر چودہویں صدی کے زمانہ میں اسکے ظہور کے متعلق اشارہ کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ تیرھویں صدی کے آخر میں صلیبی مذہب یعنی عیسائیت ساری دنیا پر غالب ہو چکی تھی۔

عیسیٰؑ کا درمیانی زمانہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے چودہ سو سال بیان کیا ہے۔ اس کو تسلیم کر کے برق صاحب نے آنحضرت ﷺ اور بانی سلسلہ احمدیہ کے درمیانی زمانہ کو کم دکھانے کے لئے یوں حساب لگایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے سال اور بانی سلسلہ احمدیہ کی پیدائش کے سال کے درمیانی زمانہ کا شمار کر کے اسے قمری حساب سے بارہ سو چوالیس سال دکھایا ہے۔ مگر اس میں سراسر ایک مغالطہ ہے آخر وہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے زمانہ سے کیوں شمار نہیں کرتے یا آنحضرت ﷺ کی بعثت کے زمانہ سے کیوں حساب نہیں لگاتے؟ آنحضرت ﷺ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ اگر زمانہ آپ کی پیدائش سے شمار ہو تو اس طرح بارہ سو چوالیس میں ۶۳ سال کا اضافہ ہو گا۔ تو ۱۲۴۴ + ۶۳ کل ۱۳۰۷ سال بن جائیں گے۔ چونکہ ۶۳ سال شمسی قریباً ۶۵ سال قمری بنتے ہیں۔ اس لحاظ سے مسیح موعودؑ اور آنحضرت ﷺ کا درمیانی زمانہ ۱۳۰۹ سال قمری قرار پاتا ہے۔ جو چودھویں صدی ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب مسیح موعودؑ کا دعویٰ موجود تھا۔ اگر زمانہ کا شمار آنحضرت ﷺ کی بعثت سے کیا جائے تو چالیس سال تیرہ سو نو میں سے کم کئے جائیں گے تو درمیانی زمانہ ۱۲۶۹ سال قمری قرار پائے گا۔ اور جناب برق صاحب کو یہ مسلّم ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو پہلی مرتبہ الہام ۱۸۶۵ء میں ہوا تھا۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۱۲۸)

چونکہ حضرت مرزا صاحب کی وفات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی ہے اس لئے چودھویں صدی میں سے آپ کو ۲۶ سال ملے ہیں اور اسی زمانہ میں آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ پس جب چودھویں صدی میں آپ کا دعویٰ ثابت ہو گیا تو حضرت مسیح ناصریؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیانی زمانہ اور آنحضرت ﷺ اور مسیح موعودؑ کے درمیانی زمانہ میں اہم مشابہت ثابت ہو گئی اور اہم مشابہت کو ہی مشابہت تامہ کہتے ہیں۔ مشابہت تامہ کے لئے گھنٹوں اور منٹوں میں مشابہت ضروری نہیں

ہوتی۔اس کے لئے صرف چودہویں صدی میں ظہور پذیر ہونے میں مشابہت کاپایا جانا کافی ہے۔ہم اس موقعہ پر یہ اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ چونکہ محترم برق صاحب کی نیت بخیر نہ تھی اس لئے اس حسابی شمار میں انہوں نے دوسروں کو مغالطہ دینے کے لئے ایک محقق مصنف کا فرض ادا نہیں کیا۔ بلکہ یوں ظالمانہ اور بے انصافی کا طریق اختیار کیا ہے کہ درمیانی عرصہ کو کم دکھانے کے لئے ایک طرف آنحضرت ﷺ کی وفات کا سال لیا ہے اور دوسری طرف مسیح موعودؑ کی پیدائش کا سال لیا ہے۔اگر برق صاحب کی نیت بخیر ہوتی تو حساب لگاتے ہوئے دونوں کی پیدائش یا دونوں کی وفات کا سن لے کر درمیانی عرصہ شمار کرتے۔

جناب برق صاحب نے آنحضرت ﷺ کی وفات اور مسیح موعودؑ کی پیدائش کے درمیان ۱۲۴۴ قمری سالوں کا زمانہ تسلیم کیا ہے۔ مسیح موعودؑ نے قمری حساب سے تقریباً ۷۶ سال کی عمر پائی ہے۔ ۱۲۴۴ میں ۷۶ جمع کئے جائیں تو ۱۳۲۰ سال قمری بن جاتے ہیں۔ جو چودھویں صدی ہی ہوئی۔اس شمار سے بھی دونوں سلسلوں موسوی اور محمدی کے اول نبی اور آخری خلیفہ کے چودہویں صدی میں ظہور کی اہم مشابہت کا تحقق ثابت ہو جاتا ہے۔

تنقید کی جزو سوم

جزو سوم کے ذیل میں برق صاحب نے حضرت اقدس کی چند عبارتیں آپ کی کتابوں سے پیش کی ہیں کہ :-

"ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۴۸۸ طبع اوّل)

"اس عاجز کی طرف سے یہ دعویٰ نہیں کہ مسیحیت کا میرے وجود پر خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئیگا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۹۶ طبع اوّل)

"میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار مثیل مسیح آجائیں۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۹۹ طبع اوّل)

پھر لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۲ سے یہ عبارت پیش کی ہے۔

"لہذا ضروری ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبے پر پہنچانے کے لئے خدا کے انبیاء وقتاًبعد وقتٍ آتے رہیں جن سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔"

اسی ضمن میں الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۱ء سے یہ عبارت بھی پیش کی ہے۔

"درحقیقت امت محمدیہ کی شان بھی اسی میں ہے کہ اس میں جہاں صلحاء، اولیاء، شہداء اور اصدقا پیدا ہوں۔ وہاں ایسے بھی انسان ہوں جو خدا سے شرف مکالمہ ومخاطبہ حاصل کر کے نبی بن جائیں۔"

یہ عبارات پیش کر کے "دوسرا پہلو" کے عنوان کے ماتحت برق صاحب نے ان عبارتوں سے تضاد دکھانے کے لئے بعض اور عبارتیں قطع وبرید کر کے پیش کی ہیں۔

پہلی عبارت حضرت خلیفۃالمسیح الثانی کی کتاب حقیقۃالنبوۃ کے صفحہ ۱۳۸ سے ان الفاظ میں پیش کی ہے۔

"ہم اس امت میں صرف ایک ہی نبی کے قائل ہیں۔"

دوسری عبارت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتاب حقیقۃالوحی صفحہ ۳۹۱ طبع اوّل سے ان الفاظ میں پیش کی ہے۔

"اس امت میں نبی کا نام پانے کے لئے مَیں ہی مخصوص کیا گیا۔ دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔"

تیسری عبارت تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۲ طبع اوّل سے یوں پیش کی ہے۔

"مسیح (موعود) خاتم خلفائے محمدی ہے۔"

برق صاحب کا سوال

اس کے بعد برق صاحب نے یہ سوال کیا ہے کہ :-

"آیا جناب مرزا صاحب واقعی سلسلہ محمدی کے آخری خلیفہ تھے اگر جواب اثبات میں ہے تو اس ارشاد کا کیا مطلب ؟"

اس عاجز کی طرف سے یہ دعویٰ نہیں کہ مسیحیت کا میرے وجود پر خاتمہ ہے۔ اور اگر نفی میں ہے تو پھر مسیح موعود خاتم خلفائے محمدی کیسے بن گیا۔ اور وہ مماثلت تامہ کہاں گئی ؟ (حرف محرمانہ صفحہ ۱۳۱)

الجواب

پیشتر اس کے کہ ہم برق صاحب کے اس سوال کا جواب دیں پہلے ہم ان کی دو پیش کردہ عبارتوں سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں جو انہوں نے تضاد دکھانے کے لئے قطع وبرید کے ساتھ پیش کی ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں وہ کہتے تو یہی ہیں کہ :-

"یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ اس کتاب کے تمام حوالوں میں انتہائی دیانت سے کام لیا گیا ہے۔ اقتباسات کو نہ تو مسخ کیا گیا ہے اور نہ قطع وبرید سے حسب منشاء بنایا گیا ہے۔ بلکہ ہر حوالے میں صاحب کتاب کے منشاء کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ تاکہ مسئلہ کے تمام پہلو سامنے آجائیں اور احمدی اور غیر احمدی حضرات کو صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۴)

لیکن افسوس ہے کہ وہ بحث جیتنے کی رو میں دیانت کے اس خود بیان کردہ معیار پر ثابت قدم نہیں رہ سکے۔ انہوں نے کئی جگہ حوالہ جات میں قطع وبرید کر کے منشائے متکلم کے برعکس معنی اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر اپنی کتاب حرف محرمانہ صفحہ ۱۲۰ پر انہوں نے "دوسرا پہلو" کے عنوان سے جو یہ حوالہ پیش کیا

ہے کہ :-

"ہم اس امت میں صرف ایک ہی نبی کے قائل ہیں" (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۳۸)

اس سے خلاف منشائے متکلم یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے بعد کسی نبی کے امکان کے قائل نہیں۔ حالانکہ پوری عبارت اس جگہ یوں ہے :-

"پس جن لوگوں کے نزدیک تعریف نبوت یہ ہے نہ وہ جو ہم بیان کرتے ہیں۔ وہ حضرت مسیح موعود کو دیگر محدّثین میں شامل کرتے ہیں گو کسی قدر بڑے درجہ کا محدّث کہتے ہیں۔ ہم چونکہ اس کے خلاف تعریف کرتے ہیں اور وہ اس امت میں کسی اور انسان پر بجز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صادق نہیں آتی۔ اس لئے ہم اس امت میں صرف ایک ہی نبی کے قائل ہیں۔ آئندہ کا حال پردۂ غیب میں ہے۔ اس کی نسبت ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔ آئندہ کے متعلق ہر ایک خبر پیشگوئی کا رنگ رکھتی ہے۔ اس پر بحث کرنا انبیاء کا کام ہے نہ ہمارا۔ پس ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اس وقت تک اس امت میں کوئی اور شخص نبی نہیں گذرا۔ کیونکہ اس وقت تک نبی کی تعریف کسی اور انسان پر صادق نہیں آتی۔" (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۳۸)

اس ساری عبارت کو پڑھنے کے بعد اور بالخصوص آخری سے پہلے فقرہ کو پڑھنے کے بعد ہر سلیم الفطرت اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے کہ محترم برق صاحب نے اس جگہ حوالہ کو پیش کرتے ہوئے منشائے متکلم کے بالکل خلاف "دوسرا پہلو" کے عنوان کے تحت یہ نتیجہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ساری امت محمدیہ میں ایک ہی نبی کے قائل ہیں۔ حالانکہ آپ کا منشاء برق صاحب کے پیش کردہ فقرہ سے صرف یہ ہے کہ اس وقت تک امت میں کوئی شخص نبی نہیں گذرا آئندہ کے متعلق آپ نے کوئی حکم نہیں لگایا نہ امکان کا نہ امتناع کا۔ بلکہ

آئندہ کا حال پردۂ غیب میں بتایا ہے۔ چونکہ امتناع کا حکم نہیں لگایا۔ اس لئے یہ عبارت ان پہلی عبارتوں سے متضاد نہ ہوئی جن میں امکان تسلیم کیا گیا ہے اسی طرح حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی عبارت بھی برق صاحب نے ادھوری پیش کی ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی مراد بھی برق صاحب کے پیش کردہ فقرہ سے یہی ہے کہ اس وقت تک امت میں صرف آپ ہی نبی کا نام پانے کے لئے مخصوص ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس صاف لکھتے ہیں۔

"جس قدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں۔ تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی اگر کوئی منکر ہو تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہے۔"

پھر آگے لکھتے ہیں :-

"جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت سے گذر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱ طبع اوّل)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس اس جگہ آئندہ کے متعلق کوئی بحث نہیں کر رہے بلکہ صرف یہ دکھا رہے ہیں کہ تیرہ سو سال کے اندر نبی کا نام پانے کے لئے آپ ہی مخصوص ہیں اور اس کی وجہ آگے چل کر یہ بتاتے ہیں۔

"اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تاکہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں وہ بھی اسی قدر مکالمہ و مخاطبہ اور امور غیبیہ سے حصہ پالیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اس صورت میں آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

واضح رہے کہ یہ پیشگوئی جس کا اس جگہ ذکر ہو رہا ہے وہ پیشگوئی ہے جس میں

آنحضرت ﷺ نے بتایا ہے کہ میرے اور مسیح موعودؑ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوگا۔ پس یہ حوالہ بھی برق صاحب کے ازالہ اوہام کے ان پیش کردہ حوالوں سے کوئی تضاد نہیں رکھتا۔ جن میں کسی اور مثیل مسیح کا امکان مانا گیا ہے اور اس حوالہ میں آئندہ کے لئے امتناع کی کوئی خبر موجود نہیں۔

اصل سوال کا جواب

برق صاحب کی دیانت کو بے نقاب کرنے کے بعد اب میں ان کے اصل سوال کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یہ واضح ہو کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کے خاتم الخلفاء ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اب آپ کے بعد آپ کا کوئی جانشین اور خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ جس طرح خاتم النبین کے فیض سے ہم لوگ امت میں نبوت کے باقی رہنے کے قائل ہیں اسی طرح خاتم الخلفاء کے فیض سے خلافت کو بھی باقی مانتے ہیں۔ اسی لئے جماعت احمدیہ نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کی وفات پر حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کو آپ کا خلیفہ اور جانشین تسلیم کیا۔

پس حضرت مسیح موعودؑ آخری خلیفہ ان معنوں میں ہیں کہ اب خلافت آپ کے واسطہ سے چلے گی جس طرح آنحضرت ﷺ آخری نبی ان معنی میں ہیں کہ اب کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے دامن فیوض سے الگ ہو کر مقام نبوت نہیں پا سکتا۔

پس حضرت اقدس کے کلام کا پہلی عبارتوں سے کوئی تضاد نہیں۔ اور یہ برق صاحب کی غلطی ہے کہ انہوں نے خاتم الخلفاء کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی تشریح کو مدنظر نہیں رکھا۔

پس جس طرح آنحضرت ﷺ خاتم النبیّن کے ظہور کے بعد ان کے اظلال کی آمد ممتنع نہیں اسی طرح مسیح موعودؑ کے ظہور کے بعد کسی اور مثیل مسیح کی آمد

بھی جو مسیح موعودؑ کے لئے بمنزلہ ظل کے ہو ممتنع نہیں چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ فرماتے ہیں۔

"واضح ہو کہ وہ مسیح موعود جس کا آنا انجیل اور احادیث صحیحہ کی رو سے ضروری قرار پاچکا تھا وہ تو اپنے وقت پر اپنے نشانوں کے ساتھ آ گیا۔ اور آج وہ وعدہ پورا ہو گیا جو خدا تعالیٰ کی مقدس پیشگوئیوں میں پہلے سے کیا گیا تھا۔ لیکن اگر کسی کے دل میں یہ خلجان پیدا ہو کہ بعض احادیث کی اس آنے والے مسیح کی حالت سے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی جیسے مسلم کی دمشقی حدیث تو اول تو اس کا یہی جواب ہے کہ درحقیقت یہ سب استعارات ہیں اور مکاشفات ہیں استعارات غالب ہوتے ہیں۔ بیان کچھ کیا جاتا ہے اور مراد اس سے کچھ لیا جاتا ہے سو یہ ایک بہت بڑا دھوکہ اور غلطی ہے جو ان کو ظاہری طور پر مطابق کرنے کے لئے کوشش کی جائے...... پھر بعد اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ظاہر پر ہی ان بعض مختلف حدیثوں کو جو ہنوز ہماری حالت موجودہ سے مطابقت نہیں رکھتیں محمول کیا جائے تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان پیشگوئیوں کو اس عاجز کے ایسے کامل متبع کے ذریعہ سے کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو منجانب اللہ مثیل مسیح کا رتبہ رکھتا ہو۔ اور ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعہ سے بعض خدمات کا پورا ہونا درحقیقت ایسا ہی ہے کہ گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ بالخصوص جب بعض متبعین فنافی الشیخ کی حالت اختیار کر کے ہمارا ہی روپ لے لیں اور خدا تعالیٰ کا فضل انہیں وہ مرتبہ ظلی طور پر بخش دیوے جو ہمیں بخشا تو اس صورت میں بلا شبہ ان کا ساختہ پر داختہ ہمارا ساختہ پر داختہ ہے۔ کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے وہ ہم سے جدا نہیں اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں ہو کر پورا کرتا ہے وہ درحقیقت ہمارے ہی وجود میں داخل ہے اس لئے وہ جز اور شاخ ہونیکی وجہ سے مسیح موعود کی پیشگوئیوں میں بھی شریک ہے کیونکہ وہ کوئی جدا

شخص نہیں۔ پس اگر ظلی طور پر وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مثیل مسیح کا نام پاوے اور موعود میں بھی داخل ہو تو کچھ حرج نہیں کیونکہ گو مسیح موعود ایک ہی ہے مگر اس ایک میں ہو کر سب موعود ہی ہیں کیونکہ وہ ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی مقصد موعود کے روحانی یگانگت کی راہ سے متمم اور مکمّل ہیں اور ان کو ان کے پھلوں سے شناخت کرو......اگر فرض کے طور پر بھی تسلیم کر لیں کہ بعض پیشگوئیوں کا اپنی ظاہری صورت پر بھی پورا ہونا ضروری ہے۔ تو ساتھ اس کے یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیئے کہ وہ پیشگوئیاں ضرور پوری ہونگی اور ایسے لوگوں کے ہاتھ سے ان کی تکمیل کروائی جائے گی کہ جو پورے طور پر پیروی کی راہوں میں فانی ہونے کی وجہ سے اور نیز آسمانی روح کے لینے کے باعث سے اس عاجز کے وجود کے ہی حکم میں ہوں گے۔ اور ایک پیشگوئی بھی جو براہین میں درج ہو چکی ہے اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ الہام یہ ہے یَاعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (آل عمران: ۵۶) اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت میں سے ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے کیونکہ اس عاجز کو براہین میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے۔"

(ازالہ اوہام بجواب سوال نمبر ۷ جلد اول صفحہ ۴۱۳ تا ۴۱۸ طبع اوّل)

افسوس ہے کہ برق صاحب نے ازالہ اوہام کے بعض ایسے حوالہ جات درج کئے ہیں جو بعض اور مثیل مسیح کی آمد کے امکان کے بارہ میں ہیں مگر انہوں نے مندرجہ بالا حوالہ کو جو اوپر پیش کیا گیا ہے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ ہمارا پیش کردہ حوالہ اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ ایسے مثیل مسیح اگر بالفرض آئیں تو وہ حضرت مسیح موعودؑ کے متبعین میں سے ہوں گے اور آپ کے ظل ہوں گے۔ اور مسیح موعودؑ کے وجود میں فانی ہونے کی وجہ سے آپ کے وجود میں اس طرح شامل ہوں گے جس طرح جزکل

میں شامل ہوتی ہے۔یا جس طرح شاخ بیج سے علاقہ رکھتی ہے۔ پھر اس حوالہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کی پیشگوئی کے مطابق ایک مثیل مسیح آپ کی ذرّیت میں سے بھی آنا چاہیئے جو آپ کا متبع ہو۔

پس آپ کا خاتم الخلفاء ہونا کسی ایسے خلیفہ یا مثیل مسیح کے آنے میں مانع نہیں جو آپ کا ظل ہو اور آپ کی شاخ ہو۔ بلکہ ایک ایسے خلیفہ کے آپ کی ذرّیت میں سے ہونے کی پیشگوئی بھی موجود تھی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے وجود باوجود کے ذریعہ پوری ہو چکی ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

جزو چہارم

اس جزو کے ذیل میں برق صاحب لکھتے ہیں۔

"اس جز کا ملخص یہ ہے کہ موسوی سلسلہ کا آخری خلیفہ حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھا اس طرح محمدؐی سلسلہ کا آخری خلیفہ (مسیح موعود) بھی قریش سے نہیں اگر حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھے تو پھر اسرائیلی سلسلہ کے آخری خلیفہ کس بنا پر قرار پائے......اگر مسیح کی ولادت معجزانہ تھی اور ان کے والد کوئی نہیں تھے تو کیا ان کی والدہ مریم کا بھی کوئی سلسلہ نسب نہیں تھا قرآن کریم نے حضرت مریم کو اختِ ہارون یعنی ہارون کی بہن کہا ہے اور حضرت ہارونؑ اسرائیلی تھے...... خود مرزا صاحب فرماتے ہیں حضرت مسیحؑ پورے طور پر بنی اسرائیلی نہ تھے صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی تھے والد تو تھا نہیں اور ماں اسرائیلی تھی تو پھر وہ غیر اسرائیلی کیسے بن گئے...... بہر حال اس حقیقت سے کوئی مؤرخ انسان انکار کر ہی نہیں سکتا کہ حضرت مسیح نسب کے لحاظ سے سو فیصدی اسرائیلی تھے اس لئے سلسلۂ مماثلت کی یہ کڑی بھی ٹوٹ گئی۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۳۱، ۱۳۳)

الجواب

نسب کا متعارف طریق دنیا میں یہ چلا آیا ہے کہ اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اسرائیلیوں میں سے مسیحؑ کا کوئی باپ نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی ولادت بن باپ ہوئی تھی۔ اس لئے باپ کے لحاظ سے وہ اسرائیلی نہ تھے۔ اور صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی ہونا خود حضرت مرزا صاحب کو مسلّم ہے۔ جیسا کہ لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۸۷ کی عبارت سے جو برق صاحب نے پیش کی ہے ظاہر ہے۔ سو فیصدی اسرائیلی وہ شخص ہو سکتا ہے جو ماں باپ دونوں کی طرف سے اسرائیلی ہو۔ لیکن حضرت مسیحؑ کا اسرائیلی باپ موجود نہ تھا انکی صرف ماں اسرائیلی تھی۔ لہٰذا وہ سو فیصدی اسرائیلی کیسے ہوئے؟

یہودیوں کے حضرت مریم کو اختِ ہارون کہنے سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو فیصدی اسرائیلی تھے جب کہ وہ بلا باپ پیدا ہوئے تھے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے لحاظ سے اسرائیلی نہیں۔

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ باپ کے لحاظ سے قریش میں سے نہیں۔ البتہ دادیوں کی طرف سے ان میں سادات کا خون موجود تھا۔ پس مماثلت کی کڑی دونوں میں قائم ہے۔

جزو چہارم کے ذیل میں برق صاحب نے حضرت اقدس کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے۔

"ان (مسیح علیہ السلام) کے دوبارہ آنے میں کس قدر خرابیاں اور کس قدر مشکلات ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہ وہ بوجہ اس کے کہ وہ قوم کے قریشی نہیں کسی حالت میں امیر نہیں ہو سکتے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۷۵ طبع اوّل)

یہ عبارت پیش کر کے برق صاحب لکھتے ہیں :-

"تو پھر فارسی النسل مرزا صاحب ائمہ قریش کے سلسلہ کی آخری کڑی کیسے بن سکتے ہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۳، ۳۴)

اس کے جواب میں واضح ہو کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی یہ عبارت جو برق صاحب نے اس جگہ پیش کی ہے بطور الزامِ خصم ہے۔ برق صاحب نے اعتراض بنانے کے لئے عبارت کو سیاق سے الگ کر کے پیش کیا ہے۔

حضرت اقدس اس جگہ نواب صدیق حسن خان کی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۴۲۷ سے انکا یہ مذہب درج کرتے ہیں کہ :-

"وہ (حضرت عیسٰی علیہ السلام) اس امت کے مجددوں میں شمار کئے جائیں گے لیکن وہ امیر المؤمنین نہیں ہوں گے کیونکہ خلیفہ تو قریش میں سے ہونا چاہیئے۔ مسیح ابن مریم کیوں کر ان کا حق لے سکتا ہے۔ اس لئے وہ خلافت کا کام بھی نہیں کرے گا۔ نہ جدال نہ قتال نہ سیاست بلکہ خلیفہ وقت کا تابع اور محکوموں کی طرح آئے گا۔"

(ازالہ اوہام ایڈیشن خورد صفحہ ۵۷۵ طبع اوّل)

اسی بنا پر آگے چل کر ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۷۹ طبع اوّل پر لکھتے ہیں :-

"پس ظاہر ہے کہ ان (حضرت عیسٰی علیہ السلام) کے دوبارہ آنے میں کس قدر خرابیاں اور کس قدر مشکلات ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہ وہ قوم کے قریشی نہیں۔ کسی حالت میں امیر نہیں ہو سکتے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام مخالفین علماء کے عقائد کو پیش کرتے ہوئے وہ مشکلات دکھا رہے ہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اصالتاً نزول اور ان کے غیر قریشی ہونے کی صورت میں مخالف علماء کے عقائد کے رو سے پیدا ہو رہی ہیں۔ پس اس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنا کوئی عقیدہ بیان نہیں فرما رہے کہ امتِ محمدیہ کے تمام ائمہ کو قریش میں سے ہونا چاہیئے۔ حضرت

اقدسؑ کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ امتِ محمدیہ کے تمام ائمہ قریش میں سے ہونے چاہئیں۔ بلکہ بموجب حدیث نبوی لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّالَنَالَهٗ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ (صحیح بخاری)۔ جو آیت آخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوابِهِمْ (سورہ جمعہ) کی تفسیر میں مروی ہے آپ مسیح موعود اور مہدی معہود کو ایک فارسی النسل شخص یقین کرتے ہیں۔

جزو پنجم

برق صاحب جزو پنجم میں سلسلۂ محمدیہ کے دو خلفاء خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ اور خلیفہ دوازدہم حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمۃ کا ذکر کر کے چار سوال کرتے ہیں۔

اوّل :- وہ دونوں قریش تھے اور آپ مغل یہ کیا؟

دوم :- وہ دونوں غیر نبی تھے اور یہ نبی یہ کیوں ؟

سوم :- وہ دونوں عمر بھر مصروفِ جہاد رہے۔ اور آپ عمر بھر جہاد کے خلاف لکھتے رہے یہ کس لئے ؟

چہارم :- وہ دونوں اسلامی سلطنت کے قیام وبقا کے لئے کوشاں رہے۔ اور آپ سلطنت فرنگ کے قیام کے لئے یہ خلافت کیسی ؟ (حرف محرمانہ صفحہ ۱۳۴)

الجواب

برق صاحب کے یہ تمام سوالات طفلانہ ہیں۔ حدیث لایزالُ الاسلامُ عزیزاً الی اثنتَی عشرۃَ خلیفۃً کُلُّھُمْ من قُریشٍ کے مطابق اسلام کے بارہ خلیفے قریش میں ہونے چاہئیے نہ کہ ضرورتیہویں خلیفہ کو بھی قریش میں سے ہونا چاہیئے۔

سورۂ نور کی آیت استخلاف میں خلافت کے مومنوں کو دیئے جانے کا وعدہ ہے نہ کہ محض قریش کو۔ قریش بھی ایمان کے بعد خلافت کے مستحق ہو سکتے تھے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امت محمدیہ کے مسیح موعود کو خود نبی اللہ قرار دیا ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح وہ دونو عمر بھر جہاد میں مصروف رہے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بھی ہمہ تن جہاد میں مصروف رہے ہیں۔ صرف جہاد کی نوعیت کا فرق ہے۔ جہاد بالسیف کو آنحضرت ﷺ نے چھوٹا جہاد قرار دیا ہے۔ اور قرآن کے ذریعہ جہاد کو قرآن کریم نے جہاد کبیر قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا کام تبلیغ اسلام جہاد کبیر ہے۔ مسیح موعودؑ کے متعلق خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا یَضَعُ الحَرْبَ کہ وہ تلوار کی لڑائی کو روک دے گا۔ مقصود آنحضرت ﷺ کا یہ تھا کہ چونکہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد بالسیف کی شرائط موجود نہ ہوں گی اس لئے جہاد بالسیف مسیح موعود کے ذریعہ ملتوی کیا جائیگا۔

چوتھے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے تبلیغ اسلام کا جو بیڑا اٹھایا ہے اسکی غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو۔ اور ساری دنیا مسلمان ہو جائے۔ اور اس طرح خود بخود ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت وجود میں آجائے۔ انگریزی حکومت کے استحکام کے لئے اس لئے کوشش کی گئی کہ انگریزی حکومت کے ذریعہ ہی سے مسلمانوں کو سکھوں کے ظلم اور تعدّی سے نجات ملی تھی۔ اور اس وقت کے مذہبی راہنماؤں اور سیاسی لیڈروں کا فیصلہ یہی تھا کہ انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھانا جائز نہیں۔ اور صحیح بخاری کی حدیث کے الفاظ ”یَضَعُ الحَرْبَ“ میں خدا تعالیٰ نے خود مسیح موعودؑ کو تلوار اٹھانے سے روک دیا تھا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ حضرت عیسیٰ کے مثیل تھے۔ جو رومن حکومت کے ماتحت زندگی بسر کرتے رہے۔

برق صاحب کو خود اعتراف ہے کہ۔

"انگریزوں کے زمانہ میں ان کے خلاف اعلانِ جہاد خلافِ مصلحت تھا۔"
(حرف محرمانہ صفحہ ۱۹۹)

حضرت اقدسؑ علی الاطلاق جہاد بالسیف کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس ملک میں جہاد بالسیف کی وجوہ اپنے زمانہ میں نہ پائے جانے کی وجہ سے اُسے ملتوی سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :-

'اِنَّ وُجُوْہَ الْجِہَادِ مَعْدُوْمَۃٌ فِی ھٰذَا الزَّمَنِ وَفِی ھٰذِہِ الْبِلَادِ۔"
(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۳ طبع اوّل)

یعنی اس زمانہ اور ملک میں جہاد کی شرائط موجود نہیں۔

جس نظم میں آپ نے فرمایا :-

"اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال"

اسی نظم میں فرماتے ہیں :-

"فرما چکے ہیں سید کونین مصطفیٰ
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التواء"

پس جہاد بالسیف کو آپ نے علی الاطلاق حرام نہیں کیا۔ بلکہ جہاد بالسیف کی شرائط نہ پایا جانے کی وجہ سے صرف ملتوی قرار دیا ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے۔ اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلاءِ کلمۂ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں دینِ اسلام کی خوبیاں دنیا میں پھیلائیں یہی جہاد ہے۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کر دے۔" (مکتوب حضرت مسیح موعودؑ بنام ناصر نواب صاحب مندرج رسالہ درود شریف صفحہ ۱۱۳ نیا ایڈیشن مؤلفہ مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل)

باب ششم و ہفتم

الدجال و جہاد

جناب برق صاحب نے اپنی کتاب حرف محرمانہ کے چھٹے باب میں مسیح الدّجال کے عنوان کے تحت صفحہ ۱۲۶ سے صفحہ ۱۵۴ تک ایک مبسوط مضمون قلمبند کیا ہے اس مضمون کے پہلے حصے میں وہ مختلف اسلامی ممالک میں انگریزوں کے مظالم کی داستانیں سنا کر اپنے اعتراضات کے لئے زمین تیار کرتے ہیں۔ اور پھر اعتراضات اٹھاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے ایسے ظالم لوگوں کی کیوں تعریف کی ہے۔ اور کیوں ان سے تعاون کی تعلیم دی ہے۔ اور کیوں ان کے شکریہ کا اظہار کیا ہے۔

یہ اعتراضات جناب برق صاحب نے اس وقت اٹھائے ہیں جبکہ انگریز ہندوستان چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ ورنہ انگریزوں کے زمانہ میں مسلمان علماء او رلیڈر انگریزوں کی تعریف میں رطب اللّسان تھے اور مسلمانوں کو انگریزوں سے تعاون اور خیر خواہی کی دعوت دے رہے تھے۔

پھر جناب برق صاحب نے دجالی فتنہ کو جو عیسائی پادریوں کی مسلمانوں میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے تعلق رکھتا ہے یہ رنگ دے کر کہ یہ فتنہ انگریزی حکومت ہند کا تھا۔ حضرت مسیح موعود کے متعلق اس زمانہ کے مسلمانوں کے ذہنوں کو مسموم کرنے کی کوشش کی ہے اور ساتھ ہی مستشرقین کی طرز پر حضرت اقدس ؑ کی تعریف بھی کی ہے تا اپنے غیر جانبدار ہونے کا تأثر پیدا کر سکیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

”مجھے جناب مرزا صاحب کے دعویٰ سے اختلاف سہی لیکن ان کے بہت

سے مسائل سے متفق ہوں مثلاً انکی اخلاقی تعلیم و تبلیغ از بس مؤثر و پاکیزہ ہے۔ وہ تمام اقوام کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ ضعیف احادیث کے رطب ویابس سے دامن بچا کر چلتے ہیں۔ وہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی اجتہاد کے قائل ہیں۔ وہ بظاہر کائنات میں غور وفکر کا درس دیتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ انگریز کے مکروفن سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اور اس قوم کو چودھویں صدی کا سب سے بڑا فتنہ سمجھتے تھے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۶۵)

دیکھئے آخری فقروں سے برق صاحب نے کس طرح دودھ میں زہر ملایا ہے حالانکہ حضرت اقدسؑ نے انگریزی سلطنت ہند کو کسی جگہ بھی سب سے بڑا فتنہ قرار نہیں دیا۔

اپنے اس مضمون میں برق صاحب نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستانی مسلمانوں پر مظالم کی ایک طویل داستان بھی لکھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کمپنی نے ہندوستانی عوام سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً انتہائی اذیت ناک سلوک کیا اور ان سے اقتدار کو چھیننے کے لئے ہر قسم کے مظالم روا رکھے۔ لیکن جلد ہی جب انگلستان کے ایوانوں میں ان مظالم کی صدائے بازگشت پہنچی تو انگریز قوم کو یہ احساس پیدا ہوا کہ کمپنی کا رویہ ناروا ہے۔ کیونکہ یہ ہندوستانی عوام میں انگریز قوم کے خلاف نفرت کے جذبات ابھارنے والا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت انگلستان نے ہندوستان کی حکومت براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور کمپنی کو جو خالصتاً تجارتی ذہنیت رکھتی تھی ہندوستان کی حکومت سے بے دخل کر دیا۔

برق صاحب اس تاریخی پس منظر کو اس مقصد سے پیش کر رہے ہیں کہ انگریز کو ظالم ثابت کیا جائے۔ انگریز ظالم ہی سہی۔ لیکن پنجاب کے مسلمانوں کے لئے جہاں مرزا صاحب پیدا ہوئے انگریز ایک ظالم کے روپ میں ظاہر نہیں ہوا۔ بلکہ

مسلمانوں کی جس نسل نے پنجاب کے سکھ دورِ حکومت میں آنکھ کھولی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ انگریزوں کے مظالم کی سکھوں کے ظلم وستم سے کوئی نسبت ہی نہیں تھی۔ سکھوں نے پنجاب سے مغلیہ سلطنت کو ختم کر کے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی غلام بنا رکھا تھا بلکہ ان کی ثقافت اور تمدن کو بھی تباہ کر دیا تھا۔ اور مسلمان جو صنعت وحرفت اور تجارت پر قابض ہونے کی وجہ سے خوشحال تھے انہیں اقتصادی طور پر برباد کر دیا اور مسلمان جاگیر داروں کی جاگیریں چھین لیں۔ جن میں خود حضرت مرزا صاحب کا خاندان بھی شامل تھا۔ اور اس پر مزید یہ کہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی بھی چھین لی۔ اس زمانہ میں کسی مسلمان کو اذان دینے کی بھی اجازت نہ تھی۔ مساجد سکھوں کے اصطبلوں میں تبدیلی کر دی گئی تھیں۔ اور مدرسے اوقاف ویران ہو گئے تھے۔ قومی عصمت بھی سکھوں کے رحم وکرم پر تھی۔ مسلمان قوم کی بیٹیوں کی زبردستی آبروریزی کرنا سکھ معاشرے میں ایک قابلِ فخر کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔

آج بھی شاہی مسجد کے پہلو میں رنجیت سنگھ کی مڑھی کا اضافہ سکھوں کی ذہنیت اور بربریت کا ایک تاریخی ثبوت ہے۔ ان حالات میں جب انگریز نے ۱۸۵۳ء میں پنجاب میں سکھوں کو شکست دے دی تو انگریز نے مسلمانوں سے حکومت نہیں چھینی بلکہ مسلمانوں کی دشمن سکھ قوم سے حکومت چھینی تھی۔ اور مسلمانوں کو محمڈن پرسنل لاء دے کر مذہبی آزادی سے نوازا۔ ملک میں طوائف الملوکی اور لاقانونیت کی جگہ ایک مضبوط عادلانہ حکومت قائم کر دی۔ مسلمانوں کے اوقاف اور مذہبی ادارے پھر سے زندہ ہونے لگے۔ مذہبی تعلیم پر سے ناروا پابندیاں اٹھالی گئیں۔ اور پنجاب کے مسلمان جو ایک عرصہ سے سکھوں کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنے چلے آتے تھے اب انہوں نے انگریز کی سلطنت میں سکھ کا سانس لیا۔ اور انگریزی حکومت کو ایک نعمت سمجھا۔ ان حالات میں اگر حضرت مرزا صاحب انگریز کی مخالفت کرتے تو یہ سکھ مظالم

کی تائید کے مترادف ہوتا۔

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ جماعت احمدیہ کے مخالفین تاریخی واقعات کو دانستہ ان کے پس منظر سے دور کر کے دکھانے کے عادی ہیں وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ چلیئے مرزا صاحب تو رہے ایک طرف پنجاب کے باقی مسلمانوں کا اس وقت انگریز کے ساتھ کیا رویہ تھا۔ کیا ایک بھی مسلمان سکھوں کی تائید میں تھا؟ اگر کوئی ایسا تاریخی واقعہ ہو تو جناب برق صاحب اسے سامنے لانے کی جرأت کیوں نہیں کرتے؟

اب رہا مستقبل کا سوال کہ جب پنجاب میں امن قائم ہو گیا تو پھر حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے انگریز سے ملک چھوڑنے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟

انیسویں صدی کے اواخر میں ہندوؤں نے ہندوستان کو انگریز کے اقتدار سے نکالنے کے لئے جو سیاسی تحریکیں شروع کی تھیں کوئی عقلمند اور دور اندیش مسلمان ان کی تائید نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ جانتے تھے کہ ہندو اکثریت آٹھ سو سال تک مسلمانوں کے ماتحت رہنے کے بعد اب بیدار ہو رہی ہے اور مسلمان زوال کے اس دور میں داخل ہے جس میں ہر فاتح قوم اقتدار چھن جانے پر مبتلا ہو جایا کرتی ہے۔ ان حالات میں جیسا کہ بعد میں واقعات نے شہادت بھی دی ہے۔ ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف ایک انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ اگر اس وقت انگریز ہندوستان کو آزاد کر دیتا تو اس کے یہ معنی تھے کہ ملک میں ہندوؤں کی ایک متعصب حکومت قائم ہو جاتی جو مسلمانوں کو ان سے آٹھ سو سالہ دور حکومت کا بدلہ لینے کے لئے اپنے انتقام کا نشانہ بناتی۔ اور وہ حکومت مسلمانوں کے لئے آج کے بھارت کی نام ونہاد سکولر حکومت سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوتی۔ آج تو خدا تعالیٰ کے فضل سے بھارت کی سرحد پر ایک مضبوط اسلامی سلطنت قائم ہو چکی ہے۔ اور بھارت میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں بھارت کو کچھ کچھ اس کا احساس بھی ہے کہ پاکستان میں ہندوؤں کی بھی

ایک قلیل اقلیت موجود ہے پھر آپس کے معاہدات بھی ہیں ان چیزوں کے باوجود گذشتہ پندرہ سال میں مسلمانوں سے بھارت میں جو سلوک ہوا ہے اور حال ہی میں جو فرقہ وارانہ فضاء موجود ہے۔ اگر آج سے ساٹھ سال قبل ہندوستان آزاد ہوتا تو وہاں کے مسلمان کی کیا حالت ہوتی؟

انگریزوں کے ہندوستان چھوڑنے سے مسلمان کا صرف آقا تبدیل ہو جاتا انگریز جاتا اور ہندو اس سے بدترین صورت کا آقا برسر اقتدار آجاتا۔ اس لئے اس وقت کے حالات میں ہر دردمند مسلمان اس بات سے خوفزدہ تھا کہ اگر ایسے حالات میں انگریز نے ہندوستان کو چھوڑا تو یہ مسلمانوں کے حق میں انتہائی خطرناک ثابت ہوگا۔ ہندوؤں کی جس متعصّبانہ ذہنیت نے جناب قائداعظم کو کانگرس سے علیحدہ ہو جانے پر مجبور کیا تھا اسی ہندو ذہنیت کا واضح تصور حضرت اقدس مرزا صاحب اور ان کے زمانہ کے مسلمان مفکرین کو آزادی کے نعرے میں شرکت سے روکنے کا موجب تھا۔

پاکستان کا تصور تو بعد کی پیداوار ہے۔ آپ کس طرح توقع رکھتے ہیں کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ جن کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہوئی وہ پاکستان کے قیام کی تائید میں کوئی بیان یا انگریز کو ہندوستان چھوڑنے کا مشورہ دیتے۔ تاہم جب پاکستان کا واضح تصور پیش ہوا اس وقت جماعت احمدیہ نے ہر ممکن آئینی طریق سے مسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کی۔ اور پاکستان کے قیام میں عملی جدوجہد کی۔ یہ ایک علیحدہ باب ہے۔ اور پاکستان کا کوئی دیانتدار مؤرخ پاکستان کے قیام کے بارہ میں جماعت احمدیہ کی مجموعی اور جماعت کے افراد کی انفرادی خدمات کو نظرانداز نہیں کرے گا۔

انگریزوں سے جہاد کی حرمت کے متعلق علماء کے فتاویٰ

محترم برق صاحب نے حضرت بانی جماعت احمدیہ پر تو یہ الزام لگا دیا کہ آپ ناجائز طور پر انگریزی حکومت کی خوشامد کر کے امت مسلمہ کو درس غلامی دے رہے

تھے۔ لیکن کاش انہوں نے اس نظر سے اپنے بزرگوں کا محاسبہ بھی فرمالیا ہوتا۔ ہم بد ظنی نہیں کرتے لیکن قرائن ایسے ہیں کہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ برق صاحب نے اپنے بزرگوں کے اسی قسم کے رویہ سے دانستہ اغماض برتا ہے۔ اور اگر آپ کو پہلے معلوم نہ تھا تو مندرجہ ذیل علماء اور سیاسی لیڈروں کے نظریات کا علم ہونے کے بعد اپنے طرز فکر پر نظر ثانی فرمائیے۔ کیا آپ اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ اہلحدیث کے ممتاز عالم مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں لکھا تھا۔

۱:-"سلطان روم ایک اسلامی بادشاہ ہے لیکن امنِ عام اور حسنِ انتظام کے لحاظ سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ کم فخر کا موجب نہیں ہے اور خاص کر گروہ اہل حدیث کے لئے تو یہ سلطنت بلحاظ امن و آزادی اس وقت کی تمام اسلامی سلطنتوں (روم، ایران، خراسان) سے بڑھ کر فخر کا محل ہے۔"

(اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۶ صفحہ ۲۹۲)

۲:-"اس امن و آزادی عام و حسنِ انتظامِ برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہل حدیثِ ہند اس سلطنت کو از بس غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں۔ اور جہاں کہیں وہ رہیں اور جائیں (عرب میں خواہ روم میں خواہ اور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم رعایا ہونا نہیں چاہتے۔"

(اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۶ صفحہ ۲۹۳)

اور شیعانِ ہند کے مجتہد علامہ السید علی الحائری فرماتے ہیں :-

"ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون قرار پا چکی ہے جس کی نظیر اور مثال دنیا کی کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی...... اس لئے نیابۃً تمام شیعوں کی طرف سے برٹش سلطنت کا ضمیمِ قلب سے میں شکریہ ادا کرتا ہوں اس ایثار کا جو وہ اہل اسلام کی تربیت

میں بے دریغ مرعی رکھتی ہے خاص کر ہمارا فرقہ جو تمام اسلامی سلطنتوں میں تیرہ سو برس سے ناقابل برداشت مظالم کے بعد آج اس انصاف پسند عامل سلطنت کے زیر حکومت اپنے تمام مذہبی فرائض اور مراسمِ تولا وتبرّا کو بہ پابندیٔ قانون اپنے اپنے محل وقوع میں ادا کرتے ہیں۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض میں (جو آزادی مذہب کی صورت میں انہیں حاصل ہے) صمیمِ قلب سے برٹش حکومت کا رہینِ احسان اور شکر گذار ہونا چاہیئے۔ اور اس کے لئے شرع بھی اس کو مانع نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے نوشیروان عادل کے عہد سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح وفخر کے رنگ میں بیان فرمادیا ہے۔" (موعظہ تحریف قرآن اپریل ۱۹۲۳ء ص ۶۷، ۶۸ شائع کردہ ینگ مین سوسائٹی خواجگان نارووالی لاہور)

یہ دو رائیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں پہلی تو پنجاب کے ایک مشہور اہلحدیث عالم کی ہے اور دوسری شیعوں کے مجتہد کی۔

اب دوسرے علمائے ہند کی آراء وفتاویٰ اس بارہ میں ملاحظہ ہوں۔

نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی اہلِ حدیث رقمطراز ہیں :-

"علمائے اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرمانروا ہیں اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ حنفیہ جن سے یہ ملک بالکل بھرا ہوا ہے ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ ملک دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔ اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علمائے دہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں۔ جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی

دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔"

(ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۵)

مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی اہل حدیث کے شیخ الکل انگریزوں سے جہاد ممنوع قرار دیتے ہیں۔(دیکھئے فتاوٰی نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۴،۲۷ ۳،۷ ۴ مطبوعہ دی پرنٹنگ ورکس طبع اول ایضاً دیکھیں صفحہ ۷ ۴،۳ ۸ ۳ و فتویٰ صراط مستقیم مولانا اشرف صاحب تھانوی)

سید احمد صاحب بریلویؒ مجدد صدی سیزدہم نے یہ سوال ہونے پر کہ آپ انگریزوں سے کیوں جہاد نہیں کرتے؟ فرمایا۔

"ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیاء سنن سید المرسلین ہے سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں۔"(سوانح احمدی صفحہ ۱۷۱ از مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری صوفی پرنٹنگ کمیٹی بہاؤالدین)

مولوی عبدالحی صاحب حنفی اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی حنفی ہندوستان کو اس زمانہ میں دارالاسلام قرار دیتے تھے۔(مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحی لکھنوی جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ مطبوعہ ۱۳۱۱ھ و نصرت الابرار صفحہ ۲۹ مطبوعہ مطبع صحافی لاہور انجیسن گنج)

مولانا شبلی نعمانی بھی انگریزوں سے جہاد جائز نہیں سمجھتے تھے۔دیکھئے مقالات شبلی جلد اول صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ۔

اور خواجہ حسن نظامی کا بھی یہی فتویٰ تھا کہ انگریز مذہبی امور میں دخل نہیں دیتے اس لئے لڑائی کرنا اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ہے۔(شیخ سنوسی صفحہ ۱۷)

مولانا حسین احمد مدنی جیسے سیاسی لیڈر تحریر فرماتے ہیں :-

"اگر کسی ملک کا اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی اور دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب (حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ قدس سرہٗ ناقل) کے نزدیک بلاشبہ دارالاسلام ہوگا۔ از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لیے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں۔" (نقشِ حیات جلد ۲ صفحہ ۱۱)

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی رقمطراز ہیں۔

"ہندوستان اس وقت بلا شبہ دارالحرب تھا جب انگریزی حکومت یہاں اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی اس وقت مسلمانوں پر فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت کی حفاظت میں جانیں لڑاتے یا اس میں ناکام ہونے کے بعد یہاں سے ہجرت کر جاتے لیکن وہ مغلوب ہوگئے اور انگریزی حکومت قائم ہو چکی۔ اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لا (مذہبی قوانین ناقل) پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں رہنا قبول کر لیا۔ تو اب یہ ملک دارالحرب نہیں۔"

(سود حصہ اول حاشیہ صفحہ ۷۷، ۷۸ شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی لاہور طبع اول)

اس کے علاوہ مفتیانِ مکہ

۱- جمال الدین بن عبداللہ شیخ عمر حنفی مفتیٔ مکہ معظمہ۔

۲- حسین بن ابراہیم مالکی مفتی مکہ معظمہ۔

۳- احمد بن ذہنی شافعی مفتی مکہ معظمہ نے بھی ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ (دیکھئے کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری مؤلفہ شورش کاشمیری صفحہ ۱۳۱)

پس ہندوستان کے اہلِ حدیث اور ہر مکاتب فکر کے حنفی علماء کا فتویٰ یہی تھا

کہ انگریزوں سے جہاد ممنوع ہے۔ کیونکہ ہندوستان انگریزوں کی عملداری میں دارالحرب نہیں بلکہ دارالاسلام ہے مفتیان مکہ بھی ہندوستان کے دارالاسلام ہونیکا فتویٰ دے رہے تھے نہ کہ دارالحرب ہونے کا۔

پھر سر سید احمد خان مرحوم لکھتے ہیں :-

"جب کہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستامن تھے۔ کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے۔" (اسباب بغاوتِ ہند شائع کردہ اردو اکیڈمی سندھ صفحہ ۱۰۵،۱۰۶)

اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم دہلوی مترجم قرآن مجید نے فرمایا تھا۔

ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندوؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اس میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلط رہے جو نہ ہندو ہو نہ مسلمان ہی ہو۔ کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو۔ مگر خدا کی بے انتہا مہربانی اس کی مقتضی ہوئی۔ کہ انگریز بادشاہ ہوئے۔ (مولانا مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مترجم قرآن دہلوی کے لیکچروں کا مجموعہ بار اول ۱۸۹۰ء ص ۴-۵)

"میں اپنی معلومات کے مطابق اس وقت کے ہندوستانی والیان ملک پر نظر ڈالتا تھا اور برما اور نیپال اور افغانستان بلکہ فارس اور مصر اور عرب تک خیال دوڑاتا تھا۔ اس سرے سے اس سرے تک ایک متنفس سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ جس کو میں ہندوستان کا بادشاہ بناؤں امیدواران سلطنت میں سے اور کوئی گروہ اس وقت موجود نہ تھا کہ میں اس کے استحقاق پر نظر کرتا میرا اس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریز ہی سلطنت

ہندوستان کے اہل ہیں سلطنت انہی کا حق ہے۔ انہی پر بحال رہنی چاہیے۔"

(ایضاً ص ۲۶-۲۷)

جنابِ برق صاحب! آپ کے مجاہد اعظم مولانا ظفر علی خان صاحب لکھتے ہیں :-

"زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایہ خدا سمجھتے ہیں اور اس کی عنایتِ شاہانہ وانصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت و قلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرے کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے۔"

(زمیندار ۹ نومبر ۱۹۱۱ء)

پھر ۱۸۵۷ء کے زمانہ کے ایک بزرگ مولانا محبوب علی دہلوی کے حالات اخبارات میں شائع ہوئے ہیں جن میں بحوالہ کتاب ارواح ثلاثہ لکھا گیا ہے۔

"غدر کے انہی دنوں میں آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتویٰ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انگریز سمجھے کہ کوئی ہمارا اپنا بندہ ہے انہوں نے اس صلہ میں آپ کو گیارہ گاؤں بطور انعام دینے کی خواہش کی آپ نے پروانہ چاک کر ڈالا اور کہا کہ میرے نزدیک مسئلہ یونہی تھا۔"

اُمید ہے کہ جنابِ برق صاحب ان سب آراء اور فتاویٰ کو ملاحظہ کر کے اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

جنابِ برق صاحب کی تلبیس

جنابِ برق صاحب نے حضرت اقدسؑ کی دجالی فتنہ کے متعلق بعض عبارات پیش کر کے محض اس وجہ سے کہ ان میں حضرت اقدسؑ نے عیسائی قوم سے دجالی فتنہ کا خروج بیان فرمایا ہے۔ غلط طور پر یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت اقدسؑ کے نزدیک ہندوستان کی انگریزی حکومت دجال اکبر تھی۔ حالانکہ

حضرت اقدسؑ نے کہیں بھی انگریزی حکومت ہند کو الدجال یا دجالِ اکبر قرار نہیں دیا۔ بلکہ ازالہ اوہام صفحہ ۷۳۱ میں صاف طور پر لکھتے ہیں۔

"ان دسوں علامتوں میں سے بھاری علامت دجال معہود کی یہ لکھی ہے کہ اسکا فتنہ تمام ان فتنوں سے بڑھ کر ہوگا جو ربانی دین کے مٹانے کے لئے ابتداء سے لوگ کرتے آئے ہیں اور ہم اس رسالہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ علامت عیسائی مشنوں میں بخوبی ظاہر اور ہویدا ہے...... ہمارے نبی ﷺ نے کھلے کھلے طور پر ریل گاڑی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چونکہ یہ عیسائی قوم کی ایجاد ہے جن کا امام و مقتداء یہی دجالی گروہ ہے (پادریوں کا گروہ ناقل) اس لئے ان گاڑیوں کو دجال کا گدھا قرار دیا گیا۔"

نیز شہادت القرآن صفحہ ۲۲ پر فرماتے ہیں :-

"اس قوم کے علماء اور حکماء نے دین کے متعلق وہ فتنے ظاہر کئے جن کی نظیر حضرت آدم سے تا ایں دم پائی نہیں جاتی۔"

ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ کے نزدیک دجالی فتنہ وہ فتنہ ہے جو مذہب اسلام کے خلاف عیسائی قوم کے علماء اور حکماء نے پیدا کیا ہے۔ پس جن بعض عبارتوں میں عیسائی قوم سے اس فتنے کا پیدا ہونا مذکور ہے۔ ایسے حوالہ جات سے برق صاحب کا از خود یہ نتیجہ نکال لینا درست نہیں کہ حضرت اقدسؑ کے نزدیک دجال سے مراد ہندوستان کی انگریزی حکومت ہے۔

جناب برق صاحب حضرت اقدسؑ کی کتابوں سے اقتباسات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"ان اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ دجال سے مراد عیسائی ہیں۔ گو بعض مقامات پر مرزا صاحب نے صرف پادریوں کو محض اس بات پر دجال قرار دیا ہے

کہ وہ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن اگر ان کی تمام تحریروں کو سامنے رکھا جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ آپ تمام عیسائیوں کو دجال سمجھتے ہیں آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ انگریز ہندوستان کو عیسائی بنانے میں کتنے کوشاں تھے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۷۳)

پھر تلبیس سے کام لیتے ہوئے تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۳۹ کی ایک عبارت پیش کر کے لکھتے ہیں :-

"مرزا صاحب نے دجال کے دعویٰ نبوت میں پادریوں کو اور دعویٰ خدائی میں ان کے فرمانرواؤں کو شامل کر کے دجال کو مکمل کر دیا ہے۔"

برق صاحب کی غلط بیانی

یہ جناب برق صاحب کی صریح غلط بیانی ہے کہ حضرت اقدسؑ نے دعویٰ خدائی میں انگریزی حکومت کو شامل کر کے دجال قرار دیا ہے۔ ذرا حرف محرمانہ سے تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۳۹ کا اقتباس ملاحظہ کریں۔

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والے وہ لوگ قرار دیئے گئے ہیں جو ایجاد اور صنعت اور خدا کے کاموں کی کنہ معلوم کرنے میں حریص ہیں اور یہ لوگ اقوام یورپ کے فلاسفر اور سائنسدان ہیں نہ کہ حکومت ہند کے فرمانروا انگریز۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والے آپ نے ان لوگوں کو قرار دیا ہے جو خدائی کتابوں میں تحریف کرتے ہیں اور مسیحؑ کو خدا ٹھہراتے ہیں اور یہ صرف پادری ہی ہیں۔ انگریز حکمران خدا کی کتابوں میں تحریف نہیں کرتے تھے وہ تو عوام عیسائیوں کی طرح پادریوں کے دجل کا شکار تھے۔ انکو حضرت اقدسؑ نے ہرگز دجال قرار نہیں دیا۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک انگریزی حکومت دجال ہوتی تو پھر آپ کیوں انگریزوں اور ان کی سلطنت کی یوں تعریف فرماتے۔

۱-"انگریز ایک ایسی قوم ہے جن کو خدا تعالیٰ دن بدن اقبال اور دولت اور عقل و دانش کی طرف کھینچنا چاہتا ہے اور جو سچائی، راستبازی اور انصاف میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔"

۲-"اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں اور دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت سلطنتِ برطانیہ ہے۔"

(شہادت القرآن "گورنمنٹ کی توجہ کے لائق")

۳-"ہر ایک سعادت مند مسلمان کو دعا کرنی چاہیے کہ اس وقت (یعنی یاجوج ماجوج کی آخری جنگ کے وقت) انگریزوں کی فتح ہو کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۵۰۹)

۴-"گورنمنٹ انگلشیہ خدائی نعمتوں سے ایک نعمت اور ایک عظیم الشان رحمت ہے یہ سلطنت مسلمانوں کے لئے آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے۔"

(شہادت القرآن گورنمنٹ کی توجہ کے لائق صفحہ ۱۲)

مذکورہ بالا اقتباسات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے انگریزی حکومت کو دجال اکبر قرار نہیں دیا۔ برق صاحب ازراہ و سیسہ کاری حضرت اقدسؑ پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔

"انبیاء کی تاریخ میں جناب مرزا صاحب وہ پہلے رسول ہیں جنہوں نے قوم کو غلامی کا درس دیا اور غلامی بھی دجال اکبر کی۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۸۲) حالانکہ خود ہی لکھتے ہیں۔ "یہ درست ہے کہ انگریز کے زمانے میں ان کے خلاف اعلان جہاد خلاف مصلحت تھا۔ اس لئے کہ ہمارے پاس ٹوٹی ہوئی لاٹھی بھی نہیں تھی۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۹۹)

پس ایسے وقت میں اگر حضرت مرزا صاحب نے قوم کو دوسرے علماء اور

لیڈروں کی طرح انگریزوں کی اطاعت اور وفاداری کی تعلیم دی تو یہ بات منافی رسالت کیسے ہو سکتی ہے جب تک جہاد کی شرائط موجود نہ ہوں قوم کو جہاد بالسیف کا حکم دینا تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت ہے جس کا مرتکب آنحضرت ﷺ کا نائب رسول ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

برق صاحب کے لئے لمحۂ فکریہ

غلامی کے درس کا جواب

رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں پر اہل مکہ کے مظالم دیکھ کر انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کا ارشاد فرمایا۔ جہاں کا بادشاہ ایک عیسائی تھا۔ جو کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا۔ آپ کے ارشاد پر کئی جلیل القدر صحابہ اور صحابیات نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اب برق صاحب ذرا سوچیں کہ کیا ان صحابہ کو آنحضرت ﷺ نے ایک غلامی سے نکال کر دوسری غلامی اختیار کر لینے کی تلقین فرمائی تھی۔ اور خود اس وقت تک قریش کی حکومت کی غلامی میں رہنا اختیار کر رکھا تھا؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! آنحضرت ﷺ نہ مکہ میں اپنے رہنے کو غلامی کے مترادف سمجھتے تھے۔ اور نہ صحابہ کے حبشہ کی عیسائی حکومت کے علاقہ میں ہجرت کر جانے کو غلامی کے مترادف سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے حبشہ میں عیسائی بادشاہ کی سلطنت میں ہجرت کی۔ اور پناہ لی تو نجاشی شاہِ حبشہ نے بھی ان سے نہایت شریفانہ سلوک کیا۔ اور عربوں کے اس مخالف وفد کو جو اُن مسلمانوں کی مخالفت کے لئے اس کے دربار میں پہنچا تھا خائب وخاسر کر کے واپس کر دیا۔ مسلمانوں نے شاہِ حبشہ کے اس حسنِ سلوک کی ہمیشہ قدردانی کی ہے۔ اور حبشہ کی سلطنت پر کبھی حملہ نہیں کیا۔

پس ان صحابہ کا حبشہ میں پناہ لینا غلامانہ زندگی نہ تھی۔ بلکہ ان صحابہ نے جن

پر اہل مکہ کی حکومت طرح طرح کے ظلم ڈھاتی تھی۔ حبشہ کے بادشاہ کے پاس پناہ لے کر مکہ والوں کے ظلم سے نجات پائی تھی۔ اسی طرح انگریزی حکومت پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کی ظالمانہ حکومت سے نجات دلانے کا موجب ہوئی تھی۔ اور بدیں وجہ پنجاب کے مسلمانوں کے دلوں میں اس کی قدر تھی اور وہ اس حکومت میں سکھوں کی حکومت کے مقابلہ میں بہت خوش تھے۔ اور انگریزوں کی بروقت آمد کو ایک نعمت سمجھتے تھے۔

ماسوا اس کے انگریزوں نے ہندوستان کی اقوام کو ان کے پرسنل لاء کے تحت مذہبی آزادی دے دی تھی۔ اس لئے مسلمان اسلامی تعلیم کے ماتحت علماء کے فتاوٰی کی رو سے انگریزی عملداری کو دارالحرب نہیں سمجھتے تھے۔ اور انگریزوں سے بغاوت کو شرعی طور پر حرام سمجھتے تھے۔ قبل ازیں ہم حنفی اہل حدیث اور شیعہ علماء کے فتاوٰی اس بارہ میں نقل کر چکے ہیں۔ اور یہ امر تو برق صاحب کو خود بھی مسلّم ہے۔

"یہ درست ہے کہ انگریز کے زمانہ میں ان کے خلاف اعلان جہاد خلاف مصلحت تھا۔ اس لئے کہ ہمارے پاس ٹوٹی ہوئی لاٹھی بھی نہیں تھی۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۹۹)

مگر اس موقعہ پر انگریزوں سے جہاد صرف خلاف مصلحت ہی نہ تھا۔ بلکہ شرعاً بھی جائز نہ تھا۔ اور مسلمانوں کا انگریزی تسلط کو قبول کر لینا شرعاً ان پر اس معاہدہ کی پابندی عائد کر رہا تھا۔ انگریزوں کے ماتحت رہنے کو غلامی کی زندگی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ انگریزی حکومت نے مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ اور انگریزوں کے ماتحت مسلمان اپنے آپ کو ذہنی طور پر غلام نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ مذہبی فرائض و واجبات کے ادا کرنے میں اپنی ضمیر کو آزاد پاتے تھے۔ اسی لئے ان کی سلطنت میں ہندوستان کو علمائے اسلام دارالاسلام قرار دے رہے تھے۔

پس حضرت اقدسؑ کا انگریزوں کے خلاف جہاد کو وقتی طور پر حرام قرار دینا اور مسلمانوں کو ان کی خیر خواہی اور تعاون کی تلقین کرنا از بس ضروری تھا۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی وجہ سے انگریز مسلمانوں سے بد ظن تھے۔

ماسوا اس کے حضرت اقدسؑ کی عداوت میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے آپ کے مقابلہ میں دلائل سے عاجز آ کر آپ کے خلاف انگریزوں کے کان بھرنے شروع کئے کہ یہ شخص ان کی حکومت کے خلاف باغیانہ خیالات رکھتا ہے۔ اور مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے گورنمنٹ کو آپ کے خلاف بھڑکانے کے لئے لکھا۔

"اس کے (حضرت مرزا صاحب) کے دھوکے پر یہ دلیل ہے کہ دل سے وہ گورنمنٹ غیر مذہب کی جان مارنے اور اس کا مال لوٹنے کو حلال و مباح جانتا ہے......لہذا گورنمنٹ کو اس کا اعتبار کرنا مناسب نہیں اور اس سے پر حذر رہنا ضروری ہے۔ ورنہ اس مہدی قادیانی سے اس قدر نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو مہدی سوڈانی سے نہیں پہنچا۔ ہماری اس تقریر کا جو اس نے ہمارے ریویو براہین احمدیہ سے نقل کی ہے اب وہ محل نہیں رہا۔ وہ اس وقت تک اس کا محل تھا جب تک مہدی نہیں بنا تھا۔"

(رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۶ نمبر ۶ حاشیہ صفحہ ۱۶۸، بابت ۱۱-۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء)

مولوی محمد حسین صاحب نے اس قسم کی جھوٹی مخبری سے گورنمنٹ سے کئی مربعے زمین حاصل کی۔ اور حضرت اقدس کی راہ میں کانٹے بچھانے کی کوشش کی۔

اسی طرح ایک شخص منشی محمد عبداللہ نے اپنی کتاب شہادت قرآنی مطبوعہ ۱۹۰۵ء میں لکھا۔

"ایسے ہی دیگر آیات قرآنیہ اپنے چیلوں کو سنا سنا کر گورنمنٹ سے جنگ کرنے کے لئے مستعد کرنا چاہتا ہے۔"

حکومت کے کان کچے ہوتے ہیں اس لئے یہ ریشہ دوانیاں جو محض جھوٹ پر مبنی تھیں بہر حال اہلکارانِ حکومت کے دل میں آپ کے خلاف سخت وساوس پیدا کر رہی تھیں۔ اور گورنمنٹ پہلے ہی آپ کو مہدویت کے دعویٰ کی وجہ سے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اس نے خفیہ پولیس مقرر کر رکھی تھی جو آپ کی ہر نقل و حرکت کی گورنمنٹ کو اطلاع دیتی رہتی تھی۔ اور جو مہمان آپ کے ہاں آتے تھے ان کے متعلق بھی بہت پوچھ گچھ کی جاتی تھی۔ اور اگر معززین اور رؤسا میں سے کوئی احمدی ہو جاتا تھا تو انگریزی حکام اسے اشارۃً کہہ دیتے تھے کہ گورنمنٹ تو اس سلسلہ کو مشتبہ نظروں سے دیکھتی ہے۔ ادھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ کی آپ کے خلاف جھوٹی مخبری جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ اس لئے اس کے رد عمل میں حضرت اقدس کے لئے ازبس ضروری ہو گیا کہ آپ اس خطرناک پراپیگنڈا کا قلع و قمع کریں۔ جس کے نتیجہ میں انگریزی حکومت آپ کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ آپ سچے دل سے اس کے وفادار تھے۔ چنانچہ اس پروپیگنڈا کے برے اثر کو زائل کرنے کے لئے ہی آپ کو بار بار اپنی کتابوں میں یہ لکھنا پڑا کہ آپ اور آپ کی جماعت گورنمنٹ انگریزی کی سچی وفادار ہے۔ مقصود ان تحریروں سے یہ تھا کہ تبلیغ اسلام کے اس کام میں گورنمنٹ کی طرف سے کوئی روک پیدا نہ ہو۔ جس کا بیڑا آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے اٹھایا ہے اس کے باوجود گورنمنٹ انگریزی آپ کے خلاف کئے گئے پروپیگنڈا سے ۱۹۰۷ء تک متاثر رہی۔ حتیٰ کہ سر ایبٹس گورنر ہو کر آئے اور انہوں نے تمام حالات کا جائزہ لے کر اور حضور کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد گورنمنٹ کو یہ رپورٹ کی کہ اس جماعت کے ساتھ یہ سلوک ناروا ہے بلکہ بڑی ناشکر گزاری کی بات ہے کہ جس شخص نے امن قائم کیا اور جو امن پسند جماعت قائم کر رہا ہے اس پر پولیس چھوڑی گئی ہے یہ بڑی احسان نافراموشی ہے۔ میں اسے ہٹا کر

چھوڑوں گا۔

(الفضل ۱۸ر فروری ۱۹۵۹ء صفحہ ۶ کالم اول خطبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

اسی مخالفانہ اثر کو زائل کرنے کے لئے حضرت اقدس نے ۲۴ر فروری ۱۸۹۸ء کو گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی تھی جس کا مضمون جناب برق صاحب نے نہایت تحریف کے ساتھ اپنی کتاب حرف محرمانہ میں بایں الفاظ درج کیا ہے۔

"غرض یہ ایک ایسی جماعت جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ ...... ہے...... صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار...... اس خود کاشتہ پودا کی نہایت احترام اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ کرے کہ وہ بھی اس خاندان (حضرت مرزا صاحب کا اپنا خاندان) کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو خاص عنایت کی نظر سے دیکھیں۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۰۴)

اصل عبارت یوں ہے :-

"غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اور مورد مراحم گورنمنٹ ہیں۔ اور یا وہ لوگ جو میرے اقارب یا خدام میں سے ہیں ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد علماء کی ہے جنہوں نے میری اتباع میں اپنے وعظوں سے ہزاروں دلوں میں گورنمنٹ کے احسانات جما دیئے ہیں۔"

اس سے قریباً پورے ایک صفحہ بعد حاسدین کی گورنمنٹ میں جھوٹی مخبریوں کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولتمدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جانثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی

نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گذار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے۔"

(اشتہار ۲۴ر فروری ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۸۰ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم)

پس جماعت احمدیہ کے خلاف برق صاحب کا یہ تاثر پیدا کرنا کہ وہ انگریزوں کی خود کاشتہ ہے۔ ایک غلیظ غلط بیانی ہے انگریزی گورنمنٹ تو شروع دعوئے مہدویت سے آپ کو اور آپ کی جماعت کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ نے گورنمنٹ کے شبہ کو مزید تقویت دینے کی کوشش کی تھی۔ تو کون عقلمند یہ خیال کر سکتا ہے کہ حضرت اقدس جماعت احمدیہ کو انگریزوں کا خود کاشتہ پودا قرار دے سکتے تھے۔ ہاں آپ کے خاندان نے سکھوں کے اثر کے زوال میں انگریزوں کو جو مدد دی تھی۔ آپ اس کا ذکر کر کے گورنمنٹ کو اس امر کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ میرا خاندان جب تمہارا وفادار رہا ہے تو پھر میں کس طرح تمہاری حکومت کے متعلق باغیانہ خیالات رکھ سکتا ہوں اور ایک ایسی جماعت بنا سکتا ہوں جس کو میں کسی وقت گورنمنٹ انگریزی کے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ جماعت کو نمک پروردہ ان معنوں میں قرار دیا ہے کہ وہ گورنمنٹ کی اس مذہبی آزادی کی ممنون ہے جو گورنمنٹ نے ہندوستان کی سب قوموں کو دے رکھی تھی۔

برق صاحب کی اس تحریف کے ذکر کے بعد ہم پھر برق صاحب کے اصل سوال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو یہ ہے کہ :-

"انبیاء کی تاریخ میں جناب مرزا صاحب وہ پہلے رسول ہیں جنھوں نے قوم کو غلامی کا درس دیا اور غلامی بھی دجال اکبر کی۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۸۲)

جناب برق صاحب کی یہ بات محض ان کا ظلم عظیم ہے کیونکہ اوّل تو

حضرت اقدس کے نزدیک انگریزی حکومت ہرگز دجال اکبر نہ تھی۔ آپ نے اسے کسی جگہ دجال اکبر قرار نہیں دیا۔

دوم آپ ہی وہ پہلے رسول نہیں ہیں جنہوں نے قوم کو غیر حکومت کے ماتحت پرامن رہنے کی تعلیم دی۔ بلکہ آپ سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ وہ رومن حکومت کے ماتحت جو مشرکوں اور بت پرستوں کی حکومت تھی۔ نہ کہ اسرائیلی حکومت زندگی بسر کرتے رہے۔ اور انہوں نے اس حکومت کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔ اور نہ قوم کو اس کی مخالفت کی تعلیم دی تھی۔ بلکہ ان کے خلاف علماء یہود نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرح ازراہ ظلم اور شرارت قیصر کی حکومت کا باغی ہونے کا الزام لگا کر انہیں حکومت سے قتل کی سزا دلانا چاہی تھی۔ الزام یہ تھا کہ یہ خود کو یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے پیلاطوس رومی گورنر کی عدالت میں صاف کہہ دیا کہ میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں یعنی میرا دعویٰ روحانی بادشاہت کا ہے نہ سیاسی بادشاہت کا۔ اس پر پلاطوس یہ سمجھ گیا کہ ان پر بغاوت کا الزام محض جھوٹا ہے جو ازراہ مذہبی عداوت و کینہ توزی لگایا گیا ہے۔

پھر مکہ مکرمہ میں ہمارے رسول مقبول ﷺ نے بھی قریش کی قبائلی حکومت کے خلاف کوئی جارحانہ اقدام نہیں کیا۔ بلکہ ان کا ظلم و ستم سہتے رہے اور جب قریش کی طرف سے ناامید ہو کر آپ طائف میں تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں سے واپسی پر قریش کی ظالم حکومت نے آپ کے شہریت کے حقوق ہی غصب کر لئے اور مکہ مکرمہ میں آپ کو داخلہ کی اجازت نہ دی۔ اس پر آپ نے اپنے علاقائی قانون کو توڑا نہیں بلکہ ایک مشرک حاتم بن عدی کی پناہ میں آپ مکہ میں داخل ہوئے اور شہریت کے حقوق حاصل کئے۔ پھر جب قریش کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا اور انہوں نے آپ کے اعدام (قتل) کا منصوبہ کیا تو خدا تعالیٰ سے اس کی اطلاع پا کر اس کے حکم کے

ماتحت آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ پس آپ کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حکومت میں رہتے ہوئے پرُامن طریق سے ہی زندگی بسر کرنی چاہیئے اور جب اس حکومت کا ظلم ناقابل برداشت حد تک پہنچ جائے تو اس ملک کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ بغاوت کا طریق اختیار کرنا سنت انبیاء کے خلاف ہے۔

جناب برق صاحب کا دوسری راہ سے حملہ

جناب برق صاحب دل سے ضرور سمجھتے ہوں گے کہ میں یہ کہنے میں غلطی پر ہوں کہ جناب مرزا صاحب نے انگریز فرمانرواؤں کو دجال اکبر قرار دیا ہے کیونکہ وہ اس بارہ میں حضرت اقدس کی کوئی واضح تحریر پیش نہیں کر سکے۔ بلکہ انہوں نے انگریزوں کو دجال ثابت کرنے کے لئے ایک دوسری راہ اختیار کی ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ انگریزی حکومت کے کارکن بھی عیسائیت کے پھیلانے میں بھی پادریوں کے ہمنوا تھے۔ بلکہ شاہ انگلستان کو بھی تاج پوشی کے وقت اقرار کرنا پڑتا تھا۔ کہ میں محافظ دین مسیح ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ انگریزی حکومت بوجہ مسیحی مذہب رکھنے کے پادریوں کی تبلیغ واشاعت میں ان سے ہر طرح کا تعاون کرتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ہم ان انگریزی حکام کو دجال قرار نہیں دے سکتے۔ بلکہ وہ تو خود پادریوں کے دجل کا شکار تھے۔

اصل بات یہی ہے کہ دجالی فتنہ ایک مذہبی فتنہ ہے اور یہ عیسائی پادریوں کا پیدا کردہ ہے جنہوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں تحریف کر کے مسیحؑ کو خدا قرار دے رکھا تھا۔ عام عیسائی اور حکومت کے کارندے تو ان کے دجل کا شکار تھے۔

دجال کی مذہبی معاونت کی وجہ سے ان پر صرف معاونِ دجال ہونے کا تو اطلاق ہو سکتا ہے۔ نہ دجال اکبر کا کیونکہ یہ لوگ تو خود پادریوں کے دجل کا شکار تھے اور حسن ظنی کی بنا پر پادریوں کے مفتریانہ عقائد کو درست سمجھ بیٹھے تھے۔ اس لئے حضرت

اقدسؑ نے اگر انگریزوں کی حکومت سے تعاون کی تعلیم دی ہے۔ اور ان کی حکومت کے خلاف باغیانہ خیالات رکھنے سے منع فرمایا ہے تو ساتھ ہی آپ نے ان کے مذہبی عقائد کے پرخچے بھی اڑا دیئے ہیں اور ان کی دی ہوئی مذہبی آزادی سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر عیسائیت کی خوب تردید کی ہے۔ آپ نے کہیں بھی یہ تعلیم نہیں دی کہ عیسائیوں کے مذہبی عقائد میں ان کی ہاں میں ہاں ملائی جائے یا ان کے مذہبی احکام کی فرمانبرداری کی جائے۔ بلکہ ان کے مذہبی فتنہ کے خلاف آپ نے ایسا زبردست جہاد کیا ہے۔ کہ خود ملکہ وکٹوریہ انگلستان کو بھی ۱۸۹۳ء میں دعوت دی ہے کہ وہ مسیح کی خدائی چھوڑ کر دین اسلام کو قبول کرے۔ آپ نے ملکہ انگلستان کو مخاطب کر کے تحریر فرمایا۔

"اے ملکہ توبہ کر اور اس ایک خدا کی اطاعت میں آجا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ شریک اور اس کی تمجید کر۔ کیا تو اس کے سوا اور کوئی معبود پکڑتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کر سکے بلکہ خود مخلوق ہیں...... اے زمین کی ملکہ! اسلام کو قبول کر تا تو بچ جائے آمسلمان ہو جا۔" (ترجمہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۳۲)

پس آپ نے انگریزوں سے تعاون کی ہدایت صرف ان کی پر امن حکومت کے لحاظ سے دی ہے۔ جس سے مسلمانوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی اور سکھوں کے مظالم سے نجات ملی تھی اور اس زمانہ میں خود علماء اسلام بھی مسلمانوں کو یہی تلقین کرتے رہتے تھے کہ۔

"مسلمان رعایا کو اپنی گورنمنٹ سے (خواہ وہ کسی مذہب یہودی عیسائی وغیرہ پر ہو۔ اور اس کے امن و عہد میں آزادی کے ساتھ شعار مذہبی ادا کرتی ہو) لڑنا یا اس سے لڑنے والوں کی جان و مال سے اعانت کرنا جائز نہیں۔ وبناءً علیہ اہلِ اسلام ہندوستان کے لئے گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت وبغاوت حرام ہے۔"

یہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا فتویٰ تھا جو انہوں نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۶ صفحہ ۲۸۷ میں شائع کیا ہے۔

پس حضرت اقدسؑ نے کیا جرم کیا۔ اگر آپ نے انہی شرعی فتاویٰ کی تائید کرتے ہوئے قوم کو انگریزی حکومت سے تعاون اور وفاداری کی تعلیم دی اور گورنمنٹ کے دل سے مسلمانوں کے خلاف شبہات دُور کرنے کی کوشش فرمائی۔

حضرت عیسیٰؑ جن کے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مثیل ہونے کے مدّعی تھے۔ انہوں نے بھی اپنے زمانہ کی مشرک "رومن حکومت" کی اطاعت کی ہی تعلیم دی ہے۔ اور حضرت یوسفؑ نے تو فرعون مصر کے ماتحت ایک معزز عہدہ پر ملازمت بھی کی ہے۔ اور آپ بادشاہ وقت کے قانون کی پابندی ضروری سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے بھی ان کے اس فعل کی ان الفاظ میں تائید کی ہے۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ۔

(سورۃ یوسف : ۷۷)

کہ وہ اپنے بھائی کو بادشاہی قانون کے ماتحت روک نہیں سکتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کے بھائی کے مصر میں رک جانے کے لئے خود ایک تدبیر کر دی۔ اور جب حضرت موسیٰ اور ہارونؑ کو خدا تعالیٰ نے فرعون مصر کے پاس تبلیغ کے لئے بھیجا۔ اور یہ ہدایت فرمائی قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا تو انہوں نے گو فرعون کے ظلم کے خلاف نرم الفاظ میں آواز اٹھائی۔ مگر قوم کو بغاوت کی تعلیم ہرگز نہ دی بلکہ فرعون کا ملک چھوڑ دینے کی ہدایت فرمائی۔ چونکہ انگریزوں نے پرسنل لاء کے ماتحت مسلمانوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ اور اس شرط سے مسلمان انگریزوں کا تسلط قبول کر چکے تھے۔ اس لئے اب انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کو بلاوجہ ابھار کر شرعاً ہجرت کی تعلیم بھی نہیں دی جاسکتی تھی۔ ماسوا اس کے کوئی ایسی سلطنت بھی نظر نہ آتی تھی۔ جہاں

ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو بعد از ہجرت پناہ مل سکے۔ انگریزی دور کے آخری حصہ میں کانگرس کے ساتھ مل کر بعض علماء نے مسلمانوں کو ہجرت کر جانے کی تلقین کی اور کئی مسلمان ریاست کابل میں ہجرت کر کے چلے بھی گئے۔ لیکن اس ترک وطن کا ایسا عبرتناک انجام ہوا کہ وہ لوگ لوٹے کھسوٹے گئے۔ اور پھر جوتیاں چٹخاتے واپس ہندوستان آئے۔ اور انہوں نے انگریزی سلطنت میں ہی امن پایا۔

متشددانہ پالیسی کی دوبارہ ناکامی

انگریزی حکومت کے آخری دور میں ۱۹۱۴ء میں بعض علماء نے تشدد اور جارحیت اختیار کرتے ہوئے انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ایک انقلابی پروگرام تجویز کیا جس کا خمیازہ ہندوستان کے بعض مسلمانوں اور دوسرے ہندوستانی باشندوں کو نہایت عبرتناک رنگ میں بھگتنا پڑا۔ ہزاروں نفوس جیل میں ڈال دیئے گئے۔ سینکڑوں تختہ دار پر لٹکا دیئے گئے اور انگریزی تسلط پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد تشدد کے اس دوسرے تجربہ کی ناکامی نے مولوی محمود الحسن صاحب اور ان کے ہم خیال علماء کی آنکھیں کھول دیں اور بالآخر وہ ۱۹۲۰ء میں یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے کہ ان کا متشددانہ مسلک غلط ہے چنانچہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو اعتراف ہے۔

"۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں علماء شریک ہوئے اور ناکامی کے بعد مارے گئے کچھ قید ہوئے۔ ہزاروں انسان قتل ہوئے۔ شہزادے قتل ہوئے ان کا خون کیا گیا۔ ان مصیبتوں کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اسلامی حکومت قائم کرنے کا خیال شکست کھا گیا۔ اس کے بعد پھر ۱۹۱۴ء میں علماء کی ایک جماعت نے اسی خیال سے یعنی مسلم راج قائم کرنے کے خیال سے تحریک شروع کی۔ اور اس میں بھی شکست کھائی۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبند مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے۔ دہلی

میں ملک کے مختلف حصوں سے پانچ سو سے زائد علماء کا اجتماع ہوا۔ اور وہاں یہ طے پایا کہ تشدد کا یہ راستہ غلط ہے۔ موجودہ دور میں اسلامی حکومت کا قیام تقریباً نا ممکن ہے۔ لہذا کانگرس کے ساتھ شامل ہو کر ہندوستان کی تمام حکومتیں مل کر ملک کا انتظام کریں اور جمہوری حکومت بنائیں چنانچہ اس وقت تک ہم اسی عقیدے پر قائم ہیں اور ہم اسی راستہ کو صحیح سمجھتے ہیں۔"

(سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولفہ خان کابلی صفحہ ۱۳۰)

سچ ہے :- ؎ آنچہ دانا کند کند نادان لیک بعد از خرابی بسیار

اعتراض دوم

جناب برق صاحب لکھتے ہیں :-

"جب میں جناب مرزا صاحب کی کتابوں میں انگریزوں کی تعریف اور قوم کو سدا غلام رہنے کی تلقین دیکھتا ہوں۔ تو حیرت میں کھو جاتا ہوں و انتم الاعلون والا رب یہ کیا کر رہا ہے یہ قرآن ہمیں سلطنت اور وراثت کا سبق دیتا رہا۔ اور پھر ایک رُسول بھیج کر غلامی اور ذلت کا وعظ شروع کر دیا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۸۳)

الجواب

برق صاحب کا یہ اعتراض سراسر باطل ہے۔ کہ حضرت اقدس نے مسلمانوں کو سدا غلام رہنے کی تلقین کی ہے۔ مسلمان اپنی غفلت اور کمزوری کی وجہ سے حضرت اقدس کے دعویٰ سے بہت پہلے اسلامی حکومت کے زوال پر انگریزوں کا تسلط قبول کر چکے ہوئے تھے۔ اور علماء اور لیڈرانِ قوم مسلمانوں کو انگریزوں سے وفاداری کی تلقین کر رہے تھے۔ اور جس زمانہ میں آپ مامور ہوئے۔ پنجاب کی حکومت انگریزوں نے سکھوں سے حاصل کی تھی۔ نہ مسلمانوں سے۔ اور پنجاب کے لوگ

انگریزی تسلط کو سکھوں کی ظالمانہ حکومت کے بالمقابل ایک نعمت سمجھ رہے تھے۔ اس لئے حضرت اقدس کا قومی فیصلہ کے مطابق جو کہ دراصل شرع کے مطابق بھی تھا انگریزوں کی وفاداری کی تعلیم دینا ہرگز یہ معنی نہیں رکھتا کہ آپ یہ تلقین فرمارہے تھے کہ مسلمان سدا انگریزوں کے غلام رہیں۔

آپکو قرآن مجید اور احادیث کی پیشگوئیوں کی بناء پر یہ یقین تھا۔ کہ انگریز اور یورپ کی سب قومیں بالآخر مسلمان ہو جائیں گی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ ''كَتَبَ اللّٰهُ لَاَ غْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔'' (المجادلہ : ۲۲) یعنی خدا نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ نیز حدیث میں وارد تھا۔ ''یُهْلِكُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ۔'' کہ خدا تعالیٰ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام ملتوں کو ہلاک (مغلوب) کر دے گا۔ اس لئے آپ کو یہ خطرہ ہرگز نہ تھا کہ مسلمانوں کو سدا انگریزوں کے ماتحت رہنا پڑے گا۔ آپ بموجب حدیث نبوی ''فَیَكْسِرَ الصَّلِیْبَ'' کسر صلیب کے لئے مامور تھے۔ جس کی آپ نے اپنے زمانہ میں بنیاد رکھ دی۔ اور عیسائیت کے ظلم کو پاش پاش کرنے میں پوری کوشش کی۔ حتیٰ کہ ملکہ وکٹوریہ کو بھی زوردار الفاظ میں مسیح کو خدا ماننے کے عقیدہ اور صلیب پر مرنے کے عقیدہ کو چھوڑنے اور اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ انگریزوں نے جو مذہبی آزادی دے رکھی تھی اس کی وجہ سے آپ سے کوئی تعرض نہ کیا۔ بلکہ آپ نے اس آزادی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور حضرت مسیح کی خدائی کے ستون کو پاش پاش کر دیا۔ اور انہیں خدا تعالیٰ کا ایک بندہ اور رسول ثابت کیا۔

حضرت اقدس کی عیسائیت پر مذہبی تنقید کی وجہ سے پادریوں نے غصہ میں آ کر آپ کے خلاف اقدام قتل کا ایک جھوٹا مقدمہ کھڑا کر دیا۔ اور ایک مسلمان لڑکے عبدالحمید کو دام میں لا کر بطور گواہ کے انگریزی عدالت میں پیش کیا۔ کہ مرزا صاحب

نے اسے پادری ڈاکٹر مارٹن کلارک کے قتل کے لئے بھیجا ہے۔ لیکن جب انگریز حاکم کیپٹن ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور پر تصرف الٰہی سے یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ مقدمہ جھوٹا ہے اور پادریوں نے اس میں بناوٹ اور فریب سے کام لیا ہے تو اس نے آپ کو عزت کے ساتھ بَری کر دیا۔ ایک دجال سے اس قسم کے انصاف کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ اگرچہ پادری مارٹن کلارک نے اس انگریز حاکم کو اپنے دجل کا شکار کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی آپ کے خلاف بطور گواہ پیش کیا۔ لیکن انگریز حاکم پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور اس نے انصاف کا دامن نہ چھوڑا۔ ان وجوہ سے یہ حکومت قابل تعریف اور آپ کے شکریہ کی مستحق تھی نہ کہ دجال اکبر کہلانے کی مستحق۔

اگر حضرت مسیح موعودؑ غلامانہ ذہنیت رکھتے تو یہ جانتے ہوئے کہ انگریز ہم پر مسلّط ہیں جن کا مذہب عیسائیت ہے۔ کبھی عیسائیت کے خلاف ایسی کڑی تنقید نہ کرتے۔ جس سے مسیح کی خدائی کا ستون گر جائے۔ اور صلیب کے پرخچے اڑ جائیں۔ یہ آپ کی صحیح اسلامی روح کا نتیجہ تھا۔ کہ مذہبی تنقید کی جو آزادی انگریزی حکومت نے دے رکھی تھی۔ اس سے آپ نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور مسیح کی خدائی کو ساری دنیا میں باطل کرنے اور صلیب کو پاش پاش کرنے کے لئے ایک جماعت تیار کی۔ جس کے ذریعہ اب اکناف عالم میں اسلام کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ اور عیسائیت کا طلسم دھؤاں بن کر اڑ رہا ہے۔ دنیا کے کئی متمدن اور غیر متمدن علاقوں میں اب احمدی مشنری خدا تعالیٰ کے فضل سے باحسنِ وجود اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور عیسائیوں کو یہ احساس ہوتا جا رہا ہے کہ دنیا کا آئندہ مذہب اب اسلام ہو گا۔ نہ کہ عیسائیت چنانچہ جارج برناڈ شا ایک برطانوی ادیب رقمطراز ہیں :۔

"مجھے یقین ہے کہ ساری برطانوی سلطنت ایک قسم کا اصلاح شدہ اسلام اس

صدی کے اختتام تک قبول کرلے گی۔ میں نے محمد (ﷺ) کے دین کو ہمیشہ ہی بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ میرے نزدیک یہی مذہب بدلتے ہوئے زمانۂ حیات کے مقابل پر ایسی اہلیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے یہ ہر زمانہ کے لوگوں کو اپیل کرتا ہے۔ دنیا کو میرے جیسے بڑے آدمیوں کی پیشگوئیوں کو یقیناً بڑی وقعت دینی چاہیئے۔ اور میں نے یہ پیشگوئی کی ہے کہ محمد (ﷺ) کا دین جیسا کہ آج کل یورپ میں قبول کیا جارہا ہے۔ ویسا ہی کل بھی قبول کیا جائے گا۔ قرونِ وسطی کے پادریوں نے یا تو جہالت کی وجہ سے یا تعصب کی بناء پر محمد (ﷺ) کے دین کی نہایت تاریک تصویر کھینچی تھی۔ فی الحقیقت انہیں محمد (ﷺ) اور اس کے مذہب سے نفرت کرنے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ ان کے نزدیک محمدؐ یسوع کا دشمن تھا۔ لیکن میں نے اس عظیم الشان شخصیت کا مطالعہ کیا ہے۔ میری رائے میں وہ نہ صرف یہ کہ دشمنِ مسیح نہ تھے بلکہ وہ انسانیت کے نجات دہندہ تھے۔ میرا ایمان ہے کہ اگر موجودہ زمانہ میں محمدؐ جیسا انسان دنیا کا ڈکٹیٹر یا آمر بن جائے تو وہ ہمارے زمانہ کی مشکلات کا ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ جس کے نتیجہ میں حقیقی مسرت اور امن حاصل ہو جائے۔ اب یورپ محمدؐ کے مذہب کے اصولوں کو سمجھنے لگا ہے۔ اور آئندہ صدی میں یورپ اس بات کو اور زیادہ تسلیم کرے گا کہ اسلام کے اصول اس کی الجھنوں کو حل کر سکتے ہیں میری پیشگوئی کو ان حقائق کے ماتحت سمجھنا چاہیئے۔ موجودہ وقت میں بھی میری قوم کے اور یورپ کے کئی لوگ اسلام کو اختیار کر چکے ہیں۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کے اسلامی بننے کا آغاز ہو چکا ہے۔"

۱۔ حضرت بانیٔ سلسلہ پورے یقین سے یہ اعلان فرماتے ہیں :۔

"وہ وقت دور نہیں کہ جب تم فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اترتی اور ایشیاء اور یورپ اور امریکہ کے دلوں پر نازل ہوتی دیکھو گے۔" (فتح اسلام)

۲-"وہ دن نزدیک آتے ہیں جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا۔ اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہوگا۔ جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔ لیکن نہ کسی تلوار سے نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"

(الاشتہار مستیقنا لوحی اللہ القہار تذکرہ صفحہ ۲۹۹)

پس وہ دل جو اس یقین سے لبریز تھا کہ اسلام کی فتح کا زمانہ قریب آرہا ہے اور کفر کی صف جلد لپیٹ دی جائے گی اور دجال کا فتنہ پاش پاش ہو جائے گا اور سب ملتیں بجز اسلام کے ہلاک ہو جائیں گی۔ اس نے اگر ایک عارضی وقت کے لئے ایک غیر ملکی مذہبی آزادی دینے والی حکومت سے تعاون کی ہدایت فرمائی۔ تو یہ کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ دائمی طور پر مسلمانوں کو عیسائیوں کا غلام بنانا چاہتا ہے۔ جب کہ اس کا دل یقین سے بھرا ہوا ہے کہ اسلام اب فتح پائے گا۔ اور انگریز اور سارا یورپ اسلام قبول کرے گا۔ اور یہ لوگ خود اسلام کے خادم بن جائیں گے۔ اور سرور کائنات ﷺ کی اطاعت کرنے پر فخر محسوس کریں گے۔ اور خدا کی بادشاہت ساری دنیا میں قائم ہو جائے گی۔ اور اسلام کا جھنڈا تمام دنیا پر لہرائیگا۔ اور سب جھنڈے اس کے آگے سرنگوں ہو جائیں گے۔

انبیاء کی سنت یہی ہے کہ غیر ملکی سلطنت میں رہتے ہوں تو اس کے خلاف

باغیانہ خیالات نہ رکھے جائیں۔ہاں اگر اس سلطنت کا ظلم نا قابل برداشت ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کی جائے۔

حضرت یوسفؑ نے مصر میں بت پرست بادشاہ کی ماتحتی میں ایک لمبے عرصہ تک زندگی بسر کی۔ بلکہ اس کے ماتحت کارکن رہے اور سب سے بڑھ کر سرور کائنات ﷺ کا طرز عمل بھی یہ بتاتا ہے کہ آپ نے مکہ کی حکومت کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کی۔بلکہ جب اس کا ظلم انتہا تک پہنچ گیا تو آپ نے اور آپ کے ماننے والوں نے وہاں سے ہجرت اختیار کی۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا فرض منصبی تبلیغ واشاعت دین تھا۔انگریزوں کی حکومت میں اس بارے میں آپ کو پوری آزادی حاصل تھی اور انگریزوں نے چونکہ آپ سے عدل کا سلوک کیا۔اس لئے انگریز آپ کے شکریہ کے مستحق تھے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔بالآخر یاد رہے کہ انبیاء راست باز اور پارسا طبع لوگ اگر کسی ایسی غیر ملکی حکومت کے ماتحت رہتے ہوں جو انہیں مذہبی آزادی دیتی ہو تو وہ اپنے آپ کو غلام نہیں سمجھتے کیونکہ مذہبی طور پر وہ آزاد ہیں۔اور سیاسی لحاظ سے ان کی حرکات وسکنات حکومت کے لئے کسی تشویش کا موجب نہیں ہوتیں۔پس وہ ذہنی طور پر بھی آزاد ہوتے ہیں اور اصل آزادی ذہنی آزادی ہی ہے۔ورنہ دنیا میں تو انسان کو کسی نہ کسی کی ماتحتی ضرور اختیار کرنا ہی پڑتی ہے۔

بعض حوالہ جات کی تشریح

جناب برق صاحب نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے متعلق حضرت اقدس کا یہ قول نقل کیا ہے۔

”ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن

گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا۔ اور اس کا نام جہاد رکھا۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۱۷۷، بحوالہ حاشیہ ازالہ اوہام صفحہ ۷۲۴)

واضح ہو کہ اس زمانہ میں علماء یہی سمجھتے تھے کہ انگریزوں کے خلاف لڑائی جائز نہیں۔ ہم ان کے فتوے اور عبارتیں پہلے نقل کر چکے ہیں۔ سر سید احمد مرحوم بھی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے متعلق لکھتے ہیں :-

"جن لوگوں نے جہاد کا جھنڈا بلند کر دیا۔ ایسے خراب اور بد رویہ اور بد اطوار آدمی تھے۔ کہ بغیر شراب خوری، اور تماش بینی اور ناچ اور رنگ دیکھنے کے کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا۔ بھلا کیونکر یہ پیشوا اور مقتدا جہاد کے گنے جا سکتے تھے...... اپنی منفعت اور اپنے خیالات کو پورا کرنے اور جاہلوں کے بہکانے کو اور اپنے ساتھ جمعیّت جمع کر لینے کو جہاد کا نام دے لینا یہ بات بھی مفسدوں کی حرامزدگیوں میں سے ایک حرامزدگی تھی نہ کہ جہاد۔" (اسباب بغاوت ہند صفحہ ۱۰۶، شائع کردہ اردو اکیڈیمی سندھ)

نوب صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی لکھتے ہیں :-

"غدر میں جو چند لوگ نادان عوام الناس فتنہ و فساد پر آمادہ ہو کر جہاد کا جھوٹ موٹ نام لینے لگے۔ اور عورتوں اور بچوں کو ظلم اور تعدی سے مارنے لگے اور لوٹ مار پر ہاتھ دراز کیا۔ اور اموال رعایا برایا پر غصباً قابض و متصرف ہوئے۔ انہوں نے خطائے فاحش کی اور قصور ظاہر۔ اس لئے کہ قرآن وحدیث کے موافق کہیں شرطیں جہاد کی موجود نہ تھیں۔ صرف سودائے خام اور خیالی پلاؤ، حکومت رانی اور ملک ستانی کے ان کے دلوں میں اور مغزوں میں سمائے ہوئے تھے۔ ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کسی جماعت اور لشکر میں خلوص نیت اور پاکیِ نیت اور انصاف واجبی اور طبیعت مذہب اسلام ہو۔" (ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۳)

پس حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے متعلق جو رائے دی

ہے وہی رائے اس وقت علماء اور سیاسی لیڈروں کی تھی۔

برق صاحب لکھتے ہیں :-

"بجائے اس کے مسیح موعودؑ دجال کو قتل فرماتے۔ الٹا اس کی تلوار کو محافظ سمجھ رہے ہیں۔ اور فرمارہے ہیں کہ اگر دجال کی تلوار نہ ہوتی تو مولوی لوگ آپ کو قتل کر ڈالتے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۱۸۰، ۱۸۹)

الجواب

یہ جھوٹ ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے انگریزی حکومت کو ہرگز دجال قرار نہیں دیا۔ بلکہ پادریوں اور یورپ کے فلاسفروں کو دجال قرار دیا ہے۔

برق صاحب نے حرف محرمانہ صفحہ ۱۸۰ پر تحفہ گولڑویہ سے یہ سیاق بریدہ عبارت پیش کی ہے :-

"ہمیشہ کی محکومی جیسی کوئی ذلت نہیں۔ دائمی ذلت کے ساتھ دائمی عذاب لازم پڑا ہوا ہے۔"

الجواب

یہ عبارت یہود کے متعلق قرآنی پیشگوئی کے بیان پر مشتمل ہے کہ ان پر ذلت اور مسکینی کی مار ماری گئی۔ محض محکومی جس میں مذہبی آزادی حاصل ہو۔ ذلت کا موجب نہیں۔ البتہ ہمیشہ کی محکومی ضرور ذلت کا موجب ہے۔ مگر حضرت اقدسؑ تو پُر امید تھے کہ اقوام یورپ بالآخر مسلمان ہو جائیں گی۔

حضرت اقدسؑ نے لکھا تھا :-

"ہم پر اور ہماری ذرّیت پر فرض ہو گیا کہ ہم اس گورنمنٹ برطانیہ کے

ہمیشہ شکر گزار رہیں۔" (بحوالہ ازالہ اوہام طبع دوم صفحہ ۵۶)

اس پر برق صاحب یوں معترض ہیں :-

"اگر مسلمان ہمیشہ اس فرض کو پورا کرتے رہیں تو پھر وہ انگریز کے بوٹ کے نیچے سے کیسے نکلیں گے۔ اور وہ غلامی کا عذاب کیسے ٹلے گا۔"

الجواب

کسی کے اچھے سلوک پر ہمیشہ شکر گزار رہنا تو مسلمانوں کا شیوہ ہے جو ان کی تعلیم کا اثر ہے۔ دیکھئے مسلمان اور ہندو انگریزی حکومت سے بالآخر آئینی طریق سے ہی آزاد ہوئے نہ ان کی حکومت کی بغاوت کر کے۔ اور انگریزوں کے اچھے کاموں کی اب بھی لوگ تعریف کرتے ہیں۔ پس ہمیشہ کی شکر گذاری کی تلقین سے یہ مراد نہیں کہ مسلمان جائز طریقوں سے انگریزوں کے تسلط سے آزادی حاصل نہ کریں دیکھئے! انگریز ہندوستان چھوڑ کر جا چکا ہے مگر تاریخ احمدیت اب بھی ان کے اچھے کاموں پر شکر گذاری کا اظہار ہی کرتی رہے گی۔ ہاں ان لوگوں میں سے جنہوں نے خرابیاں کی ہیں۔ وہ ہمارے نزدیک قابل مذمت ہیں۔ مگر اچھے سلوک پر شکر گذاری نہ کرنا بھی ایمانداری نہیں۔

برق صاحب کا ناپاک حملہ

جناب برق صاحب لکھتے ہیں :-

"جب حکومت نے ایکٹ نمبر ۱۳ مجریہ ۱۸۸۹ء کی رو سے بڑے بڑے شہروں اور چھاؤنیوں میں گورے سپاہیوں کی خاطر طوائف خانے قائم کئے تو جناب مرزا صاحب نے اس بد اخلاقی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھا۔"

۱- "آخر یہ قبول کیا گیا کہ گوروں کا بازاری عورتوں سے ناجائز تعلق ہو۔ کاش اس جگہ

متعہ ہوتا۔ تو لاکھوں بندگانِ خدا زنا سے بچ جاتے۔" (آریہ دھرم صفحہ ۶۹)

نیز مشورہ دیا :-

۲-"کمانڈر انچیف افواج ہند کو یہ بھی انتظام کرنا چاہیئے کہ بجائے ہندوستانی عورتوں کے یورپین عورتیں ملازم رکھی جائیں...... مخالفین کا سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ ہندوستان کی غریب عورتوں کو دلاّلہ عورتوں کے ذریعہ سے اس فحش ملازمت کی ترغیب دی جاتی ہے۔" (آریہ دھرم صفحہ ۷۱)

یہ دونوں اقتباس دینے کے بعد جناب برق صاحب لکھے ہیں :-

"اللہ کا ایک رسول اِن اقدامات کو کیسے پسند کر سکتا تھا۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۶۶)

الجواب

دوسرا اقتباس برق صاحب نے حضرت اقدسؑ کی طرف منسوب کرنے میں صریح غلط بیانی سے کام لیا ہے تا وہ حضرت اقدسؑ پر یہ اعتراض کر سکیں کہ :-

ایک رسول سے ایسے مشورہ کی توقع نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ عبارت دراصل اخبار عام کے ایک مضمون کی ہے جو آریہ دھرم صفحہ ۷۱ میں اخبار عام سے درج کیا گیا ہے۔ عبارت کو نقل کرنے سے پہلے حضرت اقدسؑ لکھتے ہیں :-

"اسی پہلے قانون کے جاری کرنے کے لئے اب پھر سلسلہ جنبانی ہو رہی ہے۔ اور ہم مناسب دیکھتے ہیں کہ اس جگہ اخبار عام ۹ر نومبر ۱۸۹۵ء کا وہ مضمون جو اس بحث کے متعلق ہے بجنسہٖ لکھ دیں۔ اور وہ یہ ہے۔"

اس کے بعد وہ مضمون آریہ دھرم میں قانون دکھائی کے عنوان کے تحت درج کیا ہے جس سے جناب برق صاحب نے یہ دوسرا اقتباس لیا ہے پس خدا کے

رسول کی طرف سے یہ مشورہ نہیں۔ بلکہ یہ اخبار عام کے مضمون نگار کا مشورہ ہے۔

پہلا اقتباس بے شک حضرت اقدس کی اپنی تحریر ہے جس میں آپ پہلے آریوں کو مخاطب کرتے ہوئے متعہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کیونکہ آریہ نیوگ کے مقابلہ میں متعہ پیش کرتے تھے۔ اور فرماتے ہیں۔

ا۔ اسلام میں متعہ کے احکام ہرگز مذکور نہیں نہ قرآن میں نہ حدیث میں۔

۲۔ اگر بعض حدیثوں پر اعتبار کیا جائے تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ جب بعض صحابہ اپنے وطنوں اور اپنی جوروؤں سے دور تھے تو ایک دفعہ ان کی سخت ضرورت کی وجہ سے تین دن تک متعہ ان کیلئے جائز رکھا گیا تھا۔ اور بعد اس کے ایسا ہی حرام ہو گیا۔ جیسا کہ اسلام میں خنزیر و شراب وغیرہ حرام ہیں۔

۳۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے متعہ عرب میں نہ صرف جائز بلکہ عام رواج رکھتا تھا۔ اور شریعت اسلام نے آہستہ آہستہ عرب رسوم کی تبدیلی کی ہے۔ سو جس وقت بعض صحابہ متعہ کے لئے بے قرار ہوئے۔ سو اس وقت آنحضرت ﷺ نے انتظامی اور اجتہادی طور پر اس رسم کے موافق بعض صحابہ کو اجازت دے دی۔ کیونکہ قرآن میں اس بارہ میں کوئی مخالفت نہ آئی تھی۔ پھر ساتھ ہی چند روز کے بعد نکاح کی مفصل اور مبسوط ہدائیتیں قرآن میں نازل ہوئیں جو متعہ کے مخالف اور متضاد تھیں اس لئے ان آیات سے متعہ کی قطعی طور پر حرمت ثابت ہو گئی۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ گو متعہ صرف تین دن تک تھا۔ مگر وحی اور الہام نے اس کے جواز کا دروازہ نہیں کھولا۔ بلکہ پہلے سے ہی وہ عرب میں رائج تھا اور جب صحابہ کو بے وطنی کی حالت میں اس کی ضرورت پڑی تو آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ متعہ ایک نکاحِ موقت ہے۔ کوئی حرامکاری اس میں نہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں کہ جیسی خاوند والی عورت دوسرے سے ہم بستر ہو جاوے۔ بلکہ در حقیقت بیوہ یا باکرہ سے ایک نکاح ہے جو ایک وقت تک مقرر

کیا جاتا ہے۔ تو آپ نے اس خیال سے کہ نفس متعہ میں کوئی بات خلاف نکاح نہیں۔ اجتہادی طور پر پہلی رسم کے لحاظ سے اجازت دے دی۔ لیکن خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تھا کہ جیسا کہ عرب کی صدہا اور بیہودہ رسمیں دور کر دی گئیں۔ ایسا ہی متعہ کی رسم کو بھی عرب میں سے اٹھا دیا جائے۔ سو خدا نے قیامت تک کے لئے متعہ کو حرام کر دیا۔ ماسوا اس کے یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ نیوگ کو متعہ سے کیا نسبت ہے۔ نیوگ پر تو ہمارا یہ اعتراض ہے کہ اس میں خاوند والی عورت باوجود زندہ ہونے خاوند کے دوسرے سے ہم بستر کرائی جاتی ہے۔ لیکن متعہ والی عورت تو کسی دوسرے کے نکاح میں نہیں رہتی۔ بلکہ باکرہ یا بیوہ ہوتی ہے۔ جس کا ایک مقررہ وقت تک ایک شخص سے نکاح پڑھا جاتا ہے۔ پس خود سوچ لو کہ متعہ کو نیوگ سے کیا نسبت ہے۔ اور نیوگ کو متعہ سے کیا مناسبت ہے۔" (آریہ دھرم صفحہ د۔ ہ)

اس کے بعد برق صاحب کے پیش کردہ اقتباس کی عبارت آتی ہے جسے انہوں نے ادھورا پیش کیا ہے۔ یہ اقتباس صفحہ دیا صفحہ ۱۷ کا ہے اس کے پورے الفاظ یوں ہیں :-

"جب گوروں کو اس ملک میں نکاح کی ضرورت ہوئی۔ تو مذہبی روکوں کی وجہ سے نکاح کا انتظام نہ ہو سکا۔ اور نہ گورنمنٹ اس فطرتی قانون کو تبدیل کر سکی۔ جو جذبات شہوت کے متعلق ہے۔ آخر یہ قبول کیا گیا۔ کہ گوروں کا بازاری عورتوں سے ناجائز تعلق ہو۔ کاش اس جگہ پر متعہ بھی ہوتا تو لاکھوں بندگانِ خدا زنا سے توبچ جاتے۔ ایک مرتبہ گورنمنٹ نے گھبرا کر اس قانون کو منسوخ بھی کر دیا۔ مگر چونکہ فطرتی قانون تقاضا کرتا تھا کہ جائز طور پر یا ناجائز طور پر ان جذبات کا تدارک کیا جائے کہ جس سے جسمانی بیماریاں زور مارتی ہیں۔ لہذا اسی پہلے قانون کو جاری کرنے کے لئے اب پھر سلسلہ جنبانی ہو رہی ہے۔" (آریہ دھرم صفحہ ۱۷)

ان اقتباسات سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک متعہ جو ایک مؤقت نکاح تھا۔ اسلام میں قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔ لیکن اسے زنا ہونے کی وجہ سے حرام قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ اسے بعض اور معاشرتی قباحتوں کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔ اگر یہ زنا کے مترادف ہوتا تو آنحضرت ﷺ صحابہ کو اپنے اجتہاد سے بھی کسی وقت اس کی اجازت نہ دیتے۔

عربوں میں یہ رسم پہلے سے جاری تھی۔ اور اُسے نکاح کی ایک جائز صورت سمجھا جاتا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ کا وحی نازل ہونے سے پہلے یہ طریق تھا۔ کہ جب تک خدا تعالیٰ کی وحی کسی کام سے روک نہ دے اس وقت تک آپ اس میں روک نہیں بنتے تھے۔ پس اس کا حرام ہونا تو حضرت اقدسؑ کو مسلّم ہے اور مسلمانوں کے لئے آپ اس فعل کو ازروئے شرعِ اسلام جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن انگریز حکومت تو مسلمان نہ تھی۔ اس لئے زنا سے اپنے فوجیوں کو بچانے کیلئے وہ موقت نکاح کا طریق جاری کر دیتی تو اس کے سپاہی زنا سے تو بچ جاتے مگر وہ اسے اس لئے اختیار نہ کر سکی کہ عیسائیت ازروئے انجیل دوسرے نکاح کو جائز نہیں سمجھتی۔ اگر وہ اسے جائز سمجھتی۔ تو پھر یقیناً حضرت اقدس کو یہ فقرہ نہ لکھنا پڑتا کہ :-

”کاش اس جگہ متعہ بھی ہوتا۔ تو لاکھوں بندگانِ خدا زنا سے تو بچ جاتے۔“

پس حضرت اقدسؑ اس جگہ حکومت کو متعہ کا طریق جاری کرنے کا مشورہ نہیں دے رہے کیونکہ اس عبارت کے سیاق سے یہ ظاہر ہے (جسے جناب برق صاحب نے ملحوظ نہیں رکھا) کہ یہ فقرہ حضرت اقدسؑ نے عیسائی مذہب کی خرابی ظاہر کرنے اور اسلام کی اس پر برتری ثابت کرنے کے لئے لکھا ہے چنانچہ اس اقتباس سے پہلے آپ نے تحریر فرمایا ہے :-

”اسلام میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی ایسے سفر میں جاتا جس میں کئی سال کی

توقف ہوتی۔ تو وہ عورت کو ساتھ لے جاتا۔ یا اگر عورت ساتھ نہ جانا چاہتی تو وہ ایک دوسرا نکاح اس ملک میں کر لیتا۔ لیکن عیسائی مذہب میں چونکہ اشد ضرورتوں کے وقت میں بھی دوسرا نکاح ناجائز ہے۔ اس لئے بڑے بڑے مدبر عیسائی قوم کے جب ان مشکلات میں آپڑتے ہیں تو نکاح کی طرف ان کو ہرگز توجہ نہیں ہوتی۔ اور بڑے شوق سے حرامکاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے ایکٹ چھاؤنی ہائے نمبر ۱۳ ۱۸۸۹ء پڑھا ہو گا وہ اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ عیسائی مذہب کی پابندیوں کی وجہ سے ہماری مدبر گورنمنٹ کو یہی مشکلات پیش آگئیں۔"

(آریہ دھرم صفحہ ۷۰، ۷۱)

چونکہ موجودہ اناجیل کے لحاظ سے حضرت مسیحؑ نے دوسرے نکاح کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لئے انگریزی حکومت مجبور تھی کہ ایکٹ نمبر ۱۳ ۱۸۸۹ء جس کا ذکر حضرت اقدس نے اوپر کی عبارت میں کیا ہے۔ عیسائیت میں کسی دوسرے مؤقت یا غیر مؤقت نکاح کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے جاری کرتی۔ کیونکہ دوسرا نکاح بھی عیسائی مذہب کے نزدیک حرامکاری کے ہی مترادف تھا۔ خواہ مؤقت ہو یا غیر مؤقت۔ لیکن فوج میں حرامکاری کے بد نتائج آتشک کی بیماری کو دیکھ کر گورنمنٹ گھبرا اُٹھی۔ اور اس قانون کو منسوخ بھی کر دیا۔ لیکن چونکہ فطرتی قانون تقاضا کرتا تھا کہ جائز طور پر یا ناجائز طور پر شہوانی جذبات کا تدارک کیا جائے لہذا پھر اسی پہلے قانون کو جاری کرنے کے لئے اس وقت سلسلہ جنبانی ہو رہی تھی۔ جس وقت حضرت اقدس نے آریہ دھرم کی یہ عبارتیں لکھیں۔

بیانِ مندرجہ بالا سے ظاہر ہے کہ برق صاحب کے پیش کردہ فقرہ میں حضرت اقدس نے حکومت کو یہ مشورہ نہیں دیا ہے کہ وہ متعہ کا طریق جاری کرے۔ بلکہ اس میں ان کی مشکلات کو بیان کیا ہے کہ وہ فوجیوں کو زنا سے بچانے کے لئے متعہ کا

طریق بھی خلاف انجیل ہونے کی وجہ سے جاری نہیں کر سکتی۔

تحفہ قیصریہ و ستارہ قیصریہ

حضرت اقدسؑ نے رسالہ تحفہ قیصریہ میں ملکہ معظّمہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام دی۔ چونکہ ملکہ معظّمہ کی طرف سے اس تحفہ کے مِلنے کا کوئی اعتراف نہ ہوا۔ اس لئے آپ نے خیال کیا کہ ممکن ہے متعلقہ افسروں نے تحفہ قیصریہ ملکہ معظّمہ تک پہنچایا ہی نہ ہو لہذا اس پر آپ نے رسالہ ستارہ قیصریہ لکھا جس کا اقتباس برق صاحب نے یوں درج کیا ہے :-

"تحفہ قیصریہ حضرت قیصرۂ ہند دام اقبالہا کی خدمت میں بطور درویشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ اس کے جواب سے مجھے عزت دی جائے گی۔ اور امید سے بڑھ کر میری سرفرازی کا موجب ہوگا...... مگر مجھے نہایت تعجب ہے کہ ایک کلمۂ شاہانہ سے بھی ممنون نہیں کیا گیا...... لہذا حسن ظن نے جو میں حضور سے رکھتا ہوں۔ دوبارہ مجھے مجبور کیا کہ اس تحفہ قیصریہ کی طرف جنابہ ممدوحہ کی توجہ دلاؤں اور شاہانہ منظوری کے چند الفاظ سے خوشی حاصل کروں۔" (ستارہ قیصریہ صفحہ ۲)

اعتراض

اس پر برق صاحب یوں معترض ہیں۔ :-

"جس فقر نے شاہوں کی طرف نگاہ اٹھانا توہین نگاہ سمجھا تھا آج اس فقر کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ آستانِ شاہی پر تبسمے و نگاہے کی بھیک مانگ رہا ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۸۵)

الجواب

حضرت اقدسؑ اس عبارت کے ذریعہ ملکہ معظّمہ سے مولوی محمد حسین

صاحب بٹالوی کی طرح کسی جاگیر و جائداد کے متمنی نہ تھے چونکہ آپ نے ملکہ معظّمہ کو تحفہ قیصریہ کے ذریعے دعوت اسلام دی تھی۔ اور جیسا کہ ہر مبلغ طبعًا یہ چاہتا ہے کہ اپنی تبلیغ کے اثرات معلوم کرے اسی لئے آپ نے تحفہ قیصریہ کی ملکہ معظّمہ کی طرف سے رسید نہ ملنے پر یہ عبارت لکھی تا ملکہ معظّمہ کا تاثر معلوم ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ معظّمہ اس دعوت سے متاثر ضرور تھی۔ مگر وہ سیاسی وجوہ سے اپنے تاثر کو ظاہر نہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پا رہی تھی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ملکہ معظّمہ کی قلبی کیفیت اور تاثر کو اپنے الہام قیصرہ ہند کی طرف سے شکریہ کے الفاظ سے بیان کیا کہ وہ آپ کی اس دعوت اسلام پر اپنے دل میں شکر گزار ہے۔ مگر جناب برق صاحب نے منکرینِ انبیاء کے طریق پر اس الہام کو بھی تمسخر و استہزاء کا ذریعہ بنا لیا ہے اور لکھا ہے۔

جب مذکورہ بالا یاد دہانی کے باوجود سفید فام آقاؤں کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو جبرائیل آیا اور کہا۔

"قیصرہ ہند کی طرف سے شکریہ۔"

برق صاحب کی خطرناک تحریف

حرف محرمانہ کے صفحہ ۱۸۶ پر بحوالہ تبلیغ رسالت جلد نمبر ۵ صفحہ ۱۱ جناب برق صاحب نے خطرناک تحریف کے ساتھ حضرت اقدس کی ایک عبارت یوں پیش کی ہے۔

"قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لئے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کئے جائیں...... جو در پردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب سمجھتے ہیں...... ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ ان نقشوں کو ملکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی...... ایسے لوگوں کے نام مع پتہ و نام یہ ہیں۔"

اس اقتباس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے ایسے کوئی نقشہ جات گورنمنٹ کو ان لوگوں کے نام اور پتے کے ساتھ بھیج دیئے تھے جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب سمجھتے تھے۔ چنانچہ برق صاحب نے یہی تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس جگہ لکھا ہے۔

"جناب مرزا صاحب نے اپنی جماعت کی مدد سے ایسے علماء و عوام کی فہرست تیار کی جو ذہناً حکومت برطانیہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر یہ فہرست بھیج کر حکومت کو لکھا۔"

اس عبارت کے بعد مندرجہ بالا حوالہ درج کیا ہے۔ یہ تاثر کہ آپ نے کوئی ایسی فہرست حکومت کو بھیجی حوالہ میں برق صاحب کے خطرناک تحریف کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کوئی ایسی فہرست حکوت کو نہیں بھیجی بلکہ صرف تجویز تھی کہ ایسا کیا جائے۔ چنانچہ "جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب سمجھتے ہیں۔" کے آگے حضرت اقدس لکھتے ہیں :-

"ایسے نقشے ایک پولیٹیکل راز کی طرح اس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں گے جب تک گورنمنٹ ہم سے طلب کرے۔"

اس کے بعد برق صاحب کی پیش کردہ عبارت "ہم امید کرتے ہیں۔" شروع ہوتی ہے اور "دفتر میں محفوظ رکھے گی" تک چلتی ہے۔ اس کے بعد کی یہ عبارت برق صاحب نے حذف کر دی ہے۔

"اور بالفعل یہ نقشے جن میں ایسے لوگوں کے نام مندرج ہیں گورنمنٹ میں نہیں بھیجے جائیں گے صرف اطلاع دہی کے طور پر ان میں سے ایک سادہ نقشہ چھپا ہوُا جس پر کوئی نام درج نہیں۔ فقط یہی مضمون درج ہے ہمراہ درخواست بھیجا جاتا ہے۔" (اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۵ صفحہ ۱۱ بعنوان قابلِ توجہ گورنمنٹ از

طرف مہتمم کاروبار تجویز تعطیل جمعہ)

پس برق صاحب نے آخری عبارت کو حذف کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ گویا ایسے نقشے از خود گورنمنٹ کے مطالبہ کے بغیر گورنمنٹ کو بھیج دیئے گئے تھے۔ اور یہ تاثر عبارت میں تحریف کر کے پیدا کرنا چاہا ہے۔ ایسی تحریف کرنے والے انسان کی طرف سے جو کتاب شائع ہو وہ تو ''حرف مجرمانہ'' کہلانے کی مستحق ہے۔ کیونکہ اس میں منشاء متکلم کو چھپا کر حقیقت مسخ کر دی گئی ہے۔

برق صاحب کے دو اعتراض

برق صاحب لکھتے ہیں مسیح موعود نے دجال کو کس طرح قتل کیا۔

۱- کیا دجال کی دنیوی شان و شوکت کم کر دی جواب نفی میں ہے۔

۲- کیا دلائل سے پادریوں کو شکست دے کر لوگوں کو عیسائیت سے بدل کر دیا۔ جواب زبردست نفی میں ہے۔ اس لئے کہ عیسائیت سیلاب کے دھارے کی طرح اس سر زمین میں پھیلتی اور بڑھتی رہی۔

الجواب

ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں نہیں بلکہ اثبات میں ہے۔ سوال اول کا جواب یہ ہے کہ اسلام کی تائید میں اور عیسائیت کی تردید میں دندانِ شکن مضامین لکھ کر حضرت مسیح موعودؑ نے پادریوں کا رعب یکسر خاک میں ملا دیا۔ اور پادری ایسے مرعوب ہوئے کہ انہوں نے اندر ہی اندر اپنے منادوں اور پادریوں کو فہمائش کی کہ وہ احمدیوں سے مذہبی گفتگو نہ کریں۔

پس حضرت مسیح موعودؑ کے دلائل کا یہ اثر ہے کہ اب کوئی پادری احمدیوں سے بحث و مباحثہ نہیں کرتا۔ اور جو سر پھرا کبھی بحث پر آمادہ ہو جائے وہ ایسی منہ کی کھاتا

ہے کہ بائندو شائد۔

سوال دوم کے جواب میں عرض ہے۔ کہ ایک وقت وہ تھا کہ بڑے بڑے لوگ جسے پادری عماد الدین سابق مولوی عماد الدین امام شاہی مسجد آگرہ۔ اور پادری صفدر علی اور میاں سراج الدین اور پادری سلطان محمد خان پال اور پادری حافظ احمد مسیح جیسے آدمی اور بڑے بڑے زمیندار عیسائیت کی آغوش میں جارہے تھے۔ لیکن جب حضرت مسیح موعودؑ نے کسر صلیب کا بیڑا اٹھایا عیسائیوں کا طلسم پاش پاش ہو گیا۔ اور اب کوئی بڑا عالم اور معزز شخصیت عیسائیت کی آغوش میں جانے کے لئے تیار نہیں۔ بجز ان لوگوں کے جو یا تو بھوکے ہوں اور دنیوی لالچ میں آکر کادالفقران یکون کفراً کے ماتحت عیسائی بن جائیں یا وہ لوگ عیسائیت میں داخل ہو جاتے ہیں جو اسلام کی تعلیم اور احمدیت کے لٹریچر سے ناواقف ہوں۔ اور غیر احمدی مولویوں سے حضرت مسیحؑ کی یہ صفات سن کر انہیں صحیح تسلیم کر رہے ہوں۔ کہ وہ دو ہزار سال سے زندہ آسمان پر موجود ہیں نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ وہ حقیقی مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور حقیقی پرندوں کے خالق تھے اور غیب دان تھے۔ ایسے لوگ جو پہلے ہی ان عقائد کی وجہ سے نیم عیسائی ہوتے ہیں عیسائیوں کے دام میں آجاتے ہیں اور حضرت مسیحؑ کو عیسائیوں کی تبلیغ سے آنحضرت ﷺ سے افضل قرار دینے لگ جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ احمدیت کی تعلیم سے واقف ہیں وہ عیسائیوں کے دام میں نہیں آسکتے۔

پنجاب میں عیسائیوں کی تعداد

جناب برق صاحب پنجاب میں عیسائیوں کی تعداد کے عنوان سے ۱۸۸۱ء سے ۱۹۱۱ء تک عیسائیوں کی مردم شماری کا ذکر کر کے دکھاتے ہیں کہ تیس برس میں تقریباً پونے دولاکھ کا اضافہ صرف پنجاب میں ہوا ہے۔ اور پورے ہندوستان کی مردم شماری پیش کر کے تیس سال میں تیس لاکھ چودہ ہزار کا اضافہ مردم شماری کے

رجسٹرات کے لحاظ سے قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں :-

"لیکن مسیح موعود کی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے زور سے ایک بھی عیسائی مسلمان نہ ہوا۔ قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیح موعود نے دجال اکبر کو کہاں چوٹیں لگائیں اور آیا دجال ان ضربہائے عیسوی سے فوت ہو گیا تھا۔ یا بچ نکلا تھا۔ اگر بچ نکلا تھا تو وہ قتل دجال کا سلسلہ کہاں گیا۔ اگر فوت ہو گیا تھا تو پھر آج یہ ساری کائنات پر کن کی سلطنت ہے؟ کیا یہ روس، یہ انگریز، یہ امریکی، یہ فرانسیسی وغیرہ سب مر چکے تھے۔ اور یہ ستر کروڑ عیسائی ان فوت شدہ بزرگوں کے صرف بروز ہیں۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۹۲)

الجواب

استہزاء کے ساتھ اعتراض کر لینا تو بڑی آسان بات ہے۔ لیکن حقیقت بین نگاہ سے حقائق کا مطالعہ کرنا یہ کسی کسی کا حصہ ہوتا ہے۔ برق صاحب کو یہ اعتراض کرتے ہوئے ذرا شرم کرنی چاہیئے تھی۔ کیونکہ قرآن شریف میں یہ پیشگوئی موجود ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (الصف : ۱۰) کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ مگر اس آیت کے نزول پر ساڑھے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں۔ لیکن ابھی کافروں اور مشرکوں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ اور مردم شماری کے لحاظ سے ہر دس سال کے بعد کافر اور مشرک بھی لازمی طور پر بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ تو کیا برق صاحب اس وجہ سے اسلام پر بھی حملہ آور ہوں گے کہ چودہ سو سال گزرنے پر بھی ابھی کافروں اور مشرکوں کی تعداد اسلام کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے لڑائیاں بھی کرنی پڑی ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی تحریک کو تو ابھی قریباً چوہتر سال ہی ہوئے ہیں۔ اور یہ تحریک خالص تبلیغی تحریک ہے۔ پنجاب و ہند میں گو چوہڑے چمار عیسائی ہوتے رہے ہیں۔ لیکن جب سے عیسائیت کے خلاف حضرت مسیح موعودؑ نے تبلیغی جہاد کا علم بلند کیا۔ مسلمانوں میں عیسائیوں کا فروغ پانے کی امیدیں خاک میں مل گئی ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ نہ آئے ہوتے تو شائد برق صاحب جیسے لوگ عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے ہوتے۔ کیونکہ اسلام کو قریباً ترک کر دینے اور دوبارہ مسلمان ہونے کا تو وہ خود اپنے متعلق ذکر فرما چکے ہیں۔ عیسائیوں کی تعداد کا بڑھنا جو مردم شماری کے رجسٹرات سے دکھا رہے ہیں۔ اس کے موجبات یہی ہیں کہ پادریوں نے چوہڑوں چماروں اور اچھوت اقوام کو مالی اور دنیوی لالچ اور مدد سے عیسائی بنایا۔ اور ان کے بچوں کو تعلیم دلائی۔ چونکہ عیسائیوں کی حکومت تھی۔ اس لئے وہ قومیں سمجھیں کہ ہم عیسائی ہو کر دوسری قوموں کے مقابلہ میں حاکم قوم کا مذہب قبول کرنے سے سر بلند ہو جائیں گے۔ پھر غربا کی نسلیں بھی بہت ترقی کرتی ہیں۔ پس مردم شماری میں اضافہ کے موجبات یہ امور ہیں۔

اب خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیہ تحریک یورپ اور امریکہ، افریقہ وغیرہ کے علاقوں میں اپنے قدم مضبوطی سے جما چکی ہے۔ اور ہزار ہا عیسائی اس تحریک کی برکت سے آغوش اسلام میں آرہے ہیں۔ اور تعلیم یافتہ عیسائیوں کے دل سے اسلام کے متعلق پرانے متعصبانہ خیالات دور ہو رہے ہیں۔ اور وہ اسلام کے متعلق نئی ریسرچ پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ اس وقت جماعت احمدیہ کے کئی مشن عیسائی ممالک میں جاری ہیں۔ اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

برق صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ روس تو عیسائیت کو چھوڑ چکا ہے اور اس کے اکثر افراد اس وقت دہریہ ہیں۔ اور اب خود عیسائی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ساری

دنیا میں عیسائیوں کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے۔ چنانچہ دنیا میں عیسائیوں کی کمی کے اعدادو شمار دیکھ کر اخبار ڈیلی ٹیلیگراف اینڈ مارننگ ۲۱، نومبر ۱۹۶۲ء کے شمارہ میں لکھتا ہے :-

"اس وقت Vatican میں جو دنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے رومن کیتھولک پادریوں کی کونسل ہو رہی ہے اس کا محرک دراصل یہ امر ہے کہ ساری دنیا میں عیسائیوں کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے اور یہ امر تمام عیسائی چرچوں کے لئے سخت فکر کا باعث بنا ہوا ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"افریقہ میں عیسائیت کو اسلام سے سخت خطرہ درپیش ہے کیونکہ عیسائیت کی نسبت اسلام لانے والوں کی تعداد دس گنا ہے۔"

جناب برق صاحب! دیکھا آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور پر خدا تعالیٰ نے آپ کی تائید میں ایک ایسی ہوا چلادی ہے اور آپ کی جماعت کو تبلیغی کوششوں میں ایسی برکت دی ہے کہ اب دنیا میں عیسائیت کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ اور اگر ایک عیسائی ہوتا ہے تو اس کے مقابل دس افراد اسلام قبول کرتے ہیں۔ یہ گواہی دشمن کی ہے۔

ایک مشہور مستشرق Van Zeuwen نے مشنری سکول کے طلبہ کی کانفرنس کے موقعہ پر بیان کیا :-

"گذشتہ صدیوں میں عیسائیت صرف مغربی ممالک تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ مسلم ممالک میں بھی پھیلی۔ مگر اب تصویر کا دوسرا رخ نظر آرہا ہے۔ اور ایک عرصہ سے اسلام بھی احمدیہ تحریک کے ذریعہ عیسائی ممالک میں پھیل رہا ہے۔"

مگر برق صاحب ہیں کہ وہ لکھتے ہیں :-

”مسیح موعود کی دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ کے زور سے ایک بھی عیسائی مسلمان نہ ہوا۔“

یہ مسیح موعودؑ کی دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ کا ہی زور ہے جس کی برکت سے اب اگر ایک عیسائی ہوتا ہے تو اس کے مقابلہ دس افراد اسلام قبول کررہے ہیں۔ جناب برق صاحب ذرا چشم بصیرت سے کام لیں تو انہیں نظر آسکتا ہے کہ آئندہ اسلام کے حق میں مذہبی انقلاب کی جڑھیں دنیا میں گاڑی جاچکی ہیں۔ بلکہ ان سے درخت پیدا ہوکر اب مضبوط ہوتا جارہا ہے۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ ایک دنیا اس درخت کے سایہ میں آرام پائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مشہور عالم مورخ پروفیسر ٹائن بی (professor toyn bee) نے اپنی کتاب سولیزیشن اون ٹرائل (civilization on trial) میں لکھا ہے۔

”مغرب سے ٹکراؤ کے نتیجہ میں اب اسلام میں پھر جوش پیدا ہورہا ہے۔ اس میں ایسی روحانی تحریکات جنم لے رہی ہیں جو ممکن ہے آئندہ جاکر عالمگیر مذہب اور تہذیب کی بنیاد بنیں مثلاً احمدیہ تحریک ہے۔“ (صفحہ ۲۰۴)

جناب برق صاحب! ممکن ہے کہ اس عالمگیر مذہب اور تہذیب کے فروغ کے وقت دنیا میں ہم دونو موجود نہ ہوں لیکن ہماری کتابیں تو موجود ہوں گی۔ اور مؤرخ اس وقت جو رائے آپ کے متعلق قائم کرے گا۔ آپ اس کی فکر کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی یہ کتاب اس وقت آپ کے نام پر دھبہ ثابت ہو۔ کیونکہ وہ زمانہ آرہا ہے جب وہ بات پوری ہوگی۔ جو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ پر الہاماً نازل فرمائی ہے۔ لَا نُبقِیُ لَکَ مِنَ الْمُخزِیَاتِ ذِکْراً وَ لَا نُبقِیُ مِنَ الْمُخزِیَاتِ شَیْئاً۔ اس وقت آپ کی یہ کتاب ردی کی ٹوکری میں داخل کرنے کے قابل سمجھی جائے گی۔ اور آپ کے متعلق لوگوں کی یہ رائے ہوگی کہ آپ خدا تعالیٰ کے مامور کے دشمن تھے کیونکہ تاریخ کسی کو

معاف نہیں کیا کرتی۔ اور مؤرخ کسی ظالم پر رحم نہیں کرتا۔

مباحثات کی کتابیں

حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا :-

"پرچہ نور افشاں (لدھیانہ کا عیسائی اخبار)...... میں نہایت گندی تحریریں شائع ہوئیں اور ان مؤلفین نے ہمارے نبی ﷺ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کئے کہ یہ شخص ڈاکو تھا چور تھا زنا کار تھا (معاذ اللہ)...... تو مجھے اندیشہ پیدا ہوا مبادا مسلمانوں کے دلوں پر...... کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو۔ تب میں نے...... یہی مناسب سمجھا کہ اس عالم جوش کے دباؤ کے لئے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سخت سے جواب دیا جائے تاکہ سریع الغضب مسلمانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بد امنی پیدا نہ ہو...... سو میری یہ پیش بینی کی تدبیر صحیح نکلی اور ان کتابوں کا یہ اثر ہوا کہ ہزار ہا مسلمان جو پادری عماد الدین کی تیز اور گندی تحریروں سے اشتعال میں آچکے تھے۔ یک دفعہ ان کے اشتعال فرو ہو گئے...... سو مجھ سے پادریوں کے مقابل پر جو کچھ وقوع میں آیا یہی ہے کہ حکمت عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں میں سے اول درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں۔" (ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۳ صفحہ ج)

جناب برق صاحب یہ اقتباس حرف محرمانہ کے صفحہ ۱۹۳ پر درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"دیکھا آپ نے کہ پادریوں سے مباحثہ کرنے میں حکمت عملی کیا تھی یہی کہ وحشی مسلمانوں میں اشتعال پیدا نہ ہو۔ اور حکومت کسی پریشانی کا شکار نہ ہو۔ اب بتائیے کہ مسیح موعود نے دجال کو کہاں اور کس طرح قتل کیا۔"

الجواب

حضرت اقدسؑ نے تو بعض وحشی مسلمانوں کا لفظ لکھا تھا۔ لیکن برق صاحب نے اعتراض کے موقعہ پر بعض کا لفظ اڑا کر وحشی مسلمانوں بنادیا ہے۔ صرف یہ تاثر پیدا کرنے کے لئے کہ حضرت اقدسؑ سب مسلمانوں کو وحشی قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ امر جناب برق صاحب کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔

افسوس ہے کہ برق صاحب کو نظر نہیں آیا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کس حکمت عملی سے دجال پادریوں کو ضرب لگائی ہے۔ کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ یعنی پادریوں کی گندہ دہنی کا منہ توڑ اور دندان شکن جواب بھی اسلام کی طرف سے ہو جائے اور گورنمنٹ بھی آپ کے سر نہ ہو سکے۔ پس اس حکمت عملی کے بیان میں یہی مصلحت تھی کاش آپ نظر بصیرت سے کام لیں۔ کیا آپ کو یہ پسند تھا کہ کشت خون ہو اور مسلمان مارے جائیں۔ اگر نہیں تو پھر گورنمنٹ کو یہ بتانا ضروری تھا کہ اس مدافعت میں آپ نے گورنمنٹ کا بھلا کیا ہے اور قوم سے بھی بھلائی کی ہے۔

پادری عماد الدین کی تحریریں تو ایسی اشتعال انگیز تھیں کہ پادری صفدر علی صاحب کو یہ لکھنا پڑا کہ ان تحریروں سے ممکن تھا۔ ۱۸۵۷ء کی طرح بغاوت ہو جاتی۔

پس اس طرح حضرت اقدس نے سختی سے پادریوں کو جواب دے کر بعض جوشیلے مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر کے قوم کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے اور انہیں جن کے پاس مقابلہ کے لئے بقول جناب برق صاحب لاٹھی بھی نہ تھی سخت تباہی بربادی اور فتنہ سے بچالیا ہے۔

برق صاحب کی ایک اور تحریف

برق صاحب لکھتے ہیں :-

”جب حکومت کابل نے دو احمدیوں ملا عبد الرحیم چہار آسیائی اور ملا انور علی کو موت کی سزا دی تو وہاں کی وزارت خارجہ نے اعلان ذیل جاری کیا۔“

”مملکت افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضہ سے پائے گئے جن سے پایا جاتا ہے یہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے۔“ (اخبار امان وافغان کابل ماخوذ از الفضل ۳ مارچ ۱۹۲۵ء)

الجواب

جناب برق صاحب نے اس عبارت کے پیش کرنے میں بھی حسب عادت دیانت سے کام نہیں لیا۔ اور یہ تاثر پیدا کرنا چاہا ہے کہ مملکت افغانیہ نے ان دو احمدیوں کو اس وجہ سے موت کی سزا دی تھی کہ ان کے قبضہ میں غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط پائے گئے تھے۔ حالانکہ غیر ملکی خطوط کا ہونا کوئی جرم نہیں۔ اگر وہ سازشی نہ ہوں۔ برق صاحب نے اس حوالہ کا آخری فقرہ درج نہیں کیا۔ وہ یہ ہے۔

”اس واقعہ کی تفصیل مزید تفتیش کے بعد شائع کی جائے گی۔“

اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ حکومت افغانستان اپنے اس الزام پر پختہ نہیں تھی۔ اور وہ ابھی مزید تفتیش کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اور اس نے اسے بعد میں شائع کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ الفضل نے اس کی تردید بھی کی تھی۔ مگر جناب برق صاحب حکومت افغانستان کے بیان کے اوپر کے حصہ کو بھی ترک کر رہے ہیں۔ اور الفضل کی تردید کا بھی ذکر نہیں کرتے۔ اور اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ عدالت نے ان لوگوں کو مذہبی اختلاف کی بناء پر قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ نہ کہ کسی سیاسی سازش کی بناء پر۔ اگر کوئی سیاسی سازش تھی تو حکومت نے کیوں اسے عدالت کے سامنے پیش نہیں کیا۔ پھر اگر کوئی خطوط پکڑے گئے تھے۔ اور حکومت نے اعلان کیا تھا۔ کہ :-

”کہ اس واقعہ کی تفصیل مزید تفتیش کے بعد شائع کی جائیگی۔“

تو وہ تفصیل کیوں شائع نہیں ہوئی۔ کیا حکومت کا فرض نہیں تھا کہ وہ اپنے اس بیان کے مطابق بعد میں تفتیش کے نتائج بھی شائع کرتی۔ مگر حکومت افغانستان نے کبھی ایسا نہیں کیا...... پس برق صاحب کی یہ کتاب حرف محرمانہ نہیں۔ بلکہ حرف مجرمانہ کہلانے کی مستحق ہے۔

ترکوں کی شکست پر اعتراض

جناب برق صاحب لکھتے ہیں ۲۷ نومبر ۱۹۱۸ء کو ترکوں کی مکمل شکست پر قادیان میں چراغاں کیا گیا جشن ہوئے۔

(بحوالہ ۳دسمبر ۱۹۱۸ء اخبار الفضل حرف محرمانہ صفحہ ۱۸۹)

الجواب

اصل حقیقت یہ ہے کہ خوشی کی یہ تقریب جس میں رات کو چراغاں کیا گیا۔ دراصل اتحادیوں کی فتح اور جرمنی کی مغلوبیت کے موقعہ پر منائی گئی۔ چنانچہ اخبار الفضل ۷ دسمبر ۱۹۱۸ء میں جماعت احمدیہ لدھیانہ کی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔

۱:۔"وہ مغرور و متکبر سلطنت جرمنی جو آج سے چند سال پیشتر تمام دنیا کو اپنے ظلم واستبداد کی حکومت کے ماتحت لانے کی خوابیں پریشان دیکھ رہی تھی اس پر برطانیہ عظمیٰ اور اس کے اتحادی طاقتوں کے کامل غلبہ اور اقتدار حاصل کر لینے پر ۲۷ نومبر کی تاریخ پنجاب میں اظہار تہنیت اور اظہار خوشی کے لئے مقرر کی گئی تھی۔"

۲:۔"اور خوشی کی یہ تقریب نہ صرف احمدیوں نے بلکہ صوبہ بھر کی تمام اقوام نے منائی تھی۔"

پس یہ کہنا کہ جماعت احمدیہ نے ترکوں کی شکست پر چراغاں کیا تھا۔ اصل حقیقت کو مسخ کر کے پیش کرنا ہے۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ترکوں نے جرمنی کے

ساتھ شامل ہو کر عربوں کو ناراض کر لیا تھا۔ اور عرب اتحادیوں سے مل گئے تھے جس کی وجہ سے عراق اور شام ترکوں کے تسلط سے آزاد ہو گئے تھے۔ اور عربوں کو امید تھی کہ ان کی متحدہ حکومت قائم کر دی جائے گی۔ اس لئے سب عرب خوشیاں منا رہے تھے۔ اگر اس موقعہ پر احمدیوں نے بھی چراغاں کیا۔ تو کیا جائے اعتراض ہے۔

یہ امر ضرور قابل افسوس ہے کہ ٹرکی نے جرمنی کے ساتھ متحد ہو کر اعلان جنگ کیا تھا۔ اور جرمنی کی شکست کے ساتھ اسے بھی شکست ہوئی۔ واضح رہے کہ عراق کے فتح کرنے میں ہندوستانی فوجوں کا بھی بہت کچھ دخل تھا۔ اور اس میں بڑی تعداد ہندوستانی فوجیوں کی تھی۔ جن میں ہزاروں حنفی، شیعہ یا اہل حدیث شامل تھے۔ اس وقت اہل حدیث کے لیڈر سلطان ابن سعود انگریزوں کی پشت پر تھے۔ جنہوں نے ٹرکی پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضہ میں کرنا شروع کر دیا تھا۔ ادھر ٹرکی کے رویہ کو ناپسند کرتے ہوئے عرب میں شریف حسین اور فلسطین، شام اور لبنان کے مسلمانوں نے فوراً ہی ٹرکی سے بغاوت کا اعلان کر دیا۔

برق صاحب نے حرف محرمانہ کے صفحہ ۲۰۵ پر الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء کے حوالہ سے خلیفۃ المسیح کی یہ عبارت پیش کی ہے۔

"حضرت عراق کو فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہایا اور میری تحریک پر سینکڑوں آدمی بھرتی ہو کر چلے گئے۔"

برق صاحب نے اس پر یہ نوٹ دیا ہے :-

"کس لئے ؟ جہاد کے لئے ؟ جہاد تو حرام تھا ؟ خوشنودیٔ انگریز کے لئے خواہ اللہ ناراض ہی رہے ظاہر ہے کہ جب آپ اللہ کی وحی یعنی ممانعت جہاد کی خلاف ورزی کریں گے تو خدا کا غضب بھڑکے گا۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۰۵)

الجواب

واضح ہو کہ جہاد بالسیف اس لڑائی کا نام ہوتا ہے جو مذہبی مدافعت کے لئے اس وقت لڑی جائے جب کہ کوئی قوم مذہب کے بارہ میں جبر کر رہی ہو۔ ترکوں کی لڑائی یا ترکوں سے لڑائی اسلامی جہاد ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک ملکی لڑائی تھی اور اعلان جنگ کرنے میں ٹرکی نے ابتداء کی تھی۔ اسلامی جہاد اس وقت فرض ہوتا ہے جب کفار کی طرف سے مذہب کے بارے میں جبر سے کام لیا جائے۔ اور مسلمانوں پر حملے میں ان کی طرف سے ابتداء ہو۔ پس اس لڑائی کو اسلامی جہاد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ جس سے خدا ناراض ہوتا۔ پھر احمدی تو غیر احمدی مسلمانوں کے مقابلہ میں فوج میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے۔ بلکہ ہندوستان کے ہزارہا مسلمانوں نے ٹرکی کے خلاف اس لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ اور عراق کو فتح کرنے میں اتحادیوں کی مدد کی تھی۔ اسی طرح سارے عرب اس موقعہ پر اتحادیوں کی پشت پناہ تھے۔ اس لئے اگر کچھ احمدی بھی اس جنگ میں شامل ہو گئے۔ تو انہوں نے کیا جرم کیا۔ جب کہ لاکھوں مسلمان اور خصوصاً عرب اس وقت اتحادیوں کے حامی تھے۔ کیا یہ عرب بھی انگریز کی خوشنودی کے لئے جنگ میں شامل ہو گئے تھے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ ٹرکی کے جرمن کے ساتھ مل جانے کے بعد اعلان جنگ کے غلط رویہ نے انہیں اتحادیوں کی حمایت کے لئے مجبور کیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں ٹرکی کا جرمنی کے ساتھ گٹھ جوڑ تھا۔ اور جرمنی حکومت تمام دنیا میں اپنا اثر اور نفوذ پیدا کرنا چاہتی تھی۔

مبلغ روس کے رویہ پر اعتراض

جناب برق صاحب نے لکھا ہے :-

"جب خلیفۃ المسیح نے مولوی محمد امین کو روس میں مبلغ بنا کر بھیجا تو وہ وہاں

گرفتار ہو گیا کیوں ؟"

خود مبلغ کی زبانی سنئے :-

"چونکہ سلسلہ احمدیہ اور برٹش گورنمنٹ کے باہمی مفاد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اس لئے جہاں میں اپنے سلسلہ کی تبلیغ کرتا تھا وہاں لازماً مجھے انگریزی گورنمنٹ کی خدمت گزاری کرنی پڑتی تھی۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۱۸۹۔ بحوالہ الفضل ۲۰ دسمبر ۱۹۲۳ء)

الجواب

مولوی محمد امین صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح نے کوئی ایسی ہدایت نہیں دے رکھی تھی کہ وہ روس میں جاکر گورنمنٹ انگریزی کی خدمت گذاری کرے۔

برق صاحب نے مولوی محمد امین صاحب کے جس خط کا حوالہ دیا ہے کہ وہ روس اور برطانیہ کے باہمی تعلقات کے متعلق ہے۔ (مولوی محمد امین) اس میں لکھتے ہیں۔ کہ روس اور انگریزوں کے تعلقات کے لحاظ سے میں انگریزی فوائد کو روسی فوائد پر ترجیح دیتا تھا۔ اب اس میں کون سے اعتراض کی بات ہے۔ اور اس سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ سکتا تھا۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلم مفاد کی حفاظت

جماعت احمدیہ نے کبھی اس بات کو پسند نہیں کیا کہ وہ انگریزوں کی ناجائز حمایت کرے۔ بلکہ جماعت نے ہمیشہ مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کی ہے۔ چنانچہ جب انگریزوں نے شریف حسین والئ مکہ کے ساتھ معاہدہ کر کے اسے توڑ دیا۔ اور عرب کے متحد کرنے میں اسکی مددنہ کی تو اس کے خلاف حضرت امام جماعت احمدیہ نے آواز بلند کی اور جب مسلمانوں میں یہ شور ہوا کہ انگریز حکومت مسلمان والیان

ریاست کو زیر اثر لانے کے لئے انہیں مدد دے رہی ہے۔ توامام جماعت احمدیہ نے اس کے خلاف بھی احتجاج کیا اور خود لارڈ چمیفورڈ کو لکھا کہ مسلمان عرب پر انگریزی حکومت کا تسلط کسی صورت میں بھی پسند نہیں کر سکتے۔

(ملاحظہ ہو الفضل مؤرخہ ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء)

والیٔ حجاز شریف حسین کی حمایت

جب حضرت امام جماعت احمدیہ کو یہ معلوم ہوا کہ انگریزوں نے والیٔ حجاز شریف حسین سے عرب کو متحد کر دینے کا جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہیں کر رہے تو آپ نے اس کے خلاف بھی آواز اٹھائی۔

چنانچہ ۲۱ جون کو شملہ میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کو جماعت احمدیہ کی طرف سے جو ایڈریس دیا گیا اس میں حجاز کی آزادی کا مسئلہ خاص طور پر پیش کیا گیا۔ اس ایڈریس کے بعض فقرات یہ ہیں۔

"ہمارے نزدیک اس سے بھی زیادہ یہ سوال اہم ہے کہ حجاز کی آزادی میں کسی قسم کا خلل نہیں آنا چاہیئے۔ جب حجاز کی آزادی کا سوال پیدا ہوا ہے تو اس وقت یہی سوال ہر ایک شخص کے دل میں کھٹک رہا تھا۔ کہ کیا ترکوں سے اس ملک کو آزاد کرنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ بوجہ بنجر علاقہ ہونے کے وہاں کی آمد کم ہو گئی۔ اور حکومت کے چلانے کے لئے ان کو غیر اقوام سے مدد لینی پڑے گی۔ اور اس طرح کوئی یورپین حکومت اس کو مدد دے کر اس کو اپنے حلقہ اثر میں لے آئے گی۔"

نئی خبریں اس شبہ کو بہت تقویت دینے لگی ہیں۔ رپورٹر نے پچھلے دنوں مسٹر چرچل جو وزیر نو آبادی ہیں ان کی ایک سکیم کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حجاز گورنمنٹ اپنے بیرونی تعلقات کو برٹش گورنمنٹ کی نگرانی میں دے دے اور اندرون ملک امن کا ذمہ لے تو گورنمنٹ برطانیہ اس کو سالانہ مالی امداد دیا کرے گی۔

اس سے تین شبہے پیدا ہوتے ہیں جن کے ازالہ کی طرف جناب کو فوراً ہوم گورنمنٹ کو توجہ دلانی چاہیئے۔

اوّل :- یہ سکیم وزیر نو آبادی ہائے نے تیار کی ہے جس کا آزاد ممالک سے کوئی تعلق نہیں۔

دوم :- فارن تعلقات کا کسی حکومت کے سپرد کر دینا آزادی کے صریح منافی ہے۔

سوم :- اندرونِ ملک میں امن کے قیام کی شرط آزادی کے مفہوم کو اور بھی باطل کر دیتی ہے۔ یہ تو گورنمنٹ کے اصلی کاموں میں سے ہے۔ اس شرط کے سوائے اس کے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے کہ اگر کسی وقت ملک میں فساد ہو گا تو برطانیہ کی حکومت کا حق ہو گا کہ وہاں کی حکومت کو بدل دے یا وہاں کے انتظام میں دخل دے یا فوجی دخل اندازی کرے۔ اور یقیناً اس قسم کی آزادی کوئی آزادی نہیں یہ پوری ماتحتی ہے۔ اور فرق صرف یہ ہے کہ حکومت برطانیہ حجاز پر براہ راست حکومت نہ کرے گی۔ بلکہ ایک مسلمان سردار کی معرفت حکومت کرے گی۔ اگر حجاز کی حکومت اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتی تو اس کو ترکوں کو انہی شرائط پر واپس کر دینا چاہیئے۔ جن شرائط پر مسٹر چرچل اسے انگریزی حکومت کے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جناب اس غلط قدم کے اٹھانے کے خطرناک نتائج پر ہوم گورنمنٹ کو فوراً توجہ دلائیں گے اور اس کے نتائج کو جلد شائع فرمائیں گے۔

(الفضل جلد ۹ نمبر ا مؤرخہ ۴ جولائی ۱۹۲۱ء)

ترکی کی حمایت

حضرت امام جماعت احمدیہ ۱۹۲۱ء میں اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں :-

"ہم نے باوجود بے تعلق اور علیحدہ ہونے کے پھر بھی معاہدہ ترکی کے بارہ میں اتحادیوں سے جو غلطیاں ہوئی تھیں۔ ان کے متعلق گورنمنٹ کو مشورہ دیا کہ ان

کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ان مشوروں کے مطابق ایک حد تک تھریس اور سمرنا کے معاملہ میں پچھلے معاہدہ میں اصلاح بھی کی گئی ہے۔ ہم نے عربوں کے معاملہ میں لکھا کہ وہ غیر قوم اور غیر زبان رکھتے ہیں۔ وہ آزادانہ رہنا چاہتے ہیں۔ نہ ان کو ترکوں کے ماتحت رکھا جائے نہ اتحادی ان کو اپنے ماتحت رکھیں...... پس ہم سے جس قدر ہو سکتا تھا۔ ہم نے کیا۔ رسالے ہم نے لکھ کر شائع کئے۔ چٹھیاں میں نے گورنمنٹ کو لکھیں اور جو غلطیاں میں نے گورنمنٹ کو بتائیں۔ گورنمنٹ نے فراخ حوصلگی سے ان میں سے بعض کو تسلیم کیا۔ اور ان کی اصلاح کے متعلق کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔ ہم نے ہزایکسی لینسی گورنر پنجاب کو میموریل بھیجا۔ ہم نے گورنر جنرل کو بھی لکھا۔ ولائت میں اپنے مبلغین کو ترکوں سے ہمدردی اور انصاف کرنے کے متعلق تحریک کرنے کے لئے ہدایت کی۔ امریکہ میں اپنا مبلغ بھیجا کہ علاوہ تبلیغ اسلام کے ترکوں کے متعلق جو غلط فہمیاں ان لوگوں میں مشہور ہیں ان کو دور کرے چنانچہ وہ وہاں علاوہ تبلیغ اسلام کے یہ کام بھی کر رہا ہے۔ اور کئی اخبارات میں ترکوں کی تائید میں آرٹیکل لکھے گئے ہیں۔ غرض ہماری طرف سے باوجود ترکوں سے بے تعلق ہونے کے محض اسلام کے نام میں شرکت رکھنے کے باعث ان کے لئے اس قدر جدوجہد کی گئی ہے۔ مگر ترکوں نے ہمارے لئے کیا کیا؟ جب ہمارے بعض آدمی ان کے علاقہ میں گیئے تو ان کو گرفتار کر لیا گیا۔" (الفضل جلد ۸ نمبر ۷۶، ۷۷ مؤرخہ ۱۱، ۱۴، اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ۵)

برق صاحب کا آخری اعتراض

برق صاحب حرف محرمانہ کے باب ہفتم کے آخر میں یوں معترض ہیں :-

"جب ۱۹۲۹ء میں لاہور کے ایک آریہ راجپال نے حضورؐ کے خلاف ایک کتاب "رنگیلا رسول" کے نام سے لکھی اور لاہور کے ایک نوجوان علم الدین نے اس کا کام تمام کر دیا تو حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا :-"

"وہ لوگ جو قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں مجرم ہیں اور اپنی قوم کے دشمن ہیں اور جوان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶)

برق صاحب اس مشورہ کو پسند کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"بہت عمدہ مشورہ ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۰۶)

لیکن لکھتے ہیں :-

"۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو ایک نوجوان احمدی محمد علی نے مولوی عبدالکریم اور اس کے ساتھی محمد حسین پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ عبدالکریم گھائل ہوئے اور محمد حسین ہلاک ہوئے۔ ملزم ۱۶ مئی کو سپردِ دار ہوا۔ اس کے جنازہ کو خلیفۃ المسیح نے کندھا دیا۔ اور وہ نوجوان نہایت احترام سے بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوا۔"

الجواب

محمد علی ایک نیا پٹھان احمدی تھا۔ جسے احمدیت کے مسلک سے پورے طور پر واقفیت نہ تھی۔ وہ عبدالکریم مباہلہ والے کی شرارتوں سے جوش میں آکر ان پر حملہ آور ہوا۔ اور محمد حسین اس حملہ میں اس کی غلطی سے ہلاک ہو گیا۔ اور وہ گرفتار ہو کر جب جیل میں گیا تو اسے فہمائش کی گئی کہ تم نے یہ فعل احمدیت کی تعلیم کے خلاف کیا ہے۔ جس پر اس نے توبہ کی باقی جرم کی اس نے حکومت سے سزا پالی اس کی توبہ کی وجہ سے ہی حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جنازہ کو کندھا دیا۔ اور توبہ کر لینے کی وجہ سے ہی وہ مطابق وصیت بہشتی مقبرہ میں دفن ہوا۔

☆☆☆

باب ہشتم

صداقت کے معیار

آٹھویں باب میں جناب برق صاحب نے صداقت کے چار معیار کے عنوان کے تحت حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے الفاظ میں کامل مومن کی شناخت کے لئے چار علامتوں کا ذکر کیا ہے۔

اول :- یہ کہ مومن کامل کو خدا تعالیٰ سے اکثر بشارات ملتی ہیں......

دوم :- یہ کہ مومن کامل پر ایسے امور غیبیہ کھلتے ہیں جو نہ صرف اس کی ذات اور اس کے واسطہ داروں سے متعلق ہوں۔ بلکہ جو کچھ دنیا میں قضاو قدر نازل ہونے والی ہے۔ یا بعض دنیا کے افراد مشہورہ پر جو کچھ تغیرات آنے والے ہیں۔ ان سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دی جاتی ہے۔

سوم :- یہ کہ مومن کامل کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں......

چہارم :- یہ کہ مومن کامل پر قرآن کریم کے دقائق و معارف جدیدہ و لطائف و خواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔ (آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۴)

یہ چار معیار بیان کرنے کے بعد برق صاحب لکھتے ہیں۔ امر اول اور دوم ''پیشگوئیوں'' کے ضمن میں آتے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق ''پیشگوئیوں'' کے باب میں بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف امر سوم اور چہارم کے متعلق عرض کیا جائے گا۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۱۱)

برق صاحب اس کے بعد ''قبولیت دعا'' کے عنوان کے تحت حضرت مسیح

موعودؑ کی صدہا دعاؤں میں سے جو صفائی سے قبول ہو کر نشان بنیں صرف دو دعاؤں کا ذکر کرتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ کے بغلی عنوان کے تحت لکھتے ہیں :-

"جناب مرزا صاحب نے بشارات فہم قرآن و قبولیت دعا کے سلسلہ میں علماء کو چیلنج دیا تھا کہ وہ آئیں اور مقابلہ کریں۔ اس چیلنج کو وہ بار بار دہراتے رہے یہاں تک ۱۹۰۲ء میں مولوی ثناء اللہ مقابلہ کے لئے اتر آیا..... اس کی تفصیل خود جناب مرزا صاحب سے سنئے :-"

"میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ درخواست کرتا ہے کہ میں (ثناء اللہ) اس طور کے فیصلہ کے لئے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین (یعنی میں اور وہ) یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے..... پس ہمیں کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں کیونکہ ان کا یہی چیلنج ہی فیصلہ کے لئے کافی ہے مگر شرط یہ ہو گی کہ کوئی موت قتل کی رو سے واقعہ نہ ہو۔ بلکہ بعض بیماری کے ذریعہ سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا کسی اور بیماری سے۔ تا ایسی کارروائی حکام کے لئے تشویش کا موجب نہ ٹھہرے اور ہم یہ بھی دعا کرتے رہیں گے کہ ایسی موتوں سے فریقین محفوظ رہیں صرف وہ موت کاذب کو آئے جو بیماری کی موت ہوتی ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۵، ۱۴)

برق صاحب آگے لکھتے ہیں :-

نیز شرط عائد کر دی کہ چیلنج ایک پوسٹر کی صورت میں ہونا چاہئے۔ جس کے نیچے پچاس آدمیوں کے دستخط ہوں۔ آیا ایسا کوئی پوسٹر مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے شائع ہوا تھا یا نہیں۔ ہمیں کوئی علم نہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ جناب مرزا صاحب نے مولوی صاحب کے اس ارادے کو ہی کافی سمجھا اور فرمایا مجھے کچھ ضرورت

نہیں کہ میں انہیں مباہلہ کے لئے چیلنج کروں یا ان کے بالمقابل مباہلہ کروں۔ ان کا اپنا مباہلہ جس کے لئے انہوں نے مستعدی ظاہر کی ہے میری صداقت کے لئے کافی ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۱۳)

پھر اس کے بعد اعجاز احمدی صفحہ ۱۷، ۱۶ کا حوالہ درج کیا ہے۔

"یا الٰہی تو ہمارے کاروبار کو دیکھ رہا ہے اور تیری عمیق نگاہوں سے ہمارے اسرار پوشیدہ نہیں۔ تو ہم میں اور مخالفوں میں فیصلہ کر دے اور وُہ جو تیری نظر میں صادق ہیں ان کو ضائع مت کر کہ صادق کے ضائع ہونے سے ایک جہان ضائع ہو گا۔ اے میرے قادر خدا تو نزدیک آجا اور اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھ۔ اور یہ روز کے جھگڑے قطع کر...... کیونکر میرا دل قبول کرے کہ تو صادق کو ذلت کے ساتھ قبر میں اتارے گا۔ اور اوباشانہ زندگی والے کیونکر فتح پائیں گے تیری ذات کی مجھے قسم ہے کہ تو ایسا ہرگز نہیں کرے گا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۷، ۱۶)

برق صاحب لکھتے ہیں :-

"پوسٹر نکلا علم نہیں مسیح موعود کی دعا کا تیر نکل چکا تھا ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۷ء کے درمیانی عرصہ میں مولوی صاحب اور جناب مرزا صاحب نے اس مقابلہ کے سلسلہ میں کیا کچھ کیا اور لکھا حجاب خفا میں ہے۔ البتہ اس موضوع پر ہمیں ۱۹۰۷ء میں جناب مرزا صاحب کا ایک فیصلہ کن اشتہار ملتا ہے یہ اشتہار مولوی صاحب کی طرف ایک کھلا خط ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۱۵)

اس کے بعد برق صاحب نے حضرت اقدس کے اس خط کا جو مضمون درج کیا ہے اور ۱۵ اپریل کے اس مضمون کو ۱۵ اپریل کا قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس تاریخ کی ڈائری میں یہ فقرہ بھی تھا۔ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا۔ وہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہی اس کی بنیاد رکھی گئی۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۱۷)

برق صاحب کی مغالطہ دہی

حالانکہ یہ ۱۴اپریل ۱۹۰۷ء کی ڈائری ہے جو بدر ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی مگر جناب برق صاحب اسے خط کے مضمون کی طرح ۱۵ اپریل کی ڈائری قرار دے رہے ہیں۔ تا یہ مغالطہ دے سکیں کہ اس خط میں جو دعا شائع کی گئی ہے کہ صادق کی زندگی میں جھوٹے کی موت ہو۔ یہ دراصل ایک پیشگوئی تھی جس کی بنیاد خدا تعالیٰ کی طرف سے رکھی گئی تھی۔ حالانکہ اس خط میں صاف یہ امر لکھا ہوا موجود تھا کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں پھر یہ خط ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء کا لکھا ہوا ہے اور ڈائری ۱۴، اپریل ۱۹۰۷ء کی ہے جس میں "ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے" کے الفاظ "جو کچھ" سے ۱۴، اپریل ۱۹۰۷ء سے پہلے کی تحریریں مراد ہیں۔ کسی بعد کی تحریر کی طرف ان کا اشارہ ہو ہی نہیں سکتا۔

برق صاحب کی حق پوشی

اس سارے مضمون میں برق صاحب نے کئی طرح حق پوشی سے کام لیا ہے۔

اوّل :- یہ کہ اعجاز احمدی میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق جو مضمون لکھا گیا تھا اس کے ایک ضروری فقرہ کو چھپایا ہے۔ جو ایک شرط کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس فقرہ کے اظہار سے جناب برق صاحب کا سارا تانا بانا ٹوٹ جاتا تھا وہ فقرہ یہ ہے کہ :-

"اگر اس چیلنج پر وہ (مولوی ثناء اللہ صاحب) مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

مگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے نہ تو یہ شرط قبول کی اور نہ کسی پوسٹر کے ذریعہ اپنی مستعدی کا اظہار کیا۔ اس جگہ برق صاحب اس حقیقت کو چھپا کر یہ کہہ کر

اعتراض کرنے کے لئے آگے بڑھ گئے ہیں کہ ایسا کوئی پوسٹر مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے شائع ہوا تھا یا نہیں علم نہیں۔ حالانکہ اگر آپ کو علم نہیں تھا تو آپ "حرف محرمانہ" لکھنے کیوں بیٹھے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کوئی پوسٹر مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے شائع نہیں ہوا بلکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس فیصلہ کے متعلق ٹال مٹول سے کام لیا۔ حضرت اقدس کی دعا جو صفحہ ۱۴، ۱۵ اعجاز احمدی میں بیان کی گئی ہے۔ وہ اس صورت میں نتیجہ خیز ہو سکتی تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس فیصلہ پر مستعد ہو جاتے کہ کاذب صادق سے پہلے مرے۔ حضرت اقدس نے اس وقت تک کوئی دعا کی ہی نہیں تھی۔ بلکہ ایک دعا تجویز کی تھی اور لکھا تھا کہ ثناء اللہ صاحب اس فیصلہ پر مستعد ہوئے تو ہم یہ دعا کرتے رہیں گے کہ صرف وہ موت کاذب کو آئے جو بیماری کی موت ہوتی ہے۔ چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس فیصلہ پر مستعد نہ ہوئے اس لئے حضورؑ نے ان کے متعلق خصوصیت سے کوئی دعا نہیں کی تھی ہاں عام دعا آپ نے کی تھی جو اعجاز احمدی صفحہ ۱۶،۱۷ میں درج ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ تو ہم میں اور مخالفوں میں فیصلہ کر دے اور انہیں جو تیری نظر میں صادق ہیں ضائع مت کر...... الخ۔

یہ مخصوص طور پر مولوی ثناء اللہ صاحب کے لئے دعا نہ تھی بلکہ سب مخالفوں کے مد نظر دعا تھی اس لئے اس کا ذکر اس جگہ برق صاحب کے لئے کوئی فائدہ بخش نہیں۔

پھر برق صاحب لکھتے ہیں :-

"۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۷ء کے درمیانی عرصہ میں مولوی صاحب اور مرزا صاحب نے اس مقابلہ کے سلسلہ میں کیا کچھ کہا اور لکھا حجاب خفا میں ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۱۵)

حالانکہ جب باقی لٹریچر برق صاحب کو مل گیا تھا تو ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۷ء کا درمیانی لٹریچر بھی شائع شدہ موجود تھا۔ اس لئے اس زمانہ کی تحریروں کو حجاب خفا میں قرار دینا اعتراض مضبوط کرنے کی خاطر اصل حقیقت کو چھپانا ہے ورنہ درمیانی زمانہ کی کوئی بات پردہ میں نہیں تھی۔ سب باتیں تحریر میں آچکی ہوئی تھیں۔ اس درمیانی زمانہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب مباہلہ کے لئے اپنی اس آمادگی سے پھر گئے تھے۔ جس کا ذکر اعجاز احمدی میں کیا گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب "الہامات مرزا" میں لکھ دیا۔

"چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں اور نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے۔ اس لئے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔" (الہامات مرزا بار دوم صفحہ ۸۵)

حالانکہ مباہلہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ دو ایسے شخصوں میں ہی ہو جو مدعی نبوت ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی معرفت بجز ان کے عیسائیوں کو دعوت مباہلہ نہ دی جاتی۔

پس مولوی ثناء اللہ صاحب اس کچے عذر سے اپنے چیلنج سے خود ہی پھر گئے جسے حضرت اقدس نے اعجاز احمدی میں قبول کر لیا تھا۔ مگر اس کے بعد پھر ترنگ میں آکر ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں انہوں نے بڑے طمطراق سے مباہلہ کا چیلنج دے دیا۔ چنانچہ اخبار مذکور میں لکھا :-

"مرزائیو! سچے ہو تو آؤ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ میدان عید گاہ تیار ہے۔ جہاں تم ایک زمانے میں صوفی عبد الحق غزنوی سے مباہلہ کر کے آسمانی ذلت اٹھا چکے ہو۔ اور امر تسر میں نہیں تو بٹالہ میں آؤ۔ سب کے سامنے کارروائی ہو گی۔ مگر اس کے نتیجہ کی تفصیل کرشن قادیانی سے پہلے کرا دو۔ اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں دعوت مباہلہ دی ہوئی ہے۔"

(اہلحدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء)

مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس چیلنج کے جواب میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے حکم سے بدر کے ایڈیٹر صاحب نے اخبار بدر ۴، اپریل میں "مولوی ثناء اللہ کا چیلنج منظور کر لیا گیا" کے عنوان کے ماتحت لکھا۔

"میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے وہ بے شک قسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور بے شک یہ کہیں اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو لعنت اللہ علی الکاذبین اور اس کے علاوہ ان کو اختیار ہے کہ اپنے جھوٹے ہونے کی صورت میں ہلاکت وغیرہ کے لئے جو عذاب اپنے لئے چاہیں مانگیں......اگر آپ اس بات پر راضی ہیں کہ بالمقابل کھڑے ہو کر زبانی مباہلہ ہو تو پھر آپ قادیان آسکتے ہیں۔ اور اپنے ساتھ دس تک آدمی لاسکتے ہیں۔ اور ہم آپ کا زادراہ آپ کے یہاں آنے اور مباہلہ کرنے کے بعد پچاس روپیہ تک دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ امر ہر حالت میں ضروری ہوگا۔ کہ مباہلہ کرنے سے پہلے فریقین میں شرائط تحریر ہو جائیں گے۔ اور الفاظ مباہلہ تحریر ہو کر اس تحریر پر فریقین اور اس کے ساتھ گواہوں کے دستخط ہو جائیں گے۔"

(بدر ۴/اپریل ۱۹۰۷ء)

اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے ۱۲، ۱۹، اپریل ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں جو اکٹھا ۱۲، اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع ہوا لکھا :-

"میں نے آپ کو مباہلہ کے لئے نہیں بلایا میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں کہ فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔ میں نے حلف اٹھانا کہا ہے مباہلہ نہیں کہا۔ قسم اور ہے اور مباہلہ اور ہے۔"

مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس چیلنج سے ظاہر ہے کہ اس میں دو دفعہ انہوں

نے مباہلہ کا لفظ استعمال کیا تھا اور کہا تھا کہ "انہیں ہمارے سامنے لاؤ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں دعوت مباہلہ دی ہوئی ہے۔" مگر جب حضرت اقدسؑ کی طرف سے مباہلہ کا چیلنج منظور کیا گیا تو وہ یہ طرح دے گئے کہ میں نے قسم کھانے پر آمادگی کی ہے نہ مباہلہ پر۔ مباہلہ میں تو فریقین قسم کھاتے ہیں۔ حضور نے اس سے یہ تاثر لیا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نہ تو کھل کر مباہلہ کرنے سے انکار کرتے ہیں اور نہ اس کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس پوزیشن کو واشگاف کرنے کے لئے ۱۵، اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک کھلی چٹھی بنام مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بعنوان "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" لکھی۔ اور اس میں اپنی طرف سے سنت اللہ کے مطابق ایک دعائے مباہلہ شائع کر دی۔ جس کا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں طاعون ہیضہ وغیرہ امراض سے ہلاک ہو۔

جناب برق صاحب نے درمیانی زمانے کی ان تحریروں کو حجاب خفا میں قرار دے کر انہیں پیش کرنے سے اس لئے گریز کیا ہے۔ تا وہ درمیانی کڑیوں کو جو مباہلہ سے تعلق رکھتی ہیں حذف کر کے حضرت اقدسؑ کی ۱۵، اپریل ۱۹۰۷ء والے مکتوب کی تحریر کو یکطرفہ دعا قرار دے سکیں اور اس پر اپنے اعتراض کی عمارت کھڑی کر سکیں ورنہ درمیانی زمانہ کی یہ باتیں پردہ خفا میں نہ تھیں۔ ہاں برق صاحب کے دل میں چور تھا کہ اگر درمیانی زمانہ کی تحریریں میں نے پیش کر دیں اور اس طرح یہ درمیانی کڑیاں میں نے خود واضح کر دیں تو ۱۵، اپریل ۱۹۰۷ء والے خط کی دعا یکطرفہ قرار نہیں دی جا سکتی۔ اور ان کے اعتراض کی عمارت از خود گر جائے گی۔

پھر اس سے بڑھ کر قابل افسوس امر یہ ہے کہ برق صاحب نے حضرت اقدس کا مولوی ثناء اللہ کی طرف ۱۹۰۷ء کا مکتوب تو نقل کر دیا ہے مگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس کا جو جواب دیا تھا وہ دانستہ چھپایا ہے یہ ان کی ایک غیر منصفانہ بلکہ

مجرمانہ حرکت ہے۔ کہ وہ حضرت اقدس کی تحریر تو پیش کرتے ہیں۔ لیکن مولوی ثناء اللہ صاحب کا جواب نقل نہیں کرتے تا یہ مغالطہ دے سکیں کہ حضرت مرزا صاحب اپنی اس دعا کے مطابق مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں فوت ہو کر اپنا جھوٹا ہونا ثابت کر گئے ہیں۔ میں یہ کیسے باور کروں کہ برق صاحب کو اس بات کا علم نہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت اقدس کے اس خط کو اپنے پرچہ اہلحدیث میں شائع کر کے کچھ عذرات پیش کئے تھے انہیں یقیناً ان عذرات کا پتہ ہو گا۔ اور اگر انہوں نے ان کا پتہ نہیں لگایا تو ان کی کتاب "حرف محرمانہ" کی بجائے حرف مجرمانہ کہلانے کی مستحق ہے۔ دیکھئے مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت اقدس کے خط کو اپنے پرچہ اہل حدیث میں شائع کر کے نیچے اس کی منظوری سے یوں انکار کرتے ہیں۔

"یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔"

(اخبار اہلحدیث ۲۶ / اپریل ۱۹۰۷ء)

مولوی ثناء اللہ صاحب کا انکار اس بات کا آئینہ دار ہے کہ ان کے نزدیک حضرت اقدس کی یہ دعا جو بعنوان "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" بصورت مسودہ شائع کی گئی تھی۔ یہ ان کی منظوری کے بغیر فیصلہ کن نہیں تھی۔ تبھی انہوں نے اس کی منظوری دینے سے انکار کر دیا۔ اگر وہ اسے مسودہ مباہلہ نہ سمجھتے تو اس کی منظوری سے انکار کے کوئی معنی نہیں بنتے۔

پس مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس طریق فیصلہ کی منظوری نہ دینے سے ظاہر ہے کہ فریقین کے درمیان آخری فیصلہ پر اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب اس فیصلہ پر مستعد نہیں ہوئے تھے کہ کاذب صادق سے پہلے مرے اندریں صورت اگر وہ پہلے فوت ہو جاتے تو ان کا حضرت مرزا صاحب سے پہلے مرنا ان کے ہوا خواہوں اور ہم عقیدہ لوگوں کے لئے کوئی حجت نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ خود مولوی

صاحب نے اسے حجت ماننے سے انکار کیا تھا۔

جب مدعی علیہ مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت اقدس کی زندگی کے ایام میں اس کو فیصلہ کن نہیں سمجھتے تھے تو اب برق صاحب کا اس کو فیصلہ کن قرار دینا کہاں کا انصاف ہے ؟

اگر مولوی ثناء اللہ صاحب اس فیصلہ پر مستعد ہو جاتے کہ کاذب صادق سے پہلے مرے اور عذرات سے اس طریق فیصلہ کو ٹالنے کی کوشش نہ کرتے اور حضرت اقدس کی وفات ان سے پہلے ہو جاتی تو برق صاحب اس دعا کو فیصلہ کن قرار دینے میں حق بجانب ہوتے۔ مگر اب تو وہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے عذرات کو چھپا کر سچائی کا خون کر رہے ہیں اور معاندانہ طریق سے دوسروں کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ محققانہ انداز میں کسی تحقیق کا پیش کرنا ان کے مد نظر نہیں۔

حرف آخر

۱۵؍ اپریل ۱۹۰۷ء والا خط محض دعائے مباہلہ کے مسودہ پر مشتمل تھا۔ مباہلہ میں فریقین ایک دوسرے پر بد دعا کرتے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب اس بد دعا کے لئے مستعد نہ ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مرے بلکہ عذرات نامناسب سے اس طریق فیصلہ ٹالنے کی کوشش کی اور اس طریق کو فیصلہ کن اور حجت ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ تحریر مجھے منظور نہیں۔ اس لئے مباہلہ وقوع میں نہ آیا۔

پس برق صاحب کا اس خط کو یکطرفہ دعا کی صورت میں فیصلہ کن قرار دینا اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس کے متعلق انکار کو اپنی کتاب کے پڑھنے والوں سے چھپانا صاف ان کی خرابی نیت کی غمازی کر رہا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ دعا یکطرفہ دعا کی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ اس خط میں آپ نے لکھا تھا۔ آپ سنت اللہ کے مطابق خدا سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور سنت اللہ یہ ہے کہ دو مباہلہ کرنے والوں میں سے

کاذب صادق کی زندگی میں ہلاک ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب خود تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے ہم نے تو یہ لکھا ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ کیا آنحضرت ﷺ کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہلاک ہو گئے تھے۔ ہزاروں اعداء آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔ ہم تو ایسی باتیں سن کر حیران ہو جاتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے الٹ پلٹ کر کے پیش کیا جاتا ہے اور تحریف کرنے میں وہ کمال کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں کیا کسی نبی، ولی، قطب، غوث کے زمانہ میں ایسا ہوا کہ سب اعداء مر گئے ہوں۔ بلکہ کافر منافق باقی رہ گئے تھے ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتے ہیں۔ ایسے اعتراضات کرنے والے سے پوچھنا چاہیئے کہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ جگہ تو نکالو جہاں یہ لکھا ہے۔"

(الحکم ۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

یہ عبارت مولوی ثناء اللہ صاحب کے نام ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کے خط والی تحریر سے بعد کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس صرف مباہلہ واقع ہونے کی صورت میں کاذب کا صادق سے پہلے مرنا ضروری قرار دیتے ہیں ورنہ یہ حقیقت آپ کو مسلّم ہے کہ صادق کے وفات پانے کے بعد اس کے اکثر منکر باقی رہتے ہیں۔ چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے انکار و فرار اور عدم منظوری کی وجہ سے مباہلہ وقوع میں نہیں آیا۔ اس لئے حضرت اقدس کا ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء والا خط محض مباہلہ کے لئے

ایک مسودہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں مذکورہ دعا صرف ایسی صورت میں فیصلہ کن اور نتیجہ خیز قرار دی جاسکتی تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیتے چونکہ انہوں نے منظور نہیں کیا۔ اس لئے برق صاحب کا اس دعا کو فیصلہ کن قرار دینا سراسر سچائی سے دشمنی اور عناد کا ثبوت ہے۔ غلام دستگیر قصوری نے یکطرفہ دعائے ہلاکت کی تھی۔ چنانچہ وہ حضرت اقدس کی زندگی میں ہلاک ہو کر آپ کی صداقت کو ثابت کر گیا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے بالمقابل حضرت اقدس نے کوئی یکطرفہ دعا نہیں کی۔ ہاں ایک دعا تجویز کی تھی چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس تجویز کو نہ مانا اس لئے مباہلہ وقوع میں نہ آیا۔

میر ناصر نواب صاحب کی روائت

اس موقعہ پر حضرت اقدس کی وفات کے ذکر میں برق صاحب نے میر ناصر نواب صاحب کی ایک روائت بھی نقل کی ہے۔

''کہ جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔''

ہمیں یہ روائت مسلم نہیں کیونکہ یہ واقعات کے صریح خلاف ہے۔ حضرت اقدس نے ہرگز وبائی ہیضہ سے وفات نہیں پائی۔ بلکہ آپ نے اسہال کی پرانی بیماری ہی کے حملہ پر وفات پائی ہے۔ نہ کہ ہیضہ سے۔ چنانچہ آپ کی وفات پر آپ کے معالج ڈاکٹر سدر لینڈ پرنسپل کالج لاہور نے سرٹیفکیٹ میں لکھا تھا کہ آپ کی وفات اعصابی اسہال کی بیماری سے ہوئی ہے۔

برق صاحب لکھتے ہیں :-

''ہیضہ تھا یا نہیں اس کا فیصلہ اطباء پر چھوڑتا ہوں۔''

سو وہ اطباء جو آپ کے معالج تھے وہ تو سب ڈاکٹر سدر لینڈ صاحب کی رائے

سے متفق تھے۔

اب برق صاحب اور کن اطباء پر فیصلہ چھوڑتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر ناصر نواب صاحب نے وبائی ہیضہ کے متعلق حضرت اقدس کے استفہامیہ فقرہ کو جملہ خبریہ سمجھ لیا تھا۔ اگر بالفرض آپ نے یہ فقرہ بطور جملہ خبریہ ہی فرمایا ہو تو۔ یہ معالج ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق نہیں لہذا بیماری کی صحیح تشخیص وہی ہے جو ڈاکٹروں نے کی۔ اور وہ پرانی اعصابی تکلیف کا دورہ تھا۔ جس کے نتیجہ میں اسہال سے آپ کی وفات ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر عبدالحکیم

جس طرح برق صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی عذرات پر مشتمل تحریر کو چھپا کر انصاف کا خون کیا ہے۔ اسی طرح اسکے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم کے ذکر میں برق صاحب نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی آخری پیشگوئی کو چھپا کر جو اس کی پہلی پیشگوئیوں کی ناسخ تھی اخفائے حق سے کام لیتے ہوئے ایک مجرمانہ حرکت کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم سے متعلقہ پیشگوئی پر مضمون آپ نے حرف محرمانہ صفحہ ۲۲۱ تا صفحہ ۲۲۸ تک لکھا ہے۔ برق صاحب نے شروع میں ڈاکٹر عبدالحکیم کی اس پیشگوئی کا ذکر کیا ہے۔ جس میں ڈاکٹر مذکور نے حضرت اقدس کے تین سال کے اندر ہلاک ہونے کی خبر دی۔ اور اس کے بالمقابل حضرت اقدس نے اپنی پیشگوئی شائع فرمائی۔ جس میں آپ کی یہ دعا مذکور ہے۔ "رَبِّ فَرِّق بَیۡنَ صَادِقٍ وَ کَاذِبٍ۔"

اے میرے خدا صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا۔

(اشتہار ۱۶/ اگست ۱۹۰۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۳)

برق صاحب لکھتے ہیں :-

یہ الہام پڑھ کر ڈاکٹر نے اپنے پہلے الہام میں یوں ترمیم کی :-

"اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے سہ سالہ میعاد میں سے جو ۱۱، جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہوتی ہے۔ دس مہینے اور گیارہ دن اور گھٹا دیئے اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہاماً فرمایا کہ مرزا آج سے چودہ ماہ تک بہ سزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔"

برق صاحب لکھتے ہیں اس کے جواب میں جناب مرزا صاحب نے ۵ر نومبر ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان تبصرہ شائع کیا۔ جس میں یہ الہام بھی درج تھا۔

"اپنے دشمن سے کہہ دے خدا تجھ سے مؤاخذہ کرے گا اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے صرف چودہ مہینے تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ یا ایسا ہی دوسرے دشمن جو پیشگوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کروں گا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۲۵)

اس کے بعد برق صاحب حضرت اقدس کی عبدالحکیم خان کی پیشگوئی کے متعلق چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۱، ۳۲۲ کی عبارت لکھتے ہیں۔ جس میں اس کی پیشگوئی کے بالمقابل لکھا ہے۔

"اس پیشگوئی کے مقابل پر مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ وہ خود عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور خدا اس کو ہلاک کرے گا۔ اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔"

اس پر برق صاحب بطور نتیجہ لکھتے ہیں :-

"مقابلہ کی صورت بالکل صاف ہوگئی کہ ڈاکٹر نے کہا جناب مرزا صاحب کی وفات ۴ر اگست ۱۹۰۸ء سے پہلے ہوگی۔ مرزا صاحب نے فرمایا اللہ نے مجھے لمبی عمر کی بشارت دی ہے نیز کہا میں ان سب کو جھوٹا کروں گا...... خدا صادق کی مدد کریگا.......... لیکن ہوا کیا یہی کہ چند روز بعد جناب مرزا صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اور ڈاکٹر برسوں بعد زندہ رہا۔ قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کا وہ وعدہ کیا ہوا۔ "اپنے دشمن سے کہہ دے

خدا تجھ سے مؤاخذہ کرے گا۔ اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا...... ان سب کو جھوٹا کروں گا۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۲۷)

اس موقعہ پر بھی برق صاحب سے ایک مجرمانہ فروگذاشت ہوئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر عبدالحکیم خان کے آخری الہام کو چھپایا ہے جس نے اس کے سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے الہامات جو اس بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو ہوئے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ حق و باطل میں فرق ہو گا۔ اور خدا تعالیٰ آپ کے دشمن کو جھوٹا کریگا۔ اور آپ کو اس کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ بے شک اس میں عبدالحکیم خان کے چودہ ماہ والی درمیانی زمانہ کی پیشگوئی کے بالمقابل خدا تعالیٰ نے آپ کی عمر بڑھا دینے کا ایک الہام میں ذکر کیا تھا۔ مگر جب حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان اپنے اس الہام پر قائم ہی نہیں رہا تھا۔ اور اس نے اپنا جدید الہام پیسہ اخبار ۱۵ر مئی ۱۹۰۸ء میں جو اس کے پہلے الہامات کا ناسخ تھا شائع کرا دیا تھا۔ تو اس کے بعد اس مشروط اور متقابل الہام سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ دیکھئے ڈاکٹر عبدالحکیم خان ایڈیٹر پیسہ اخبار کو لکھتا ہے۔

مکرم بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے الہامات جدیدہ جو مرزا غلام احمد کے متعلق ہیں اپنے اخبار میں شائع فرما کر ممنون فرماویں۔

۱- مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ (بکرمی سال) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

۲- مرزا کے کنبہ میں سے ایک بڑی معرکۃ الآراء عورت مر جائے گی۔

والسلام

خاکسار عبدالحکیم خان ایم' بی پٹیالہ ۸ر مئی ۱۹۰۸ء

پس ڈاکٹر عبدالحکیم خان نے اپنے اس جدید الہام سے اپنے چودہ ماہ میعاد والے الہام اور ۴۔اگست ۱۹۰۸ء تک کی میعاد والے الہام کو منسوخ کر دیا کیونکہ اب اس نے حضرت اقدس کی وفات کی ایک معین تاریخ مقرر کر دی تھی۔اس لئے خدا تعالیٰ کے لیے اب ضروری نہ رہا کہ وہ عبدالحکیم کے پہلے چودہ ماہہ الہام کے بالمقابل حضرت اقدس کی عمر بڑھانے والے الہام پر عمل کرے۔ کیونکہ یہ عمر بڑھانے والا الہام ۱۴ ماہہ میعاد کے مقابلہ میں تھا۔ جب وہ میعاد قائم نہ رہی تو اذافات الشرط فات المشروط کے مطابق ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے حضرت اقدس کی عمر بڑھانے کی ضرورت بھی نہ رہی۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے سابقہ الہامات کے مطابق جو آپ اپنے رسالہ الوصیت وغیرہ میں شائع فرما چکے تھے۔ ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو وفات دے دی اور ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی پیشگوئی کا جھوٹا ہونا ظاہر کر دیا۔ عمر بڑھانے کی پیشگوئی میں بھی اصل مقصود دشمن کو جھوٹا کرنا بتایا گیا تھا۔جب دشمن نے اپنی پہلی پیشگوئیوں کو آپ منسوخ کر دیا۔ تواب دشمن کے جھوٹا کرنے کے لئے یہ امر کافی تھا کہ حضرت اقدس اس کی بیان کردہ معین تاریخ ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ مطابق ۴ر اگست ۱۹۰۸ء کو وفات نہ پائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عبدالحکیم خان خود مانتا ہے کہ اس نے ۴ر اگست تک والے الہام کو بھی منسوخ کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کا رسالہ اعلان الحق واتمام الحجہ پڑھیں تو وہ اس کے صفحہ ۱۰، ۱۱ پر لکھتا ہے۔

"ایک موقعہ پر بے اختیار میری زبان سے یہ بددعا نکلی کہ خدایا اس ظالم کو جلد غارت کر اس لئے ۴ اگست ۱۹۰۸ء مطابق ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ کی میعاد بھی منسوخ ہو گئی۔"

پس ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کو اوپر کے اعلان میں ۴ر اگست تک والی پیشگوئی کو منسوخ کرنے کا خود اعتراف ہے۔ یہ ایسا واضح اعتراف ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب

معاند احمدیت کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ :-

"ہم خدا لگتی کہنے سے رک نہیں سکتے کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی چودہ ماہہ پیشگوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے جیسا کہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ ۱۵ مئی کے اہل حدیث میں ان کے الہامات درج ہیں۔ ۲۱ ساون یعنی ۴ اگست کو مرزا مرے گا۔ تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا جو معزز پیسہ اخبار نے ۲۷ کے روزانہ پیسہ اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چبھتا ہؤا کیا ہے کہ ۲۱ ساون کو کی بجائے ۲۱ ساون تک ہوتا تو خوب ہوتا۔ غرض سابقہ پیشگوئی سہ سالہ اور چودہ ماہہ کو اسی اجمال پر چھوڑے رہتے اور ان کے بعد میعاد کے اندر تاریخ کا تقرر نہ کر دیتے تو آج یہ اعتراض پیدا نہ ہوتا۔" (اخبار اہل حدیث ۱۲/ جون ۱۹۰۹ء صفحہ ۷)

پس حضرت اقدس کی وفات کا ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء کو اپنی پیشگوئیوں کے مطابق واقع ہونا ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی پیشگوئی کو جھوٹا ثابت کر رہا ہے۔

حضرت اقدس کو اپنی وفات کے متعلق مندرجہ ذیل الہامات ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی سے پہلے ہو چکے تھے۔

قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ......قَلَّ مِيْعَادُ رَبِّكَ ......جَآءَ وَقْتُكَ وَقَرُبَ مَاتُوْعَدُوْنَ۔

"تیری اجل مقدر قریب آگئی ہے۔ تیری نسبت خدا کی میعاد مقررہ تھوڑی رہ گئی اور جو وعدہ کیا گیا وہ قریب ہے"...... آگے چلکر فرماتے ہیں "پھر بعد اسکے خدا تعالیٰ نے میری وفات کی نسبت اردو زبان میں مندرجہ ذیل کلام کے ساتھ مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اداسی چھا جائے گی۔"

(الوصیت صفحہ ۳)

۲۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں رویا دیکھا جو انہی دنوں شائع ہو گیا۔ اس سے ظاہر تھا کہ حضور

کے ایام حیات میں سے دو تین سال باقی رہ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ رؤیا یہ ہے۔

ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے۔ پانی دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے۔ لیکن بہت مصفّٰی اور مقطر پانی ہے۔ اور اس کے ساتھ الہام ہوا آبِ زندگی۔

(ریویو آف ریلیجنز دسمبر ۱۹۰۵ء)

چنانچہ اس رویاء کے اڑھائی سال بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

یہ رویا اور الہامات بتا رہے تھے ۱۹۰۵ء سے حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی کے صرف ۲½ اڑھائی سال باقی رہ گئے ہیں۔ اور حضور کا جلد وصال ہونے والا ہے۔ چنانچہ ان الہامات کے مطابق حضور کی وفات لاہور میں ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔

یہ پیشگوئیاں ڈاکٹر عبدالحکیم کی حضرت اقدس کی وفات کے متعلق پیشگوئیوں سے پہلے کی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے انہیں کو دیکھ کر ڈاکٹر عبدالحکیم نے اندازہ کر کے پیشگوئیاں کر دیں تھیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے انہیں جھوٹا کیا۔

اب کون انصاف پسند ہے جو حضرت اقدس کے ان الہامات اور ہمارے سارے بیان کو پڑھنے کے بعد آپ کی وفات کو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی کسی نام نہاد پیشگوئی کا نتیجہ قرار دے سکے۔ جبکہ ڈاکٹر عبدالحکیم خود اپنی پیشگوئیوں کو یکے بعد دیگرے منسوخ کر چکا تھا۔ اور اس کی آخری پیشگوئی کہ آپ کی وفات ۴ اگست ۱۹۰۸ کو ہو گی صاف جھوٹی نکلی ہے۔ پس حضرت اقدس کی الہامی دعا رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَ کَاذِبٍ پوری ہو گئی اور خدا تعالیٰ نے ڈاکٹر عبدالحکیم خان کی جھوٹی پیشگوئیوں کا پول کھول دیا اور اسے مغلوب کر دیا۔ اور بعد میں سل کی بیماری میں مبتلا کر کے اسے ہلاک کر دیا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

☆☆☆

فہم قرآن

خدا تعصب اور عناد کا بُرا کرے۔ جب یہ کسی دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو اسے مخالف کی خوبیاں نظر نہیں آتیں بلکہ خوبیاں بھی عیب ہی دکھائی دیتی ہیں۔ اس تعصب اور عناد کے جذبہ سے سرشار ہو کر برق صاحب لکھتے ہیں :-

"جناب مرزا صاحب کی بہتّر تصانیف میں ان تین چار آیات نبوت کے بغیر قرآن کا کوئی نظریہ یا کوئی اور آیت زیر بحث نہیں آئی جس سے ہم اندازہ لگا سکتے کہ قرآن کے متعلق آپ کا علم کیا اور کتنا ہے ہاں ضمناً دو چار آیات ضرور آئیں۔ لیکن وہ کسی فیصلہ تک پہنچانے کے لئے ناکافی تھیں۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۳۳، ۲۳۴)

افسوس ہے کہ برق صاحب نے وہ دو چار آیات بھی پیش کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ برق صاحب کا یہ بیان سراسر دروغ بے فروغ ہے کہ حضرت اقدس کی کتب میں صرف دو چار آیات زیر بحث آئی ہیں اور ان سے بھی آپ کے مبلغ علم کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ان کا ایسا کہنا تعصب کی انتہا ہے ورنہ حضرت اقدس نے سینکڑوں آیات قرآنیہ کی تفسیر کر کے دشمنان اسلام کو منہ توڑ جواب دیا ہے۔ کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام و اسلامی اصول کی فلاسفی اور براہین احمدیہ حصہ پنجم اور چشمۂ معرفت وغیرہ کا مطالعہ ہی اس بات کے لئے کافی سے بڑھ کر گواہ ہے۔ آپ نے اسلامی اصول کی فلاسفی میں پانچ مشکل سوالوں کے جواب میں جو تقریر تحریر فرمائی تھی اس کے سننے والے اور اس پر تبصرہ کرنے والے اس کی تعریف میں از حد رطب اللسان رہے ہیں مگر افسوس ہے کہ برق صاحب کی آنکھیں حضرت اقدسؑ کے تفسیری کمالات کو سمجھنے کی طرف سے بند ہیں۔ وہ براہین احمدیہ کے ذکر میں اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۴ پر لکھتے ہیں :-

”اس کے بعد علمی حصہ آتا ہے۔ جس کی زبان اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی کچھ پلے نہیں پڑتا۔ تصوف و منطق کی اصطلاحات کا استعمال کچھ اس طریق سے ہوا ہے کہ ان اصطلاحات کا عالم بھی گھبرا جائے۔“

اس کے بعد انہوں نے براہین احمدیہ سے تین اقتباسات اپنے اس خیال باطل کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ میں وہ اقتباسات اپنے ناظرین کتاب کے سامنے رکھوں یہ بتانا ضروری ہے کہ براہین احمدیہ ایک علمی رنگ کی کتاب ہے۔ اور یہ ان علماء مذاہب کی خاطر لکھی گئی ہے جنہیں قرآن کریم کی حقیقت اور حقانیت پر اعتراض تھا۔ غالباً اس زمانہ کے لٹریچر میں سے مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے آریوں کے مقابلہ میں بیانات اور مسلمان علماء سے مباحثات برق صاحب کی نظر سے نہیں گزرے۔ اگر وہ ان کی نظر سے گزرتے تو پھر وہ حضرت مسیح موعود کی ان عبارات کو کبھی بصورت اعتراض پیش نہ کرتے۔ ان عبارات کے متعلق برق صاحب کا یہ بیان کہ ان کی زبان اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی کچھ پلے نہیں پڑتا سراسر تعصب کا کرشمہ ہے۔

ان کا پیش کردہ اقتباس اول یہ ہے :-

”اور یہ اصولِ عام جو ہر یک صادر من اللہ سے متعلق ہے دو طور سے ثابت ہوتا ہے اول قیاس سے ! کیونکہ ازروئے قیاس صحیح و مستحکم کے خدا کا اپنی ذات اور صفات اور افعال میں واحد لاشریک ہونا ضروری ہے اور اس کی کسی صنعت یا قول یا فعل میں شراکت مخلوق کی جائز نہیں۔“ (براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۴۶ طبع اول)

اس عبارت میں جس اصول عام کا ذکر موجود ہے اس کی تفصیل اس عبارت سے پہلے صفحہ ۱۴۵، ۱۴۶ پر یوں درج ہے :-

”جو چیز محض قدرت کاملہ خدا تعالیٰ سے ظہور پذیر ہو۔ خواہ وہ چیز اس کی

مخلوقات میں سے کوئی مخلوق ہو۔اور خواہ وہ اس کی پاک کتابوں میں سے کوئی کتاب ہو جو لفظاً اور معناً اس کی طرف سے صادر ہو اس کا اس صفت سے متصف ہونا ضروری ہے کہ کوئی مخلوق اس کی مثل بنانے پر قادر نہ ہو۔"

اس کے بعد برق صاحب کی پیش کردہ عبارت ہے۔ پہلی عبارت میں یہ بیان ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ سے صدور پانے والی شئی کے مثل لانے پر کوئی شخص مخلوق میں سے قادر نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اگلی عبارت میں جو برق صاحب نے پیش کی ہے فرماتے ہیں کہ یہ اصول عام (یعنی خدا سے صادر شدہ چیز کے بنانے پر مخلوق میں سے کسی کا قادر نہ ہونا ایک عام اصول ہے) جو خدا کی ہر مخلوق شئی پر منطبق ہوتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں اس عام اصول کا ثبوت دو طور سے ملتا ہے۔ اور پھر پہلا طریق اس کا قیاس بتاتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح اور مستحکم قیاس کی رو سے خدا کا اپنی ذات میں بھی لاشریک ہونا ضروری ہے۔ اور صفات و افعال میں بھی اور اس کی کسی صفت یا قول یا فعل میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی۔

یہ مضمون ایسا صاف اور واضح ہے کہ بجز کودن اور غبی کے ہر پڑھا اردو دان اس عبارت سے اس مفہوم کو اخذ کر سکتا ہے۔ پس اس مفہوم کو سمجھانے کے لحاظ سے عبارت زیر بحث میں کوئی الجھاؤ موجود نہیں صرف قیاس کا لفظ ایک منطقی اصطلاح ہے۔ کیونکہ یہ تقریر آریوں وغیرہ کے بالمقابل لکھی گئی اور ان کی بحثیں بھی چونکہ منطقیانہ اور فلسفیانہ ہوتی تھیں۔اس لئے یہ منطقی اصطلاح استعمال کی گئی۔اس کے بعد اس قیاس پر دلیل قائم کی گئی ہے" جس کا برق صاحب نے ذکر نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت اقدس فرماتے ہیں :-

"دلیل اس پر یہ ہے کہ اس کی کسی صنعت یا قول یا فعل میں شراکت مخلوق کی جائز ہو تو البتہ پھر سب افعال اور صفات میں جائز ہو اور اگر سب صفات ! ر افعال میں

جائز ہو تو پھر کوئی دوسرا خدا پیدا ہونا بھی جائز ہو کیونکہ جس چیز میں تمام صفات خدا کی پائی جائیں اسی کا نام خدا ہے۔ اور اگر کسی چیز میں بعض صفات باری تعالیٰ کی پائی جائیں تب بھی وہ بعض میں شریک باری تعالیٰ کے ہوئے۔ اور شریک الباری بہ بدایت عقل ممتنع ہے۔ پس اس دلیل سے ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کا اپنی تمام صفات اور اقوال اور افعال میں واحد لاشریک ہونا ضروری ہے۔"

اس کے بعد کی عبارت وہ دوسرا اقتباس ہے جو برق صاحب نے درمیان سے عبارت چھوڑ کر پیش کیا ہے تا عبارت الجھ جائے اصل عبارت یہ ہے :-

"اور ذات اس کی تمام نالائق امور سے منزّہ ہے جو شریک الباری پیدا ہونے کی طرف منجر ہوں۔ دوسرا ثبوت اس دعویٰ کا استقراء تام سے ہوتا ہے۔ جو ان سب چیزوں پر جو صادر من اللہ ہیں نظرِ تدبر کر کے بپایہ صحت پہنچ گیا ہے۔"

اس کے بعد کی عبارت یہ ہے جو برق صاحب نے پیش نہیں کی۔ "کیونکہ تمام جزئیات عالم جو خدا کی قدرت کاملہ سے ظہور پذیر ہیں جب ہم ہر ایک کو ان میں سے عمیق نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اعلیٰ سے ادنیٰ تک بحدیکہ حقیر سے حقیر چیزوں کو جیسے مکھی اور مچھر اور عنکبوت وغیرہ ہیں خیال میں لاتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی ایسی چیز ہم کو معلوم نہیں ہوتی جن کے بنانے پر انسان بھی قدرت رکھتا ہو۔"

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں واضح ہے۔ اس میں کوئی الجھاؤ موجود نہیں اس میں ثبوت کے دوسرے طریق کا نام استقرائے تام بتایا گیا ہے۔ یہ بے شک منطقی اصطلاح ہے۔ مگر حضور نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اس عبارت سے استقرائے تام کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ عبارت سے ظاہر ہے کہ استقرائے تام کی صورت اس جگہ یوں بتائی ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں پر اعلیٰ سے ادنیٰ تک نظر کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایسی چیز ہم کو معلوم نہیں ہوتی جس کے

بنانے پر انسان قدرت رکھتا ہو۔

اب یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں صاف ہے کہ منطق کی دلیل استقرائے تام سے یہ ثابت ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے صادر ہو اس کے بنانے پر کوئی بشر قادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دنیا کی تمام جزئیات پر نظر کر کے ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔

ہاں اوپر کی عبارت میں متنزّہ اور منجر کے الفاظ عربی ہیں مگر وہ عبارت میں اس طرح ترتیب دیئے گئے ہیں کہ بادنیٰ تامل ان کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ فقرہ کہ ذات اس کی ان تمام نالائق امور سے متنزّہ ہے سے صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خدا کی ذات نالائق باتوں سے پاک ہے اور آگے نالائق امور یہ بیان کئے گئے ہیں جو شریک باری پیدا کرنے کی طرف "منجر" ہوں۔
یعنی جن کو مان کر خدا کا کوئی شریک ماننا پڑے۔

"تیسرا اقتباس براہین احمدیہ حصہ دوم حاشیہ نمبر ۱۱ صفحہ ۱۷۱ طبع اول سے برق صاحب یوں پیش کرتے ہیں۔"

"عیسائیوں کا قول ہے کہ صرف مسیح کو خدا ماننے سے انسان کی فطرت مقلب ہو جاتی ہے اور گو کیسا ہی کوئی من حیث الخلقت قوائے سبعیہ یا قوائے شہویہ کا مغلوب ہو یا قوت عقلیہ میں ضعیف ہو وہ فقط حضرت عیسیٰ کو خدا کا اکلوتا بیٹا کہنے سے اپنی جبلی حالت چھوڑ بیٹھتا ہے۔"

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح کو خدا ماننے سے انسان کی فطرت بدل جاتی ہے۔ یہ مضمون اس عبارت سے نہایت آسانی سے تھوڑا سا علم رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے اس موقع پر حضرت مسیح موعودؑ نے اسلام کے اس نظریہ کو کہ فطرت تبدیل نہیں ہو سکتی قرآن کریم کی آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم : ۳۱) سے پیش کیا ہے اور ذیل کی آیات

قرآنیہ کی رو سے اس پر مبسوط بحث کی ہے وہ آیات یہ ہیں۔

۱- فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ۔ (فاطر : ۳۳)

۲- فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا۔ (الشّمس : ۹)

۳- وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا۔

(النّساء : ۱۱۱)

مگر برق صاحب کو حضرت صاحب کی بہتّر (۷۲) کتابوں میں صرف دو تین آیتں نظر آئی ہیں وہ بھی بقول انکے مبلغ علم کا اندازہ لگانے کے لئے ناکافی ہیں۔ اگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھتے تو صفحہ ۱۷۱ کے ذیل میں ہی جو حاشیہ ہے اس میں اوپر کی تین آئیتں زیر بحث لاکر ان سے انسانی فطرت کی حقیقت پر قرآن شریف کی رو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد سورہ نور کی آیت اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ کی لطیف تفسیر پیش کی گئی ہے اور مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ کی حقیقت کو آنحضرت ﷺ کے وجود کے ذریعہ ثابت کیا ہے یہ مضمون بھی طالبان بصیرت کے لئے پر از معرفت ہے۔

اسی طرح خود براہین احمدیہ میں بیسوں آیات کی تفسیر موجود ہے صفحہ ۴۲۷ پر توحید کے بارہ میں وید کی شرتیوں کے مقابلہ میں جن میں شرک کی تعلیم دی گئی ہے آیات قرآنیہ سے توحید الٰہی کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

پس برق صاحب کی یہ کس قدر تنگ دلی ہے کہ بجائے اس کے کہ ان کا دل شکریہ کے جذبات سے پُر ہوتا کہ ایک مرد مجاہد نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے وجود میں اسلام کی بے نظیر مدافعت کر کے ایک عظیم الشان خدمت سر انجام دی۔ اور اسلام کی لاج رکھ لی ہے۔ وہ الٹا آپ کو کوس رہے ہیں کہ آپ کی کتابوں میں کوئی علم قرآن موجود نہیں۔ اور اپنی کتاب کا نام حرف محرمانہ رکھتے ہیں جو دراصل حرف مجرمانہ کہلانے کی مستحق ہے۔

ترجمہ و تفسیر پر اعتراضات کے جوابات

اوّل :- برق صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن میں بار بار ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کسی ایک جہت میں مقید نہیں بلکہ اَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۔(البقرہ :۱۱۶)(تم جدھر بھی منہ پھیرو گے اللہ کو سامنے پاؤ گے)۔ لیکن جناب مرزا صاحب اسی آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔ "جدھر تیرا منہ خدا کا اسی طرف منہ ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۴۹)

برق صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ اس ترجمہ سے خدا تعالیٰ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے کہ تو جدھر منہ پھیرے خدا بھی ادھر منہ پھیر لیتا ہے۔

اور دوسرا اعتراض

تولوا جمع کا صیغہ ہے اور مرزا صاحب اسے واحد بنا کر معنی کرتے ہیں۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۳۷)

الجواب

بے شک "اَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ" قرآن شریف کی ایک آیت ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی جہت میں مقید نہیں۔ مگر اس سے بڑھ کر بھی کئی اور امور اس وحی الٰہی سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اگر اس آیت کا یہ لفظی ترجمہ کیا جائے کہ تم لوگ (مومنین) جدھر منہ پھیرو پس اسی طرف اللہ کا منہ ہے۔ تو برق صاحب کو اس لفظی ترجمہ پر کوئی اعتراض کا حق نہیں ہو سکتا۔ برق صاحب کے ترجمہ میں "اللہ کو سامنے پاؤ گے" کے الفاظ میں فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ کی صرف ایک تفسیر بیان ہوئی ہے۔ مگر یہ ترجمہ نہیں ہے لفظی ترجمہ ملاحظہ ہو اَیْنَمَا۔ جدھر۔ تُوَلُّوا۔ تم منہ پھیرو۔ ف۔ پس۔ ثَمَّ۔ اسی جگہ یا اسی طرف۔ وَجْہ۔ چہرہ یا منہ 'اللہ' اللہ تعالیٰ۔ پس لفظی ترجمہ یہ ہوا کہ تم مومنین جدھر منہ پھیرو گے اسی طرف خدا کا

منہ ہے اور جو کسی کے سامنے ہو کیا اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا منہ اس کی طرف ہے غلط ہو گا؟

برق صاحب نے جس امر پر اعتراض کیا ہے وہ دراصل آیت قرآنیہ نہیں بلکہ تبلیغ رِسالت کی محوّلہ عبارت کو پڑھنے سے ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ عبارت حضرت اقدسؑ پر ایک خاص سیاق میں بطور الہام نازل ہوئی ہے۔ اور اس کے سیاق میں یہ الہام ہے "مَا کَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِمْ" اور اس سے ملحق یہ الہام ہوا ہے۔ "اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" اور اس الہام کے پہلے حصہ میں آپ نے سلطنت برطانیہ کے متعلق ایک پیشگوئی بتائی ہے۔ کہ میری موجودگی میں اس پر عذاب نہیں آئے گا۔ اور اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کی یہ تفسیر بیان فرمائی ہے کہ گورنمنٹ کے اقبال اور شوکت میں تیرے وجود اور تیری دعا کا اثر ہے۔ اور اس کی فتوحات تیرے سبب سے ہیں۔ کیونکہ جدھر تیرا منہ ادھر خدا کا منہ ہے۔ صاف ہے کہ حضرت اقدس نے اپنے الہام کو اپنے اوپر چسپاں کرتے ہوئے اس جگہ اس کی تشریح بیان فرمائی ہے۔ الہام میں بیشک تَوَلُّوْا جمع کا صیغہ ہے اور اس میں ذکر جماعت احمدیہ اور اس کے بانی کا ہے۔ چونکہ اس موقع پر حضرت اقدس کو صرف اپنا تعلق گورنمنٹ سے بتانا تھا۔ کہ آپ باغی نہیں بلکہ اس پُر امن سلطنت کے ظلِّ حمایت میں خوش ہیں اور اس کے لئے اپنے الہام کے مطابق دعا میں مشغول ہیں لہذا "جدھر تیرا منہ ادھر خدا کا منہ ہے۔" سے مراد یہ ہوئی کہ آپ کی دعائیں خصوصیت سے سنی جاتی ہیں۔ اور قرآن کی آیت کا بھی صرف یہی مفہوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کسی جہت میں مقید نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مومن جدھر بھی متوجہ ہوں گے خدا انہیں کامیابی دے گا۔ خدا کا منہ ادھر ہونے سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی دعاؤں کو سنے گا۔ اور انہیں فتوحات دے گا۔ اور ان کی تائید و نصرت فرمائے گا۔

برق صاحب نے اس کا صرف ایک پہلو ہی سمجھا ہے کہ خدا کسی ایک جہت میں مقیدّ نہیں۔اس کا نام تفسیر دانی نہیں پھر جدھر تمہارا منہ خدا کا منہ اسی طرف ہے میں خدا تعالیٰ کی توہین کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ اگر اس میں توہین کا کوئی پہلو ہوتا تو پھر خدا تعالیٰ فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ کے الفاظ استعمال ہی نہ کرتا۔ جن کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اسی طرف خدا کا منہ ہے۔ اس میں تو مومنوں کو امید دلائی گئی ہے کہ جدھر وہ متوجہ ہوں گے ادھر خدا متوجہ ہو کر انہیں فتوحات دے گا۔اس میں خدا تعالیٰ کی تحقیر کا کوئی پہلو نہیں نکلتا بلکہ اس کی عظمت کا پہلو نمایاں ہے کہ مومن اس کی مدد کو پائیں گے۔اور اس کی مدد سے ان کے سب کام بن جائیں گے۔ بشرطیکہ وہ خدا کی طرف متوجہ ہوں اور دعاؤں میں لگے رہیں اور کامیابیوں کی راہوں پر گامزن رہیں۔ جمع کے صیغہ سے واحد کے لئے استنباط یا واحد کے خطاب کو جمع کے لئے سمجھنا کس فقہ کی رو سے ناجائز ہے۔ جب ایک آیت ایک جماعت کے حق میں ہو تو وہ اس جماعت کے بانی کے حق میں تو بدرجہ اولیٰ ہو گی اس لئے بانئ سلسلہ یا جماعت اگر کسی وقت اس الہام کو اپنی ذات پر چسپاں کر کے دکھائے تو یہ امر جائز ہو گا۔ اور ہرگز قابل اعتراض نہیں ہو گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کو جماعت کے شامل حال قرار دیا گیا ہو۔ تو وہ تائید و نصرت بانئ سلسلہ کے لئے بدرجہ اولیٰ ہو گی۔ کیا اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (آل عمران : ۱۴۰) سے یہ استنباط جائز نہیں کہ خدا تعالیٰ یہ پیشگوئی فرما رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ حالانکہ آیت میں سب جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔

اعتراض دوم

برق صاحب لکھتے ہیں :-

"قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کے کئی غزوات کا ذکر موجود ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۳۶)

اس کے بعد آپ نے جنگ بدر سے متعلقہ آیت پیش کی ہے۔ اور پھر یہ آیت پیش کی ہے کہ خدا نے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کی ہے اور اس سلسلہ میں جنگ حنین کا ذکر کیا ہے اس کے بعد جنگ احزاب سے تعلق رکھنے والی آیت درج کی ہے اور پھر لکھا ہے۔

"اسی طرح باقی جنگوں کی تفصیل بھی قرآن میں درج ہے۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب جناب مرزا صاحب کا یہ قول پڑھتے ہیں۔"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا اور پھر وہ تمام لڑائیاں ہونا جن کا قرآن کریم میں نام و نشان نہیں۔"

(بحوالہ شہادت القرآن صفحہ ۴ حرف محرمانہ صفحہ ۲۳۸)

الجواب

اس اعتراض میں برق صاحب نے سراسر کج فہمی سے کام لیا ہے۔ ان کو یہ اعتراض اس لئے سوجھا ہے کہ ان کے خیال میں "اسی طرح باقی جنگوں کی تفصیل بھی قرآن میں درج ہے۔" اس غلط خیال کو صحیح سمجھتے ہوئے وہ حیران ہیں کہ قرآن مجید میں باقی غزوات کا ذکر موجود ہونے کے باوجود حضرت مرزا صاحب نے یہ فقرہ کیوں لکھ دیا۔ "پھر وہ تمام لڑائیاں ہونا جن کا قرآن کریم میں نام و نشان نہیں۔" برق صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں کوئی عبارت قطع و برید کر کے یا اس کا مفہوم بگاڑ کر پیش نہیں کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے متعدد مقامات پر دیانت کا خون کیا ہے۔ چنانچہ یہ عبارت بھی انہوں نے سیاق سے قطع کر کے پیش کی ہے اس عبارت میں تمام لڑائیوں سے مراد وہ لڑائیاں ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں بلکہ ان کا ذکر صرف حدیثوں میں ملتا ہے جس جگہ سے یہ عبارت برق صاحب نے لی ہے اس جگہ حضرت اقدس حدیثوں کی اہمیت بیان فرما رہے ہیں۔ میں آگے اور پیچھے کی

عبارت مع محولہ عبارت اس جگہ درج کر دیتا ہوں تا کہ ناظرین کرام برق صاحب کی دیانت کا اندازہ لگا سکیں۔

حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

"علاوہ اس کے اسلامی تاریخ کا مبداء اور منبع یہی احادیث ہی ہیں اگر احادیث کے بیان پر بھروسہ نہ کیا جائے تو پھر ہمیں اس بات کو بھی یقینی طور پر نہیں ماننا چاہیئے کہ در حقیقت حضرت ابو بکرؓ، اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے صحابہ تھے جن کو بعد وفات آنحضرت ﷺ اسی ترتیب سے خلافت ملی۔ اور اسی ترتیب سے ان کی موت بھی ہوئی کیونکہ اگر احادیث کے بیان پر اعتبار نہ کیا جاوے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان بزرگوں کے وجود کو یقینی کہہ سکیں اور اس صورت میں ممکن ہو گا کہ تمام نام فرضی ہوں۔ اور در اصل نہ کوئی ابو بکر گذرا ہو نہ عمر نہ عثمان نہ علی کیونکہ بقول میاں عطا محمد معترض یہ سب احادیث احاد ہیں اور قرآن میں ان ناموں کا کہیں ذکر نہیں پھر بموجب اس اصول کے کیونکر تسلیم کی جائیں۔ ایسا ہی آنحضرت ﷺ کے والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام آمنہ اور دادا کا نام عبد المطلب ہونا اور پھر آنحضرت ﷺ کی بیویوں میں سے ایک کا نام خدیجہؓ ایک کا نام عائشہؓ اور ایک کا نام حفصہؓ ہونا اور دایہ کا نام حلیمہؓ ہونا اور غار حراء میں جا کر آنحضرت ﷺ کا عبادت کرنا اور بعض صحابہؓ کا حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور آنحضرت ﷺ کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا اور پھر وہ تمام لڑائیاں ہونا جن کا قرآن کریم میں نام و نشان نہیں اور صرف حدیث سے یہ تمام امور ثابت ہوتے ہیں تو کیا ان تمام واقعات سے اس بناء پر انکار کر دیا جائے کہ احادیث کچھ چیز نہیں۔" الخ (شہادۃ القرآن صفحہ ۳، ۴)

اس سیاق سے ظاہر ہے کہ اس جگہ صرف ان لڑائیوں اور واقعات کا ذکر ہے جن کی تفصیل قرآن مجید میں موجود نہیں اور ان کی تفصیل کا علم بلکہ ان کے ناموں

کا ذکر بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ احادیث کچھ کم اہمیت رکھنے والی شی نہیں کیونکہ احادیث کا انکار کرنے سے اسلام کی بہت سی عظیم الشان تاریخ ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

چونکہ برق صاحب دراصل منکر حدیث ہیں اس لئے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو جنگیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئیں۔ ان سب کی تفصیل قرآن کریم میں درج ہے۔ یعنی اتنی ہی جنگیں ہوئی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہوا۔ گویا ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں صرف وہی تین چار جنگیں ہوئیں ہیں جن کا ذکر یا ان کی کچھ تفصیل قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے۔ اب ہر اہل علم اس سے برق صاحب کے اعتراض کی رکاکت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ہمیں ان کے جواب کے لئے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

اب جناب برق صاحب فرمائیں کہ انہوں نے جو یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ منشائے متکلم کو نظر انداز کر کے کوئی عبارت پیش نہیں کر رہے وہ خود ہی اس موقعہ پر دیکھ لیں کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں کہاں تک سچے ہیں۔ ہم خود ان سے ہی داد خواہ ہیں۔

ایک اور اعتراض

ایک اور اعتراض بلا نمبر کیا گیا ہے برق صاحب آیت قرآنیہ

"اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۔ فَاِذَاالنُّجُوْمُ طُمِسَتْ وَ اِذَاالسَّمَاءُ فُرِجَتْ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ وَ اِذَاالرُّسُلُ اُقِّتَتْ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ لِیَوْمِ الْفَصْلِ۔" (المرسلت: ۸ تا ۱۴)

پیش کر کے لکھتے ہیں یہ آیات قیامت کے ذکر سے شروع ہو کر قیامت پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ درمیان میں علامات قیامت کا ذکر ہے جن میں ایک یہ ہے کہ اس روز انبیاء ایک خاص وقت پہ میدان محشر میں حاضر ہوں گے اور ان کے مقدمات پر غور ہوگا۔ لیکن جناب مرزا صاحب وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ۔ کا ترجمہ یہ فرماتے ہیں اور جب رسول وقت

مقررہ پر لائے جائیں گے۔اور یہ اشارہ دراصل مسیح موعود کے آنے کی طرف ہے۔

(شہادۃالقرآن صفحہ ۲۴)

اس پر برق صاحب لکھتے ہیں :۔

"مسیح موعود کی طرف اشارہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ الرسل جمع ہے اور مسیح موعود کا دعویٰ یہ ہے کہ امت محمدیہ میں صرف ایک رسول پیدا ہوا۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۴۰)

الجواب

اس آیت کی تفسیر میں برق صاحب کو اتنا تو مسلم ہے کہ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ قیامت کی علامات میں سے ہے۔ مگر ایسا کہنے کے بعد پھر اس کو حشر کے دن پر لگا دیتے ہیں۔ ان کی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیونکہ علامات قیامت ان امور کو قرار دیا جاتا ہے جو قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی ہوں نہ کہ قیامت کے دن۔ پس فرق صرف اتنا رہ گیا کہ حضرت مسیح موعودؑ اس آیت کو واقعی قیامت کی علامت سمجھتے ہیں۔ اور برق صاحب اسے قیامت کی علامات قرار دینے کے باوجود بلاوجہ حشر پر چسپاں کر رہے ہیں۔ لہٰذا اگر ان پر واحد کیلئے جمع کے استعمال کا مسئلہ حل ہو جائے۔ تو پھر انہیں اس آیت کے مسیح موعود سے متعلق ہونے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ سو واضح ہو کہ واحد و جمع کا مسئلہ اس جگہ شہادۃالقرآن میں خود حضرت مسیح موعودؑ نے حل فرما دیا ہے۔

چنانچہ برق صاحب کی پیش کردہ عبارت سے آگے حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :۔

"یاد رہے کہ کلام اللہ میں رسل کا لفظ واحد پر بھی اطلاق پاتا ہے اور غیر رسول

پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ اور یہ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ اکثر قرآن کریم کی آیات کئی وجوہ کی جامع ہیں جیسا کہ یہ احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کریم کے لئے ظاہر بھی ہے اور بطن بھی۔ پس اگر رسول قیامت کے میدان میں بھی شہادت کے لئے جمع ہوں توامناً و صدقنا لیکن اس مقام میں جو آخری زمانہ کی اکثر علامات بیان فرما کر پھر آخیر پر یہ بھی فرمادیا کہ اس وقت رسول وقت مقرر پر لائے جائیں گے تو قرائن بیّنہ صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس ظلمت کے کمال کے بعد خدا تعالیٰ کسی اپنے مرسل کو بھیجے گا۔ تا مختلف قوموں کا فیصلہ ہو چونکہ قرآن شریف سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ظلمت عیسائیوں کی طرف سے ہو گی۔ تو ایسا مامور من اللہ بلا شبہ انہی کی دعوت کے لئے اور انہی کے فیصلہ کے لئے آئیگا پس اسی مناسبت سے اس کا نام عیسیٰ رکھا گیا۔"

(شہادۃ القرآن صفحہ ۲۴)

برق صاحب نے جب یہ مضمون پڑھا ہے تو پھر انہیں اگر رسل کے معنی پر اعتراض تھا تو انہیں ہم سے صرف یہ سوال کرنا چاہیئے تھا کہ کلام اللہ میں رسل کا لفظ واحد کے لئے کہاں استعمال ہوا ہے؟ یہ سوال کرنے میں وہ حق بجانب قرار دئے جا سکتے تھے۔ سو واضح ہو کہ برق صاحب سورۃ الشعراء کا مطالعہ کر کے دیکھیں جس میں مندرجہ ذیل آیات موجود ہیں :-

۱:- كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ نُوحٌ اَلَا تَتَّقُونَ اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ۔ (۱۰۶ تا ۱۰۸)

۲:- كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ هُودٌ اَلَا تَتَّقُونَ اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ۔ (۱۲۴ تا ۱۲۶)

۳:- كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ صَالِحٌ اَلَا تَتَّقُونَ اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ۔ (۱۴۲ تا ۱۴۴)

۴:- كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ۔ (۱۶۱ تا ۱۶۳)

۵:- كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ۔ (۱۷۷ تا ۱۷۹)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے منکرین کو صرف ایک ایک رسول کے انکار پر المرسلین کا انکار کرنے والے قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے زمانہ میں ان میں سے ہر ایک رسول اپنے سے پہلے رسولوں کا قائمقام تھا اس لئے اس کے انکار کو صرف ایک رسول کا انکار قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ تمام رسولوں کا انکار قرار دیا ہے۔ اسی طرح آیت زیر بحث اِذَاالرُّسُلُ اُقِّتَتْ میں مسیح موعودؑ کو آنحضرت ﷺ کے بروز کامل ہونے کی وجہ سے الرسل کا قائمقام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع تھے اسی لئے آپ کو خاتم النبیین قرار دیا گیا۔ جس کے مفہوم کا ایک پہلو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ میں انبیاء کے تمام کمالات موجود تھے اور اس ایک نبی کی آمد تمام نبیوں کی آمد کے مترادف تھی۔ چونکہ مسیح موعود آنحضرت ﷺ کا خلیفہ ہے اور امتی رسول بھی اس لئے اس کو اِذَاالرُّسُلُ اُقِّتَتْ میں تمام رسولوں کا قائمقام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جس عظیم الشان نبیؐ کے ماتحت وہ امتی رسول ہے وہ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع اور ان کے قائمقام اور سردار ہیں۔ اور یہ ان کا مظہر ہے۔

(اللھم صلی علی محمد و علیٰ آل محمد فتدبر ولاتکن من المکابرین)

اعتراض سوم

برق صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”علامات قیامت میں سے ایک علامت نفخ صور ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰاتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ۔“ (الزُمر :٦٩)

اس کا ترجمہ برق صاحب یہ لکھتے ہیں کہ :-

”جب وہ قرنا پھونکی جائے گی تو ساکنان ارض و سماء کی چیخیں نکل جائیں گی اِلَّا مَاشَاءَ اللہ اور جب دوسری مرتبہ پھونکی جائے گی تو لوگ قبروں سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے۔“

پھر لکھتے ہیں کہ اس آیت کے متعلق مرزا صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ :-

”قرنا سے مراد مسیح موعود ہے۔“ (شہادۃ القرآن صفحہ ۲۵)

آگے لکھتے ہیں :-

”بہت اچھا مسیح موعود سہی پہلی پھونک پر اہل زمین و آسمان کے چیخ اٹھنے اور دوسرے پر مردوں کے جی اٹھنے سے کیا مراد ہے ؟“

اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں (یعنی حضرت مرزا صاحب) کہ :-

”آخری دنوں میں دو زمانے آئیں گے ایک ضلالت کا زمانہ اور اس میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنی شقی اور سعید پر غفلت سی طاری ہو جائے گی۔ پھر دوسرا زمانہ ہدایت کا آئے گا۔ پس ناگہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔“ (شہادۃ القرآن صفحہ ۲۶)

اس اقتباس کے درمیان برق صاحب خطوط وحدانیہ کے درمیان یہ نوٹ دیتے ہیں :-

• ”لیکن قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ پہلی پھونک پر اہل زمین و آسمان کی فریادیں نکل جائیں گی۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ غفلت سی طاری ہو گی یہ غفلت اور چیخ کا آپس میں کیا تعلق ؟ غفلت میں تو نیند آتی ہے نہ کہ چیخیں نکلتی ہیں۔“

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۴۱)

الجواب

برق صاحب کا اعتراض ان آخری الفاظ سے واضح ہے کہ آپ کو صرف لفظ صَعِقَ کے معنوں پر اعتراض ہے۔ برق صاحب کے نزدیک اس کے معنی ہیں ان کی چیخیں نکل جائیں گی۔ یا فریادیں نکل جائیں گی۔ اور حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے معنی کئے ہیں کہ ان پر غفلت طاری ہو جائے گی اس میں شک نہیں کہ صَعِقَ کے معنی اِشتَدَّ صَوتُہٗ بھی ہیں جیسے صَعِقَ الرَعدُ یعنی بجلی کڑکی مگر اس کے معنی غُشِیَ کے بھی ہیں چنانچہ صُعِقَ کے معنی اَلمَغشِیُّ عَلَیہِ لغت میں کئے گئے ہیں۔ اور قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر خَرَّ مُوسیٰ صَعِقاً (اعراف: ۱۴۴) میں بیہوشی کے معنوں میں ہی یہ لفظ استعمال ہوا ہے کہ موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اور غفلت بے ہوشی کو لازم ہے۔ پس صَعِقَ کا لفظ اس آیت میں غفلت کے معنوں میں لینا جائز ہوا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو برق صاحب کے یہ معنی کہ زمین و آسمان کی فریادیں نکل جائیں گی منافی غفلت نہیں بلکہ بد حواسی پر دال ہیں۔ جو غفلت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔

پس معنوں میں ایک چھوٹے سے اختلاف پر غور کئے بغیر برق صاحب کا معترض ہو جانا ان کے عدم تفکر اور جلد بازی کی دلیل ہے۔ دراصل تو ان کو اس آیت کی اس تفسیر پر اعتراض کرنے کا کوئی حق ہی نہ تھا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس جگہ صاف لکھا ہے :-

”یہ آیتیں ذوالوجوہ ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی جیسا کہ آیت اِعلَمُوٓا ان اللّٰہَ یُحیِ الاَرضَ بَعدَ مَوتِھَا (الحدید: ۱۸) اور جیسا کہ آیت فَسالَتْ اَودِیَۃٌ بِقَدَرِھَا۔“ (الرعد: ۱۸) (شہادۃ القرآن صفحہ ۲۰۵)

بات دراصل یہ ہے کہ وہ آیات جو قیامت کبریٰ سے تعلق رکھتی ہیں ان میں سے کئی آیات ذوالوجوہ ہیں۔ اور ان کا تعلق قیامت صغریٰ سے بھی ہے ایک مامور من

اللہ کا ظہور بھی ایک قسم کی قیامت ہوتا ہے۔ جس میں رُوحانی مردوں اور مدہوشوں کو نئی زندگی ملتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کی اس تفسیر کے ذکر میں بیان کردہ معارف کی قدر وہی شخص کر سکتا ہے۔ جو قرآن کے ظاہر کے علاوہ اس کے بطن کا بھی قائل ہو۔ برق صاحب غالباً قرآن کریم کو صرف ظاہر میں منحصر سمجھتے ہیں۔ سو یہ قرآن مجید کے متعلق ان کی اپنی کوتاہ فہمی ہے۔

حضرت اقدس کا فہم قرآن برق صاحب کی ایسی نکتہ چینی سے اپنی شان میں بہت بلند ہے ؎

چو بشنوی سخنِ اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

اعتراض چہارم

آیت "مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَالِکَ زَنِیْمٌ (القلم: ۱۳، ۱۴)
کا ترجمہ ازالہ اوہام جلد اول صفحہ ۱۶ طبع اوّل سے برق صاحب یوں نقل کرتے ہیں :-
"نیکی کی راہوں سے روکنے والا زناکار اور با ایں ہمہ نہایت درجہ کا بد خلق اور سب عیبوں کے بعد ولد الزنا بھی ہے۔"

پھر برق صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں :-
آپ نے اثیم کے معنی زناکار اور زنیم کے معنی ولد الزنا کئے ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کیا قرآن کا مصنف یعنی اللہ اس طرح کی شستہ زبان استعمال کیا کرتا تھا۔ اور کیا کوئی مہذب انسان اس انداز گفتگو کی برداشت کر سکتا ہے......اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" یہ قرآن کی آیت ہے کیا آپ اس کی تفسیر یہ کریں گے کہ بعض ظن زنا ہیں اور پھر الزنیم کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے معنی لعین اور رالدعی (متبنی) اِللاَّحِقَ بِقَومٍ لیس مِنْھُمْ وَلَا ھُمْ یَحْتَاجُوْنَ اِلَیْہِ ہیں۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۴۳)

پھر برق صاحب نے آخر میں لکھا ہے کہ :-

کہ یہ ہیں زنیم واثیم کے معانی لغایت عرب میں نہ جانے یہ زناکار اور ولد الزنا کے مفاہیم آپ نے کہاں سے لئے ؟ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۴۳)

الجواب

اس عبارت میں دو اعتراض ہیں ایک زبان کی شستگی کے متعلق اور دوسرا اعتراض معتد اثیم اور زنیم کے معنی کے متعلق۔ زنا، زانی اور زانیہ کے الفاظ جب قرآن کریم میں موجود ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لاتقربوا الزنا۔ نیز فرمایا الزَّانی لاَ یَنْکِحُ اِلاَّزَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً۔ پھر مومنوں کی شان میں فرمایا ہے کہ وَلاَ یَزْنُوْنَ کہ وہ زناکار نہیں ہوتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ کا قرآن کریم میں استعمال بطور دشنام نہیں ہوا بلکہ حقیقت کے اظہار کے لئے ہے۔ اس لئے انہیں شستگی بیان کے خلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہٰذا اگر حقیقت کے اظہار کے لئے قرآن مجید کے ترجمہ میں زناکار اور ولد الزنا کے الفاظ بیان ہوں تو ان کا استعمال بھی شستگی کے خلاف نہیں ہوگا۔

دوسرے اعتراض کے متعلق ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے زیر بحث آیت کا لفظی ترجمہ نہیں کیا بلکہ تفسیری ترجمہ تحریر فرمایا ہے۔ برق صاحب کو یہ غلطی لگی ہے کہ حضرت اقدس نے لفظ اثیم کے معنی زناکار کئے ہیں۔ وہ ذرا آنکھیں کھول کر ترجمہ ملاحظہ کریں تو انہیں معلوم ہوگا اس جگہ معتدٍ اثیم کے دونوں لفظوں کا اکٹھا تفسیری ترجمہ زناکار کیا گیا ہے نہ کہ خالی اثیم کے لفظ کا ترجمہ۔ وہ دیکھ سکتے ہیں کہ اس ترجمہ میں لفظ معتدٍ کے کوئی الگ معنی نہیں کئے گئے۔ چنانچہ اس جگہ مناعٍ لِلْخَیْرِ کے معنی کئے گئے ہیں۔ نیکی کی راہوں سے روکنے والا اور معتدٍ اثیم کا ترجمہ کیا گیا ہے زناکار اور اگلے لفظ عُتُلٍّ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ نہایت درجہ بد خلق اور

آخری الفاظ بَعْدَ ذَالِكَ زَنِيْم کا ترجمہ کیا گیا ہے۔اور سب عیبوں کے بعد ولد الزنا بھی۔ ترجمہ کی اس ترتیب سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں معتدٍ اثیم کا ترجمہ زنا کار کیا گیا ہے اثیم کے معنی گناہ گار اور معتدٍ کے معنی حد سے بڑھنے والا۔ اور حد سے بڑھنے والے گناہ گار کے تفسیری معنی آپ نے زنا کار بیان فرمائے ہیں۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنی تعلیم کے مطابق زنا کا فعل گناہ کے ارتکاب میں حد سے بڑھنا ہی ہے۔

برق صاحب نے زنیم کے ترجمہ پر اس کے لغوی معنوں کے لحاظ سے اعتراض کیا ہے۔اور اس کے معنی از روئے لغت الدعی اَللاَحِقُ بِقَوْمٍ لَيْسَ مِنْهُمْ لکھ کر اس جگہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ زنیم کا ترجمہ ولد الزنا درست نہیں۔ غالباً برق صاحب نے اپنی تحقیق میں عربی زبان کی ''المنجد'' جیسی چھوٹی سی لغت کی کتاب ہی سامنے رکھی ہے۔کاش وہ حضرت اقدس کے ترجمہ پر اعتراض کرنے سے پہلے عربی لغت کی بڑی کتابوں سے بھی اس لفظ کے متعلق تحقیق کر لیتے۔تا انہیں وہ شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔جواب ہماری تحقیقات کو سننے کے بعد اٹھانی پڑے گی۔

محترم برق صاحب! واضح ہو کہ عربی لغت کی کتاب لسان العرب میں جو کئی ضخیم جلدوں میں مصر میں شائع ہوئی ہے۔زنیم کے لفظ کے ماتحت یہ بھی لکھا ہے۔

''والزَّنِيْمُ وَلَدًا لعَيْهرةِ۔''

کہ زنیم کے معنی ہیں زانیہ عورت کا لڑکا۔

اسی کتاب میں لفظ عہر کے تحت لکھا ہے۔

عهرَ اِليهَا......اَتَا هَا لَيْلاً لِلْفُجُوْرِ ثُمَّ غَلَبَ عَلَى الزِّنَاء مُطْلَقاً۔وَقِيْلَ هِيَ الفُجُوْرُ اَیَّ وَقْتٍ كَانَ فِی الحُرَّةِ وَ الْاَمَةِ......يُقَالُ لِلْمرء ةِالفَاجِرَةِ عَاهِرَةٌ مُعَاصِرَةٌ وَ مُسَافِحَه۔ وَ قَالَ اَحْمَدُ بنُ يَحْیٰ والمُبَرِّد هِیَ العَيْهَرَةُ لِلفَاجِرَة قَالَا وَالْيَاءُ فِيْهَا زَائِدَةٌ وَ الْاَصْلُ عَهْرٌ۔

ترجمہ :-عھر الیھا کے معنی ہیں وہ کسی عورت کے پاس رات کو بدکاری کے لیے گیا۔ پھر اس لفظ (عھر) کا استعمال مطلق زنا کے لئے عام ہو گیا (یعنی وقت کی قید نہ رہی کہ رات کو بدکاری کرے) اور یہ بھی کہا گیا اس کے معنی ہی بدکاری ہیں۔ خواہ کسی وقت ہو۔ آزاد عورت یا لونڈی سے فاجرہ عورت کو عاھرہ معاھرہ اور مسافحہ کہتے ہیں۔ اور احمد بن یحییٰ اور المبرّد نے کہا کہ بدکار عورت کے لئے عیھرۃ کا لفظ ہے اور دونوں نے کہا کہ یاء کا حرف اس میں زائد ہے۔ اور مادہ اس کا عھر ہے۔

لغت کے ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ زنیم کے معنی جو ولد العیھرۃ کئے گئے ہیں اس کا مفہوم زانیہ عورت کا لڑکا یعنی ولد الزنا ہے۔

اگر برق صاحب کی اس سے تسلی نہ ہو اور زنیم کے معنوں میں ولد الزنا کا لفظ ہی دیکھنا چاہیں تو تفسیر روح المعانی جلد ۹ صفحہ ۱۴۰ میں آیت زیر بحث کی تفسیر ملاحظہ فرمالیں۔ وہاں وہ یہ لکھا پائیں گے۔

زَنِیمٌ دَعِیٌّ مُلْحَقٌ بِقَوْمٍ لَیْسَ مِنْھُمْ کَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ الْمُرَادُ بِہٖ وَلَد الزِّنَا۔

یعنی زنیم ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کسی قوم سے ملحق ہو اور (دراصل) ان میں سے نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس نے کہا ہے۔ اور مراد اس سے ولد الزنا ہے

گویا زنیم سے دعیؓ کی ایک خاص قسم مراد ہوتی ہے یعنی مراد اس سے ولدالزنا ہوتا ہے خود المنجد کا حوالہ جو برق صاحب نے پیش کیا ہے۔ اس میں بھی دراصل اسی نوع کا دعیّ ہی مراد ہے نہ کہ متبنّیٰ یہ لفظ تو برق صاحب نے بریکٹ میں اپنی طرف سے بڑھا کر مغالطہ دیا ہے۔ کیونکہ اس جگہ دعیؓ کے بعد لکھا ہے۔ اَللَّاحِقُ بِقَوْمٍ لَیْسَ مِنْھُمْ وَلاَ ھُمْ یحتَاجُوْنَ اِلَیْہِ کہ زنیم سے وہ دعی مراد ہے جو کسی قوم میں اپنے آپ کو شامل کر لے اور ان میں سے نہ ہو۔ اور ان لوگوں کو اس کی کوئی ضرورت نہ ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ اس

جگہ متبنیٰ مراد نہیں کیونکہ متبنیٰ کی تو خاص ضرورت ہوتی ہے۔

پس اس آیت کے لفظ زنیم کے جب کئی مفسرین کے نزدیک بھی ولد الزنا کے معنی ہی مراد ہیں تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے بھی اگر اس آیت کے ترجمہ میں اس لفظ کے معنی ولد الزنا لکھے ہیں۔ تو ان پر برق صاحب کو زبان عربی کے لحاظ سے اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

الدّر المنثور مطبوعہ مصر میں زیر بحث آیت کے ذیل میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔

وَاخرَجَ ابنُ الانبارِیُّ فی الوَقُفِ وَالْاِبتَداءِ عَنْ عِکْرَمَۃَ اَنَّہٗ سُئِلَ عَن الزَّنِیْمِ قَالَ ھُوَ وَلَدالزِّنَاوَتَمثَّل بِقَوْلِ الشَاعِرِ۔

زَنِیْمٌ لَیسَ یُعْرِفُ مَنْ اَبُوْہُ

بِغَی الاَمّ ذُوْ حَسَبِ لَئِیْمِ

ترجمہ :-ابن الانباری نے (اپنی کتاب) "اَلْوَقُفُ وَالْاِبْتَدَاءُ" میں اس روایت کی عکرمہؓ سے تخریج کی ہے کہ حضرت عکرمہؓ سے زنیم کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے کہا وہ ولد الزنا ہے اور شاعر کے ایک قول کو (اپنے معنی کی شہادت) پر بطور مثال کے یوں پیش کیا۔

وہ زنیم ہے معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس کا باپ کون ہے بدکار ماں کا بیٹا کمینے حسب والا ہے۔

امید ہے کہ ان حوالہ جات سے برق صاحب کی تسلی ہو جائے گی۔ کہ عربی زبان میں زنیم کا لفظ ضرور ولد الزنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے علاوہ دوسرے مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اس کے معنی ولد الزنا کئے ہیں۔ اور متبادر معنی اس لفظ کے ولد الزنا ہی ہیں۔ اگر کسی غیر ولد الزنا کے

لئے یہ لفظ استعمال ہو تو بطور دشنام ہو گا یا مجازاً استعمال ہو گا۔

اعتراض پنجم

آیت کُنتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ کی تفسیر میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے یہ لکھا ہے :-

"کہ النّاس کے لفظ سے دجّال ہی مراد ہے۔"

(ازالہ اوہام جلد اول صفحہ ۳۴)

جناب برق صاحب کو اس تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ آخر للناس کا لام برائے انتفاع ہے پھر الناس جمع اور دجّال مفرد جمع سے مفرد کیسے مراد ہوا؟

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۴۴)

الجواب

للناس کا لام بے شک انتفاع کے لئے ہے اور الناس جمع ہے۔ مگر دجّال بھی اسم جمع (Collective Noun) ہے یعنی یہ لفظ ایک فرد کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ ایک گروہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے دجال کے گروہ کیلئے الناس کا اطلاق جائز ہے۔ یہ معنی اختیار کرنے میں کوئی ادبی سقم نہیں۔

لغت عربی میں دجّال کے معنی لکھے ہیں۔

"الرفقه العظیمة تُغَطِّیُ الارضَ بِکَثْرَةِ اَهلِهَا"۔ (المنجد)

بڑے گروہ کو کہتے ہیں جو اپنی کثرت سے زمین ڈھانپ دے۔

اعتراض ششم

خطبہ الہامیہ میں اپنے زمانہ کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آیت صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ سے ایک یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ سے

مراد وہ اولیاوابدال ہیں جو مسیح موعود پر ایمان لائے اور مغضوب وضالین سے مراد آپ کے منکرین ہیں۔

اس تفسیر کے متعلق جناب برق صاحب صرف اتنا لکھتے ہیں :-

"یہ تفسیر محتاج تبصرہ نہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۴۵)

الجواب

واضح ہو حضرت مرزا صاحب نے اس آیت کی تفسیر کا انہی معنوں پر حصر نہیں کیا۔ بلکہ کئی مقامات پر آپ نے اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ سے مراد گذشتہ انعام یافتہ نبی، صدیق، شہید، اور صالح بھی لئے ہیں۔ اور مغضوب علیھم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ لئے ہیں۔

چونکہ آیت قرآنیہ میں جو دعائیں سکھائی گئی ہیں ان میں بعض نیکیوں کو اختیار کرنے اور بعض بدیوں سے بچنے کی دعائیں سکھائی گئیں۔ یہ اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ بھی رکھتی ہیں۔ اس لئے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی دعا میں بھی ایک پیشگوئی کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ یہ دعا اسی لئے سکھائی گئی کہ آئندہ انعام یافتہ لوگ بھی پیدا ہونے والے تھے اور قوم میں تفریط وافراط کی راہ اختیار کر کے کچھ لوگ یہود کی طرح مغضوب علیھم اور عیسائیوں کی طرح ضالین بننے والے بھی تھے۔ اس لئے آئندہ پیدا ہونے والے منعم علیھم کے لحاظ سے اس دعا میں بطور پیشگوئی مسیح موعودؑ پر ایمان لانے والے اولیاء وابدال بھی مراد ہیں۔ اور مغضوب علیھم اور ضالین سے آپ کے منکرین بھی مراد ہے۔

اعتراض ہفتم

جناب برق صاحب نے لکھا ہے کہ :-

”مرزا صاحب نے اپنے الہام یَاآدَمُ اسکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّۃَ کے ایک جگہ معنی کرتے ہوئے زوج سے مراد تابع اور رفیق لئے ہیں۔“

(براہین حاشیہ در حاشیہ جلد ۳ صفحہ ۴۹۶)

اور دوسری جگہ تیرے دوست اور تیری بیوی مراد لئے ہیں۔(اربعین نمبر ا صفحہ ۱۶)

اس پر برق صاحب نے لکھا ہے :-

پہلی تفسیر میں صرف دوست جنت میں گیا۔ اس میں (دوسری تفسیر میں ناقل) بیوی شامل ہو گئی ہے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۴۶)

الجواب

یہ بالکل بودا اعتراض ہے پہلی تفسیر میں جب تابع اور رفیق کا لفظ موجود ہے۔ اور بیوی آپ کی یقیناً تابع ہے لہذا دونو تفسیروں میں بیوی بہر حال داخل ہے تو اعتراض کیسا؟

اسی ضمن میں جناب برق صاحب نے یَا مَرْیَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّۃَ کے الہام کے ترجمہ پر بھی اعتراض کیا ہے کہ ایک جگہ زوج کے معنی دوستوں کئے گئے ہیں۔ اور دوسری جگہ ترجمہ میں دوست کے ساتھ اور تیری بیوی کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ الہام کا پہلا حصہ ترجمہ مجمل ہے لہذا اس میں دوستوں میں بیوی بھی شامل ہے اور دوسرے ترجمہ میں تفصیل ہے۔ اس لئے دوست کے ساتھ بیوی کا ذکر الگ کیا گیا ہے۔

برق صاحب کی طنز

اس جگہ جناب برق صاحب نے دوسرے ترجمہ پر یہ طنز بھی کی ہے۔

"لیکن عجیب قسم کی مریم ہے جس کی بیوی بھی ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۴۶)

الجواب

میں حیران ہوں کہ برق صاحب ڈاکٹر بھی ہیں پروفیسر بھی ہیں۔ لیکن اعتراض ایسے کر رہے ہیں جو ان کی شان کے صریح منافی ہیں۔

جناب برق صاحب! جب آپ حرف محرمانہ لکھ رہے ہیں تو کیا آپ کو یہ معلوم نہیں حضرت اقدس نے اپنے تئیں اس الہام الٰہی میں استعارہ کے طور پر مریم (یعنی پاک دامنی میں مریم سے مشابہ) قرار دیا جانے کا ذکر فرمایا ہے۔

پھر سورہ تحریم میں مومنوں کو آئت ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا امْرَءَ تَ فِرْعَوْنَ......وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِی اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِن رُّوْحِنَا۔ (التحریم : ۱۲، ۱۳) میں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو عورتوں سے تشبیہ دی ہے جن میں سے ایک فرعون کی بیوی ہے جو موسیٰؑ پر ایمان رکھتی تھی اور دوسری مریم صدیقہ والدہ حضرت عیسیٰؑ سے تشبیہ دی ہے۔ لہذا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو استعارہ کے طور پر ان کی پاک دامنی کی تعریف کے لئے خدا تعالیٰ نے مریم قرار دیا تو آپ کو اس سے تعجب کیوں ہوا ہے؟

دیکھ لیجئے آپ میں اور احمدیت کے ان مخالف مصنفوں میں جن کا خود آپ کو شکوہ ہے کیا فرق رہ گیا؟ وہ بھی استہزا سے کام لیتے ہیں۔ آپ بھی استہزا سے کام لے رہے ہیں۔ اور نادانی اس میں خود آپ کی ہے کہ آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت مد نظر

نہیں رکھی۔ جس میں پاکدامن مومنوں کو مریم سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ایک ضمنی اعتراض برق صاحب کو یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے الہام یا آدم اسکن انت وزوجك الجنة میں اس بات کے لئے لطیف اشارہ قرار دیا ہے کہ وہ لڑکی جو میرے ساتھ (توام تاقل) پیدا ہوئی اس کا نام جنت تھا۔ حالانکہ یہ ذوقی معنی ہیں۔ اور ایسے ذوقی معانی اہل اللہ کے کلام میں بہت جگہ پائے جاتے ہیں۔

برق صاحب دیکھئے! حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حضرت یوسفؑ کی دعا انت ولیٖ فی الدنیا والاخرہ ایک بطن قرآنی کے لحاظ اپنے متعلق بھی قرار دیا ہے۔

(الخیر الکثیر صفحہ ۹۶)

برق صاحب نے ایک ضمنی اعتراض اس بات پر کیا ہے کہ الہام یَاآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ یَا مَرْیَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ یَا اَحْمَدُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ میں تیسرے الہام سے آپ نے یہ اجتہاد کیا تھا۔

"لیکن تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۴)

اس پر برق صاحب کو اعتراض ہے کہ :-

"تیسری زوجہ کا انتظار آخر تک انتظار ہی رہا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۴۸)

الجواب

اس کے متعلق عرض ہے کہ کبھی مامور ایک بات کسی الہام سے بطور اجتہاد کے اخذ کرتا ہے مگر یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہمیشہ اس کا اجتہاد درست ہی ہو کلام الٰہی چونکہ اکثر ذوالمعانی ہوتا ہے اس لئے مامور کبھی ایک اجتہاد کرتا ہے اور اس میں خطا واقع ہو جاتی ہے۔ اس سے اس کی نبوت پر حرف نہیں آتا۔ اگر اجتہادی خطا پر کسی نبی کو رد کیا جا سکتا ہے تو پھر جناب برق صاحب کو ان انبیاء کو رد کرنا پڑے گا۔ جن کے اجتہاد

میں خطا واقع ہونے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔

حدیث نبوی میں ہے :-

مَاحَدَّ ثْتُکُمْ مَنَ اللّٰہِ سُبُحَانَہٗ فَھُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِیْہِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِی وَ اُصِیْبُ۔ (نبراس شرح الشرح عقائد نسفی صفحہ ۳۹۲)

ترجمہ :- جو بات میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتاؤں وہ سچ ہے۔ اور جو کچھ اس کلام کے بارہ میں اپنی طرف سے کہوں تو میں ایک بشر ہوں غلطی بھی کرتا ہوں اور درست بھی کہتا ہوں۔

حضرت نوحؑ نے خدا تعالیٰ کی وحی صحیح طور پر نہ سمجھی۔ چنانچہ جب ان کا بیٹا ڈوبنے لگا تو انہوں نے خدا تعالیٰ کو ان الفاظ میں اس کا وعدہ یاد دلایا کہ :-

اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔

کہ بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ ج اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔ فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَیْسَ لَكَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْ اَعِظُكَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ۔ (سورہ ھود : ۴۷)

کہ بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں بے شک اس کے اعمال صالح نہیں پس مجھ سے ایسی بات کے متعلق مطالبہ نہ کر جس کا تجھے (صحیح) علم نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں تا تو ناواقفوں میں سے نہ ہو جائے۔

حضرت اقدس نے الہام یا احمد اسکن انت وزوجك الجنة سے جو تیسری زوجہ کے متعلق اجتہاد کیا تھا۔ اس میں جو خطاء تھی اس کا اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے الہام سے خود ازالہ فرمادیا تھا۔ چنانچہ وہ الہام آپ کو ۱۹۰۶ء میں ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

تَکۡفِیۡکَ ھٰذِہِ الۡاُمۡرَئَۃُ۔ (تذکرہ صفحہ ۳۸۰)

کہ تیرے لئے یہ زوجہ کافی ہے۔

اس الہام نے ظاہر کر دیا آپ کو کسی اور زوجہ کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ پس جس طرح نوحؑ کی اجتہادی خطاء ان کی نبوت کے خلاف بطور دلیل پیش نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کوئی اجتہادی خطاء ان کے دعویٰ کی صداقت کے خلاف بطور اعتراض پیش نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆

نشانات

جناب برق صاحب نے نشانات کے عنوان کے تحت حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے نشانات کے متعلق بیانات سے ان کی تعداد کے شمار میں تناقض دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جناب برق صاحب کا ایسا اعتراض لفظ نشان کے معنوں کے متعلق ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔

عربی لفظ آیت کا ترجمہ نشان کیا جاتا ہے۔ اور مامورین کے نشانات کئی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کچھ نشانات پیشگوئیوں کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ کچھ دعاؤں کی قبولیت کی صورت میں۔ کچھ خوارق کی صورت میں اور کچھ عام نشانات ہوتے ہیں جو کسی ایک ہی پیشگوئی کے لاکھوں دفعہ پورا ہونے سے تعلق رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں آیت کا لفظ

چنانچہ قرآن کریم میں آیت کا لفظ مامور کی مخالفت پر عذاب ہونے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جس کے ہزار ہا افراد نشانہ بن کر ان میں سے ہر ایک فرد مامور کی صداقت کا نشان بنتا ہے۔ اور اس طرح عذاب کی پیشگوئی اور اس کا وقوع ایک

لحاظ سے تو ایک نشان ہوتا ہے اور ایک لحاظ سے لاکھوں نشانات پر مشتمل ہوتا ہے۔

کافر آنحضرت ﷺ سے نشان مانگتے تھے۔ یعنی عذاب کا نشان یہ نشان جب پورا ہوا تو ہزارہا نشانوں پر مشتمل تھا۔

(۲)- حضرت ابراہیم علیہ السلام کو الہاماً یہ بتایا گیا۔

عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَأْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔

یعنی لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر دور دراز مقامات سے حج کے لئے آئیں گے حتیٰ کہ راستوں میں گڑھے پڑ جائیں گے۔

اب ایک لحاظ سے یہ الہام ایک بشارت پر مشتمل ہے اور دوسرے لحاظ سے حج کو جانے والا ہر فرد خدا تعالیٰ کا ایک نشان بنتا ہے۔ اور حج میں جانے والی ہر اونٹنی اور ہر قربانی کا جانور بھی خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے۔ قرآن کریم نے تو ہر قربانی کے جانور کے گلے میں پڑے ہوئے قلاوہ کو بھی ایک نشان قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم نے زبانوں کے اختلاف، رنگوں کے اختلاف اور سونے اور جاگنے کو بھی آیات اللہ میں سے قرار دیا ہے۔

اگر جناب برق صاحب محض اعتراض تلاش کرنے کی عادت ترک کر دیں اور منصفانہ رنگ میں سوچیں تو کبھی ان کو اعداد و شمار میں یہ اختلاف قابل اعتراض محسوس نہ ہو گا۔

"اربعین" کے جس حوالہ میں دو سو سے زیادہ نشانوں کا ذکر ہے اس جگہ دو سو پیشگوئیاں مراد ہیں۔ اور انہی پیشگوئیوں کا ذکر حوالہ نمبر ۵ میں جو سو سے زیادہ نشان سے کیا گیا ہے وہ دو سو نشانوں کے خلاف نہیں۔ سو سے زیادہ دو سو بھی ہو سکتے ہیں۔
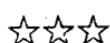
پھر وہ نشانات جن کا ذکر ہزاروں اور لاکھوں میں ہے وہ دوسری قسم کے نشانات ہیں۔ مثلاً یہ نشان کہ یَاتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَاتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یا

الہام وَیَنصُرُكَ رِجَالٌ نُوحِیْ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ۔ کہ دور دراز سے تمہارے پاس تحائف آئیں گے۔ جن کے لانیوالوں سے راستہ میں گڑھے پڑ جائیں گے اور دور دور سے لوگ تمہارے پاس آئینگے جن سے راستہ میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ اور وہ آدمی تیری مدد کریں گے جنہیں ہم آسمان سے وحی کرینگے۔ یہ لاکھوں بار پورے ہوئے۔

ہر شخص جو آپ کے پاس آیا ہے۔ اور ہر تحفہ جو وہ لایا ہے اور ہر وہ شخص جو الہام سے آپ کی مدد پر آمادہ ہوا ہے وہ ایک نشان ہے۔ اور اس طرح یہ نشانات لاکھوں کی تعداد میں پورے ہو گئے ہیں۔

قبولیت دعا کے نشانات اس کے علاوہ ہیں۔ عذاب اور ہلاکت کی پیشگوئیاں بھی لاکھوں افراد کی ہلاکت پر مشتمل ہیں۔ ہزار ہا یا ایک لاکھ سے زیادہ نشانات یا تین لاکھ نشانات ذکر کرنے میں مذکورہ حقیقت کو مدِّ نظر رکھ کر کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ مقصود صرف بڑی کثرت تعداد میں نشانات کے ظاہر ہونے کا اظہار ہے۔ پوری معین تعداد بتلانا مقصود نہیں۔

چنانچہ ہر زبان کے محاورات میں اس قسم کا استعمال عام ہے۔ اور مقصد کثرت بتلانا ہوتی ہے۔ مثلاً ہم روزمرہ کی گفتگو میں کہتے ہیں کہ میں نے اسے سو دفعہ منع کیا ہے یا مجھ پر ہزاروں مصیبتیں آئیں۔ تو اس سے مراد تعداد کی کثرت ہوتی ہے۔ معیّن تعداد مراد نہیں ہوتی۔

پیشگوئیوں کے اصول

اس کے بعد برق صاحب نے حضرت اقدس کی بعض پیشگوئیوں پر پیشگوئیوں کے اصول کو نظر انداز کر کے نکتہ چینی کی ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ بعض اصول درج کر دئے جاتے ہیں جن کو پیشگوئیوں پر غور کرتے ہوئے مد نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ اسلامی اصول فقہ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے:-

اِنَّ جَمِیْعَ الوَعِیْداتِ مَشْرُوْطَۃٌ بِعَدَمِ العَفْوِ فَلَایَلْزَمُ مِنْ تَرْکِہٖ دُخُوْلُ الْکَذِبِ فِی کَلَامِ اللّٰہِ۔

(تفسیر کبیر امام رازی جلد ۲ صفحہ ۴۰۹ مصری)

ترجمہ:- بیشک وعیدی پیشگویاں معاف نہ کیا جانے کی شرط سے مشروط ہوتی ہیں۔ پس اگر ان کا پورا کرنا (معاف کر دینے کی وجہ سے) ترک کر دیا جائے تو اس سے خدا تعالیٰ کے کلام کا جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا۔

حضرت انس سے ایک حدیث مروی ہے۔ اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ وَعَدَہٗ اللّٰہ عَلیٰ عَمَلِہٖ ثَوَابًا فَھُوَ مُنْجِزٌ لَہٗ وَ مَنْ اَوْعَدَہٗ عَلیٰ عَمَلِہٖ عِقَاباً فَھُوَ بِالْخِیَارِ۔

(تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۵۵ مصری)

ترجمہ:- بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر خدا تعالیٰ انسان کے کسی عمل پر کسی ثواب (انعام) کا وعدہ کرے تو اسے پورا کرتا ہے اور جس شخص سے اس کے کسی عمل پر عذاب کی وعید کرے تو اسے اختیار ہے۔ (یعنی چاہے تو پورا کرے چاہے تو معاف کر دے)

۲-دعا سے تقدیر رد ہو جانے کے متعلق حدیث نبوی میں وارد ہے۔

اَکْثِرْ مِنَ الدُّعَاءِ فَاِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ۔

(کنز العمال جلد اول صفحہ ۶۷ و جامع الصغیر مصری جلد ا صفحہ ۵۴)

ترجمہ :- کثرت سے دعا کرو کیونکہ دعا تقدیر مبرم کو بھی ٹال دیتی ہے۔

اِنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتَدْفَعُ الْبَلَاءَ الْمُبْرَمَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ۔

(روض الریاضین بر حاشیہ قصص الانبیاء صفحہ ۳۶۴)

ترجمہ :- بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک صدقہ آسمان سے نازل ہونیوالی مبرم (بظاہر اٹل) کو بھی رد کر دیتا ہے۔

۳-کبھی نبی سے کلام الٰہی کے سمجھنے میں اجتہادی خطا واقع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ اِنِّی اُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ اِلٰی اَرْضٍ ذَاتِ نَخْلٍ فَذَهَبَ وَهْلِی اَنَّهَا الْیَمَامَةُ وَالْحِجْرُ فَاِذَا هِیَ مَدِیْنَةُ یَثْرِبَ۔

ترجمہ :- میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ اس پر میرا خیال (اجتہاداً) یمامہ یا حجر کی طرف گیا لیکن اچانک وہ زمین مدینۂ یثرب نکلی۔

۴-رویا تعبیر طلب ہوتی ہے چنانچہ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۱۲۱ میں لکھا ہے :-

"اسماعیلی نے کہا کہ اہل تعبیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اسید بن ابی العیص کو مسلمان ہونے کی حالت میں مکہ کا والی دیکھا۔ وہ تو کفر پر مر گیا۔ اور رویاء اس کے بیٹے عتاب کے حق میں پوری ہوئی۔"

۵-لوح محفوظ کی قضائے مبرم بھی ٹل سکتی ہے۔ چنانچہ امام ربّانی حضرت مجدّد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں :-

"قضائے معلّق کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قضاء ہے جس کا معلّق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر کر دیا گیا ہوتا ہے۔ اور فرشتوں کو اس (تعلیق) پر اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اور ایک قضائے معلّق وہ ہے جس کا معلّق ہونا صرف خدا تعالیٰ جلّ شانہٗ ہی جانتا ہے۔ اور لوح محفوظ میں وہ قضائے مبرم کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ آخری قسم قضائے معلّق (جو صورۃً مبرم ہوتی ہے) پہلی قسم کی قضا کی طرح تبدیلی کا احتمال رکھتی ہے۔"

(ترجمہ از فارسی مکتوبات مجدّد الف ثانی جلد اوّل صفحہ ۲۲۴)

پیشگوئیاں

جناب برق صاحب نے حضرت اقدس کی صدہا پیشگوئیوں میں سے صرف دس پیشگوئیوں پر اپنی کتاب میں تنقید کی ہے۔ یہ پیشگوئیاں ان کے نزدیک پوری نہیں ہوئیں۔

دراصل پیشگوئیوں کے متعلق چند اصول ہیں جن کو ملحوظ نہ رکھنے سے بعض لوگ حضرت اقدس کی چند پیشگوئیوں پر اعتراض کرتے رہے ہیں۔ ایسے اعتراضات دراصل معترضین کی ناواقفی اور پیشگوئیوں کے اصول کو مدنظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہوتے ہیں برق صاحب کو اگر حضرت اقدس کی پیشگوئیوں میں سے دس پیشگوئیوں پر اعتراضات ہیں تو باقی پیشگوئیاں جو لفظاً لفظاً نہایت صفائی سے وقوع میں آچکی ہیں ان کے متعلق بھی آپ کو اظہار رائے کر دینا چاہیئے تھا۔ یہ تو کوئی تحقیق کی راہ نہیں کہ جن پیشگوئیوں پر انہیں اعتراضات تھے انہیں تو انہوں نے اپنی کتاب میں درج کر دیا مگر دوسری سینکڑوں پیشگوئیوں کو انہوں نے اپنی کتاب کے پڑھنے والوں سے مخفی رکھنے کی کوشش کی ہے اور ان میں سے صرف دو پیشگوئیوں کے پورے ہونے کا اعتراف کیا ہے جو پنڈت لیکھرام اور مرزا احمد بیگ کی معین زمانہ کے اندر ہلاکت سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر آپ کی روش کو دیکھتے ہوئے "ایں ہمہ غنیمت است"۔

واضح رہے پیشگوئیوں کے بارہ میں یہ کوئی معیار نہیں کہ تمام پیشگوئیاں لفظاً لفظاً پوری ہو جانی چاہئیں۔ بلکہ اصول کی کتابوں میں قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وعید کی پیشگوئیاں یعنی ایسی پیشگوئیاں جن میں کسی پر عذاب نازل

ہونے کی خبر ہو عدم توبہ یا عدم عفو کی شرط سے مشروط ہوتی ہیں۔ اور ٹل بھی جاتی ہیں اور تاخیر میں بھی پڑ جاتی ہیں۔ جو پیشگوئیاں وعدہ کے رنگ میں ہوتی ہیں ان میں سے بھی بعض وعدے ایسے ہو سکتے ہیں جو عنداللہ تو مشروط بشرائط ہوں لیکن ان شرائط سے ملہم کو اطلاع نہ دی گئی ہو۔ جیساکہ پیشگوئیوں کے اصول میں بیان ہوا۔

مسیح موعود کی پیشگوئیوں کے متعلق ایک غیر جانبدار کی رائے

برق صاحب کی پیش کردہ دس پیشگوئیوں پر ان کی تنقید کا جواب دینے سے پہلے ہم حضرت اقدس کی سترہ پیشگوئیاں وہ پیش کر دینا چاہتے ہیں جنہیں ایک غیر از جماعت محقق مولوی سمیع اللہ صاحب فاروقی جالندھری نے پاکستان بننے سے پہلے اپنے رسالہ اظہار حق میں جو نذیر پرنٹنگ پریس امرتسر میں باہتمام سید مسلم حسن زیدی پرنٹر طبع کرایا تھا۔ اور اپنی غیر جانبدارانہ تحقیق علمائے اسلام کے سامنے بصورت استفسار پیش کی تھی۔ وہ اپنے اس رسالہ کے صفحہ ۷، ۸ پر حضرت اقدس کی پیشگوئیوں کو آٹھ قسم کی قرار دے کر آٹھویں قسم کی پیشگوئیوں کے متعلق لکھتے ہیں:-

"بعض پیشگوئیاں ایسی بھی ہیں جو حیرت انگیز طریق پر پوری ہوئی ہیں اور ان کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص کئی سال پہلے ایسی محیّر العقول باتیں کہدے جن کی نسبت بظاہر کوئی قرائن موجود نہ ہوں۔"

پھر وہ اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۴ پر ان کے درج کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:-

"ان میں سے بعض پیشگوئیاں واقعی محیّر العقول ہیں جنہیں ہم درج کرتے ہوئے علمائے اسلام سے دریافت کرتے ہیں کہ ایک معمولی انسان جس کا خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہ ہو کیونکر بعض آنے والے واقعات کی خبر کئی کئی سال پیشتر دے سکتا ہے۔ ہم علمائے اسلام کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ جذبات سے قطع نظر فرماتے ہوئے دلائل سے ثابت کریں کہ اس قسم کی پیشگوئیوں کا ظہور کسی ایسے

انسان سے کیونکر ہو سکتا ہے جو اپنے دعویٰ میں سچا نہ ہو۔" (اظہار حق صفحہ ۱۳)
ان پیشگوئیوں کو درج کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں :-

"ان واقعات کے متعلق اس امر کا اقرار ناگزیر ہے کہ مرزا صاحب کو ضرور اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی کا شرف حاصل تھا۔" (اظہار حق صفحہ ۲۶)

ہم ان پیشگوئیوں کو اس جگہ اس غیر از جماعت کے قلم سے اس لئے درج کر رہے ہیں تا برق صاحب کے پیشگوئیوں پر اعتراضات کے بالمقابل قارئین کرام ایک غیر جانبدار محقق کے قلم سے تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ جس کے پیش کرنے میں جناب برق صاحب نے بخل سے کام لیا ہے۔ مولوی سمیع اللہ صاحب لکھتے ہیں :-

مرزا صاحب کی پیشگوئیاں

۱۔ ۱۸۹۳ء میں مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی مرنے سے پہلے میرا مومن ہونا تسلیم کرلیں گے۔ اس پیشگوئی کے پورے بیس[۲۰] برس بعد ۱۹۱۴ء میں جبکہ مرزا صاحب کو فوت ہوئے چھ برس گذر چکے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب نے گوجرانوالہ کی ایک عدالت میں بیان دیتے ہوئے تسلیم کر لیا کہ فرقہ احمدیہ قرآن وحدیث کو مانتا ہے۔ اور ہمارا فرقہ کسی ایسے فرقہ کو جو قرآن وحدیث کو مانے کافر نہیں کہتا۔ (دیکھو مقدمہ نمبر ۳۰۰ ابعدالت لالہ دیوکی نند مجسٹریٹ درجہ اول)

واضح رہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مرزا صاحب کے سخت مخالف تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے مرزا صاحب پر کفر کے فتوے لگائے۔ عین اس زمانہ میں مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ مولانا موصوف وفات سے قبل میرا مومن ہونا تسلیم

کرلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مولوی صاحب کو عدالت میں یہ بیان دینا پڑا کہ ان کا فرقہ جماعت مرزائیہ کو قطعاً کافر نہیں کہتا۔ یہ ایک ایسا بدیہی نشان ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

۲-پنڈت لیکھرام کی وفات کی مرزا صاحب نے پیشگوئی کی اور کہا عید اس نشان کے دن سے بہت قریب ہو گی۔ یعنی لیکھرام کی وفات اور عید کا دن متصل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکھرام عید کے دوسرے دن مقتول ہوئے۔ یقیناً یہ بات انسان کے بس کی نہیں کہ ایک شخص پہلے کہدے کہ فلاں شخص فلاں موقعہ پر قتل ہو گا۔ اور پھر ایسا ہی ہو۔ یقیناً اس قسم کے واقعات انسانی عقل سے بہت بالا ہیں۔ (برق صاحب کو بھی اس پیشگوئی کا پورا ہونا مسلّم ہے)

۳-۲۶، ۲۷، ۲۸ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو لاہور میں جلسۂ مذاہب ہونے والا تھا جس میں دوسرے نمائندوں کے علاوہ مرزا صاحب نے بھی تقریر کرنی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو مرزا صاحب کو بقول ان کے اللہ تعالیٰ سے اطلاع ملی کہ ان کا مضمون سب سے بلند رہے گا۔ چنانچہ اسی روز اشتہار کے ذریعہ اعلان بھی کر دیا کہ ہمارا ہی مضمون غالب رہے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب کا مضمون سب پر غالب رہا اور "سول ملٹری گزٹ"۔ "پنجاب اوبزرور"۔ اور دوسری اخباروں نے صاف صاف لکھ دیا کہ مرزا صاحب کا مضمون بہت بلند تھا۔ خود صدر جلسہ نے جلسہ کی کارروائی کی جو رپورٹ مرتب کی اس میں بھی اس مضمون کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔

یہ ایسی باتیں نہیں جنہیں اتفاقی کہا جائے ایک شخص کئی روز پہلے یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کا مضمون سب پر بازی لے جائے گا۔ حالانکہ دوسرے مقرر بھی کچھ کم پایہ کے لوگ نہ تھے۔ بالضرور اس میں تصرّفِ الٰہی کے کرشمے نمودار ہیں۔

۴-۲۳ر مئی ۱۹۰۵ء کو آپ نے رؤیا دیکھا۔ "آہ نادر شاہ کہاں گیا" یہ اس وقت کی بات

ہے جب کہ نادر خاں ابھی بچہ تھا۔ اس وقت دنیا کے تمام بادشاہوں میں کوئی نادر شاہ بادشاہ نہ تھا۔ لیکن حیرانی ہے کہ بعد میں ایک شخص غیر متوقع طور پر نادر خاں سے نادر شاہ بنا اور وہ طبعی موت بھی نہ مرا بلکہ ایسے طریق سے قتل ہوا کہ اس وقت ہر زبان پر یہی الفاظ جاری تھے۔ کہ ”آہ نادر شاہ کہاں گیا۔“

یہ اس قسم کی باتیں ہیں جنہیں کوئی انسان قرائن سے نہیں سمجھ سکتا۔ اور بغیر تصرّف الٰہی ۱۹۳۰ء میں ہونے والے ایک واقعہ کی خبر ۱۹۰۵ء میں دینا ناممکن ہے۔

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اطلاع میں خدا تعالیٰ کا تصرّف کام کر رہا تھا۔

۵- مرزا صاحب کو الہام ہوتا ہے الٓمّ غلبت الروم فی اَدْنیَ الارض الخ اور یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی ہے۔ اگر تصرف الٰہی کام نہیں کرتا تو کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص عرصہ سے پہلے ایسی بات کہہ دے جس کے حصول میں اسے مطلق کوئی دسترس نہ حاصل ہو اور پھر وہ بات بعینہ پوری بھی ہو جائے۔ روم کے معاملہ میں مرزا صاحب یا آپ کی جماعت کو ذرہ بھر بھی دخل حاصل نہ تھا روم کے مغلوب ہونے میں میرزائیوں کا کچھ بھی ہاتھ نہ ہو سکتا تھا۔ اور پھر مغلوب ہونے کے بعد دوبارہ غلبہ حاصل کرنے میں بھی میرزائیوں کی کوئی طاقت بروئے کار نہ آسکتی تھی۔ لیکن اس کامل بے بسی کے عالم میں محولہ بالا پیشگوئی کی گئی جس نے تھوڑا ہی عرصہ بعد پوری ہو کر لوگوں کو محو حیرت کر دیا۔

۶- دسمبر ۱۹۰۵ء میں آپ کو اطلاع ملتی ہے کہ ”میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کروں گا۔ اور اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا اور اس کے ذریعے حق ترقی کرے گا اور بہت سے لوگ سچائی کو قبول کریں گے۔“

اس پیشگوئی کو پڑھو اور بار بار پڑھو پھر ایمان سے کہو کہ کیا یہ پیشگوئی پوری

نہیں ہوئی۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی اس وقت موجودہ خلیفہ ابھی بچہ ہی تھے۔ اور مرزا صاحب کی جانب سے انہیں خلیفہ مقرر کرانے کے لئے کسی قسم کی وصیت بھی نہیں کی گئی تھی بلکہ خلافت کا انتخاب رائے عامہ پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت اکثریت نے حکیم نور الدین صاحب کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ جس پر مخالفوں نے محولہ پیشگوئی کا مذاق بھی اڑایا۔ لیکن حکیم صاحب کی وفات کے بعد مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ مقرر ہوئے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کے زمانہ میں احمدیت نے جس قدر ترقی کی وہ حیرت انگیز ہے۔

خود مرزا صاحب کے وقت میں احمدیوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ خلیفہ نور الدین صاحب کے وقت میں بھی خاص ترقی نہ ہوئی تھی لیکن موجودہ خلیفہ کے وقت میں میرزائیت قریباً دنیا کے ہر خطہ تک پہنچ گئی ہے۔ اور حالات یہ بتاتے ہیں کہ آئندہ مردم شماری میں مرزائیوں کی تعداد ۱۹۳۱ء کی نسبت دگنی سے بھی زیادہ ہو گی۔ حالانکہ اس عہد میں مخالفین کی جانب سے مرزائیت کے استیصال کے لئے جس قدر منظم کوششیں ہوئی ہیں پہلے کبھی نہ ہوئی تھیں۔

الغرض آپ کی ذریت میں سے ایک شخص پیشگوئی کے مطابق جماعت کے انتظام کے لئے قائم کیا گیا اور اس کے ذریعہ سے جماعت کو حیرت انگیز ترقی ہوئی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی بھی من وعن پوری ہوئی۔

۷۔ اپریل ۱۹۰۶ء میں آپ کو اطلاع ملی کہ "تزلزل در ایوان کسریٰ افتاد" اس پیشگوئی کی اشاعت سے تھوڑا ہی عرصہ بعد شاہ ایران تخت سے معزول کئے گئے اور یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔

۸۔ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ وائسرائے بہادر کے اس اقدام سے بنگالی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ

بنگال کو دوبارہ متحد کر دیا جائے۔ وائسرائے نے انکار کیا۔ بنگالیوں نے انار کی شروع کردی چنانچہ صوبۂ بنگال میں تشدد کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ انارکسٹ پارٹی نے بم سازی اور بمباری شروع کر دی۔ کئی انگریزوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ پولیٹیکل ڈاکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ الغرض بنگال کی حالت بے حد خطرناک ہو گئی لیکن وائسرائے بہادر نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ وہ تقسیم بنگال ہرگز منسوخ نہ کریں گے اس حالت میں کون شخص سمجھ سکتا تھا کہ وائسرائے کا یہ حکم منسوخ ہو جائے گا۔ اور بنگالیوں کی دلجوئی ہو گی۔

مگر قارئین متعجب ہوں گے ۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب کو اطلاع ملی "پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہو گی۔"

اس کے بعد بھی حکومت کی طرف سے یہی کہا جاتا تھا کہ اس حکم میں کوئی ترمیم نہ ہو گی۔ لیکن ۱۹۱۱ء میں شاہ جارج پنجم ہندوستان میں تشریف لائے اور آپ نے تقسیم بنگال منسوخ کر کے بنگالیوں کی دلجوئی کر دی۔ گویا پانچ سال بعد خود بادشاہ کے ہاتھوں مرزا صاحب کی پیشگوئی پوری ہو گئی۔ یقیناً اس پیشگوئی کے پورا ہونے میں صاحب نظر لوگوں کے لئے ایک سبق ہے اور اصحاب دانش کے لئے غور و فکر کا موقعہ ہے۔

۹-۲۹، جولائی ۱۸۹۷ء کو آپ نے دیکھا کہ حکام کی طرف سے ڈرانے کی کچھ کارروائی ہو گی۔ پھر آپ نے دیکھا کہ مومنوں پر ایک ابتلا آیا۔ پھر تیسری مرتبہ ایک اور اطلاع ملی کہ ؎

صادق آں باشد کہ ایامِ بلا
می گذارد با محبت باوفا

ان تمام اطلاعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالحمید نامی ایک شخص نے عدالت

فوجداری میں امرتسر میں یہ بیان دیا کہ مجھے مرزا صاحب نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کو قتل کرنے پر متعین کیا ہے۔ اس بیان پر مجسٹریٹ امرتسر نے مرزا صاحب کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ لیکن بعد میں مجسٹریٹ کو معلوم ہوا کہ وہ وارنٹ کے اجراء کا مجاز نہ تھا۔ چنانچہ اس نے وارنٹ واپس منگوا لئے اور مسل گورداسپور بھیج دی۔ جسپر صاحب ضلع نے مرزا جی کو ایک معمولی سمن کے ذریعے طلب کیا۔ یہاں خدا کا کرنا یہ ہوا کہ خود عبدالحمید نے عدالت میں اقرار کر لیا کہ عیسائیوں نے مجھ سے یہ جھوٹا بیان دلوایا تھا۔ ورنہ مجھے مرزا صاحب نے قتل کے لئے کوئی ترغیب نہیں دی۔ مجسٹریٹ نے یہ بیان سن کر مرزا صاحب کو بَری کر دیا اور اس طرح سے مذکورہ بالا اطلاعات پوری ہوئیں۔

۱۰-امریکہ کا ایک عیسائی ڈوئی نامی جو اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مرزا صاحب نے اس کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنے دعویٰ سے باز آئے مگر وہ باز نہ آیا بلکہ مرزا صاحب اور ڈوئی کے درمیان مباہلہ ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو نقد سات کروڑ روپیہ کا نقصان پہنچا۔ اسکی بیوی اور بیٹا اس کے دشمن ہو گئے۔ اس پر فالج کا حملہ ہوا اور بالآخر وہ پاگل ہو کر مارچ ۱۹۰۷ء میں فوت ہو گیا۔ اس سے پہلے اگست ۱۹۰۳ء میں مرزا صاحب کو یہ اطلاع ملی تھی۔ کہ "اس کے صیحون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے آباد کردہ شہر صیحون سے نہایت ذلت کے ساتھ نکالا گیا۔"

اس مباہلہ اور اطلاع سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں من وعن پوری ہوئیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہونا محض ایک اتفاقی بات تھی۔ یا اس کے ساتھ خدائی امداد شامل تھی۔ حالات اس امر کا بدیہی ثبوت ہیں کہ یہ باتیں اتفاقی نہ تھیں۔ بلکہ بتلانے والے کا تصرف اس کے ساتھ شامل تھا۔ اب قدرتی طور پر یہ سوال

پیدا ہوتا ہے کہ کیا تصرفاتِ الٰہی سے کسی خائن اور کاذب کی بھی امداد ہوا کرتی ہے۔ یقیناً یہ بات فطرۃ اللہ کے قطعاً خلاف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کا صحیح نکلنا انکی صداقت پر اٹل دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۱- مولوی کرم الدین صاحب نے مرزا صاحب کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا ایک دعویٰ گورداسپور کی عدالت میں دائر کیا۔ بنائے دعویٰ مرزا صاحب کے یہ الفاظ تھے جو انہوں نے مولوی کرم الدین کے خلاف استعمال کئے تھے۔ یعنی لئیم اور کذّاب۔ عدالت ابتدائی نے مرزا صاحب کو ملزم قرار دیتے ہوئے سزا دے دی۔ لیکن مرزا صاحب کو اطلاع ملی۔ ''ہم نے تمہارے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ ہم کسی اور معنی کو پسند نہیں کرتے...... ان کی کوئی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔'' اس کے بعد مرزا صاحب نے اپیل دائر کی جس پر صاحب ڈویژنل جج نے لکھا کہ کذاب اور لئیم کے الفاظ کرم الدین کے حسبِ حال ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب کو بری کر دیا۔

۱۲- محولہ بالا مقدمہ کے مجسٹریٹ سماعت کنندہ مسٹر آتمارام کے متعلق مرزا صاحب کو اطلاع ملی کہ آتمارام اپنی اولاد کے ماتم میں مبتلا ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیس پچیس دن کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے اس کے دو بیٹے وفات پا گئے۔

۱۳- اپریل ۱۹۰۵ء میں آپ کو اطلاع ملی۔

''زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار''

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب کہ زار اپنی قوت اور طاقت کیساتھ روس کے کروڑہا بندگان خدا پر خود مختارانہ حکومت کر رہا تھا لیکن چند سال بعد انقلاب روس کے موقعہ پر بالشویکوں کے ہاتھ سے زار روس کی جو گت بنی وہ نہایت ہی عبرت انگیز ہے۔

· نیا کا سب سے بڑا بادشاہ پاجولاں ہے اس کے خاندان کے تمام ارکان پابند

سلاسل ہیں اور باغی اپنی سنگینوں اور بندوقوں سے خاندان شاہی کے ایک ایک رکن کو ہلاک کرتے ہیں۔ جب زآر کے تمام بچوں اور بیوی کو باغی تڑپا تڑپا کر مار چکتے ہیں تو زآر کو نہایت بے رحمانہ طریق پر قتل کر دیتے ہیں۔

۱۴-۷-۱۸۷۷ء کی بات ہے کہ مرزا صاحب نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ رلیارام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لیے مجھے بھیجا ہے اور میں نے اسے مچھلی کی طرح تل کر واپس کر دیا ہے۔ اس رویاء کے بعد مرزا صاحب نے رلیارام وکیل کے اخبار میں چھپنے کے لیے ایک مضمون بھیجا اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھدیا (مرزا صاحب کو یہ علم نہ تھا کہ پیکٹ میں خط رکھنا قانون ڈاکخانہ کی رو سے جرم ہے) رلیارام وکیل جانتا تھا کہ مرزا صاحب کا یہ فعل قانونی طور پر جرم ہے اور اس کی سزا پانچ صد روپیہ جرمانہ اور چھ ماہ قید ہے۔ رلیارآم نے اس خط کی مخبری کر دی۔ جس پر افسران ڈاک نے مرزا صاحب پر مقدمہ چلا دیا۔ عدالت گورداسپور سے طلبی ہوئی۔ مرزا صاحب نے وکیلوں سے مشورہ کیا تو ان سب نے یہی کہا کہ سوائے جھوٹ بولنے کے کوئی چارہ نہیں ہے لیکن مرزا صاحب نے جھوٹ بولنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ عدالت میں اقبال کیا کہ یہ میرا خط ہے اور پیکٹ بھی میرا ہے۔ میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا مگر میں نے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا۔ افسر ڈاکخانہ نے جو مدعی تھا مرزا صاحب کو پھنسانے کی بہتیری کوشش کی لیکن اس کے دلائل کا عدالت پر کچھ اثر نہ ہوا۔ چنانچہ عدالت نے مرزا صاحب کو بری کر دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عرصہ پہلے رلیارام کا سانپ کا بھیجنا اور مرزا صاحب کا تلی ہوئی مچھلی لوٹانا اور پھر اس مقدمہ کا رلیارام کے ہاتھ سے شروع ہونا اور مرزا صاحب کا باعزت طریق پر بری ہونا اپنے اندر کئی سبق رکھتا ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص اٹکل پچو طریق پر ایسی پیشگوئی کر دے جو حرف بحرف پوری ہو کر رہے۔

چشم بصیرت رکھنے والے لوگوں کے لئے ان پیشگوئیوں کی صداقت میں شبہ کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض لوگ کیوں مرزا صاحب کی دشمنی میں اپنے آپ کو مبتلا کر رہے ہیں۔ اور ایسے شواہد کی جانب سے چشم پوشی کر رہے ہیں جن کی تکذیب محال ہے۔ علمائے اسلام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ بتلائیں کہ کئی کئی سال پہلے پتہ کی باتیں کہدینا سوائے تائیدِ خداوندی کے کسی اور صورت میں بھی ممکن ہے۔ اگر نہیں تو ایک ایسے آدمی کی تکفیر کرنا ازروئے اسلام کہاں تک جائز ہے۔

۱۵- ۱۸۸۳ء میں مرزا صاحب کو یہ خبر تواتر کے ساتھ دی گئی کہ "میں تمہاری مدد کروں گا۔" اب دیکھنے والے یہ دیکھتے ہیں اور جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ عیسائیوں نے بلکہ خود مسلمانوں نے آپ کے خلاف کئی مقدمے کھڑے کئے اور ہر مقدمہ میں بالآخر مرزا صاحب کو ہی فتح اور کامرانی حاصل ہوئی۔ سلسلہ احمدیہ کے مٹانے اور درہم برہم کرنے کے لئے چاروں طرف سے حملے کئے گئے۔ مگر یہ امر واقعہ ہے کہ احمدیت بڑے زور سے ترقی کرتی رہی اور کر رہی ہے۔

جن دنوں میں محولہ بالا پیشگوئی کی گئی ان دنوں میں مرزا صاحب کے پیرووں کی تعداد شاید انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا شہر ہوگا جس میں مرزائیت روزافزوں ترقی نہ کر رہی ہو اور احرار کی شدید ترین مخالفت کے باوجود مرزائیت پھیلتی جا رہی ہے۔

۱۶- ۱۸۹۱ء میں آپ کو اطلاع ملی۔

"میں تجھے زمین کے کناروں تک عزت کے ساتھ شہرت دوں گا اور تیرا ذکر بلند کروں گا۔"

اس وقت بظاہر اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے کوئی اسباب موجود نہ تھے۔

لیکن ہم حیرت سے دیکھتے ہیں کہ اسی بے بسی کے عالم میں کی ہوئی پیشگوئی آج حرف بحرف پوری ہو رہی ہے اور مرزائیت دنیا کے دور دراز ممالک میں پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ یورپ کے قریباً تمام ممالک میں مرزائی مبلغ پہنچ چکے ہیں اور بڑے بڑے لوگ مرزائیت کے حلقہ بگوش بن رہے ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں بادی النظر میں معمولی معلوم ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ایک شخص کا اتنا بڑا دعویٰ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ چند سال بعد ہی مرزائیوں میں اتنی قوت و طاقت پیدا ہو جائے گی کہ وہ لاکھوں روپے سالانہ خرچ سے اپنے مبلغین بلاد یورپ میں بھجوا دیں گے۔ اور پھر کون سمجھ سکتا تھا کہ بڑے بڑے لارڈ مرزائیت کو قبول کر لیں گے۔ یہ تمام باتیں دور از فہم تھیں جو آج بڑی حد تک پوری ہو چکی ہیں اور آثار و قرائن بتلاتے ہیں کہ بہت جلد یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو کر رہے گی۔

ان حالات کے مطالعہ سے فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی طاقت ہے جو کئی سال پہلے ایک بات منہ سے نکلوا دیتی ہے جو آخر کار پوری ہو کر رہتی ہے۔ کاش اہل خرد سوچیں اور علمائے اسلام دلائل عقلی سے ثابت کریں کہ کیونکر ایک کاذب ایسی ٹھکانے کی بات کہہ سکتا ہے۔ اور پوری کمزوری کے عالم میں کس طرح ایک مفتری کو یہ جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر دے کہ اسے عزت اور غلبہ حاصل ہو گا۔

ہم مان لیتے ہیں کہ ایک خدا کا خوف نہ رکھنے والا انسان اتنا بڑا طوفان باندھ سکتا ہے۔ لیکن کیا خدائے تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ وہ مفتریوں اور خائنوں کی تائید اور حمایت کرے۔ کیا خدا تعالیٰ کذب اور زُور کی سرپرستی کیا کرتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کے دعاوی اور پیشگوئیاں وضعی اور جعلی نہ تھیں بلکہ وہ خدا

کی طرف سے تھیں۔

۱۷-نواب محمد علی خان آف مالیر کوٹلہ کی بیوی ابھی تندرست تھیں۔ کہ مرزا صاحب کو ان کی وفات کی اطلاع ملی اور اس کے ساتھ ہی دکھلایا گیا کہ۔

"دردناک دکھ اور دردناک واقعہ"

اس کی اطلاع نواب صاحب کو دی گئی خدا کی قدرت کوئی چھ ماہ بعد بیگم صاحبہ کو سل کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اور آپ کچھ عرصہ بعد وفات پا گئیں۔ ظاہر ہے کہ سل کا مرض نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے اور اس مرض کا مریض دردناک دکھ میں مبتلا ہو کر راہیِ عدم ہوتا ہے۔

بیگم صاحبہ کی صحت کی حالت میں اس قسم کی اطلاع کی اشاعت یقینِ کامل کے بغیر ناممکن ہے۔ اور یقینِ کامل خدا پر مضبوط ایمان اور اس کی جانب سے حتمی اطلاع کے بغیر محال ہے۔

ان تمام واقعات سے یہ امر سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کو شرح صدر حاصل تھا اور آپ کو مکالمہ و مکاشفہ کا شرف حاصل تھا۔

کون بدبخت کہہ سکتا ہے کہ خدا پر جھوٹ باندھنے والا بھی دنیا میں کامیاب و بامُراد ہو سکتا ہے اور اس کا سلسلہ روز افزوں ترقی کر سکتا ہے۔ سلسلہ احمدیہ کی مسلسل ترقیاں اور اس جماعت کی پیہم کامیابی اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ نصرت الٰہی ان کے ساتھ ہے۔

خود مرزا صاحب نے فرمایا کہ ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو

کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

محولہ بالا شعر ہی بتلاتا ہے کہ مرزا صاحب کو خدا تعالیٰ پر کامل توکل اور پورا

بھروسہ تھا۔ ورنہ جس کی طبیعت کے اندر گندگی پلیدی ہو اسے کیونکر جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اعلان کرے۔ کہ نصرت الٰہی گندوں کے لئے نہیں۔ بلکہ پاک بازوں کے لئے ہے۔

الغرض اس قسم کی بیسیوں پیشگوئیاں ہیں جو پوری ہوئیں اور جن کے اندر عظیم الشان نشانات موجود ہیں۔ ان واقعات کے متعلق اس امر کا اقرار ناگزیر ہے کہ مرزا صاحب کو ضرور خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل تھا۔

☆☆☆☆

۱۔ پیشگوئی متعلق محمدی بیگم صاحبہ

حضرت مسیح موعودؑ کی اس پیشگوئی کے ذریعہ جس کی ہم وضاحت کریں گے خدا تعالیٰ آپ کے ان رشتہ داروں کو جو دہریہ اور دینِ اسلام سے تمسخر کرنے والے تھے ایک نشان دکھانا چاہتا تھا تا جو لوگ ان میں سے اس نشان کو رد کردیں وہ سزا پائیں اور دوسرے اس سے تنبیہ حاصل کریں۔ یہی اس پیشگوئی کی اصل غرض تھی اور یہی حکمت الٰہی اور مصلحت اس میں مضمر تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ خود تحریر فرماتے ہیں :-

"ہمیں اس رشتہ (محمدی بیگم صاحبہ کے رشتہ) کی درخواست کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا نے پورا کردیا تھا۔ اولاد بھی عطاء کی اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہوگا اور ایک لڑکا قریب مدت میں ہونے کا وعدہ دیا جس کا نام محمود احمد ہوگا۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔ پس یہ رشتہ جس کی درخواست محض بطور نشان ہے تا خدا تعالیٰ اس کنبہ کے منکرین کو عجوبہ قدرت دکھائے اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان ان پر نازل کرے اور ان بلاؤں کو دفع کرے جو نزدیک ہیں۔ لیکن اگر وہ ردّ کردیں تو اُن پر قہری نشان نازل کرکے اُن کو متنبہ کرے۔"

(اشتہار ۱۵ر جولائی ۱۸۸۸ء)

ان رشتہ داروں کی حالت حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" میں یوں بیان کرتے ہیں :-

"خدا تعالیٰ نے میرے چچیرے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں (احمد بیگ وغیرہ) کو ملحدانہ خیالات اور اعمال میں مبتلا اور رسوم قبیحہ اور عقائد باطلہ اور بدعات میں مستغرق پایا اور ان کو دیکھا کہ وہ اپنے نفسانی جذبات کے تابع ہیں اور خدا تعالیٰ کے وجود سے منکر اور فسادی ہیں۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۶)

پھر فرماتے ہیں :-

''ایک رات ایسا اتفاق ہوا۔ کہ ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا میں اس کے رونے کو دیکھ کر خائف ہوا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کسی کے مرنے کی اطلاع ملی ہے ؟ اُس نے کہا نہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت بات ہے۔ میں اُن لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو دین خداوندی سے مرتد ہو چکے ہیں۔ پس اُن میں سے ایک نے آنحضرت ﷺ کو نہایت گندی گالی دی۔ ایسی گالی کہ میں نے اس سے پہلے کسی کافر کے مُنہ سے بھی نہیں سنی تھی اور میں نے انہیں دیکھا کہ وہ قرآن مجید کو اپنے پاؤں تلے روندتے اور ایسے کلمات بولتے ہیں جن کے نقل کرنے سے زبان کانپتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی خدا نہیں۔ خدا کا وجود محض ایک مفتریوں کا جھوٹ ہے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ کیا میں نے تمہیں اُن کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں کیا تھا؟''

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۷)

رشتہ داروں کا نشان طلب کرنا

پھر حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

''ان لوگوں نے خط لکھا جس میں رسول کریم ﷺ اور قرآن مجید کو گالیاں دیں اور وجودِ باری عزّاسمہٗ کا انکار کیا اور اس کے ساتھ ہی مجھ سے میری سچائی اور وجود باری تعالیٰ کے نشانات طلب کئے اور اس خط کو انہوں نے دنیا میں شائع کر دیا اور ہندوستان کے غیر مسلموں کی بہت مدد کی اور انتہائی سرکشی دکھائی۔''

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۸)

نوٹ :-(یہ خط عیسائی اخبار چشمۂ نور اگست ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا تھا)

نشان طلب کرنے پر حضرت اقدس کی دُعا

نشان کے طلب کرنے پر حضرت مسیح موعودؑ نے دُعا کی جو آپ نے اپنی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام'' کے صفحہ ۵۵۹ پر بدیں الفاظ درج فرمائی ہے :-

''قُلْتُ یَارَبِّ انْصُرْ عَبْدَكَ وَاخْذُلْ اَعْدَائكَ الخ۔''

ترجمہ :- میں نے کہا اے میرے خدا! اپنے بندے کی مدد کر اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کر۔ الخ

خدا تعالیٰ کا جواب

اس دُعا کے جواب میں خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا۔ کہ :-

''میں نے اُن کی بد کرداری اور سرکشی دیکھی ہے۔ پس میں عنقریب اُن کو مختلف قسم کے آفات سے ماروں گا۔ اور آسمان کے نیچے انہیں ہلاک کرونگا۔ اور عنقریب تو دیکھے گا کہ میں اُن سے کیا سلوک کرتا ہوں۔ اور ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ میں اُن کی عورتوں کو بیوائیں اُن کے بچوں کو یتیم اور گھروں کو ویران کر دونگا تاکہ وہ اپنے کیئے کی سزا پائیں۔ لیکن میں انہیں یکدم ہلاک نہیں کرونگا بلکہ آہستہ آہستہ تاکہ وہ رجوع کریں اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور میری لعنت ان پر اور ان کے گھر کی چار دیواری پر اُن کے بڑوں اور اُن کے چھوٹوں پر اور ان کی عورتوں اور ان کے مردوں پر اور اُن کے مہمانوں پر جو اُن کے گھروں میں اتریں گے نازل ہونے والی ہے اور وہ سب کے سب ملعون ہونے والے ہیں۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اُن سے قطع تعلق کریں اور اُن کی مجلسوں سے دُور ہوں وہ رحمت الٰہی کے تحت ہوں گے۔''

(ترجمہ عربی عبارت آئینہ کمالاتِ اسلام)

خاص پیشگوئی کے بارہ میں الہامات

یہ الہام جو اوپر مذکور ہوا محمدی بیگم صاحبہ کی پیشگوئی کے سلسلہ میں ایک ایسا الہام تھا جو رشتہ داروں کے متعلق عمومی رنگ رکھتا تھا۔ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

"انہی ایام میں مرزا احمد بیگ والد محمدی بیگم صاحبہ نے ارادہ کیا کہ اپنی ہمشیرہ کی زمین کو جس کا خاوند کئی سال سے مفقود الخبر تھا اپنے بیٹے کے نام ہبہ کرائے۔ لیکن بغیر ہماری مرضی کے وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ہمارے چچازاد بھائی کی بیوہ تھی۔ اس لئے احمد بیگ نے ہماری جانب بعجز وانکسار رجوع کیا اور قریب تھا کہ ہم اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیتے لیکن حسبِ عادت استخارہ کیا تو اس پر وحی الٰہی ہوئی جس کا ترجمہ یوں ہے۔ "اس شخص کی بڑی لڑکی کے رشتہ کے لئے تحریک کر اور اس سے کہہ! کہ وہ تجھ سے پہلے دامادی کا تعلق قائم کرے اور اس کے بعد تمہارے نور سے روشنی حاصل کرے نیز اس سے کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ زمین جو تو نے مانگی ہے دیدوں گا۔ اور اس کے علاوہ کچھ اور زمین بھی' نیز تم پر کئی اور رنگ میں احسان کروں گا بشرطیکہ تم اپنی بڑی لڑکی کا مجھ سے رشتہ کر دو اور یہ تمہارے اور میرے درمیان عہد و پیمان ہے۔ جسے تم اگر قبول کرو گے تو مجھے بہترین طور پر قبول کرنے والا پاؤ گے اور اگر تم نے قبول نہ کیا تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اس لڑکی کا کسی اور شخص سے نکاح نہ اس لڑکی کے حق میں مبارک ہو گا اور نہ تمہارے حق میں اور اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آئے تو تم پر مصائب نازل ہوں گے اور آخری مصیبت تمہاری موت ہو گی اور تم نکاح کے بعد تین سال کے اندر مر جاؤ گے بلکہ تمہاری موت قریب ہے جو تم پر غفلت کی حالت میں وارد ہو گی اور ایسا ہی اس لڑکی کا شوہر بھی اڑھائی سال کے اندر مر جائے گا اور یہ قضاء

الٰہی ہے۔ ’’پس تم جو کچھ کرنا چاہو کرو میں نے تمہیں نصیحت کر دی ہے۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۷۳-۲۷۵)

خدا تعالیٰ کے حضور توجہ کرنے پر اس بارہ میں آپ کو یہ الہام بھی ہوا :-

’’كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَيَرُدُّهَا اِلَيْكَ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ۔‘‘ (تتمہ اشتہار ۱۵؍ جولائی ۱۸۸۸ء)

ترجمہ :- ان لوگوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا ہے اور ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ میں ترے لئے کافی ہوگا (یعنی انہیں عذاب دیگا) اور اس عورت کو تیری طرف لوٹائے گا۔ خدا کے کلمات بدل نہیں سکتے۔

اس اشتہار میں ایک اور الہام بھی تحریر فرماتے ہیں جو محمدی بیگم صاحبہ کی واپسی کو مشروط کر رہا ہے اس الہام کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ آپ نے کشف میں محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کو دیکھا کہ اس کے چہرہ پر رونے کی علامات ہیں تو آپ نے اُسے کہا :-

’’اَيَّتُهَا الْمَرْءَةُ تُوْبِيْ تُوْبِيْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ وَالْمُصِيْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَيْكِ يَمُوْتُ وَيَبْقٰى مِنْهُ كِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ۔‘‘ (تتمہ اشتہار ۱۰؍ جولائی ۱۸۸۸ء)

ترجمہ :- ’’اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ بلاء تیری اولاد اور اولاد در اولاد پر پڑنے والی ہے اور تجھ پر مصیبت نازل ہونے والی ہے ایک شخص مرے گا اور اس سے بہت سے ایسے معترض باقی رہ جائیں گے۔ جو زبان درازی سے کام لیں گے۔‘‘

یہ الہام بتاتا ہے کہ محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی یعنی محمدی بیگم صاحبہ پر بلاء نازل ہونے والی تھی جس سے محمدی بیگم صاحبہ کی نانی مصیبت میں مبتلا ہونے والی تھی اور یہ بلاء اور مصیبت توبہ سے ٹل سکتی تھی۔ یہ الہام ایک شخص کا مرنا اور ایسے معترضین کا پیدا ہونا بھی بتاتا ہے جو ناواجب طریق سے اعتراض کے لئے

زبان کھولنے والے تھے۔

پس اس امر کو بنیادی طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ الہام یَرُدُّھَا اِلَیْکَ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ توبہ نہ کرنے کی شرط سے مشروط ہے اور توبہ کے وقوع میں آنے پر پیشگوئی کا یہ حصہ جو محمدی بیگم صاحبہ کی واپسی سے تعلق رکھتا ہے ٹل سکتا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب محمدی بیگم کے باپ نے اُن کا نکاح دوسری جگہ کر دیا تو پیشگوئی کے مطابق محمدی بیگم صاحبہ کا والد مرزا احمد بیگ نکاح کرنے کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں پیشگوئی کے معیاد کے اندر ہلاک ہو گیا اور اس کی ہلاکت کا کنبہ پر شدید اثر پڑا اور محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے بھی توبہ اور رجوع الی اللہ سے کام لیا اور اس وجہ سے محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی موت توبہ اور رجوع الی اللہ کی وجہ سے ٹل گئی۔ چونکہ محمدی بیگم صاحبہ کی حضرت اقدس کی طرف واپسی کی پیشگوئی عدم توبہ کی شرط سے مشروط تھی اور اس کے خاوند کے مرنے اور محمدی بیگم صاحبہ کے بیوہ ہونے کے بعد ہی یہ واپسی ممکن تھی اس لئے نکاح کی پیشگوئی غیر مشروط نہ تھی۔ چونکہ خاوند نے شرطِ توبہ سے فائدہ اٹھایا اور اس طرح وہ پیشگوئی کی معیاد کے اندر مرنے سے بچ گیا۔ اس لئے نکاح جو اُس کی موت سے معلق تھا ضروری الوقوع نہ رہا۔

یہ ہے خلاصہ اس پیشگوئی کا جس پر معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ پیشگوئی سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کے توبہ کر لینے پر ان کی موت واقع نہ ہونے کی وجہ سے ٹل چکی تھی۔

لہٰذا کسی معترض کو یہ اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں کہ محمدی بیگم صاحبہ بیوہ ہو کر کیوں حضرت اقدس کے نکاح میں نہیں آئیں؟ معترضین زیادہ سے زیادہ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ سلطان محمد کی موت کیوں واقع نہیں ہوئی؟ اور ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ وعید کی پیشگوئی چونکہ عدم توبہ کی شرط سے مشروط ہوتی ہے خواہ

شرط نہ بھی بیان کی گئی ہو اس لئے وہ توبہ اور رجوع پر ٹل جاتی ہے اور یہاں تو الہام نے صاف طور پر توبہ کی شرط بیان بھی کر دی تھی۔ اس لئے محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کی توبہ اور رجوع الی اللہ سے نکاح کی پیشگوئی ٹل گئی ہے۔

پس خدا تعالیٰ کے الہامات پر کسی شخص کو یہ اعتراض کرنیکا کوئی حق نہیں کہ نکاح کیوں وقوع میں نہ آیا۔

سلطان محمد کی توبہ کا قطعی ثبوت

جب بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ سلطان محمد کی موت پیشگوئی کے مطابق واقع نہیں ہوئی۔ اس لئے پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو اس کے جواب میں حضرت اقدس نے انجام آتھم کے حاشیہ صفحہ ۳۲ پر تحریر فرمایا کہ :۔

(الف) ”فیصلہ تو آسان ہے احمد بیگ کے داماد سلطان محمد سے کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے پھر اس کے بعد جو معیاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔“

(ب) ”اور ضرور ہے کہ یہ عید کی موت اس سے تھمی رہے۔ جب تک وہ گھڑی نہ آجائے کہ اس کو بے باک کر دے، سو اگر جلدی کرنا ہے تو اُٹھو اس کو بے باک اور مکذب بناؤ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔“ (انجام آتھم صفحہ ۳۲)

ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے اس چیلنج کے بعد اگر مرزا سلطان محمد خاوند محمدی بیگم صاحبہ کسی وقت شوخی اور بے باکی دکھاتے یا مخالفین اُن سے تکذیب کا اشتہار دلانے میں کامیاب ہو جاتے تو پھر اس کے بعد مرزا سلطان محمد صاحب کی موت کے لئے جو معیاد مقرر کی جاتی وہ قطعی تقدیر مبرم ہوتی اور اس کے مطابق مرزا سلطان محمد صاحب کی موت ضرور وقوع میں آتی اور اسکے بعد محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت اقدس سے ضروری اور اٹل ہو جاتا۔

پس کوئی معترض یہ جرأت نہیں رکھتا کہ یہ کہہ سکے کہ اس پیشگوئی کے بارہ میں حضرت اقدس کا کوئی الہام جھوٹا نکلا۔

سلطان محمد صاحب کی توبہ کا ثبوت

اس بات کا ثبوت کہ سلطان محمد توبہ کر چکے تھے اور پیشگوئی کے مصدق تھے اور اس کی تصدیق پر حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی تک قائم رہے یہ ہے کہ حضرت اقدس کے انجام آتھم میں مذکورہ بالا چیلنج شائع کرنے پر آریوں اور عیسائیوں میں سے بعض لوگ مرزا سلطان محمد صاحب کے پاس پہنچے اور انہیں لاکھ لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا تا وہ حضرت اقدس پر نالش کر دیں۔ لیکن جیسا کہ ان کے انٹرویو سے ظاہر ہے۔ چونکہ وہ توبہ کر چکے تھے اور پیشگوئی کی صداقت کے قائل تھے اس لئے وہ اس گراں بہا لالچ دیئے جانے پر بھی کسی قسم کی بے باکی اور شوخی کیلئے تیار نہ ہوئے۔

مرزا سلطان محمد صاحب کا انٹرویو

محترم حافظ جمال احمد صاحب فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ نے ایک دفعہ مرزا سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کا انٹرویو لیا جو اخبار الفضل ۱۳/ ۹ جون ۱۹۲۱ء میں مرزا سلطان محمد کے زمانہ حیات میں ہی "مرزا سلطان محمد کا ایک انٹرویو" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ حافظ جمال احمد صاحب لکھتے ہیں :۔

"میں نے مرزا سلطان محمد سے کہا اگر آپ برا نہ مانیں تو میں حضرت مرزا صاحب کی نکاح والی پیشگوئی کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے جواب میں انہوں نے کہا آپ بخوشی بڑی آزادی سے دریافت کریں۔"

اِس انٹرویو میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا :۔

"میرے خسر مرزا احمد بیگ صاحب واقعہ میں عین پیشگوئی کے مطابق فوت

ہوئے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ غفور و رحیم بھی ہے اور اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے۔"

اِس آخری فقرہ میں مرزا سلطان محمد صاحب نے اپنی توبہ واستغفار کا اظہار کیا ہے اور پہلے فقرہ میں پیشگوئی کی تصدیق کی ہے اس کے باوجود مزید وضاحت کیلئے حافظ جمال احمد صاحب نے اُن سے سوال کیا۔

"آپ کو مرزا صاحب کی پیشگوئی پر کوئی اعتراض ہے؟ یا یہ پیشگوئی آپ کیلئے کسی شک وشبہ کا باعث ہوئی"؟

اس کے جواب میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا:۔

"یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے بھی شک وشبہ کا باعث نہیں ہوئی۔"

اور یہ بھی کہا:۔

"میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان واعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں اتنا نہیں ہوگا۔"

اس پر حافظ جمال احمد صاحب نے سوال کیا کہ آپ بیعت کیوں نہیں کرتے؟

مرزا سلطان محمد نے جواباً کہا:۔

"اس کی وجوہات کچھ اور ہیں جن کا اس وقت بیان کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔"

اور اس سلسلہ میں یہ بھی کہا کہ:۔

"میرے دل کی حالت کا آپ اس سے بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا تا کہ میں مرزا صاحب پر نالش کروں اگر وہ روپیہ میں لے لیتا تو امیر

کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وہی ایمان واعتقاد تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔"

صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحبؓ کی شہادت

اس بارہ میں صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کی شہادت یہ ہے :-

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب ایک دفعہ قادیان آئے اُن کے ساتھ اُن کا ایک لڑکا بھی تھا وہ شہر کی طرف سے ہائی سکول کی طرف جا رہے تھے تو مجھ سے ان کے لڑکے نے تعارف کرایا۔ دوران گفتگو میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر بھی آگیا اس پر مرزا سلطان محمد صاحب نے کم و بیش وہی بیان دیا جو حافظ جمال احمد صاحب نے ۱۳ ر ۹ جون ۱۹۲۱ء کے الفضل میں انٹرویو کے طور پر شائع کروایا ہے۔ اور انہوں نے دوران گفتگو میں اس بات کی بڑے زور سے تائید کی کہ انہیں کبھی بھی حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے متعلق شبہ نہیں ہوا۔ اُن کے مُنہ پر داڑھی تھی اور ایک ٹانگ سے لڑائی میں زخمی ہونے کی وجہ سے لنگڑاتے تھے"۔ (دستخط حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمدؓ) (ماخوذ از پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات کی وضاحت صفحہ ۵۸۔۵۹)

اسی طرح خود سلطان محمد صاحب محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے اپنے ایک خط میں حضرت اقدس کی تصدیق کی تھی جس کا عکس ملاحظہ ہو۔

عکس خط مرزا سلطان محمدؐ صاحب آف پٹی

انبالہ چھاؤنی
۳ مارچ ۱۹۱۳ء

برادرم سلمہٗ

السلام علیکم ۔ نوازش نامہ آپکا پہنچایا دادوری کا
شکریہ ۔ میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو
نیک ۔ بزرگ اسلام کا خدمتگذار شریف النفس
خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا
ہوں ۔ مجھے انکے مریدوں سے کسی قسم کی
مخالفت نہیں ہے بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ
چند ایک امورات کی وجہ سے انکی زندگی
میں انکا شرف حاصل نہ کر سکا

نیازمند سلطان محمد از انبالہ
رسالہ نمبر ۹

اس خط سے ظاہر ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو خادم اسلام سمجھتے رہے ہیں۔ ۱۸۸۸ء میں پیشگوئی کئے جانے کے وقت حضرت اقدس کو صرف اسلام کا خدمت گذار ہونے کا دعویٰ تھا۔ مسیح موعود کا دعویٰ آپ نے ۱۸۹۰ء کے آخر میں کیا ہے۔ پس اس وقت سلطان محمد صاحب کے عذاب سے بچنے کے لئے اتنی تصدیق کافی تھی۔ جس کا ذکر اس خط میں موجود ہے۔

مرزا اسحاق بیگ صاحب پسر مرزا سلطان محمد صاحب کی شہادت

علاوہ ازیں مرزا اسحاق بیگ صاحب پسر مرزا سلطان محمد صاحب و محمدی بیگم صاحبہ خدا کے فضل سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ وہ اپنے خط میں جو اخبار الفضل میں شائع ہوا۔ لکھتے ہیں :۔

"اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب ہلاک ہو گئے اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس کا نا قابل تردید ثبوت یہ ہے کہ اکثر نے احمدیت قبول کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور رحیم کے ماتحت قہر کو رحم میں بدل دیا۔" (اخبار الفضل ۲۶؍ فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۹)

مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا کی حلفیہ شہادت

مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد بخارا سے جب خاکسار قاضی محمد نذیر نے اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کیا تو انہوں نے ذیل کی شہادت بیان کی اور پھر میری درخواست پر یہ شہادت حلفاً لکھ کر دے دی۔ شہادت کا مضمون یہ ہے :۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط وَعَلٰی عبدہِ المسیحِ المَوۡعُود

حلفیہ شہادت

"پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے کافی عرصہ پہلے غالبًا ۳۳۔۳۴ء میں مجھ کو پٹی میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جانیکا اتفاق ہوا۔ وہاں مرزا سلطان محمد صاحب داماد مرزا احمد بیگ صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے دورانِ گفتگو میں حضرت مسیح موعودؑ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری میرے پاس پٹی آئے۔ میں نے آتے ہی ان کے لئے پانی وغیرہ پلانے کا انتظام کرنا شروع کیا۔ جس پر انہوں نے کہا کہ میں سب سے پہلے اپنا ایک مقصد آپ سے پورا کرانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد میں پانی وغیرہ پیوں گا۔ اور وہ یہ کہ آپ مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف ایک تحریر مجھ کو دیدیں اور یہ کہ ان کی پیشگوئی دربارہ محمدی بیگم غلط ثابت ہوئی ہے۔ مرزا سلطان محمد صاحب کہنے لگے کہ میں نے ان کو کہا کہ آپ ابھی تو آئے ہیں، یہ مہمان نوازی کے آداب میں ہے کہ آنے والے کو پہلے اچھی طرح بٹھا کر اور پانی وغیرہ پلا کر پھر کسی اور طرف متوجہ ہوں۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب یہی رٹ لگاتے رہے۔ جس پر میں نے ایسی تحریر دینے سے صاف طور پر انکار کر دیا۔ اور وہ بے نَیلِ مرام واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ سنا کر انہوں نے کہا کہ یہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق میری عقیدت ہی تھی جس کی وجہ سے میں نے ان کی ایک نہ مانی۔ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ عیسائی اور آریہ قوم کے بڑے بڑے لیڈروں نے بھی مجھ سے اس قسم کی تحریر لینے کی خواہش کی مگر میں نے کسی کی نہ مانی اور صاف ایسی تحریر دینے سے ان کو انکار کرتا رہا۔ بلکہ جہاں تک مجھ کو یاد پڑتا ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو عقیدت مجھ کو ان سے ہے وہ

آپ میں سے کئی احمدیوں کو بھی نہیں ہے۔"

گواہ شد۔ سیّد عبدالحیؒ بقلم خود خاکسار

گواہ شد۔ محمود احمد مختار (شاہد) ظہور حسین سابق مبلغ روس۔ ربوہ

۲۰/اپریل ۱۹۵۹ء ۲۰/اپریل ۱۹۵۹ء

(ماخوذ از "پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات کی وضاحت صفحہ ۱۸۷ تا ۱۸۹)

حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں :-

"جب احمد بیگ فوت ہو گیا تو اس کی بیوہ عورت اور دیگر پسماندگان کی کمر ٹوٹ گئی تو وہ دُعا اور تضرع کی طرف بدل متوجہ ہو گئے۔"

(حجۃُ اللہ صفحہ ۱۱ مطبوعہ ۱۸۹۷ء)

پیشگوئی کے مطابق مرزا احمد بیگ کی وفات ہو جانے پر اس خاندان کے بعض افراد نے حضرت مسیح موعودؑ کو خط بھی لکھے اور دُعا کی درخواست کی ان خطوط کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ نے "اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ" و حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸۷ پر کیا ہے۔

پیشگوئی کے پانچ حصّے

اس پیشگوئی کے پانچ حصّے ہیں جن میں سے پہلے تین حصے لفظاً پورے ہو چکے ہیں اور پچھلے دو حصے مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ اور رجوع الی اللہ کی وجہ سے وعیدی پیشگوئیوں کی سنت کے مطابق جن کا پورا ہونا عدم توبہ کی شرط سے مشروط ہوتا ہے ٹل گئے ہیں۔ اس لئے پیشگوئیوں کے اصول اور ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہے اُس کے رُو سے نفس پیشگوئی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

پیشگوئی کے یہ پانچ حصّے جو حضرت اقدس کی کتاب "آئینہ کمالات اسلام و

شہادۃ القرآن صفحہ ۸۱ سے ماخوذ ہیں۔" درج ذیل ہیں :-

حصہ اوّل :۔ اگر مرزا احمد بیگ صاحب اپنی بڑی لڑکی کا نکاح حضرت اقدس سے نہیں کریں گے تو پھر وہ اس وقت تک زندہ رہیں گے کہ اپنی اس لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کریں۔

حصہ دوم :- نکاح تک وہ لڑکی بھی زندہ رہے گی۔

حصہ سوم :- دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد مرزا احمد بیگ صاحب تین سال کے اندر بلکہ بہت جلد ہلاک ہو جائیں گے۔

حصہ چہارم :- دوسری جگہ نکاح کے بعد اس لڑکی کا خاوند اڑہائی سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائے گا (بشرطیکہ توبہ وقوع میں نہ آئے۔ کیونکہ وعیدی پیشگوئی مشروط بعدم توبہ ہوتی ہے)۔

حصہ پنجم :- خاوند کی ہلاکت کے بعد وہ لڑکی بیوہ ہوگی۔

حصہ ششم :- پھر حضرت اقدس کے نکاح میں آئے گی۔

گویا یہ آخری حصہ پیشگوئی کا اس لڑکی کے خاوند کی موت سے مشروط تھا۔

نشان اوّل :- پیشگوئی کا پہلا حصہ بطور نشان اوّل پورا ہو گیا۔ اگر محمدی بیگم صاحبہ کا باپ محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح کرنے سے پہلے وفات پا جاتا تو پیشگوئی کا حصہ اوّل پورا نہ ہوتا۔ مگر یہ صفائی سے پورا ہُوا۔

نشان دوئم :- پیشگوئی کے دوسرے حصہ کے مطابق لڑکی نکاح تک زندہ رہ کر نشان بنی اگر یہ لڑکی نکاح سے پہلے مر جاتی تو پیشگوئی کا دوسرا حصہ بھی پورا نہ ہوتا مگر یہ حصہ بھی نہایت صفائی سے پورا ہو کر نشان بنا۔

نشان سوم :- دوسری جگہ نکاح کے بعد لڑکی کا باپ چھ۶ ماہ کے عرصہ میں ہلاک ہو گیا اگر اس کی موت تین سال سے تجاوز کر جاتی تو پیشگوئی کا یہ حصہ بھی پورا نہ ہوتا مگر یہ

حصّہ بھی نہایت صفائی سے پورا ہو گیا۔ اس طرح یہ تینوں حصے پورے ہو کر عظیم الشان نشان بن گئے۔

پچھلے دو حصّوں کے ظہور کا طریق

پچھلے دو حصے اس طرح ظہور پذیر ہوئے کہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند پر اپنے خُسر کی موت سے سخت ہیبت طاری ہوئی اور اُس نے توبہ اور استغفار کی طرف رجوع کیا اور وعیدی پیشگوئی کی شرط توبہ کے مطابق توبہ سے فائدہ اٹھا کر موت سے بچ گیا اور پیشگوئی کا یہ حصّہ شرط توبہ سے فائدہ اُٹھانے کی وجہ سے ٹل گیا۔ جیسا کہ حضرت یونسؑ کی قوم کے توبہ کرنے پر وہ عذاب ٹل گیا تھا جس کے چالیس دن میں پورے ہونے کی پیشگوئی حضرت یونسؑ نے فرمائی تھی۔

چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ اور رجوع سے ان کی موت کی پیشگوئی ٹل گئی اور حضرت اقدس سے نکاح محمدی بیگم صاحبہ کے بیوہ ہونے سے مشروط تھا اس لئے اب اس کا وقوع میں آنا ضروری نہ رہا اور پیشگوئی کے یہ آخری دو حصے شرط توبہ سے فائدہ اُٹھانے کی وجہ سے دوسرا رنگ پکڑ گئے۔

اب نکاح کا وقوع صرف اس بات سے معلق ہو کر رہ گیا کہ سلطان محمد صاحب از خود حضرت اقدس کی زندگی میں کسی وقت بیباکی اور شوخی دکھائیں اور پیشگوئی کی تکذیب کریں۔ اس تکذیب کا صرف امکان ہی تھا یہ ضروری الوقوع نہ تھی اور نکاح کے اس طرح معلق ہونے کی حدّ حضرت اقدس کی زندگی تک تھی مگر محمدی بیگم کا خاوند اس کے بعد حضرت اقدس کی زندگی میں توبہ پر قائم رہا اور خاندان کے دوسرے افراد نے بھی اصلاح کر لی تو اس وعیدی پیشگوئی کی اصل غرض جو اس خاندان کی اصلاح تھی پوری ہو گئی۔ کیونکہ اس خاندان کے افراد نے الحاد اور دہریت کے خیالات کو ترک کر دیا اور اسلام کی عظمت کے قائل ہو گئے اور ان میں سے اکثر نے

احمدیت قبول کرلی۔ وعیدی پیشگوئی کا اصل غرض چونکہ توبہ اور استغفار کی طرف رجوع دلانا اور خدا تعالیٰ کی عظمت کا سکہ دلوں پر بٹھانا ہوتی ہے اس لئے جب یہ شرط پوری ہو جائے تو پھر سنت اللہ کے مطابق عذاب بالکل ٹل جایا کرتا ہے بشرطیکہ متعلقین پیشگوئی اپنی توبہ پر قائم رہیں اور اگر انہوں نے توبہ پر قائم نہ رہنا ہو تو پھر سنت اللہ یوں ہے کہ عذاب میں اس وقت تک تاخیر ہو جاتی ہے کہ وعیدی پیشگوئی کے متعلقین پھر بے باکی دکھائیں اور اپنی توبہ توڑ دیں۔

یونس علیہ السلام کی پیشگوئی کا ٹلنا

تفاسیر میں قوم یونسؑ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت یونسؑ نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ :-

اِنَّ اَجَلَکُمْ اَرْبَعُوْنَ لَیْلَةً۔

لیکن قوم نے توبہ کرلی اور عذاب ٹل گیا۔ چنانچہ لکھا ہے :-

فَتَضَرَّعُوْا اِلَی اللّٰہِ وَرَحِمَھُمْ وَکَشَفَ عَنْھُمْ۔ (تفسیر کبیر از امام رازی جلد ۵ صفحہ ۴۲ و تفسیر فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۸۹)

یعنی وہ لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے تو اُس نے ان پر رحم کیا اور اُن سے عذاب دُور کر دیا۔

چونکہ یہ لوگ توبہ پر قائم رہے اس لئے عذاب بھی ان سے ٹلا رہا اور خدا تعالیٰ نے اس قوم سے اپنی پہلی سنت کے مطابق معاملہ کیا۔ لیکن آل فرعون جب عذاب آنے پر حضرت موسیٰؑ سے دُعا کی درخواست کرتی تھی اور ایمان لانے کا وعدہ کرتی تھی تو خدا تعالیٰ اُن سے عذاب ٹال دیتا تھا۔ مگر چونکہ وہ اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتی تھی اس لئے پھر عذاب میں پکڑی جاتی تھی۔ بالآخر آل فرعون مع فرعون توبہ پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرنے پر سمندر میں

غرق ہو گئی۔ اس قوم سے خدا تعالیٰ نے اپنی دوسری سنت تاخیر عذاب کے مطابق سلوک کیا۔

پیشگوئی زیرِ بحث میں خدا کی سنّت کا ظہور

اس پیشگوئی میں مرزا احمد بیگ صاحب حضرت اقدس سے اپنی لڑکی کا نکاح نہ کرنے کی وجہ سے پیشگوئی کے میعاد میں پکڑے گئے اور ہلاک ہوئے۔ اس سے کنبہ پر ہیبت طاری ہو گئی اور سلطان محمد صاحب خاوند محمدی بیگم صاحبہ کی توبہ اور استغفار پر اُن کی وعیدی موت ٹل گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :-

مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّ بَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (انفال آیت ۳۴)

یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دینے والا نہیں ہے اِس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

سلطان محمد صاحب کی موت کی پیشگوئی توبہ کی وجہ سے ٹل جانے پر اب حضرت اقدس سے نکاح ضروری نہ رہا۔ اب سلطان محمد صاحب پر عذاب صرف اسی صورت میں نازل ہو سکتا تھا کہ وہ توبہ کو توڑ دیتے اور پیشگوئی کی تکذیب کر دیتے اور پھر ان کی موت کے لئے نئی میعاد خدا کی طرف سے مقرر ہوتی۔ اس لئے انجام آتھم کے صفحہ ۳۲ پر حضرت اقدس نے نکاح کی پیشگوئی کو سلطان محمد صاحب کے آئندہ اس پیشگوئی کی تکذیب کرنے اور بے باکی اور شوخی دکھانے سے اور اس کے لئے نئی میعاد مقرر ہونے سے معلّق قرار دے دیا اور ایسا ہی ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ امکان تھا کہ مرزا سلطان محمد کسی وقت تکذیب کر دیتے تو پیشگوئی میں لوگوں کے لئے اشتباہ پیدا ہو جاتا۔

پیشگوئی میں اجتہادی خطا

پیشگوئیوں میں بعض دفعہ اجتہادی خطا بھی شرط کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے یا شرط کی طرف سے ذہول ہو جانے کی وجہ سے واقع ہو سکتی ہے۔اور یہ امر قابل اعتراض نہیں۔ حضرت نوحؑ سے وحی الٰہی کے سمجھنے میں اجتہادی غلطی ہو گئی تھی۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

حَتّٰیٓ اِذَاجَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَالتَّنُّوۡرُ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِیۡهَا مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّامَنۡ سَبَقَ عَلَیۡهِ الۡقَوۡلُ وَمَنۡ اٰمَنَ ؕ۔(سورہ ہود آیت ۴۱)

یعنی یہاں تک کہ جب ہمارا عذاب کا حکم آجائے اور چشمے پھوٹ کر بہہ پڑیں تو ہم کہیں گے کہ ہر ایک قسم کے جانوروں میں سے ایک جوڑا (یعنی دو ہم جنس فردوں کو)اور اپنے اہل و عیال کو بھی سوائے اس فرد کے جس کی ہلاکت کے متعلق اس عذاب کے آنے سے پہلے ہی ہمارا فرمان جاری ہو چکا ہے اور نیز ان کو سوار کر لے جو تجھ پر ایمان لائے ہیں۔اس سے قبل نوحؑ کو یہ حکم دیا جا چکا تھا:-

وَلَاتُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ۔(ہود آیت ۳۸)

کہ مجھے ظالموں کے بارے میں خطاب نہ کرنا بے شک وہ غرق ہونے والے ہیں۔

حضرت نوحؑ کا بیٹا جب غرق ہونے لگا تو اُنہوں نے خدا تعالیٰ کو اُس کا وعدہ یاد دلایا اور کہا:-

رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ۔(ہود آیت ۴۶)

اے میرے رب بیشک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے۔(یعنی اسے وعدہ کے مطابق بچنا چاہیئے)

یہ وعدہ یاد دلانے میں حضرت نوحؑ کو پیشگوئی کی اس شرط سے ذہول ہو گیا جو:-

اِلَّامَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ اورولَا تُخَاطِبْنِی فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُغْرَقُوْنَ۔

(سورہ ہود آیت ۴۱، ۳۸)

کے الفاظ میں بیان ہوئی تھی اور وہ غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ خدائی وعدہ کے مطابق میرا یہ بیٹا بھی غرق ہونے سے بچنا چاہیئے۔ لیکن اُن کا یہ اجتہاد درست نہ تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اُن کے وعدہ یاد دلانے پر انہیں یہ جواب دیا۔ کہ

اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَیْسَ لَكَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّی اَعِظُكَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ۔ (ہود آیت ۴۷)

کہ یہ بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے یہ تو مجسم بد کردار ہے اس لئے مجھ سے ایسی درخواست مت کرو جو تم لاعلمی سے کر رہے ہو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ نادانوں کی طرح کوئی کام نہ کیجیو۔

پس شرط کی طرف سے ذہول ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ پیشگوئی کرنے والا اپنے دعاوی میں منجانب اللہ نہیں۔

حضرت اقدس نے اس پیشگوئی کی مرزا سلطان محمد صاحب کے متعلق اڑہائی سالہ میعاد گزر جانے کے بعد پیشگوئی کی شرط توبہ والے الہام :-

اَیَّتُھَا الْمَرْاَۃُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِكِ یَمُوْتُ وَیَبْقٰی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ۔

کی طرف سے ذہول ہو جانے کی وجہ سے اصل پیشگوئی کے الہامی الفاظ

لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ۔

کے پیش نظر اجتہاد کیا کہ پیشگوئی میں تاخیر ڈالی گئی ہے یہ ٹلی نہیں۔ اس لئے آپ نے اس قسم کی عبارتیں یقین اور وثوق پر مشتمل تحریر فرمائیں کہ محمدی بیگم کا خاوند ضرور مرے گا اور وہ بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئے گی۔

برق صاحب کی پیش کردہ عبارتیں کسی جدید الہام کا نتیجہ نہ تھیں کیونکہ پیشگوئی کی اڑھائی سالہ میعاد گزر جانے کے بعد ۱۹۰۶ء تک آپ کو اس بارہ میں کوئی جدید الہام نہیں ہوا۔ اور الہام

لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ

جس اشتہار میں درج تھا اسی اشتہار میں پیشگوئی کی الہامی شرط توبہ بھی

اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ

والے الہام میں درج تھی۔ مگر اس شرط کی طرف سے ذہول کی وجہ سے حضرت اقدس نے یہی اجتہاد کیا کہ سلطان محمد صاحب کسی وقت ضرور توبہ توڑ دیں گے اور پھر اس کے بعد وہ ہلاک ہوں گے اور اس کے بعد محمدی بیگم صاحبہ ضرور نکاح میں آئیں گی۔ یہ اجتہاد کرنے کا آپ کو بہر حال حق تھا کہ اگر سلطان محمد نے کسی وقت توبہ توڑ دی تو وہ ہلاک ہوں گے اور اس کے بعد محمدی بیگم کا نکاح میں آنا ضروری ہوگا۔ مگر حضرت اقدس نے اس سے بڑھ کر یہ اجتہاد فرمایا کہ توبہ کا توڑنا ضروری ہے اور سلطان محمد کی موت میں صرف تاخیر ہوگئی ہے۔ یہ پیشگوئی ٹلی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنی سنت مستمرّہ کے مطابق آپ کو اس غلطی پر قائم نہ رہنے دیا اور ۱۶ر فروری ۱۹۰۶ء کو آپ پر ان الفاظ میں الہام نازل فرمایا:-

تَکْفِیْکَ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ۔ (تذکرہ صفحہ ۸۳)

کہ تمہارے لئے یہ عورت (جو تمہارے نکاح میں ہے) کافی ہے۔

تو اس الہام کے نازل ہونے پر آپ نے اپنے پہلے اجتہاد میں اصلاح فرمائی اور ضمیمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۲ میں لکھدیا کہ:-

جب ان لوگوں نے شرط (توبہ ناقل) کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔

اس جدید اجتہاد سے جو الہام جدید کی روشنی میں کیا گیا اب حضرت اقدس کا درمیانی زمانہ کا اجتہاد جس میں آپ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کے توبہ توڑنے کو اور اس کے بعد نکاح کو ضروری قرار دیتے تھے۔ قابلِ حجّت نہ رہا۔

پس یہ پیشگوئی اپنی الہامی شرط کے مطابق ظہور پذیر ہو چکی ہے اور اس پیشگوئی کے الہامات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حضرت اقدس کا آخری اجتہاد بھی سنت اللہ کے مطابق درست تھا۔ اس پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اس جدید الہام کی وجہ سے درمیانی زمانہ کی عبارتیں جو سلطان محمد صاحب کی موت کو ضروری اور اس کے بعد نکاح کو مبرم قرار دیتی تھیں۔ اس شرط سے مشروط سمجھی جائیں گی کہ اگر سلطان محمد از خود توبہ توڑدیں تو ان کی ہلاکت اور اس کے بعد حضرت اقدس سے نکاح کا وقوع ضرور ہو گا ورنہ نہیں۔ پس جدید اجتہاد کی بنا پر اب برقؔ صاحب کی پیش کردہ عبارتیں اوپر کی شرط سے مشروط ہو گئی ہیں۔

عبارتیں یوں پڑھی جائیں

لہٰذا اب یہ عبارتیں یوں پڑھی جانی چاہئیں :-

۱- (اگر مرزا سلطان محمد کسی وقت توبہ توڑ کو پیشگوئی کی تکذیب کرے) تو اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آجانا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لئے الہامِ الٰہی میں یہ کلمہ موجود ہے لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہ (اللہ کی بات تبدیل نہیں ہو سکتی) یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔

(اعلان ۶/ ستمبر ۱۸۹۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۱۵)

۲- "ایک حصہ پیشگوئی کا یعنی احمد بیگ کا میعاد کے اندر فوت ہو جانا حسب منشاء پیشگوئی صفائی سے پورا ہو گیا اور دوسرے کی انتظار ہے (بشرطیکہ مرزا سلطان محمد

توبہ توڑ دے۔اور پیشگوئی کی تکذیب کرے۔") (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۶۴)

۳- "(اگر کسی وقت سلطان محمد توبہ توڑ کر میری زندگی میں پیشگوئی کی تکذیب کرے تو)یاد رکھو کہ اس کی دوسری جزو پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بد تر ٹھہروں گا۔اے احمقو! یہ انسان کا افتراء نہیں۔ یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے وُہی خُدا جس کی باتیں نہیں ٹلتیں۔"

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۴)

۴- "(اگر کسی وقت میری زندگی میں سلطان محمد نے توبہ توڑ دی تو) جس وقت یہ سب باتیں پوری ہو جائیں گی.......... اُس دن.......... نہایت صفائی سے (مخالفین کی) ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں کو بندروں اور سؤروں کی طرح کر دیں گے۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۳)

۵- "وحی الٰہی میں یہ نہیں تھا کہ دوسری جگہ بیاہی نہیں جائے گی۔ یہ تھا کہ ضرور ہے اوّل دوسری جگہ بیاہی جائے.......... خدا اس کو تیری طرف لے آئے گا (بشرطیکہ اس کا خاوند توبہ نہ کرے یا توبہ کر کے توڑ دے)۔"

(الحکم ۳۰/جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

برق صاحب کی تحریف

جناب برق صاحب نے حرف محرمانہ کے صفحہ ۲۶۳ پر حضرت اقدس کی ذیل کی عبارت درج کی ہے :-

"اے خدائے قادر و علیم اگر آتھم کا عذاب مہلک میں گرفتار ہونا اور احمد بیگ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجز کے نکاح میں آنا.......... یہ پیشگوئیاں تیری طرف سے نہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔"

(اشتہار ۲۷/اکتوبر ۱۸۹۴ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۸۶)

افسوس ہے کہ برق صاحب نے اپنے اعتراض کو مضبوط بنانے کے لئے اس عبارت کو قطع وبرید کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس دُعا کے درمیان سے "نکاح میں آنا" کے بعد کے یہ الفاظ حذف کر دیئے ہیں کہ :-

"یہ پیشگوئیاں تیری طرف سے ہیں تو ان کو ایسے طور سے ظاہر فرما جو خلق اللہ پر حجت ہو اور کور باطن حاسدوں کا مُنہ بند ہو جائے۔"

جناب برق صاحب نے ان الفاظ کی جگہ اپنی پیش کردہ عبارت کے درمیان نقطے ڈال دیئے ہیں تا پڑھنے والا یہ سمجھے کہ برق صاحب نے دراصل اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے درمیانی عبارت درج نہیں کی۔ حالانکہ جناب برق صاحب ان درمیانی الفاظ کو حذف کر کے دراصل پیشگوئی کے متعلق ایک غلط تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس طریق کا نام تحقیق نہیں کیونکہ یہ حذف کردہ الفاظ تو دراصل برق صاحب کے اس اعتراض کا جواب تھے جو وہ اس جگہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے انہیں حذف کیا ہے کہ اعتراض مضبوط دکھائی دے۔

دُعا کی قبولیّت

جناب برق صاحب کے اس دعا کے درمیان سے حذف کردہ الفاظ شامل کیے جائیں تو عبارت کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ

عبداللہ آتھم کا ہلاک ہونا اور مرزا احمد بیگ کی دختر کلاں کا آپ کے نکاح میں آنا اگر خدائی پیشگوئیاں ہیں تو خدا تعالیٰ انہیں ایسے رنگ میں ظاہر فرمائے جو خلق اللہ پر حجت ہو اور اس سے کور باطن حاسدوں کا مُنہ بند ہو جائے۔ سو خدا تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو یوں قبول فرمالیا کہ عبداللہ آتھم آپ کی آخری پیشگوئی کے مطابق ۷ ماہ کے عرصہ کے اندر ہلاک ہو گیا اور محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے توبہ کی الہامی شرط سے فائدہ اٹھالیا۔ اور پھر حضرت اقدس کی زندگی میں کبھی اس پیشگوئی کی تکذیب نہیں کی

بلکہ اس کے مصدق رہے۔ اس لئے وعیدی موت سے بچے رہے اور ان کی توبہ اور پیشگوئی کی تصدیق کی وجہ سے یہ پیشگوئی وعیدی پیشگوئیوں کے اصول کے مطابق دوسرے رنگ میں ظاہر ہو گئی اور محمدی بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت اقدس سے مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کے پائیدار ہونے کی وجہ سے الہامی شرط کے مطابق ضروری نہ رہا۔ حضرت اقدس نے معترضین کو چیلنج کیا تھا۔ کہ

"فیصلہ تو آسان ہے۔ سلطان محمد کو کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔" (انجام آتھم صفحہ ۳۲)

مگر معترضین میں سے کوئی بھی اس بات پر قادر نہ ہو سکا کہ وہ اس چیلنج کے مطابق مرزا سلطان محمد صاحب سے پیشگوئی کی تکذیب کا اشتہار دلائے پس اللہ تعالیٰ نے اس چیلنج کے بالمقابل معترضین پیشگوئی کو ناکام رکھ کر اس پیشگوئی کو وعیدی پیشگوئیوں کے اصول کے مطابق ایسے رنگ میں ظاہر فرمادیا ہے۔ جو خلق اللہ پر حجت ہے اور چیلنج سے عہدہ برآنہ ہوسکنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے کور باطن حاسدوں کا منہ بھی در حقیقت بند کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ اس پیشگوئی پر کوئی حقیقی اعتراض نہیں کر سکتے۔ ہاں ژاژ خائی الگ امر ہے۔

پیشگوئی پر برقؔ صاحب کے اہم اعتراضات

اعتراض اوّل

برقؔ صاحب لکھتے ہیں :-

"جب ۱۸۸۸ء کی پیشگوئی تقریباً ۲۰ برس تک پوری نہ ہوئی اور جناب مرزا صاحب پوری طرح مایوس ہو گئے تو آپ نے ۱۹۰۷ء میں کہا :-

خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت کی گئی اور وہ یہ تھی کہ اَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوبِي تُوبِي فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ۔ (اے عورت[۱] توبہ کر کہ مصائب تیرا پیچھا کر رہے ہیں) پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲)

"پیشگوئی کو دوبارہ غور سے پڑھیئے یہ نئی شرط وہاں نہیں ملے گی۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۶۶)

الجواب

اس کے جواب میں عرض ہے کہ برق صاحب کہتے ہیں یہ شرط پیشگوئی میں نہیں ملے گی۔ مگر یہ الہامی شرط جو توبہ سے تعلق رکھتی ہے۔ تتمہ اشتہار دہم جولائی میں نکاح والے الہام کے ساتھ ہی درج ہے کیونکہ اس اشتہار میں اَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوبِي تُوبِي فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ۔ کا الہام بھی درج ہے۔ جناب برق صاحب یہ نئی شرط وہاں نہیں ملے گی، کہہ کر یہ تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ یہ شرط گویا نئی ایجاد کی گئی ہے تاکہ مخالفین کے اعتراضات سے بچا جائے حالانکہ یہ شرط درحقیقت پرانی ہے اور تتمہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں نکاح والے الہام کے ساتھ ہی بصورت الہام مذکور ہے۔

پس اس توبہ کی شرط والے پرانے الہام نے ثابت کر دیا ہے کہ جناب برق صاحب کا یہ اعتراض کہ شرط پہلے موجود نہ تھی بلکہ یہ مایوس ہو کر ایجاد کی گئی ہے۔ ھباءً منثورا ہو گیا۔

جناب برق صاحب! سنیئے اگر بالفرض یہ شرط پہلے مذکور نہ بھی ہوتی تو بھی آپ کو پیشگوئی پر اعتراض کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ مرزا سلطان محمد صاحب کی موت کی

نمبر ۱: - یہ ترجمہ جناب برق صاحب کا ہے جو بالکل غلط ہے۔

پیشگوئی وعیدی تھی۔ وعیدی پیشگوئیوں کا وقوع اصولاً توبہ نہ وقوع میں آنے کی شرط سے مشروط ہوتا ہے۔ اور اگر توبہ وقوع میں آجائے تو شخص مذکور کے توبہ پر قائم رہنے کی صورت میں وعیدی پیشگوئی ٹل جاتی ہے۔ ورنہ تاخیر میں پڑ جاتی ہے۔ یعنی جب وہ توبہ کو توڑتا ہے تو پھر پکڑا جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض

جناب برق صاحب نے دوسرا اعتراض شرط موجود فرض کر کے یوں کیا ہے کہ :-

"نتیجۂ نکاح فسخ یا مؤخر ہو گیا تھا تو پھر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۵ء تک پورے چودہ برس مسلسل یہ کیوں کہتے رہے کہ "خدا پھر اُس کو تیری طرف لائیگا۔" کیا فسخ نکاح کی اطلاع اللہ نے آپ کو نہیں دی تھی۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۶۶)

الجواب

اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ

نکاح کے فسخ یا تاخیر کا اجتہاد تو آخری اجتہاد ہے۔ اس سے پہلے تو حضرت اقدس مرزا سلطان محمد کی موت کو اور پھر نکاح کو مبرم قرار دیتے رہے ہیں۔ یہ اجتہاد کہ نکاح فسخ ہو گیا۔ ۱۹۰۷ء کی کتاب حقیقۃ الوحی میں شائع ہوا ہے۔ اور یہ اجتہاد آپ نے اس الہام کے بعد کیا ہے جو ۱۸/ فروری ۱۹۰۶ء میں آپ پر "تَكْفِيْكَ هٰذِهِ الْاِمْرَأَةُ" کے الفاظ میں نازل ہوا تھا۔ (تذکرہ صفحہ ۸۳۰)

اس الہام کے نازل ہونے پر آپ کو یہ احساس ہوا کہ نکاح یا فسخ ہو گیا ہے یا تاخیر میں پڑ گیا ہے۔ مگر اس وقت غالب احساس آپ کو یہی تھا کہ نکاح فسخ ہو گیا ہے۔ یعنی مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کے پائدار ہونے کی وجہ سے منسوخ ہو چکا ہے۔

لیکن چونکہ مرزا سلطان محمد کے کسی وقت توبہ توڑنے کا احتمال بھی ہو سکتا تھا اس لئے آپ نے "یا تاخیر میں پڑ گیا" کے الفاظ بھی احتمالاً تحریر فرما دیئے تا اگر کسی وقت آپ کی زندگی میں مرزا سلطان محمد صاحب کی طرف سے بالفرض تکذیب وقوع میں آ بھی جائے تو پھر پیشگوئی کے مطابق اس کی موت کے لئے نئی میعاد مقرر ہو جائے گی۔ جس کے بعد اس کی موت یقینی ہو گی اور اس کے بعد نکاح اٹل امر ہو جائیگا۔ ہاں غالب گمان آپ کا جدید الہام کی رو سے یہی تھا۔ کہ نکاح والا حصہ منسوخ ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ نے حقیقۃ الوحی کی اس تحریر کے بعد ۱۹۰۸ء میں لکھا کہ :-

یونسؑ کی قوم کا واقعہ سب کو معلوم ہے۔ کہ کوئی شرط نہ تھی مگر پھر بھی توبہ و استغفار سے وہ عذاب ٹالا گیا۔ اور یہاں تو صاف تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِكِ آ گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ توبہ سے یہ سب باتیں ٹل جائیں گی اور احمد بیگ کی موت سے جو خوف ان پر چھا گیا اس نے پیشگوئی کے ایک حصہ کو ٹال دیا۔

(اخبار بدر ۱۹۰۸ء صفحہ ۴)

اعتراض سوم

تیسرا اعتراض برق صاحب یوں لکھتے ہیں :-

"پھر یہ بات بھی میری ناقص سمجھ سے بالاتر ہے کہ عورت کے توبہ کرنے سے نکاح کا رشتہ کیسے ٹوٹ گیا............ اگر کوئی بیوی کسی گناہ سے توبہ کرے تو کیا اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے............ کھولئے فقہ کی کوئی کتاب اور پڑھیے باب النکاح۔ کیا وہاں کوئی ایسی دفعہ موجود ہے کہ اگر بیوی گناہوں سے تائب ہو جائے تو شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۶۶، ۲۶۷)

الجواب

اس کے جواب میں عرض ہے کہ جناب برقؔ صاحب کا یہ سارا اعتراض ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ الہام اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِی تُوْبِی کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر میں "عورت" سے مراد محمدی بیگم صاحبہ ہیں۔ اس لئے وہ اعتراضاً لکھ رہے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں کوئی ایسی دفعہ موجود نہیں کہ بیوی گناہوں سے تائب ہو جائے تو وہ شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس الہام میں اَیَّتُهَا الْمَرْءَۃُ سے جو عورت مراد ہے وہ محمدی بیگم صاحبہ نہیں بلکہ ان کی نانی صاحبہ مراد ہیں۔

اپنی کتاب کا نام تو جناب برق صاحب نے "حرف محرمانہ" رکھا ہے۔ مگر وہ اس بات سے بالکل نا محرم ہیں کہ اس الہام میں عورت سے مراد محمدی بیگم صاحبہ نہیں۔

پس انہوں نے از خود عورت سے محمدی بیگم صاحبہ مراد لے کر اپنے اعتراض کی عمارت کھڑی کی ہے۔

لہٰذا ان کی کتاب حرف محرمانہ نہیں بلکہ اصل حقیقت کو جاننے سے محروم ہونے کی وجہ سے حرف محرمانہ یا حرف محرومانہ کہلانے کی مستحق ہے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے بلا تحقیق اس الہام کے الفاظ اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ میں الْمَرْأَة (عورت) سے محمدی بیگم صاحبہ مراد لے لی ہے۔

جناب برق صاحب! آپ ذرا تتمہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء نکال کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہاں اس الہام کو محمدی بیگم صاحبہ کی نانی صاحبہ سے متعلق قرار دیا گیا ہے۔ اشتہار ہذا میں حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ آپ نے کشف میں محمدی بیگم صاحبہ کی نانی کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر رونے کے آثار

ہیں تو آپ نے اسے مخاطب کر کے کہا :-

اَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِي تُوْبِي فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ وَالْمُصِيْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَيْكِ يَمُوْتُ وَيَبْقٰى مِنْهُ كِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ (تتمہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء)

کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ بلا تیری اولاد اور اولاد کی اولاد پر پڑنے والی ہے۔ اور تجھ پر مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ ایک شخص مرے گا اور اس سے کئی ایسے معترض باقی رہ جائیں گے جو زبان درازی کرتے رہیں گے۔

برق صاحب نے فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ کا از خود یہ ترجمہ کیا ہے۔ کہ :-

"مصائب تیرا پیچھا کر رہے ہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۶۶)

مگر مخاطب چونکہ محمدی بیگم صاحبہ کی نانی صاحبہ ہیں اس لئے عَقِبِكِ سے مراد نانی کی اولاد یعنی محمدی بیگم صاحبہ اور آگے ان کی اولاد یعنی محمدی بیگم صاحبہ ہیں۔ ان دونوں پر مصیبت نازل ہونے کا ذکر یوں ہے کہ ایک شخص مریگا یعنی محمدی بیگم صاحبہ کا والد جس سے محمدی بیگم کی والدہ بیوہ ہو جائے گی۔ اور یہ موت محمدی بیگم صاحبہ اور ان کی والدہ کے لئے بھی مصیبت ہو گی۔ اور محمدی بیگم صاحبہ کی نانی صاحبہ کے لئے بھی مصیبت ہو گی۔

پس جناب برق صاحب کے اس اعتراض کی جب بنا ہی غلط ہے، تو اعتراض بنائے فاسد علی الفاسد کا مصداق ثابت ہوا۔

اعتراض چہارم

جناب برق صاحب کا چوتھا اعتراض یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں :-

"پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ نکاح پڑھا اللہ نے زبردستی کی اس کے اقربا نے کہ سلطان احمد (سلطان محمد صاحب ناقل) کے حوالے کر دی............ اور توبہ کرے محمدی بیگم۔"

الجواب

اس کے جواب میں عرض ہے کہ میں بتا چکا ہوں الہام اَیَّتُھَا الْمَرْأَۃُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ میں محمدی بیگم صاحبہ کی توبہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی نانی کی توبہ کا سوال تھا جس کا مفاد یہ ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے داماد مرزا احمد بیگ کو محمدی بیگم صاحبہ کے دوسری جگہ نکاح سے باز رکھتی۔ مگر اس نے توبہ نہ کی اس لئے اس کا داماد مرزا احمد بیگ پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا اور اس طرح اس خاندان پر مصیبت پڑی۔ اگر خُسر کے پیشگوئی کا نشانہ بن جانے پر مرزا سلطان محمد صاحب بھی توبہ کی طرف مائل ہو کر وعیدی پیشگوئی کی زد سے بچ نہ جاتے تو وہ بھی ہلاک ہو جاتے۔

پانچواں اعتراض

برق صاحب کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ :-

"شرط کا تعلق عورت سے تھا لیکن اسے پورا کیا "ان لوگوں نے" کن لوگوں نے؟ عورت کے اقرباء نے؟ کیا انہوں نے سلطان احمد (سلطان محمد چاہیئے) کو مجبور کیا تھا کہ وہ محمدی بیگم کو طلاق دے دے۔ کیا وہ حلقۂ بیعت میں شامل ہو گئے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی بات واقعہ نہیں ہوئی تو پھر ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کیسے کیا؟

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۶۷،۲۶۸)

الجواب

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اس شرط کو پورا کیا ہے۔ مرزا سلطان محمد صاحب محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند نے۔ اور توبہ کی شرط سے فائدہ اٹھانے کیلئے محمدی بیگم صاحبہ کو ان کے خاوند سے طلاق دلانے کی ضرورت اس لئے نہ تھی کہ الہام بتاتا تھا کہ محمدی بیگم صاحبہ کو پیشگوئی کے الفاظ یَمُوْتُ بَعْلُھَا کے مطابق بیوہ ہو کر حضرت

اقدس کے نکاح میں آنا چاہیئے تھا نہ کہ مطلقہ ہو کر۔

اب ہم برق صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ وہ بتائیں کس الہام کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمدی بیگم صاحبہ مطلقہ ہو کر حضرت اقدس کے نکاح میں آئیں گی؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ ایسا کوئی الہام بلکہ حضرت اقدس کا ایسا اجتہاد بھی پیش نہیں کر سکتے جو محمدی بیگم صاحبہ کے مطلقہ ہو کر حضرت اقدس کے نکاح میں آنے کو ضروری قرار دیتا ہو۔ بلکہ الہام الٰہی صاف بتاتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی موت کے بعد حضرت اقدس کے نکاح میں آئیں گی۔ مگر ان کے خاوند کی موت ان کی توبہ اور پیشگوئی کی تصدیق کی وجہ سے ٹل گئی اور پھر یہ توبہ پائیدار رہی اور باوجود حضرت اقدس کے مخالفین اور معترضین کو یہ چیلنج دینے کے کہ سلطان محمد سے تکذیب کا اشتہار دلاؤ۔ جو معیاد خدا تعالیٰ مقرر کرے اگر اس سے اس کی موت تجاوز کر جائے تو میں جھوٹا ہوں۔ (انجام آتھم صفحہ ۳۲) کوئی مخالف بھی تکذیب کا اشتہار دلانے پر قادر نہ ہو سکا۔

لہٰذا حضرت اقدس سے نکاح جو محمدی بیگم صاحبہ کے بیوہ ہو کر واپس آنے سے مشروط ہونے کی وجہ سے (نہ کہ مطلقہ ہو کر واپس آنے سے) مرزا سلطان محمد صاحب کی موت سے معلق تھا اور مرزا سلطان محمد صاحب کے توبہ کے ذریعے وعیدی موت سے بچ جانے کے بعد اب نکاح ضروری نہیں رہا تھا۔ کیونکہ پیشگوئی کا یہ حصہ شرط توبہ کے مطابق دوسرا رنگ اختیار کر گیا تھا۔

رہا ان لوگوں کے حلقۂ بیعت میں شامل ہونے کا سوال سو اس کے متعلق عرض ہے کہ بے شک اس خاندان کے اکثر افراد حلقۂ بیعت میں بھی شامل ہو گئے ہیں اور خود محمدی بیگم صاحبہ کے پسر مرزا اسحاق بیگ صاحب بھی خدا کے فضل سے سلسلۂ احمدیہ میں داخل ہو چکے ہیں اور اس کے علاوہ خود محمدی بیگم صاحبہ کی والدہ اور ان کی دو لڑکیاں بھی حلقہ بیعت میں داخل ہو چکی ہیں۔ پس جس خاندان سے اس پیشگوئی کا براہ

راست تعلق تھا اس کے کئی افراد بالخصوص محمدی بیگم صاحبہ کی والدہ صاحبہ اور نانی صاحبہ کا بیعت کر لینا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ لوگ اس بات کے شاہد ناطق ہیں کہ مرزا سلطان محمد صاحب توبہ کرنے کی وجہ سے ہی وعیدی موت سے بچ گئے۔ اگر انہیں اس بات کی تصدیق نہ ہوتی تو یہ لوگ کبھی بھی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو کر اس پیشگوئی کے مصدِّق نہ ہوتے۔ مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کیلئے بیعت ضروری نہ تھی کیونکہ یہ پیشگوئی ۱۸۸۸ء میں کی گئی تھی جب کہ ابھی بیعت کا سلسلہ ہی شروع نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ابھی حضرت اقدس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ بلکہ اُس وقت آپ کا دعویٰ صرف ملہم من اللہ ہونے کا تھا۔

پس مرزا سلطان محمد صاحب کی وعیدی موت سے بچنے کے لئے صرف اتنا رجوع کافی تھا کہ وہ اس پیشگوئی کی تصدیق کرتے۔ ان کا جو انٹرویو حافظ جمال احمد صاحب نے لیا تھا جو الفضل میں شائع ہو چکا ہے۔ اور جس کا اقتباس پیچھے دیا جا چکا ہے۔ بتاتا ہے کہ مرزا سلطان محمد صاحب حضرت اقدس پر ایمان رکھتے تھے۔ اور اس پیشگوئی کے مصدِّق تھے۔ گو وہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے رجل مومن کی طرح تھے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اور صرف ضرورت کے موقعہ پر اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تھا۔

ممکن ہے وہ کسی حجاب کی وجہ سے ظاہری بیعت سے رُکے رہے ہوں۔ بہر حال ان کے بیعت نہ کرنے کی حقیقی وجوہ تو صرف وہ خود ہی جانتے تھے۔ انٹرویو کے وقت اس کی وجہ دریافت کرنے پر انہوں نے کہا تھا کہ بیعت نہ کرنے کی وجوہ وہ مصلحت کی وجہ سے بیان نہیں کر سکتے ورنہ انہیں حضرت اقدس پر ایمان اس سے بھی بڑھ کر ہے جو کسی احمدی کو ہو سکتا ہے جس نے بیعت کی ہوئی ہو۔ اور یہ بات وہ تبھی کہہ سکتے تھے جب کہ وہ اپنے تئیں ایمان لانے والوں میں سے سمجھتے ہوں۔ چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب پیشگوئی کی وعیدی موت سے بچ جانے کے بعد صرف پیشگوئی کی

تکذیب کے نئے جرم سے ہی اب وعیدی موت کا شکار ہو سکتے تھے۔ جس کی میعاد ان کی طرف سے تکذیب کرنے پر ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو سکتی تھی اس لئے کہ حضرت اقدس انجام آتھم صفحہ ۳۲ کے طریق فیصلہ کے مطابق ان کی وعیدی موت کا شکار ہونے کے لئے صرف تکذیب کی شرط کو ہی ضروری سمجھتے تھے نہ ان کے بیعت کر لینے کو۔ اسی لئے آپ نے مخالفین کو مرزا سلطان محمد صاحب سے تکذیب کا اشتہار دلانے کا چیلنج کیا۔ چونکہ حضرت اقدس کی زندگی میں ان کی طرف سے تکذیب پیشگوئی کا ارتکاب نہیں ہوا۔ اس لئے وہ وعیدی موت سے بچے رہے اور نکاح کی پیشگوئی جو ان کی موت سے معلق تھی ٹل گئی۔

اعتراض ششم

جناب برق صاحب کا چھٹا اعتراض یہ ہے کہ :-

”نکاح آسمان پر پڑھا جا چکا تھا تو تاخیر میں کیسے پڑ گیا۔ اگر فسخ ہو گیا تھا تو اللہ کا فرض تھا کہ اپنے رسول کو مطلع کرتا۔ ورنہ وہ متردّدانہ انداز میں یہ نہ کہتے۔ ”فسخ ہو گیا ہے یا تاخیر میں پڑ گیا ہے“ صرف ایک صورت کا ذکر کرتے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۶۸)

حضرت اقدس کے الفاظ نکاح آسمان پر پڑھا گیا۔ دراصل الہام زَوَّجْنٰکَھَا کا یہ مفہوم ظاہر کرنے کے لئے کہے گئے تھے کہ آسمان پر یہ نکاح اس وعیدی پیشگوئی کا ایک حصّہ قرار پا چکا ہے۔ چنانچہ انجام آتھم صفحہ ۶۰ پر اس الہام کا ترجمہ حضرت اقدس نے یہ کیا ہے کہ :-

”کہ بعد واپسی کے ہم نے اس سے تیرا نکاح کر دیا“

گویا یہ الہام نکاح کو اس وعیدی پیشگوئی میں مشروط طور پر ایک مقدر امر قرار دیتا تھا۔ یہ تقدیر واپسی کی شرط سے مشروط تھی۔ اور یہ واپسی بیوہ ہونے یعنی مرزا

سلطان محمد صاحب کی وعیدی موت سے مشروط تھی۔ مرزا سلطان محمد صاحب کے شرط توبہ سے فائدہ اٹھالینے کے بعد اب نکاح کا ضروری ہونا صرف اس بات سے مشروط ہو کر رہ گیا تھا کہ سلطان محمد صاحب کسی وقت حضرت اقدس کی زندگی میں ہی توبہ کو توڑ دیں اور پیشگوئی کی تکذیب کریں۔ مگر مرزا سلطان محمد صاحب نے پیشگوئی کے مطابق اپنے خسر کی موت واقع ہو جانے سے یہ سبق لے لیا کہ وہ توبہ کریں اور پھر اس پر قائم رہیں۔ اس لئے آسمان پر مشروط صورت میں مقدر نکاح کا زمین پر وقوع میں آنا ضروری نہ رہا۔

الہام تَکْفِیْکَ ھذہ الامراۃ سے (کہ یہ عورت جو آپ کے نکاح میں ہے آپ کے لئے کافی ہے) آپ کو یہ احساس پیدا ہوا کہ اب محمدی بیگم سے نکاح ضروری نہیں رہا۔ البتہ چونکہ مرزا سلطان محمد صاحب کی طرف سے تکذیب پیشگوئی کا عقلی امکان اب بھی باقی تھا۔ مگر وہ ایک کمزور احتمال تھا اس لئے آپ نے "فسخ ہو گیا کے ساتھ یا تاخیر میں پڑ گیا" کا فقرہ اس کمزور احتمال کے پیش نظر ہی لکھا ہے۔ ورنہ اب غالب گمان آپ کا یہی تھا کہ نکاح ضروری نہیں رہا۔ اور پیشگوئی کا یہ حصہ عنداللہ منسوخ ہو چکا ہے۔

چنانچہ ۱۹۰۸ء کے بدر میں آپ نے صرف پیشگوئی کے ٹل جانے کے پہلو کا ہی ذکر فرمایا ہے۔ وہاں دوسرے احتمال کا ذکر نہیں فرمایا جو آپ کے نزدیک پیشگوئی کے ٹل جانے کے پر غالب گمان کی قطعی دلیل ہے۔

ہر آسمانی نکاح کا زمین پر وقوع ضروری نہیں

یہ واضح رہے کہ ہر آسمانی نکاح کے لئے یہ ضروری نہیں وہ زمین پر بھی ضرور وقوع پذیر ہو بلکہ آسمانی نکاح بعض اوقات تعبیر طلب بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ طبرانی اور ابن عساکر نے ابن ابی امامہؓ کے مرفوعاً روائت کی ہے :-

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لخَدِیْجَۃَ اَمَاشَعُرتِ انَّ اللّٰہَ زَوَّجَنِی مریمَ ابنتَ عِمْرَان وَ کُلْثُوْمَ اُختَ مُوْسیٰ وَامْرَأَۃَ فِرعَونَ قالتُ هنيًا لَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔

(تفسیر فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ مصر)

یعنی ابو امامہ سے مرفوعاً روائت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے میرا نکاح حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریم بنت عمران اور موسیٰؑ کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی کے ساتھ کر دیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے اس پر کہا یارسول اللہ آپ کو مبارک ہو۔

آسمانی نکاح کی تعبیر

اس حدیث نبوی میں زَوَّجَنِیْ کا لفظ ہے اور حضرت مرزا صاحب کے الہام میں زَوَّجْنَا کا لفظ ہے۔ یہ دونوں لفظ بصیغۂ ماضی ہیں۔ یہ دونوں نکاح باوجود آسمانی ہونے کے زمین پر وقوع میں نہیں آئے۔ آنحضرت ﷺ کے یہ نکاح زمین پر اس لئے وقوع میں نہیں آسکتے تھے کہ یہ خواتین جن سے آپ کے نکاح ہوئے قبل ان نکاحوں کے وفات پاچکی تھیں اور حضرت مرزا صاحب کا یہ نکاح ظاہری طور پر زمین میں اس لئے وقوع میں نہ آیا کہ محمدی بیگم صاحبہ کا خاوند پائیدار توبہ کی وجہ سے وعیدی موت سے بچنے کی الہامی شرط سے فائدہ اٹھا کر موت سے بچ چکا تھا۔ البتہ آنحضرت ﷺ کے ان نکاحوں کی تعبیر یہ تھی کہ جن خواتین سے آپ کے نکاح ہوئے ان کے خاندان اور قومیں آپ پر ایمان لے آئیں گی چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے اس آسمانی نکاح کی تعبیریوں نکلی کہ محمدی بیگم صاحبہ کا خاندان بالخصوص انکی والدہ اور ہمشیرگان اور ان کے فرزند مرزا اسحاق بیگ صاحب وغیرہ حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لے آئے۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک طریق ہے کہ اگر کوئی پیشگوئی ظاہری الفاظ میں وقوع میں نہ آسکتی ہو تو خدا تعالیٰ تعبیری رنگ میں ضرور پوری کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اَطْوَلُکُنَّ

یَداً والی پیشگوئی ظاہری لفظوں میں توقوع میں نہیں آئی۔ حالانکہ یہی اجتہاد کیا گیا کہ ظاہری لفظوں میں پوری ہو گی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ازواج نے ہاتھ ناپے تو حضرت سودہؓ کے ہاتھ سب سے لمبے پائے گئے۔ مگر ان کی وفات چونکہ پہلے نہ ہوئی اس لئے تعبیری رنگ میں یہ پیشگوئی یوں پوری ہوگئی کہ ام المومنین حضرت زینبؓ سب سے پہلے وفات پاگئیں جو صدقہ بہت دیا کرتی تھیں۔اس طرح لمبے ہاتھوں کی تعبیر بہت صدقہ دینا قرار پائی۔

نکاح کے تعبیری معنی تعطیر الانام جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ میں یوں لکھے ہیں:-

"النکاح فی المنام یدُلُّ عَلَی المَنصبِ الجَلِیلِ"

یعنی خواب میں نکاح کسی بڑے منصب کے ملنے پر دلالت کرتا ہے۔

پس خواب میں نکاح کی اس تعبیر کے مطابق زیر بحث آسمانی نکاح کی تعبیر یہ نکلی کہ اس پیشگوئی کے بعد خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو "مسیح موعود" کا منصب عطا فرمایا۔اور اس کی تعبیر اس رنگ میں بھی پوری ہو گئی کہ محمدی بیگم صاحبہ کا خاندان آپ پر ایمان لے آیا۔فالحمدللہ علی ذالک۔

بعض ضمنی اعتراضات

جناب برق صاحب نے اس پیشگوئی پر بعض ضمنی اعتراضات بھی کئے ہیں۔

اعتراض اوّل یہ ہے کہ :-

"یہ پیشگوئی الہامی تھی یہ اللہ کا فرض تھا کہ اس نکاح کا انتظام کرتا اور مسیح موعود خاموش بیٹھے رہتے۔ لیکن خدائی وعدہ کے باوجود جناب مرزا صاحب نے بھی ہر ممکن کوشش فرمائی۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۵۸)

الجواب

جناب برق صاحب کا یہ اعتراض اُن کی سنّتِ انبیاء سے ناواقفی کا ثبوت ہے۔ پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرنا نہ شرعاً ممنوع ہے نہ اخلاقاً۔ بلکہ شرعاً تو ان کو پورا کرنے کی کوشش ازبس ضروری ہے اور صرف خدا پر چھوڑ دینا کہ وہ پیشگوئی کو آپ پورا کرے گا توکّل نہیں بلکہ تعطل ہے۔ جو سراسر ناجائز ہے اور شان مومنانہ کے خلاف۔ اگر پیشگوئی کو پورا کرنے کی کوشش کو جناب برق صاحب قابل اعتراض سمجھتے ہیں تو شاید وہ حضرت موسیٰؑ کی قوم کے اس جواب کو قابل تعریف قرار دیں گے جو انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو اس وقت دیا تھا۔ جب انہوں نے قوم سے کہا :-

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِىْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (سورۃ مائدہ : ۲۲)

"کہ اے قوم ارض مقدسہ (کنعان) میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھدی ہے۔"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے لئے ارض مقدسہ ملنے کی پیشگوئی کی گئی تھی جو کَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے الفاظ سے ظاہر ہے اس پر حضرت موسیٰؑ نے قوم کو کوشش کی دعوت دی مگر قوم نے جواب میں کہا کہ :-

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ (سورۃ مائدہ : ۲۵)

اے موسیٰ تو اور تیرا خدا دونو جا کر لڑو یقیناً ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں (یعنی فتح کرلو گے تو ہم بھی داخل ہو جائیں گے)۔

کیا جناب برق صاحب یہودیوں کے اس جواب کو قابلِ تعریف سمجھتے ہیں اور حضرت موسیٰؑ کی لڑائی کے لئے قوم کو تحریک کرنے کی کوشش کو قابلِ اعتراض؟ اگر یہودیوں کا جواب ناجائز ہے اور پیشگوئی کو پورا کرنے کیلئے حضرت موسیٰؑ کی کوشش کرنے کی تحریک جائز بلکہ ضروری ہے تو پھر وہ کیوں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر پیشگوئی

کے پورا کرنے کے لئے کوشش پر معترض ہیں؟ کیا انہیں علم نہیں کہ اسلام کے متعلق پیشگوئیوں میں غلبہ کا جو وعدہ تھا اسے پورا کرنے کیلئے مسلمانوں کو تن، من، دھن کی بازی لگانی پڑی تھی۔

مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی یہودیوں کے جواب والی آیت کی تفسیر پر نوٹ لکھتے ہیں:-

گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ مقابلہ کی ہمت ہم میں نہیں۔ہاں بدوں ہاتھ ہلائے پکی پکائی کھالیں گے۔آپ معجزہ کے زور سے انہیں نکال دیں۔

(قرآن کریم مترجم مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی صفحہ ۱۷۷ حاشیہ نمبر ۱۰)

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

"اسباب مشروعہ کا ترک کرنا توکل نہیں۔توکل تو یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے پھر اس کے مثمر اور منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے اور اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں بلکہ تعطّل ہے"(حوالہ ایضاً صفحہ ۱۷۷ زیر عنوان فوائد ہذا فائدہ نمبر ۲) پس اگر حضرت مرزا صاحبؑ نے کسی کو انعام و احسان کا وعدہ دیا یا کسی کو اس معاملہ میں مدد کے لئے کہا اور مخالفت کی صورت میں قطع تعلق کا ڈراوا دیا تو اس میں کونسا فعل شرعاً یا اخلاقاً ناجائز ہے؟ اگر خدا کا ڈراوا اور دھمکی دینا جائز ہے تو مامور جو اس کا مظہر ہوتا ہے۔اس کے لئے کیوں ڈراوا دینا جائز نہیں۔تمام وعیدات جو خدا کی طرف سے ہوتی ہیں ڈراوے اور دھمکی کا ہی رنگ رکھتی ہیں کہ اگر باز آجاؤ گے تو فبہا ورنہ تمہیں سزا دی جاوے گی۔پس دھمکی جب سنت اللہ کے خلاف نہیں تو مامور کی دھمکی اور اس پر عمل کیونکر قابل اعتراض قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

دوسرا اعتراض

برق صاحب کہتے ہیں :-

"نکاح کی بشارت اللہ نے دی تشہیر مسیح موعود نے کی۔ اڑ بیٹھے لڑکی کے والدین اور پٹ گیا غریب فضل احمد جسے بیوی کو چھوڑنے اور محروم الارث ہونے کا نوٹس مل گیا۔ کوئی پوچھے اس کا کیا قصور؟ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۶۰)

برق صاحب کے اعتراض کا اگلا حصہ سراسر خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے وہ لکھتے ہیں :-

"اگر قصور تھا تو صرف خدا تعالیٰ کا جس نے اپنی تجلیوں، وباؤں اور تازیانوں سے کام نہ لیا بات کہہ ڈالی اور اُس کے منوانے کا کوئی انتظام نہ کیا۔" (اعاذنا اللہ منہا ناقل) (حرف محرمانہ صفحہ ۲۶۰)

الجواب

بے شک نکاح کی بشارت اللہ نے دی اور یہ بشارت مشروط بوعید تھی۔ کیونکہ پیشگوئی میں یہ تھا کہ اگر باپ نہیں مانے گا تو وہ تین سال بلکہ قریب مدّت میں ہلاک ہو گا اور اس کے بعد وہ لڑکی بیوہ ہو کر آپ کے نکاح میں آئے گی۔

پس باپ کا اڑ بیٹھنا از روئے الہام ممکن تھا۔ چنانچہ وہ اڑ بیٹھا اور پیشگوئی کی میعاد کے اندر ہلاک ہو گیا۔ الہام آخِرُ الْمَصَائِبِ مَوْتُكَ جو محمدی بیگم کے والد کو لکھدیا گیا

نمبر۱ :- جناب برق صاحب کا یہ کہنا غلط ہے۔ کیونکہ پیشگوئی کی تشہیر حضرت اقدسؑ نے نہیں کی بلکہ خود مخالف رشتہ داروں نے کی۔ اور پیشگوئی کو عیسائیوں کے اخبار چشمہ نور اگست ۱۸۸۷ء ایک خط کے ذریعہ شائع کرایا تھا۔ ملاحظہ ہو "آئینہ کمالاتِ اسلام" صفحہ ۵۶۸۔ حضرت کی طرف سے اس کی تشہیر کے آغاز کا کوئی ثبوت جناب برق صاحب نہیں دے سکتے۔

تھا۔ یہ اشارہ رکھتا ہے کہ احمد بیگ کی موت آخری مصیبت ہو گی۔ اور محمدی بیگم کا خاوند توبہ اور رجوع سے فائدہ اٹھا کر بچ جائے گا اور صرف پیشگوئی کی تکذیب کرنے کی صورت میں اس کی موت کی دوبارہ میعاد مقرر کرنے کی ضرورت ہو گی۔ ورنہ اس کے شرط توبہ سے فائدہ اٹھالینے کے بعد توبہ پر قائم رہنے کی صورت میں نکاح کا وقوع ضروری نہیں ہو گا۔ چنانچہ مرزا سلطان محمد توبہ پر قائم رہے۔ اس لئے نکاح کا وقوع میں نہ آنا قابل اعتراض نہیں۔ کیونکہ وعیدی پیشگوئیاں الٰہی سنت کے مطابق توبہ سے فائدہ اُٹھالینے پر ٹل جاتی ہیں اور اس جگہ نکاح کی بشارت بیوگی کی شرط سے مشروط اور معلق تھی جو خاوند کی پائیدار توبہ کی وجہ سے ٹل گئی۔

فضل احمد کو بیوی کو چھوڑنے اور محروم الارث ہونے کا نوٹس بلاوجہ نہیں دیا گیا تھا۔ چونکہ مرزا فضل احمد صاحب کی بیوی کا تعلق مخالفین کے کنبہ سے تھا اور وہ خود بھی مخالفین میں سے تھی اور الہام الٰہی بتاتا تھا کہ جو لوگ ایسے مخالفین سے علیحدہ نہ ہوں اور ان سے تعلقات قائم رکھیں ان پر عذاب الٰہی نازل ہو گا۔ اس لئے مرزا فضل احمد کی بیوی کے مخالفین میں شامل ہونے کی وجہ سے اس سے قطع تعلق بموجب الہام ہذا ضروری ہو جاتا تھا۔ حضرت اقدس کی اپنے بیٹے کیلئے شفقت آپ کو مجبور کرتی تھی کہ وہ اپنی بیوی سے قطع تعلق کر لے تاکہ وہ بھی اس تعلق کی وجہ سے عذاب کا مورد نہ ہو جائے۔

احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ اگر باپ بہو کو ناپسند کرتا ہو تو بیٹے کو باپ کے کہنے پر بیوی کو طلاق دے دینی چاہیئے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے :-

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَاَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ اَبِيْ يَكْرَهُهُمَا فَاَمَرَنِيْ اَنْ اُطَلِّقَهَا فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَاعَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ طَلِّقْ امْرَاءَتَكَ (ترمذی کتاب الطلاق و مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۴۲۱ باب الشفقۃ)

"یعنی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روائت ہے کہ میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے بہت محبت تھی لیکن میرے باپ (حضرت عمرؓ) اس سے بہت نفرت رکھتے تھے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ میں نے اس بات کا آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔"

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت اسمٰعیلؑ کو وادی مکہ میں چھوڑ آئے۔ اور ان کے وہاں جوان ہونے پر پھر مکہ گئے تو اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر میں نہ تھے انکی بیوی گھر میں تھی۔ آپ اس سے باتیں کرتے رہے اور جاتے ہوئے اُسے کہہ گئے کہ جب اسمٰعیل علیہ السلام گھر آئیں تو انہیں میرا سلام کہہ دینا اور یہ کہنا غَیِّرْ عُتْبَةَ بَابِكَ کہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل دو۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ گھر آئے تو ان کی بیوی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام دیا۔ اس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:-

ذَاكَ اَبِیْ وَقَدْ اَمَرَنِیْ اَنْ اُفَارِقَكِ اِلْحَقِیْ بِاَهْلِكِ فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ اُخْرٰی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ کتاب بدء الخلق)

"یعنی وہ میرے والد ابراہیم علیہ السلام تھے اور وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے طلاق دیدوں۔ پس تو اپنے والدین کے پاس چلی جا! آپؑ نے اسے طلاق دیدی اور بنو جرہم کی ایک اور عورت سے شادی کرلی۔"

پس مرزا فضل احمد کی بیوی کے مخالفین پیشگوئی سے روابط کی وجہ سے دینی غیرت کا بھی یہی تقاضا تھا کہ اسے طلاق دلوائی جائے۔ اور اگر فضل احمد طلاق نہ دے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام قطع تعلق کرلیں۔ اور دینی مخالفت کی بناء پر انہیں محروم الارث کردیں۔

تیسرا اعتراض

جناب برق صاحب کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ دوسرے بیٹے سلطان احمد کے متعلق ایک اشتہار نکالا جس میں درج تھا:............ کہ وہ محروم الارث ہوں گے اور ان کی والدہ کو طلاق ہو گی۔

الجواب

حضرت اقدس کا اپنی پہلی بیوی کو پیشگوئی کی مخالفت کرنے پر طلاق دیدینا اور باوجود متنبہ کر دینے کے اس بیوی کا مخالفین سے قطع تعلق نہ کرنا اس بات کا متقاضی تھا کہ حضرت اقدس انہیں طلاق دیدیں۔ آپؑ نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے میں کسی جلدبازی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ پہلے اپنی بیوی پر اتمام حجت کی کہ وہ مخالفینِ پیشگوئی سے الگ ہو جائے کیونکہ آپ کا الہام بتاتا تھا کہ جو لوگ ان مخالفوں سے قطع تعلق نہیں کریں گے اور ان کی مجلسوں میں شریک ہوں گے وہ عنداللہ ملعون ہوں گے نہ قابل رحم۔ اس لئے آپ کا حکم نہ مانا جانے پر بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ پہلے سے خبردار کر دینے کے بعد کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں طلاق دیدی جائے گی۔ حضرت اقدس کا طلاق دے دینا الہام کے لحاظ سے ضروری تھا اور طلاق نہ دینا معصیّت تھی۔ مرزا سلطان احمد صاحب سے قطع تعلق اور ان کا عاق کیا جانا بھی اسی بناء پر تھا کہ ان کا تعلق مخالفینِ پیشگوئی سے تھا اور وہ حضرت اقدس کے بار بار خط لکھنے پر بھی ان مخالفین سے قطع تعلق کرنے اور اپنی والدہ کو ان سے علیحدہ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے تھے۔ اندریں صورت حضرت اقدس کا اپنی بیوی کو طلاق دے دینا اور اپنے بیٹے سلطان احمد صاحب کو عاق کر دینا دینی غیرت اور آپکے الہامات کے منشاء کے عین مطابق تھا کیونکہ الہام الٰہی بتاتا تھا کہ جو لوگ مخالفین کی مجلسوں سے دور رہیں گے انہیں پر رحم کیا جائے گا۔

حضرت اقدس نے یہ اعلان بڑے دُکھ بھرے دل سے کیا ہے آپ لکھتے ہیں :۔

"اس کام (یعنی محمدی بیگم صاحبہ کے دوسری جگہ نکاح) کے مدار المہام وہ ہو گئے جن پر اس عاجز کی اطاعت فرض تھی اور ہر چند سلطان احمد کو سمجھایا اور بہت تاکیدی خط لکھے کہ تو اور تیری والدہ اس کام سے الگ ہو جائیں ورنہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گا اور تمہارا کوئی حق نہیں رہے گا۔ مگر انہوں نے میرے خط کا جواب تک نہ دیا اور بکلی مجھ سے بیزاری ظاہر کی اگر ان کی طرف سے مجھے تیز تلوار کا بھی زخم پہنچتا تو بخدا میں اس پر صبر کرتا۔ لیکن انہوں نے دینی مخالفت کر کے اور دینی مقابلہ سے آزار دے کر مجھے بہت ستایا اور اس حد تک میرے دل کو توڑ دیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور عمداً چاہا کہ میں ذلیل کیا جاؤں......... اس لئے میں نہیں چاہتا کہ ان سے کسی قسم کا تعلق رکھا جائے۔ اور ڈرتا ہوں کہ ایسے دینی دشمنوں سے پیوند رکھنے میں معصیت نہ ہو۔"

(اشتہار مورخہ ۲۰ر مئی ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۲ صفحہ ۹)

بالآخر واضح ہو کہ برق صاحب کے اس پیشگوئی پر تمام اعتراضات کے جوابات سے ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اس پیشگوئی پر کچھ لوگوں نے بعض اور اعتراضات بھی کئے ہیں جن کا مفصل جواب میری تصنیف "پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ اور اس کے متعلقات کی وضاحت" اور میری ایک دوسری تصنیف "احمدیہ تحریک پر تبصرہ" میں دیا جا چکا ہے۔ جو دوست اس پیشگوئی پر تفصیلی بحث پڑھنا چاہیں، وہ ہماری ان دو کتابوں کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

میں خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے اس امر کو وضاحت سے دکھا چکا ہوں کہ اس پیشگوئی پر معترضین کے تمام اعتراضات ایسے ہیں جن سے اس پیشگوئی سے متعلقہ الہامات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

یہ پیشگوئی اپنی تمام شقوں میں پیشگوئیوں کے اصول کے مطابق ظہور پذیر ہو

چکی ہے۔اس کا ایک حصہ جو مرزا احمد بیگ کی موت کے متعلق پیشگوئی سے تعلق رکھتا تھا لفظاً لفظاً پورا ہو گیا ہے۔اور دوسرا حصہ جو نکاح سے تعلق رکھتا تھا وہ محمدی بیگم صاحبہ کے خاوند کے رجوع اور توبہ کرنے اور اس پر قائم رہنے کی وجہ سے سنت اللہ کے مطابق ٹل گیا ہے۔ جیسا کہ قوم یونسؑ پر چالیس دن کے اندر عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی قوم کے رجوع اور توبہ سے ٹل گئی۔

پس جس طرح کوئی مسلمان حضرت یونس علیہ السلام کی پیشگوئی کو جھٹلانے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔اسی طرح سنت اللہ کے مطابق وہ حضرت اقدس کی اس پیشگوئی کو بھی جھٹلانے کا حق نہیں رکھتا۔

۲- پیشگوئی متعلقہ ڈپٹی عبداللہ آتھم

جناب برق صاحب اپنی کتاب حرف محرمانہ کے صفحہ ۲۶۹ سے صفحہ ۲۸۴ تک ڈپٹی عبداللہ آتھم کے متعلق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی پیشگوئی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”جن ۹۳ء کا واقعہ ہے کہ امرتسر کے مقام پر ایک زبردست مباحثہ ہوا عیسائیوں کی طرف سے عبداللہ آتھم تھے اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب۔ پندرہ دن تک یہ مباحثہ جاری رہا۔ مباحثہ کا موضوع تثلیث تھا آخری دن جناب مرزا صاحب نے ایک اہم اعلان فرمایا جس کے الفاظ یہ تھے۔

”آج رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں

مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہو گی اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آئیگی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔"

(پیشگوئی ۵ر جون ۱۸۹۳ء مندرجہ جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸)

یہ پیشگوئی درج کرنے کے بعد جناب برق صاحب بتاتے ہیں۔ پیشگوئی کا خلاصہ یہ نکلا کہ :-

"جو فریق عاجز انسان (مسیح) کو خدا بنا رہا ہے وہ پندرہ ماہ (یعنی ۵/ ۴ ستمبر ۱۸۹۴ء) تک ہاویہ میں گرایا جائے گا بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔"

پیشگوئی کا یہ خلاصہ درست ہے مگر جناب برق صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس پیشگوئی میں دو لفظ تشریح طلب ہیں۔ ہاویہ اور حق۔ ہاویہ کی تشریح خود مرزا صاحب یوں فرماتے ہیں :-

"بَشَّرَنِیْ رَبِّی بَعْدَ دَعْوَتِی بِمَوْتِہٖ اِلٰی خَمْسَۃِ عَشَرَ شَھْرًامِنْ یَوْمِ خَاتِمَۃِ الْبَحْثِ۔" (کرامات الصادقین سرورق)

ترجمہ :- میری دُعا کے بعد اللہ نے مجھے بتایا کہ آتھم خاتمہ بحث کے بعد پندرہ ماہ کے اندر مر جائے گا۔

اس پر برق صاحب لکھتے ہیں :-

"یاد رکھئے ہاویہ کی تشریح خدائی ہے بَشَّرَنِیْ رَبِّی جو اللہ نے بتائی ہے"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۱)

جناب برق صاحب! آپ کا یہ قول درست نہیں۔ ہاویہ کی یہ تشریح الہامی

نہیں۔ بلکہ اجتہادی ہے۔ برق صاحب اصل الہام جنگ مقدس سے خود حرف محرمانہ کے صفحہ ۲۶۹ پر درج کر آئے ہیں جہاں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے لکھا ہے :-

"اس نے (خدا نے) مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ :-

اس بحث میں جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔"

(جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸)

اس الہامی اقتباس سے ظاہر ہے کہ اس میں موت کا لفظ موجود نہیں اور الہامی عبارت اس بارہ میں یہی ہے نہ کوئی اور البتہ حضرت اقدس نے "ہاویہ میں گرایا جاوے گا" کے الفاظ سے موت کا استنباط کیا ہے۔ پس موت کا استنباط اجتہادی ہے نہ کہ الہامی۔ لہذا اجتہاد ہی کی بناء پر آپ نے کرامات الصادقین میں اسی پہلے الہام کے لفظ ہاویہ سے اس کی موت کا استنباط فرمایا ہے۔ اس جگہ بَشَّرَنِیْ رَبِّیْ کے الفاظ میں کسی جدید الہام کا ذکر نہیں ہے بلکہ پہلے الہام ہی کا جو مفہوم حضرت اقدس سمجھے تھے وہ بیان فرما رہے ہیں۔ آگے برق صاحب لکھتے ہیں :-

باقی رہا لفظ "حق" تو پیشگوئی کے یہ الفاظ پھر پڑھئے۔ "جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے" یعنی جھوٹ سے مراد عاجز انسان کو خدا بنانا ہے اور سچ کیا ہے؟ ایک خدا کو ماننا۔ اس پیشگوئی کی رُو سے رجوع الی الحق کا مفہوم ایک ہی ہو سکتا ہے یعنی تثلیث سے تائب ہو کر توحید قبول کرنا۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۱)

ہمیں جناب برق صاحب کے اس نتیجہ سے اتفاق ہے ورنہ بعض معترضین تو اس کا مفہوم مسلمان ہونا قرار دیتے ہیں۔ اس جگہ جناب برق صاحب نے انصاف کا

دامن نہیں چھوڑا۔ مگر ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ رجوع الی الحق کا تعلق قلب سے ہوتا ہے نہ ضروری طور پر اعلان حق سے۔ لہٰذا اگر ڈپٹی عبداللہ آتھم دل سے تثلیث کے قائل نہ رہیں اور خدا کا ایک ہونا مان لیں تو عذاب ان سے ٹل سکتا تھا۔ رجوع الی الحق کا لفظ اس سے عام ہے کہ رجوع قلبی ہو یا اس کا اعلانیہ اظہار بھی ہو۔ پس اعلانیہ اظہار رجوع وعیدی موت سے بچنے کے لئے ضروری نہیں۔ سنت اللہ یوں واقع ہوئی ہے کہ عذاب الٰہی ادنیٰ رجوع سے بھی ٹل جاتا ہے۔

چنانچہ آل فرعون پر جب عذاب کا سلسلہ شروع ہوا تو فرعون اور اس کے سرداروں نے کہا:-

يٰاَيُّهَا السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۔ (زخرف: ۵۱،۵۰)

"یعنی انہوں نے کہا اے جادوگر! اپنے رب کے سامنے ہمارے حق میں ان تمام وعدوں کا واسطہ دے کر دُعا کر جو (وعدے) اس نے تجھ سے کئے ہیں (اگر عذاب ٹل گیا) تو ہم ضرور ہدایت پا جائیں گے۔ پھر جب ہم نے اُن سے عذاب ٹال دیا تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگے۔"

دیکھئے اس آیت سے ظاہر ہے کہ فرعون اور اس کے سرداروں کے موسیٰؑ کو باوجود جادوگر کہنے کے صرف اتنا ہی رجوع کر لینے پر بھی کہ دعا کریں کہ عذاب ٹل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ خدا تعالیٰ یہ جاننے کے باوجود کہ یہ بدعہدی کریں گے۔ اُن سے اس ادنیٰ رجوع پر بھی عذاب ٹال دیتا رہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عذاب ادنیٰ رجوع سے بھی ٹل جاتا ہے۔ لہٰذا اگر واقعات یا قرائن سے یہ ثابت ہو جائے کہ مسٹر عبداللہ آتھم نے درحقیقت تثلیث کا عقیدہ چھوڑ دیا تھا۔ اور اس کے چھوڑ دینے کے متعلق اس کا کوئی اعلان نہ بھی ہو تو بھی وعیدی موت کا عذاب اس سے ٹل سکتا تھا جس

کا پیشگوئی کے الفاظ "ہاویہ میں گرا یا جائے گا" کے رو سے پندرہ ماہ کے اندر واقع ہونا سمجھا جاتا تھا۔ بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے کیونکہ عذاب پیشگوئی کے مطابق عدم رجوع پر ہی واقع ہو سکتا تھا چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم نے یہ پیشگوئی سننے کے بعد فوراً رجوع کے آثار ظاہر کئے اور پھر وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں اس پیشگوئی سے خائف تھے اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتے رہے اور انتہائی گھبراہٹ کا اظہار کرتے رہے اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر روتے رہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس ہمّ و غم پر اطلاع پا کر جو مسٹر عبداللہ آتھم کے رجوع الی اللہ کا ثبوت تھا وعیدی موت کا عذاب ان سے ٹال دیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے الہام سے اطلاع دے دی کہ عبداللہ آتھم کو مہلت دے دی گئی ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ الہام انوار الاسلام کے صفحہ ۳ پر یوں درج فرمایا ہے :-

اطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ۔ اور اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے ہمّ و غم پر اطلاع پائی اور اس کو مہلت دی۔ (حاشیہ انجام آتھم صفحہ ۲۲)

پس الہام الٰہی نے مسٹر عبداللہ آتھم کے اندرونہ کی خود اطلاع دے دی ہے کہ اس نے اس حد تک رجوع کر لیا تھا کہ وہ وعیدی موت سے بچ جاتا اور اسے مہلت دی جاتی۔

الہام ہذا سے استدلال پر ایک اعتراض

جناب برق صاحب اس الہام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا استدلال پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ :-

"انوار الاسلام ۷ ۲/ اکتوبر ۱۸۹۴ء کی تصنیف ہے اور پیشگوئی کی میعاد ۵/ ستمبر ۱۸۹۴ء تک تھی۔ ایک ماہ ۲۲ دن گذر جانے کے بعد مہلت دینے کا مطلب؟ مزہ تو تب تھا کہ میعاد سے پہلے الہام مہلت نازل ہوتا۔ تا کہ ۶/ ستمبر والے

طوفان بد تمیزی سے تو نجات ملتی۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۹)

الجواب

اگر جناب برق صاحب نے تمام احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کیا ہوتا تو غالباً وہ یہ اعتراض نہ کرتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس الہام کے بارے میں خود سارا لٹریچر نہیں پڑھا بلکہ مخالفانہ لٹریچر پڑھ کر ہی وہ یہ غلط نتیجہ نکال رہے ہیں۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ الہام اس پیشگوئی کی میعاد کے اندر نازل ہو چکا تھا۔

چنانچہ تذکرہ صفحہ ۲۶۴ پر یہ الہام درج کرنے کے بعد مرتب صاحب حاشیہ میں یہ نوٹ درج کرتے ہیں :-

"ملک صلاح الدین صاحب ایم اے درویش قادیان۔ منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹی سے روایت کرتے ہیں کہ جب آتھم کی میعاد کا آخری دِن تھا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد مبارک کی چھت پر تشریف لائے اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ اور اس کی تفہیم یہ ہوئی ہے کہ ہٖ کی ضمیر آتھم کی طرف جاتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ وہ اس میعاد کے اندر نہیں مرے گا۔" (اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۹۷)

طوفان بد تمیزی کا انجام

جناب برقؔ صاحب! اگر یہ الہام بہت پہلے نازل ہو کر شائع بھی ہو جاتا تو مخالفین کی طرف سے طوفان بد تمیزی تو پھر بھی بپا کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ دنیا میں کوئی رسول نہیں آیا جس سے ہنسی ٹھٹھا کر کے اسے ذلیل کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ حسرت سے فرماتا ہے :-

يٰحَسرةً عَلى العِبادِ مَايَأتِيهِمۡ مِنۡ رَسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡابِهٖ يَستَهزِءُوۡنَ۔

کہ لوگوں پر افسوس ہے کوئی بھی رسول ان کے پاس نہیں آتا مگر وہ اس سے استہزاء کرتے ہیں اور استہزاء کا مقصد تذلیل ہی ہوتا ہے۔ پس مامورین کے خلاف طوفان بد تمیزی تو اُن کی سیدھی باتوں کو الٹا بنا کر بھی برپا کر دیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طوفان بد تمیزی کا جو انجام ہوا اس کا جناب برق صاحب نے ذکر نہیں فرمایا۔ اور غالباً اس وجہ سے ذکر نہیں کیا۔ کہ اگر وہ اس بارہ میں بعد کے واقعات بھی بیان کر دیتے تو پھر اُن کا اعتراض بے جان ہو کر رہ جاتا اور وہ اپنے اعتراض کو خود کمزور کرنا نہیں چاہتے تھے۔

انجام پیشگوئی

اس انجام کی اصل حقیقت یہ ہے کہ جب میعاد پیشگوئی گزر گئی اور ڈپٹی عبداللہ آتھم رجوع الی الحق کر لینے کی وجہ سے وعیدی موت سے بچ گئے تو جو طوفان بد تمیزی اس موقعہ پر برپا کیا گیا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ابتلاء کا رنگ رکھتا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس ابتلاء کا پردہ یوں چاک کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام کیا کہ آپ عبداللہ آتھم کو دعوت مباہلہ دیں۔ یہ دعوتِ مباہلہ آپ نے اپنے اشتہار انعامی ایک ہزار روپیہ میں شائع فرمائی اور یہ لکھا کہ :-

"اگر عیسائی صاحبان اب بھی جھگڑیں اور اپنی مکارانہ کارروائیوں کو کوئی چیز سمجھیں یا کوئی اور شخص اس میں شک کرے تو اس بات کے تصفیہ کے لئے کہ فتح کس کو ہوئی آیا اہل اسلام کو جیسا کہ درحقیقت ہے یا عیسائیوں کو جیسا کہ وہ ظلم کی راہ سے خیال کرتے ہیں تو میں اُن کی پردہ دری کے لئے مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔ اگر دروغ گوئی اور چالاکی سے باز نہ آئیں تو مباہلہ اس طور پر ہوگا کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر فریقین ایک میدان میں حاضر ہوں اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کھڑے ہو کر تین مرتبہ ان الفاظ

کا اقرار کریں کہ اس پیشگوئی کے عرصہ میں اسلامی رُعب ایک طرفۃ العین کے لئے بھی نہیں آیا۔ اور میں اسلام اور نبیءِ اسلام کو ناحق پر سمجھتا رہا ہوں اور سمجھتا ہوں اور صداقت کا خیال تک نہیں آیا اور حضرت عیسیٰ کی ابنیت اور الوہیّت پر یقین رکھتا رہا ہوں اور رکھتا ہوں اور ایسا ہی یقین جو فرقہ پراٹسٹنٹ کے عیسائی رکھتے ہیں اور اگر میں نے خلاف واقعہ کہا ہے اور حقیقت کو چھپایا ہے تو اے قادر خدا تو مجھ پر ایک برس میں عذاب موت نازل کر اور اس دُعا پر ہم آمین کہیں گے۔ اور اگر دُعا کا ایک سال تک اثر نہ ہوا اور وہ عذاب نازل نہ ہوا جو جھوٹوں پر نازل ہوتا ہے تو ہم ہزار روپیہ مسٹر عبداللہ آتھم کو بطور تاوان دیں گے۔ چاہیں تو پہلے کسی جگہ جمع کرالیں اور اگر وہ ایسی درخواست نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ وہ کاذب ہیں اور غلوّ کے وقت اپنی سزا پائیں گے۔ ہمیں صاف طور پر الہاماً معلوم ہو گیا ہے کہ اس وقت تک عذاب موت کے ٹلنے کا یہی باعث ہے۔ کہ عبداللہ آتھم نے حق کی عظمت کو اپنی خوفناک حالت کی وجہ سے قبول کر کے اُن لوگوں سے کسی درجہ مشابہت پیدا کرلی ہے جو حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ انہیں کسی قدر اس شرط کا فائدہ ملتا۔ (انوار الاسلام صفحہ ۶)

اوپر کی عبارت میں مذکور تاوان کے حصول کے بارہ میں درخواست کے متعلق حضرت اقدس نے لکھا:-

درخواست اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد ایک ہفتہ تک ہمارے پاس آنی چاہیئے تاجو جھوٹا ہو وہ ہلاک ہو۔ بخدا ہم سچ کہتے ہیں کہ مسٹر عبداللہ آتھم عظمتِ اسلامی کو قبول کر کے اور حق کی طرف رجوع کر کے بچا ہے۔ اب سارا جہان دیکھ رہا ہے اگر مسٹر عبداللہ آتھم کے نزدیک ہمارا یہ بیان صحیح نہیں ہے تو وہ اس دوسری جنگ کو قبول کریں گے۔ جبکہ سانچ کو آنچ نہیں تو اُن کو مقابلہ سے کیا اندیشہ ہے؟

(انوار الاسلام صفحہ ۶)

اس دعوت مباہلہ کے بعد مسٹر عبداللہ آتھم مباہلہ کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو اس کے بعد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے مزید اتمام حجت کے لئے انہیں مؤکد بعذاب قسم کھانے کے لئے دو ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار دیا اور قسم کے الفاظ لکھنے کے بعد آتھم صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا :-

”حضرت یہ تو دو خداؤں کی لڑائی ہے۔ اب وہی غالب ہو گا جو سچا خدا ہے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے خدا کی یہ ضرور قدرت ظاہر ہو گی کہ اس قسم والے برس میں ہم نہیں مریں گے لیکن اگر آتھم صاحب نے جھوٹی قسم کھالی تو ضرور فوت ہو جائیں گے تو جائے انصاف ہے کہ آتھم صاحب کے خدا پر کیا حادثہ نازل ہو گا کہ وہ ان کو بچا نہیں سکے گا۔ اور منجی ہونے سے استعفا دیدیگا۔ غرض اب گریز کی کوئی وجہ نہیں یا تو مسیح کو قادر کہنا چھوڑیں یا قسم کھالیں۔ ہاں اگر عام مجلس میں اقرار کر دیں کہ ان کے مسیح ابن اللہ کو ایک برس تک زندہ رکھنے کی قدرت نہیں مگر برس کے تیسرے حصّے یا تین دن تک البتہ قدرت ہے اور اس مدت تک اپنے پرستار کو زندہ رکھ سکتا ہے تو ہم اس اقرار کے بعد چار مہینہ یا تین ہی دن تسلیم کر لیں گے۔“ (اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ ۲۰ر ستمبر ۱۸۹۴ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۳۵۔۱۳۶)

اس متحدیانہ عبارت سے ظاہر ہے کہ دوسرے اشتہار کے وقت اس روحانی مقابلہ میں عبداللہ آتھم کا حضرت اقدس کی زندگی میں ایک سال کے اندر مرنا اور حضرت اقدس کا ان کی زندگی میں وفات نہ پانا عبداللہ آتھم کے قسم اٹھانے پر فیصلہ کی صورت ہو گی۔ گویا مسٹر عبداللہ آتھم کو حضرت اقدس کی زندگی میں مباہلہ کے بعد ایک سال کے اندر مرنے کے روحانی مقابلہ کی دعوت دی گئی تھی۔

مسٹر عبداللہ آتھم انعامی رقم ڈبل کیا جانے پر بھی قسم کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ تو بعد ازاں آپ نے تین ہزار روپے کا انعامی اشتہار دیا اور اس میں لکھا کہ :-

"قسم کھانے کے بعد خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ فیصلہ قطعی کرے اور قسم کے بعد ایسے مکار کا پوشیدہ رجوع ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں ایک دنیا کی تباہی ہے۔" (اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ صفحہ ۹)

مسٹر عبداللہ آتھم اس اشتہار پر بھی آمادہ نہ ہوئے تو آپ نے آخری اشتہار چار ہزار روپے کے انعام کے ساتھ پیش کیا اور اس میں اپنا آخری الہام بھی شائع فرمایا کہ خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ :-

"میں بس نہیں کروں گا جب تک اپنے قوی ہاتھ کو نہ دکھلاؤں اور شکست خوردہ گروہ کی سب پر ذلت ظاہر نہ کروں۔"

اور اس الہام کا مفاد یہ بتایا۔ کہ :-

"اگر آتھم صاحب قسم نہ کھائیں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا جس نے حق کا اخفاء کر کے دُنیا کو دھوکہ دینا چاہا...............وہ دن نزدیک ہیں دُور نہیں۔"

مسٹر عبداللہ آتھم اس چار ہزار روپیہ والے انعامی اشتہار پر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے اور مؤکد بعذاب قسم کھانے کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور اس طرح حضرت اقدس کے الہام اِطَّلَعَ اللّٰهُ عَلٰی هَمِّهٖ وَغَمِّهٖ کی تصدیق اپنے عمل سے کر دی کہ وہ رجوع کر کے موت سے بچے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ باوجود چار ہزار روپیہ انعام مقرر کئے جانے کے رجوع کے اعتراف یا رجوع کے مؤکد بعذاب قسم کے ساتھ انکار کے لئے تیار نہ ہوئے۔

اس لئے اب وہ اخفائے حق کے جرم میں حضرت اقدس کی آخری پیشگوئی کی تفہیم کے مطابق "وہ دن نزدیک ہیں دُور نہیں" اس آخری اشتہار کے بعد سات ماہ کے عرصہ میں ہلاک ہو کر پیشگوئی کی صداقت پر مُہرِ تصدیق ثبت کر گئے۔

کاش! جناب برق صاحب اپنی کتاب پڑھنے والوں کے سامنے پہلی میعاد پیشگوئی کے گزر جانے کے بعد اس مقابلۂ روحانیہ کی دعوت کا ذکر کر کے تصویر کا دوسرا رُخ بھی پیش کر دیتے۔ مگر انہوں نے مخالفین کے طوفان بد تمیزی کے متعلق باوجود (کوفت اٹھانے کا اظہار کرنے کے) ان کی نظم و نثر میں گالیوں کا درج کرنا تو ضروری سمجھ لیا مگر بعد کے روحانی مقابلہ میں مسٹر عبداللہ آتھم اور عیسائیوں کے عجز و شکست کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس پیشگوئی پر اعتراض میں ان کی کارروائی محرمانہ نہیں بلکہ مجرمانہ ہے۔ اور ان کی کتاب حرف محرمانہ کی بجائے حرف مجرمانہ کہلانے کی مستحق ہے کیونکہ وہ ایک محقق کے طور پر اس بحث میں حصہ نہیں لے رہے بلکہ معاندین کا شیوہ ہی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

حضرت اقدس مسٹر عبداللہ آتھم کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

"آپ نے میعاد پیشگوئی کے اندر اسلامی عظمت اور صداقت کا سخت اثر اپنے دل پر ڈالا اور اسی بنا پر پیشگوئی کے وقوع کا ہمّ و غم کمال درجہ پر آپ کے دل میں غالب ہوا میں اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بالکل صحیح ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے مکالمہ سے مجھ کو یہ اطلاع ملی ہے اور اس پاک ذات نے مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ جو انسان کے دل کے تصورات کو جانتا ہے اور اس کے پوشیدہ خیالات کو دیکھتا ہے۔ اگر میں اس بیان میں حق پر نہیں تو خدا مجھ کو آپ سے پہلے موت دے۔ پس اسی وجہ سے میں نے چاہا کہ آپ مجلس عام میں قسم موت کھا دیں۔ اور ایسے طریق پر جو میں بیان کر چکا ہوں تا میرا اور آپ کا فیصلہ ہو جائے۔ (دوسرا حصہ اشتہار تین ہزار روپیہ صفحہ ۱۷، ۱۸)

پیشگوئی پر اہم ترین اعتراض

جناب برق صاحب کا اس پیشگوئی پر اہم ترین اعتراض یہ ہے کہ آپ اپنی

کتاب ”حرف محرمانہ“ میں مخالفین کے طوفانِ بد تمیزی کے متعلق ان کی نظم و نثر کے بعض حوالہ جات درج کرنے کے بعد اپنی کتاب کے صفحہ ۷ ۷ ۲ پر لکھتے ہیں :-

ان اشتہارات سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ آتھم اور اس کے فریق نے پیشگوئی کی شرط رجوع الی الحق کو پورا نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے طغیان و تمرّد پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے ۶ر ستمبر ۱۸۹۴ء کو جناب مرزا صاحب اور خدا اور جبریل کی انتہائی توہین کی نہ صرف ۶ر ستمبر کو بلکہ عبداللہ آتھم اسلام اور مرزا صاحب کے خلاف مسلسل لکھتا رہا۔ اس کی ایک نہایت زہریلی کتاب ”خلاصہ مباحثہ“ جس میں تثلیث پر پرُزور دلائل ہیں۔ توحید کا مضحکہ اڑایا گیا ہے اور جناب مرزا صاحب پر بے پناہ پھبتیاں کسی گئی ہیں۔ اسی زمانے (پندرہ ماہ) کی تصنیف ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں کون کہہ سکتا کہ آتھم نے رجوع الی الحق کر لیا تھا۔ اور عاجز انسان کو خدا بنانے سے باز آگیا تھا۔“

الجواب

ہم نے جناب برق صاحب کا اعتراض من و عن ان کے الفاظ میں نقل کر دیا ہے۔ اب اس کے جواب میں واضح ہو کہ بیشک عیسائیوں نے طغیان و تمرّد کا اظہار کیا۔ مگر پیشگوئی کا فریق خاص جس کی ہلاکت کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ دراصل صرف عبداللہ آتھم ہی تھا۔ جناب برق صاحب نے اس کے تمرّد و طغیان کو ثابت کرنے کے لئے اس کے متعلق لکھا ہے :-

”نہ صرف ۶ر ستمبر کو بلکہ عبداللہ آتھم اسلام اور مرزا صاحب کے خلاف مسلسل لکھتا رہا۔“

مگر جناب برق صاحب کے پاس اس بات کا کوئی قطعی ثبوت موجود نہیں کہ عبداللہ آتھم پیشگوئی کے کیے جانے کے بعد اسلام اور حضرت مرزا صاحب کے خلاف

مسلسل لکھتے رہے۔ تسلسل ثابت کرنا تو کجا جناب برق صاحب تو اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکے کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم نے خود پیشگوئی کی میعاد پندرہ ماہ کے اندر "خلاصہ مباحثہ" کے نام سے کوئی کتاب لکھی جسے جناب برق صاحب نے ایک زہریلی کتاب اور تثلیث کے متعلق پرزور دلائل اور توحید کا مضحکہ اڑانے اور جناب مرزا صاحب پر بے پناہ پھبتیاں کسے جانے پر مشتمل قرار دیا ہے۔ تا کہ رجوع الی الحق کو رد کریں۔

ہم نے جناب برق صاحب کا یہ اعتراض پڑھنے کے بعد انکی خدمت میں ایک خط لکھا کہ وہ اس بات کا ثبوت فراہم کریں کہ ایسی کوئی کتاب خود عبداللہ آتھم نے پیشگوئی کی میعاد پندرہ ماہ کے اندر لکھی ہے۔ مگر جب جناب برق صاحب نے ہماری اس چٹھی کا کوئی جواب نہ دیا تو پھر ہم نے انہیں ایک رجسٹری خط لکھا جس کی اکنالجمنٹ رسید جناب برق صاحب کے دستخطوں سے ہمارے پاس موجود ہے۔ اس رجسٹری خط میں اس کتاب کے بارہ میں ہم نے برق صاحب سے گیارہ سوالات کئے۔ لیکن افسوس ہے کہ جناب برق صاحب نے ہماری اس رجسٹرڈ چٹھی کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ ہم وہ چٹھی اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کی خاطر ذیل میں درج کر دیتے ہیں :-

نقل چٹھی مرسلہ بنام ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق

مکرم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق

سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ آپ نے اپنی کتاب حرف محرمانہ کے صفحہ ۲۷۷ پر لکھا ہے :-

"بلکہ عبداللہ آتھم اسلام اور مرزا صاحب کے خلاف لکھتا رہا۔ اس کی ایک نہایت زہریلی کتاب "خلاصہ مباحثہ" جس میں تثلیث پر پرزور دلائل ہیں۔ توحید کا

مضحکہ اڑایا گیا ہے اور جناب مرزا صاحب پر بے پناہ پھبتیاں کسی گئی ہیں اس زمانہ (پندرہ ماہ) کی تصنیف ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں کون کہہ سکتا ہے کہ آتھم نے رجوع الی الحق کر لیا تھا اور عاجز انسان کو خدا بنانے سے باز آ گیا تھا۔"

کچھ عرصہ ہؤا آپ کی اس عبارت کے متعلق ہمارے دفتر کی طرف سے چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے تھے۔ لیکن آپ نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔ حالانکہ یہ کتاب لکھ کر آپ نے یہ امر اپنے ذمہ لے لیا تھا کہ اس میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کے بارے میں اگر کسی استفسار ضرورت ہو تو آپ جواب سے پہلو تہی نہیں کریں گے۔ مگر افسوس کہ آپ نے اس ذمہ داری کو ادا نہیں کیا۔ لہٰذا اب دوبارہ آپ کی خدمت میں یہ چٹھی رجسٹری بھیجی جاتی ہے۔ آپ مہربانی فرما کر اوّلین فرصت میں ہمارے سوالات کا جواب دیکر ممنون فرمائیں ورنہ سمجھا جائے گا کہ بے پر کی اڑانے میں آپ بھی دوسرے معاندینِ احمدیت سے پیچھے نہیں۔ آپ کے مندرجہ بالا نوٹ کے متعلق ہمارے سوالات حسبِ ذیل ہیں۔ ان تمام سوالات کے جوابات نمبر وار دیکر ممنون فرمائیں۔

۱- کیا ڈپٹی عبداللہ آتھم کی کتاب "خلاصہ مباحثہ" آپ کے پاس موجود ہے؟

۲- اگر موجود نہیں تو آپ نے اسے کہاں دیکھا ہے اگر کسی لائبریری میں دیکھا ہے تو اس سے مطلع فرمائیں؟

۳- اس بات کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ کتاب "خلاصہ مباحثہ" کو خود ڈپٹی آتھم نے پیشگوئی کی میعاد ۱۵ ماہ کے اندر تصنیف کیا تھا؟

۴- اس کا طابع اور ناشر کون ہے؟

۵- یہ کس پریس میں چھپی تھی؟

۶- یہ کتنے صفحات پر مشتمل ہے؟

۷-کیا اس پر تاریخ تصنیف درج ہے ؟ اگر ہے تو کون سی ؟

۸-کیا اس پر تاریخ اشاعت درج ہے ؟ اگر ہے تو کون سی ؟

۹-کیا اس پر بطور مصنّف ڈپٹی عبداللہ آتھم کا نام درج کیا گیا ہے ؟

۱۰-اگر آپ کے پاس یہ کتاب موجود ہو تو ہم اسے کس طرح دیکھ سکتے ہیں ؟

۱۱-اگر آپ نے خود یہ کتاب نہیں دیکھی بلکہ کسی اور جگہ سے اس کا یہ خلاصہ نقل کیا ہے تو جس کتاب سے آپ نے یہ خلاصہ لیا ہے اسکا حوالہ دیا جائے ؟

فقط والسلام ۲۹/ نومبر ۶۴

(دستخط) محمد نذیر

(مہر) مہتمم نشر و اشاعت اصلاح و ارشاد

یہ رجسٹری خط ربوہ سے ۲۹/ نومبر ۶۱ کو پوسٹ کیا گیا۔ اس کی اکنالجمنٹ رسید جو جناب برق صاحب کے چھوٹے دستخطوں سے ڈاکخانہ ربوہ کے ذریعہ ہمیں واپس موصول ہوئی ہمارے دفتر کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ اس نہایت ضروری خط کا بھی انہوں نے کوئی جواب آج مورخہ ۲۴/ اپریل ۶۳ تک نہیں دیا۔

لہٰذا آج میں نے کیمبل پور کی جماعت احمدیّہ کے امیر ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب کی خدمت میں ایک چٹھی لکھی ہے۔ کہ وہ جناب برقؔ صاحب سے مل کر زیر بحث کتاب کے متعلق اپنی تحقیقات سے مطلع فرمائیں۔

ڈاکٹر عبد الرؤف صاحب میرے اس خط کے پہنچنے پر محترم جناب برق صاحب سے ملے تو جناب برق صاحب نے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد کہا کہ شاید میں نے اس کتاب "خلاصہ مباحثہ" کا ذکر "الہامات مرزا" مصنفہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری میں پڑھا ہے۔

جناب برق صاحب کے اس جواب سے ظاہر ہو گیا کہ اپنی کتاب "حرف

محرمانہ" میں انہوں نے اپنی کوئی ذاتی تحقیق پیش نہیں کی بلکہ دوسرے معاندینِ احمدیت کی نقل ہی کی ہے۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب وغیرہ معاندین احمدیت کے اعتراضات فقط اپنے لفظوں میں ڈھال کر پیش کر دیئے ہیں۔ لہٰذا جو جھوٹ دوسروں نے احمدیت کے خلاف بولا تھا اس کے دہرانے کے آپ بھی مجرم بن رہے ہیں۔ اور آپ کی یہ کتاب "حرف محرمانہ" کی بجائے "حرفِ مجرمانہ" کہلانے کی مستحق ہے۔ اپنی کتاب کے آخر میں برق صاحب نے جن کتابوں کے مطالعہ کرنے کا ذکر کیا ہے ان میں "الہامات مرزا" کا ذکر موجود نہیں اور جن کتابوں کے انہوں نے نام دیئے ہیں ان میں "خلاصہ مباحثہ" کا کوئی ذکر نہیں۔

مسٹر عبداللہ آتھم تو پیشگوئی کی میعاد کے اندر سرگردان اور سراسیمہ ہونیکی حالت میں تھے اور دن رات روتے رہتے تھے۔ ان کی حالت نیم دیوانوں کے مشابہ تھی۔ ان کی متخیّلہ میں انہیں ایسے حملہ آور دکھائی دیتے تھے جن کا ذکر کرنے پر عیسائیوں نے انہیں عدالت میں حضرت مرزا صاحب کے خلاف نالش کرنے کے لئے کہا اور یہاں تک پیشکش کی کہ تم صرف کاغذ پر دستخط ہی کر دو۔ مقدمہ ہم دائر کریں گے۔ مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ بھلا اس سراسیمگی کی حالت میں مسٹر عبداللہ آتھم کوئی ایسا رسالہ بنام "خلاصۂ مباحثہ" کیسے لکھ سکتے تھے۔

پس اگر ایسا کوئی رسالہ ان دنوں میں کسی عیسائی نے ان کے نام پر شائع کر دیا ہے (گو ایسا کوئی رسالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا) تو یہ اس کی روبہ بازی ہے۔ ورنہ اگر مسٹر عبداللہ آتھم نے خود کوئی ایسا رسالہ تثلیث کے عقیدہ کے متعلق دلائل پر مشتمل لکھا ہوتا تو جب حضرت اقدس نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی اور اس بات پر قسم کھانے کو کہا کہ میں نے الوہیّت مسیح اور ان کے ابن اللہ ہونے کے متعلق عقیدہ سے رکوع نہیں کیا بلکہ پراٹسٹنٹ عیسائیوں کی طرح ہی الوہیت اور ابنیّت کے عقیدہ پر

قائم رہا ہوں اور اب بھی یہی عقیدہ رکھتا ہوں۔ تو انہوں نے یہ جواب کیوں نہ دیا کہ مجھے قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میرا خود نوشت رسالہ "خلاصہ مباحثہ" موجود ہے جو اس بات پر میری طرف سے تحریری شہادت ہے کہ میں نے اپنے عقیدہ سے رجوع نہیں کیا۔ بلکہ میں دوسرے عیسائیوں کی طرح عقیدہ ابنیّت اور الوہیت مسیح کا قائل رہا ہوں۔

اگر مسٹر عبداللہ آتھم اس رسالہ کو وجہ شہادت کے طور پر پیش کرتے تو یہ ان کی طرف سے دعوت مباہلہ اور قسم کھانے کی دعوت مقابلہ میں نہ آنے کے لئے ایک کافی جواب ہوتا۔ مگر انہوں نے تو یہ امر بطور شہادت پیش نہ کیا۔ بلکہ یہ عذر کیا کہ قسم کھانا ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔ جس کی حضرت اقدس نے پُر زور تردید کی اور ثابت کیا کہ شہادت کے وقت عیسائی مذہب میں قسم کھانا جائز ہے کیونکہ خود مسیح علیہ السلام نے بھی انجیل متی ۶۳/۲۷ کے مطابق قسم کھائی تھی۔

رجوع کا اعتراف

مسٹر عبداللہ آتھم نے عیسائی اخبار "نور افشاں" ۲۱ ستمبر ۱۸۹۴ء میں حضرت اقدس کے ذکر میں لکھا ہے :-

"میں عام عیسائیوں کے عقیدۂ ابنیّت و الوہیت کے ساتھ متفق نہیں اور نہ میں ان عیسائیوں سے متفق ہوں جنہوں نے آپ کے ساتھ بیہودگی کی۔"

یہ الفاظ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کی طرف سے دبی زبان میں اس بات کا اقرار ہیں کہ وہ پراٹسٹنٹ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کے قائل نہیں رہے تھے اور نہ ان کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ اور اِلٰہِ مجسم مانتے تھے۔

پس ان الفاظ میں تو انہوں نے ایک طرح سے عقیدہ تثلیث سے رجوع اور

توحید کو اختیار کرنے کا اقرار کیا ہے۔ بھلا ایسا شخص پیشگوئی کی ۱۵ ماہ والی میعاد کے اندر تثلیث پر پرزور رسالہ بنام "خلاصہ مباحثہ" کیسے لکھ سکتا تھا۔ جس میں حضرت اقدس پر پھبتیاں اڑائی گئی ہوں۔ وہ تو آپ سے بیہودگی کو ناپسند کرتے ہیں۔ پس ایسا رسالہ کسی عیسائی کی چالاکی پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ اس نے مباحثہ "جنگ مقدس" کی روئداد کا خلاصہ بنام "خلاصہ مباحثہ" شائع کر دیا ہوگا اور اس پر عبداللہ آتھم کے اس مباحثہ میں مناظر ہونے کی وجہ سے ان کا نام لکھدیا ہوگا۔ بہر حال کوئی ایسا رسالہ ہمیں نہیں ملا۔ اور ہمارے لئے اس بات پر یقین کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو مسٹر عبداللہ آتھم حضرت اقدس کی طرف سے دعوت مباہلہ دیئے جانے اور قسم کا چیلنج دیا جانے پر اسے اپنے رجوع نہ کرنے کے ثبوت میں خود بطور شہادت پیش کرتے اور مباہلہ اور قسم سے بچنے کے لئے کچے عذر سے کام نہ لیتے۔ جسے حضرت اقدس نے عذرِ لنگ ثابت کر دیا۔

☆☆☆

بعض ضمنی اعتراضات

اہم سوال کا جواب دینے کے بعد اب ہم جناب برقؔ صاحب کے اس پیشگوئی پر ضمنی اعتراضات کے جوابات بھی دیدیتے ہیں۔ (باللّٰہِ التوفیق)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اپنی کتاب اعجاز احمدی میں لکھا ہے :-

"سبب اس پیشگوئی کرنے کا یہی تھا کہ اس (آتھم) نے اپنی کتاب اندرونہ بائیبل میں آنحضرت ﷺ کا نام دجال رکھا تھا۔ سو اس کو پیشگوئی کرنے کے وقت قریباً ستّر آدمیوں کے روبرو سنا دیا تھا۔ کہ تم نے ہمارے نبی ﷺ کو دجال کہا تھا۔ سو تم اگر اس لفظ سے رجوع نہیں کروگے تو پندرہ ماہ میں ہلاک کئے جاؤ گے۔ سو آتھم نے اسی مجلس

میں رجوع کیا اور کہا کہ معاذ اللہ میں نے آنجنابؐ کی شان میں ایسا لفظ کوئی نہیں کہا اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور زبان منہ سے نکالی اور لرزتی ہوئی زبان سے انکار کیا۔ جس کے نہ صرف مسلمان گواہ بلکہ چالیس سے زیادہ عیسائی بھی گواہ ہوں گے۔ پس کیا یہ رجوع نہ تھا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۲، ۳)

اس پر جناب برق صاحب لکھتے ہیں۔ یہ جواب بوجوہ محل نظر ہے۔

اعتراض اوّل

"اگر آتھم نے واقعی اس جلسہ ہی میں (جہاں پیشگوئی سنائی گئی تھی) رجوع کر لیا تھا تو پھر آپ پندرہ ماہ تک اضطراب میں کیوں رہے تھے؟............... جب رجوع ہو گیا تو پیشگوئی وہیں ختم ہو گئی۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۸۰)

الجواب

واقعات سے یہی ثابت ہے۔ اور پیشگوئی کا ٹل جانا بھی اس بات پر گولہ ہے کہ آتھم صاحب نے درحقیقت رجوع کر لیا تھا۔ لیکن اس وقت قطعی طور پر یہ خیال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ دل سے وہ عقیدہ تثلیث سے بھی رجوع کر رہے ہیں۔ اس لئے حضرت اقدس کا پیشگوئی کی پندرہ ماہ کی میعاد تک پیشگوئی کے انجام کا انتظار اور اس میں دلچسپی لینا ضروری امر تھا۔ گو بناء پیشگوئی مسٹر عبداللہ آتھم کا آنحضرت ﷺ کو نعوذ باللہ دجال قرار دینا تھی۔ لیکن چونکہ پیشگوئی میں خدا تعالیٰ کے الفاظ یہ تھے :-

"کہ اس بحث میں جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے............... وہ پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔" (جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸)

اور پیشگوئی کا ماحصل خود جناب برق صاحب نے بھی یہی لکھا ہے کہ :-

”رجوع الی الحق کا مفہوم ایک ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی تثلیث سے تائب ہو کر توحید قبول کرنا۔“ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۱)

اس لئے مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کا آنحضرت ﷺ کو دجال کہنے سے انکار ان کے رجوع کی ایک علامت تو ہو سکتا تھا۔ مگر اس وقت اسے ایسا رجوع قرار نہیں دیا جا سکتا جس سے آتھم صاحب کا وعیدی موت سے بچ جانا قطعی طور پر یقینی ہو جائے۔ اس لئے پندرہ ماہ کی میعاد پیشگوئی تک اس کے انجام کا انتظار ضروری تھا اور چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم نے اعلانیہ اس بات کا پندرہ ماہ کے عرصہ میں اظہار نہیں کیا تھا کہ وہ توحید کے قائل ہو چکے ہیں اس لئے لوگوں کے ابتلا میں پڑنے کا احتمال بھی موجود تھا۔ لہٰذا حضرت اقدس کے لئے لوگوں کے کسی ابتلاء میں پڑنے کے خیال سے پریشانی ایک طبعی امر تھا۔ چنانچہ منشی رستم علی خاں صاحب کو حضرت اقدس نے جو خط لکھا اس میں لوگوں کے کسی امتحان میں پڑنے کے خطرہ کا ہی اظہار کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :-

”اب تو صرف چند روز پیشگوئی میں رہ گئے ہیں۔ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو امتحان سے بچاوے۔“ (خط مندرجہ حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۳)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس اپنے اجتہاد کے رو سے عبداللہ آتھم کے آنحضرت ﷺ کو دجال کہنے سے رجوع کر لینے کے باوجود اس رجوع کو اس بات کے لئے قطعی نہیں سمجھتے تھے کہ اس رجوع سے وہ یقینی طور پر وعیدی موت سے بچ سکتا ہے کیونکہ پیشگوئی میں رجوع الی کے الفاظ سے رجوع الی التوحید سمجھا جاتا تھا۔

اعتراض دوم

دوسرا اعتراض جناب برق صاحب کا یہ ہے کہ :-

”اگر رجوع سے مراد صرف لفظ دجال سے رجوع تھا تو پیشگوئی میں بھی اس

کی وضاحت فرمائی ہوتی۔ حق کا لفظ اس قدر وسیع ہے کہ کائنات کی کروڑوں سچائیاں اس کے دامن میں سمائی ہوئی ہیں۔ اتنے وسیع لفظ سے صرف ایک سچائی مراد لینا ایک ایسا تکلف ہے جسکا جواز ایک زبردست قرینہ کے بغیر نکل ہی نہیں سکتا۔ پیشگوئی میں "جو فریق عمداً......... عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے......... ہاویہ میں گرایا جائیگا۔" کے الفاظ صریحاً تثلیث و توحید کا مفہوم دے رہے ہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۸۱)

الجواب

جب بقول برق صاحب پیشگوئی میں "جو فریق عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے......... ہاویہ میں گرایا جائے گا" کے الفاظ صریحاً تثلیث و توحید کا مفہوم دے رہے تو حق کا لفظ اس جگہ کروڑوں کروڑ سچائیوں کے ذکر پر مشتمل نہ ہوا۔ بلکہ سیاق کلام کے قرینہ سے جناب برق صاحب نے خود ہی اس کے یہ معنی متعین کر دیئے ہیں کہ :-

"باقی رہا لفظ حق تو پیشگوئی کے الفاظ پھر پڑھئے "جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔" یعنی جھوٹ سے مراد عاجز انسان کو خدا بنانا اور سچ کیا ہے؟ جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ ایک خدا کو ماننا۔ اس پیشگوئی کے رو سے رجوع الی الحق کا مفہوم ایک ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی تثلیث سے تائب ہو کر توحید قبول کرنا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۱)

دیکھئے جب برق صاحب نے خود بلا تکلّف عبارت الہام کے زبردست قرینہ سے حق کے لفظ سے ایک ہی سچائی مراد لے لی ہے۔ تو پھر اعتراض کیسا؟

ہاں بے شک دجال کانہ تو یہاں ذکر ہے اور نہ کسی لفظ سے اشارہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بنائے پیشگوئی جیسا کہ حضرت اقدس نے بیان کیا ہے :-

''مسٹر عبداللہ آتھم کا نبی ﷺ کو دجال کہنا ہی تھا۔''

مگر آتھم صاحب کے وعیدی موت سے بچنے کے لئے چونکہ الہام الٰہی کی رُو سے تثلیث کو چھوڑ کر توحید کو ماننا ضروری تھا۔ اس لئے محض دجال کہنے سے رجوع پر اس وقت پیشگوئی کے انجام کے متعلق قطعی اجتہاد نہیں ہو سکتا تھا۔ ہاں اس کا دجال کہنے سے رجوع کر لینا بعد کے ان واقعات کے ساتھ مل کر جو اسے ہم وغمّ کی صورت میں پیش آئے اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی وہ دل میں تثلیث کے عقیدہ کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کر چکا تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت اقدس کو اِطَّلَعَ اللّٰهُ عَلٰی هَمِّهٖ وَغَمِّهٖ کے الہام کے ذریعہ آتھم صاحب کو مہلت دی جانے سے متعلق اشارہ فرمادیا۔ اور پھر الہام کے ماتحت جو انعامی دعوت مباہلہ آتھم صاحب کو دی گئی اس سے آتھم صاحب کے رویہ نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ پندرہ ماہ کے اندر رجوع الی الحق کی وجہ سے ہی وہ وعیدی موت سے بچے تھے۔ ورنہ اگر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے دل سے رجوع نہ کیا ہوتا تو وہ فوراً مؤکد بعذاب حلف اٹھا کر حضرت اقدس کے بیان کو بھی جھٹلا سکتے تھے۔ اور چار ہزار روپیہ انعام بھی حاصل کر سکتے تھے۔ مگر چونکہ وہ قسم کھانے کے لئے باوجود انعامی وعدوں کے آمادہ نہ ہوئے۔ اور عذر کیا کہ میرے مذہب میں قسم کھانا منع ہے۔ حالانکہ حضرت اقدس نے بعد میں دلائل سے ثابت کر دیا کہ ضرورت کے وقت عیسائیوں میں قسم کھانا جائز ہے۔ اس لئے اخفائے حق کے جرم سے کام لینے کی وجہ سے وہ نئے الہام کے بعد سات ماہ کے عرصہ میں ہلاک ہو کر اپنی ذلت و شکست پر مہر تصدیق ثبت کر گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ایک اور اعتراض

ایک اور ضمنی اعتراض جناب برق صاحب کا یہ ہے۔ کہ حضرت اقدس نے لکھا تھا:-

"میں نے ڈپٹی آتھم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمی کے روبرو یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔ سو آتھم بھی اپنی موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۷)

جناب برق صاحب اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ پیشگوئی میں پندرہ ماہ کی میعاد تھی ہی نہیں۔ اور پھر خود ہی لکھتے ہیں :-

"پیشگوئی میں پہلے اور پیچھے کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں صرف اتنا ذکر ہے کہ جھوٹا پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۸۲)

الجواب

جناب برق صاحب پیشگوئی کے انہیں الفاظ کہ "جھوٹا پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرایا جائے گا" کا منطوق یہ ہے کہ سچا پندرہ ماہ کے عرصہ میں ہاویہ میں نہیں گرایا جائے گا۔ چونکہ ہاویہ میں گرایا جانے کے الفاظ سے اشارۃً وعیدی موت سمجھی گئی تھی اس لئے الہام کا صاف منشاء یہ ہوا کہ سچے کو پندرہ ماہ کے اندر نہیں مرنا چاہیئے۔ اور نتیجہ اس کا یہی ہوا کہ جھوٹا مریگا۔ سچا بچ جائے گا۔

الہام کے ان الفاظ کے بعد کہ جھوٹا پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ وہ الفاظ بھی ہیں جو جناب برق صاحب حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۰ پر خود نقل کر چکے ہیں کہ :-

"اور اس کو (جھوٹے کو ناقل) ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔"

پس جھوٹے کے ہاویہ میں گرائے جانے کی تعبیر وعیدی موت لینے کے بعد اِن اگلے الفاظ کا مطلب یہی لیا جاسکتا ہے کہ جو شخص دونوں فریق، عبداللہ آتھم اور

حضرت مرزا صاحب میں سے سچے خدا کو ماننے والا ہے اور اس وعیدی موت سے نہیں مریگا۔ پس جھوٹے کا سچے کے سامنے وعیدی موت سے مرنا بھی اس پیشگوئی کا مفاد ہوا۔ ہاں اس وقت جھوٹے کا پہلے مرنا اس شرط سے مشروط تھا کہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم رجوع الی الحق کی وجہ سے وعیدی موت سے بچ گئے۔ اور پندرہ ماہ میعاد ختم ہو گئی۔ لہٰذا اب اگر مسٹر عبداللہ آتھم اخفائے حق سے کام لیں تو پندرہ ماہ کی میعاد ختم ہو جانے کے بعد اب اصل پیشگوئی آتھم صاحب کے اخفائے حق کی وجہ سے تاخیر میں پڑکر اس کا مفاد یہی رہ جاتا تھا کہ جھوٹے کو سچے کے سامنے مرنا چاہیئے۔ چنانچہ آخری پیشگوئی میں خدا تعالیٰ نے فرمایا :-

"میں بس نہیں کروں گا جب تک قوی ہاتھ نہ دکھلاؤں اور شکست خوردہ گروہ کی سب پر ذلت ظاہر نہ کروں۔"

اور اس الہام کا مفاد حضرت اقدس نے یہ بتایا تھا کہ :-

"اگر آتھم صاحب قسم نہ کھائیں تو بھی خدا ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا جس نے حق کا اخفا کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا............ وہ دن نزدیک ہیں دُور نہیں۔" (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ)

اب پہلی پیشگوئی کی بنا پر ہی اخفائے حق کے جرم کی وجہ سے عبداللہ آتھم کا حضرت اقدس سے پہلے مرنا ضروری ہو گیا تھا۔ تا آتھم صاحب کے گروہ کی شکست اور ذلت سب پر ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ وہ اس پیشگوئی کے ۷ ماہ بعد ہلاک ہو گئے اور حضرت اقدس زندہ رہے۔

پس پہلی پیشگوئی کا یہ مفاد ضرور تھا۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مریگا البتہ اس میں پندرہ ماہ کی میعاد تھی۔ جو آتھم صاحب کے رجوع الی الحق سے ٹل گئی تھی اور اس پیشگوئی میں سنت اللہ کے موافق تاخیر ڈال دی گئی تھی۔ کیونکہ جب رجوع الی الحق

کی شرط سے فائدہ اٹھالینے پر وعیدی پیشگوئی کی یہ مقید صورت ختم ہو گئی تو آتھم صاحب کے اخفائے حق کی وجہ سے اب یہ وعیدی پیشگوئیوں کے اصول کے مطابق تاخیر میں پڑ کر اپنی اس مطلق صورت میں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مریگا قائم ہو گئی۔ کیونکہ مقید صورت کی نفی ہے وعیدی پیشگوئیوں میں معلق صورت کی بہر حال نفی نہیں ہو جاتی بلکہ بیباکی دکھانے پر عذاب کا نازل ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔

پس عبداللہ آتھم کے اخفائے حق کی وجہ سے پیشگوئی مطلق صورت میں ان کے سر پر قلم رہی اور بعد کے واقعات اور حقائق کی تفصیل اس مفاد کو قطعی طور پر ثابت کر دیتی ہے اور اس امر پر شبہ کا کوئی غبار باقی نہیں چھوڑتی کہ اس پیشگوئی کی میعاد گزر جانے کے بعد بھی مسٹر عبداللہ آتھم کے حضرت اقدس کی زندگی میں مرنے کا روحانی مقابلہ ختم نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

"ہاں جس وقت عبداللہ آتھم اس شرط (رجوع الی الحق نا قل) کے نیچے سے اپنے تئیں باہر کرے اور اپنے لئے شوخی اور بے باکی سے ہلاکت کے سامان پیدا کرے تو وہ دن نزدیک آجائیں گے اور سزائے ہاویہ کامل طور پر نمودار ہو گی اور پیشگوئی عجیب طور پر اپنا اثر دکھائے گی۔" (انوار الاسلام صفحہ ۵)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ پندرہ ماہ گزر جانے کے بعد بھی حضرت اقدس کے نزدیک پیشگوئی معلق صورت میں آتھم صاحب کے سر پر قائم تھی اور پیشگوئی کی اس معلق صورت کا مفاد یہی تھا کہ اخفائے حق کا جرم ظاہر ہو جانے پر جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو گا۔

پس ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰ کی عبارت پیشگوئی کی میعاد گزر جانے کے بعد کی ہے اس لئے اس میں پیشگوئی کی صرف مطلق صورت کا ذکر کیا گیا ہے۔

"کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔"

آخری ضمنی اعتراض

برق صاحب نے آخری ضمنی اعتراض اس عبارت کے پیشِ نظر کیا ہے جس میں "انوارالاسلام" صفحہ ۵ پر حضرت اقدس نے مسٹر عبداللہ آتھم کی مسلسل گھبراہٹ کے سلسلہ اور ہَول اور خوف کو اصل ہاویہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ برق صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"تو گویا آتھم اصل ہاویہ میں گرادیا گیا تھا اس لئے کہ اُس نے حق کی طرف رجوع نہیں کیا تھا۔ لیکن آپ اعجاز احمدی صفحہ ۲ میں فرماتے ہیں۔ کہ "آتھم نے اسی مجلس میں رجوع کیا۔" اگر وہ حق کی طرف رجوع کر چکا تھا تو پھر اُسے اصل ہاویہ میں کیوں گرادیا گیا۔ اور اگر نہیں کیا تھا تو زندہ کیوں رہا؟" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۸۳)

الجواب

اس اعتراض میں جناب برق صاحب دراصل لفظوں سے کھیل رہے ہیں ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اصل پیشگوئی میں موت کا لفظ نہ تھا بلکہ ہاویہ میں گرائے جانے کا ذکر تھا اور کامل ہاویہ چونکہ مجرم انسان کو مارنے کے بعد ملتا ہے اس لئے ہاویہ میں گرائے جانے کی تعبیر میں حضرت اقدس نے وعیدی موت ضروری قرار دی۔ چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم دل سے رجوع الی الحق کر چکے تھے اس لئے وہ موت کے ہاویہ سے اس طرح بچائے گئے کہ پندرہ ماہ کی میعاد پیشگوئی کے اندر ان کی موت واقعہ نہ ہوئی۔ لیکن اس میعاد کے اندر چونکہ ان پر گھبراہٹ اور خوف طاری ہُوا جو رجوع الی الحق کی علامت تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے ہاویہ کے وسیع معنوں کے لحاظ سے دنیوی ہاویہ کے معنوں میں اسے اصل ہاویہ سے تعبیر کیا ہے یہ ہاویہ جس میں وہ پڑے رہے رجوع کی علامت تھا۔ اگر وہ اعلانیہ بھی اپنے قلبی رجوع کا اظہار کر دیتے تو

وہ اس دنیوی ہاویہ سے بھی بچ جاتے۔ لیکن چونکہ آتھم صاحب نے اعلانیہ رجوع کا اظہار نہیں کیا تھا اس لئے ان پر باوجود رجوع الی الحق کے مسلسل گھبراہٹ اور ہول دل پر طاری رہا۔ پس اس رنگ میں عبداللہ آتھم صاحب اس اصل ہاویہ میں گر چکے تھے جو دنیا میں انسان کو مل سکتا ہے البتہ آخرت کے کامل ہاویہ میں وہ رجوع الی الحق کی وجہ سے پندرہ ماہ کے اندر نہ گرائے گئے۔

چنانچہ حضرت اقدس برق صاحب کی پیش کردہ عبارت کے بعد انوار الاسلام کے صفحہ ۷ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"اگر تم ایک طرف ہماری پیشگوئی کے الہامی الفاظ پڑھو اور ایک طرف اُس کے مصائب کو جانچو جو اس پر وارد ہوئے تو تمہیں کچھ بھی اسبات میں شک نہیں رہے گا کہ وہ بیشک ہاویہ میں گرا۔ ضرور گرا اور اس کے دل میں رنج اور بد حواسی وارد ہوئی جس کو ہم آگ کے عذاب سے کچھ کم نہیں کہہ سکتے ہاں اعلیٰ نتیجہ ہاویہ کا جو ہم نے سمجھا اور جو ہماری تشریحی عبارت میں درج ہے یعنی موت وہ ابھی تک حقیقی طور پر وارد نہیں ہوا۔ کیونکہ اس نے عظمتِ اسلام کی ہیبت کو اپنے دل میں دھنسا کر الٰہی قانون کے موافق الہامی شرط سے فائدہ اٹھالیا اور موت کے قریب قریب اس کی حالت پہنچ گئی۔ اور وہ درد اور دُکھ کے ہاویہ میں ضرور گرا اور ہاویہ میں گرنے کا لفظ اُس پر صادق آیا۔ پس یقیناً سمجھو کہ اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ بالا ہوا اور کلمہ اسلام اونچا ہوا اور عیسائیت نیچے گری۔ الحمد للہ علی ذالک۔" (انوار الاسلام صفحہ ۷)

نیز اس سے پہلے صفحہ ۵، ۶ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"توجہ سے یاد رکھنا چاہیئے کہ ہاویہ میں گرائے جانا جو اصل الفاظ الہام ہیں وہ عبداللہ آتھم نے اپنے ہاتھ سے پورے کئے اور جن مصائب میں اس نے اپنے تئیں ڈال لیا اور جس طرز سے مسلسل گھبراہٹوں کا سلسلہ اس کے دامن گیر ہو گیا اور ہول

اور خوف نے اس کے دل کو پکڑ لیا یہی اصل ہاویہ تھا اور سزائے موت اس کے کمال کے لئے ہے جس کا ذکر الہامی عبارت میں موجود ہی نہیں۔ بیشک یہ ایک ہاویہ تھا جس کو عبداللہ آتھم نے اپنی حالت کے موافق بھگت لیا۔ لیکن وہ بڑا ہاویہ جو موت سے تعبیر کیا گیا ہے اس میں کسی قدر مہلت دی گئی ہے۔"

اگر جناب برق صاحب ان عبارتوں پر غور فرما لیتے تو اس لفظی کھیل کھیلنے سے بچ جاتے جو انہوں نے اپنے اعتراض میں کھیلی ہے۔ ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ہاویہ کا اعلیٰ نتیجہ موت تھا جو رجوع الی الحق کی شرط سے ٹل سکتا تھا۔ اور ہاویہ کے اس نتیجہ سے جو دنیوی مصائب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس میں عبداللہ آتھم کے گرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے جناب برق صاحب کا اعتراض بے معنی اور بے وزن ہے۔ جس ہاویہ میں عبداللہ آتھم گرا اُسے دنیوی ہاویہ کے لحاظ سے اصل ہاویہ قرار دیا گیا ہے اور موت والے ہاویہ کا ذکر آپ نے اعلیٰ نتیجہ ہاویہ کے الفاظ میں کہا ہے اور اس سے وعیدی موت مراد لی ہے اور یہی ہاویہ "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" کی شرط سے مشروط تھا۔ پس برق صاحب کا یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کر چکا تھا تو پھر اسے اصل ہاویہ میں کیوں گرایا گیا۔

۳۔ پیشگوئی متعلّق پسر موعود

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اپنی کتاب نزول المسیح کے صفحہ ۱۹۶ پر پیشگوئی نمبر ۵۸ کے تحت لکھتے ہیں :۔

"۱۸۸۶ء میں مجھ کو الہام ہوا کہ تین کو چار کرنے والا مبارک۔" اور وہ الہام قبل از وقت بذریعہ اشتہار شائع کیا گیا تھا اور اس کی نسبت تفہیم یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس بیوی سے چار لڑکے مجھے دے گا اور چوتھے کا نام مبارک ہوگا۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱۹۶)

انہی چار لڑکوں میں سے خدا تعالیٰ نے ایک لڑکے کو مردِ خدا مسیح صفت بیان کیا۔ چنانچہ حضرت اقدس تریاق القلوب صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں :۔

"یاد رہے کہ لڑکی پیدا ہونا یا ایک لڑکا پیدا ہو کر مر جانا اس سے الہام کو کچھ تعلق نہ تھا۔ الہام یہ بتلاتا تھا کہ چار لڑکے پیدا ہوں گے اور ایک کو ان میں سے ایک مردِ خدا مسیح صفت الہام نے بیان کیا۔ سو خدا تعالیٰ کے فضل سے چار لڑکے پیدا ہو گئے۔"

واقعات کی شہادت یہ ہے کہ یہ پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہو گئی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسری بیوی سے چار لڑکے عطا فرمائے اور اُن میں سے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بصرہ العزیز کو لمبی عمر دے کر حضرت مسیح موعودؑ کا جانشین بنایا اور آپ کے ذریعہ اس اولوالعزم پسر موعود کے متعلق پیشگوئی جسے الہام نے مردِ خدا مسیح صفت بیان کیا تھا پوری ہو گئی۔ اس مسیح صفت موعود کے متعلق پیشگوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں کی گئی تھی۔ جس کا اقتباس جناب برق صاحب نے اپنی کتاب حرف محرمانہ کے صفحہ ۸۵۔ ۲۸۴ پر درمیان سے کئی جگہ

عبارت چھوڑ کر اس طرح دیا ہے۔

"خدائے رحیم و کریم.......... نے مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا.......... تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا.......... اس کا نام عنموایل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ وہ رجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے.......... وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا.......... اپنے مسیحی نفس سے.......... بہتوں کی بیماریوں کو صاف کرے گا.......... علوم ظاہری وباطنی سے پر کیا جائے گا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا۔ دوشنبہ مبارک دوشنبہ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلا کَأَنَّ اللّٰہ نزل مِنَ السَّمَاءِ.......... زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت حاصل کریں گی۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۵۸)

پیشگوئی سے اقتباس کے یہ بعض حصّے درمیان میں نقطے دیکر درج کرنے کے بعد جناب برق صاحب اشتہار ۲۲ / مارچ ۱۸۸۶ء کی یہ عبارت درج کرتے ہیں :-

"ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک (یعنی ۲۰ / فروری ۱۸۹۵ء تک) ضرور پیدا ہو گا۔" (تبلیغ رسالت جلد ا صفحہ ۷۲)

اس عبارت میں بریکٹ کا نوٹ برق صاحب نے خود درج کیا ہے اور یہ درست ہے۔ یہ اقتباس دینے کے بعد جناب برق صاحب لکھتے ہیں :-

"تاریخ اور ضرور کا لفظ نوٹ فرمالیجئے۔"

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق نو سال کے اندر پیشگوئی پوری کر دی۔ چنانچہ جنوری ۱۸۸۹ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد پیدا ہوئے جو آجکل حضرت مسیح موعودؑ کے جانشین اور خلیفہ ثانی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ میعاد پیشگوئی کے اندر پیدا ہوئے اور پیشگوئی کے مطابق خدا تعالیٰ

نے آپ کو زمین کے کناروں تک شہرت دی۔ قوموں نے آپ سے برکت حاصل کی اور کر رہی ہیں۔

جناب برق صاحب نے اس پیشگوئی پر بھی اپنی عادت کے موافق ایسے بے سروپا اعتراضات کئے ہیں جو معقولیت سے بالکل خالی ہیں۔ اور بعض ایسے حیلے بھی اختیار کئے ہیں تاکہ جن لوگوں کو اس پیشگوئی کا صحیح علم نہیں ان حیلوں سے وہ انہیں مغالطہ دے سکیں۔

بات یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بشیر احمد رکھا گیا اور یہ سولہ مہینے زندہ رہ کر وفات پا گیا۔ چونکہ الہام بتاتا تھا کہ پسرِ موعود ۹ سال کے اندر بموجب وعدۂ الٰہی پیدا ہو گا۔ اس لئے اس لڑکے کی پیدائش پر یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے کہ یہی وہ موعود لڑکا ہو جس کی نسبت ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ لیکن حضرت اقدس نے اُس کے متعلق اپنا کوئی اجتہاد شائع نہ فرمایا۔ چنانچہ اس لڑکے کی پیدائش کے متعلق آپ نے ۸ر اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں پیشگوئی بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے :-

"جناب الٰہی میں توجہ کی گئی تو آج ۸ر اپریل ۱۸۸۶ء میں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہو گا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہو گا۔ اور پھر اس کے بعد یہ بھی الہام ہوا کہ انہوں نے کہا کہ آنیوالا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں۔ چونکہ یہ عاجز ایک بندۂ ضعیف مولیٰ جل شانہٗ کا ہے۔ اس لئے اسی قدر ظاہر کرتا ہے جو منجانب اللہ ظاہر کیا گیا۔ آئندہ جو اس سے زیادہ منکشف ہو گا وہ بھی شائع کیا جائے گا

والسلام علی من اتبع الھدٰی۔

(اشتہار صداقت آثار مورخہ ۸/اپریل ۱۸۸۶ء)

جناب برق صاحب نے بھی یہ اقتباس درج کیا ہے ملاحظہ ہو حرف محرمانہ صفحہ ۲۸۵ مگر دانستہ درمیان سے وہ عبارت جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے۔ حذف کر کے اس کی جگہ نقطے دیدیئے ہیں اور یہ کارروائی انہوں نے اس لئے کی ہے کہ اس عبارت کو حذف کئے بغیر جناب برق صاحب وہ اعتراض نہیں کر سکتے تھے جو انہوں نے اس مقام پر کیا ہے۔

پہلا اعتراض

برق صاحب نے اس موقعہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جب ۷/اگست ۱۸۸۷ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اسے پسر موعود سمجھ کر اس کا نام بشیر رکھا۔ اور اعلان کیا :-

اے ناظرین! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولدؐ کے لئے میں نے اشتہار ۸/اپریل ۱۸۸۶ء میں پیشگوئی کی تھی اور خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے ضرور پیدا ہو جائے گا۔ آج ۱۶/ذیقعد ۱۳۰۴ ھجری مطابق ۷/اگست ۱۸۸۷ء میں ۱۲ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ موعود مسعود پیدا ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اس لڑکے کا نام بشیر احمد رکھا گیا۔"

(خوشخبری اشتہار ۷/اگست ۱۸۸۷ء و تبلیغ رسالت جلد اصفحہ ۸۹)

جناب برق صاحب اس پر لکھتے ہیں :-

"اس اشتہار کی خط کشیدہ سطور کو دیکھئے اور پھر ۸/اپریل کے اشتہار کو پڑھئے

وہاں "دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے" کا اشارہ تک نہیں ملے گا۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۲۸۷)

الجواب

(۱) اس عبارت میں ہر گز یہ مذکور نہیں کہ بشیر احمد کو ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کا "پسر موعود" سمجھ کر اس کا نام بشیر احمد رکھا گیا ہے۔

(۲) ہم جناب برق صاحب کے متعلق کیا خیال کریں، جبکہ "دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے" کا اشارہ چھوڑ اشتہار ۸/ اپریل میں ان الفاظ میں صراحت موجود ہے۔

"اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں" (اشتہار ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء)

اور یہی وہ عبارت ہے جو جناب برق صاحب نے اپنے پیش کردہ اقتباس میں سے حذف کر کے اس کی جگہ نقطے دے دیئے ہیں۔ قارئین کرام! غور فرمالیں کہ یہ عبارت تو ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں موجود تھی جس میں قریب کے حمل کا صریح ذکر موجود تھا مگر جناب برق صاحب نے اسے دانستہ اور ارادۃً درمیان سے خود حذف کر دیا ہے۔ تاوہ اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کو یہ مغالطہ دے سکیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اشتہار ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء میں دوسرے حمل میں "جو پہلے حمل کے قریب ہے" کا ذکر چھوڑ اس کا اشارہ تک نہیں کیا۔

جناب برق صاحب! آپ کیسے محقق ہیں؟ کہ عبارت تو درمیان سے خود حذف کر رہے ہیں اور الزام اس کی بناء پر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کو دینے بیٹھ گئے ہیں۔ کہ "اشتہار ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء" میں "دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے" کے الفاظ کا اشارہ تک نہیں۔ گویا حضرت اقدس نے اشتہار خوشخبری

۷؁۱۸۸ء میں جھوٹ موٹ لکھدیا ہے۔ کہ ایسے الفاظ اشتہار ۸/ اپریل میں موجود ہیں۔

دیکھئے! ہم نے اشارہ چھوڑ صراحت دکھادی ہے۔ اب بتائیے۔ آپ کی یہ کتاب "حرف محرمانہ" کہلانے کی مستحق ہے یا تحریف مجرمانہ۔ ذرا انصاف کو کام میں لائیں۔

دوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض اس موقعہ پر جناب برق صاحب نے یہ کیا ہے :-

"اس اشتہار میں ایک مدت حمل (۹ ماہ کے اندر) تک ایک لڑکا خواہ وہ پسر موعود ہو یا کوئی اور کے پیدا ہونے کی بشارت درج تھی۔ لیکن مئی ۱۸۸۶ء میں ایک لڑکی پیدا ہوگئی۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۸۶)

الجواب

اس کے جواب میں واضح ہو کہ ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے پر آپ کو ایک لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی جس کا ذکر آپ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جواب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔" (اشتہار صداقت آثار ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس پر جناب الٰہی میں توجہ کرنے پر صرف یہ انکشاف ہوا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے۔ جو مدت حمل سے

تجاوز نہیں کر سکتا اور اس کی تشریح آپ نے یہ فرمائی کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں۔ اس عبارت میں ہرگز قطعی طور پر یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ لڑکا موجودہ حمل میں ہی ہوگا۔ جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ بلکہ اس بات کا امکان ظاہر فرمایا تھا کہ یہ لڑکا اگر موجودہ حمل میں نہ ہُوا تو اس کے قریب کے دوسرے حمل میں ہوگا۔

پس لڑکی پیدا ہونے پر اعتراض کرنا جناب برق صاحب کی عجیب وغریب ذہنیت پر دال ہے۔ موجودہ حمل سے لڑکی پیدا ہو جانے پر اس عبارت کی موجودگی میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ حضرت اقدس نے حتمی طور پر یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ لڑکا موجودہ حمل سے ہوگا۔ بلکہ دوسرے حمل سے اس کا امکان ظاہر فرمایا تھا۔

چنانچہ دوسرے حمل میں خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ لڑکا پیدا ہو گیا اور یہ پیشگوئی ۷ر اگست ۱۸۸۷ء کو پوری ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

لہٰذا برق صاحب کا یہ اعتراض سراسر بے بنیاد ہے۔

تیسرا اعتراض

جناب برق صاحب نے اس پیشگوئی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ "کہ یہ لڑکا ۴ر نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہو گیا۔"

الجواب

اس لڑکے کا کم عمری میں فوت ہو جانا کوئی قابل اعتراض امر نہیں کیونکہ ۸ر اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں اس کے متعلق پیشگوئی فرماتے ہوئے حضرت اقدس نے صاف لفظوں میں لکھدیا تھا کہ :-

"لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت

میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔" (اشتہار ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء)

اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء مندرجہ ضمیمہ اخبار ریاض ہند یکم مارچ ۱۸۸۶ء میں صاف طور پر یہ پیشگوئی بھی درج کی گئی تھی۔

"میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہر ایک شاخ تیرے جدّی بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد لاولد رہ کر ختم ہو جائے گی۔"

(ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر مطبوعہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء اشتہار ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء)

پس ۸/ اپریل ۱۸۸۶ء کے مصداق لڑکے کا کم عمری میں فوت ہو جانا آپ کی ایک پیشگوئی کو پورا کرتا ہے۔ نہ کہ قابلِ اعتراض ہے۔ ہاں اگر آپ نے اس لڑکے بشیر احمد کو الہامِ الٰہی سے مصلح موعود قرار دیا ہوتا تو پھر البتہ اس کی وفات قابلِ اعتراض ہوتی۔ مگر حضرت اقدس نے تو اس کے متعلق پیشگوئی کرتے ہوئے ہی صفائی سے بتا دیا تھا کہ :-

"یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہوگا یہ وہی (مصلح موعود۔ ناقل) لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔"

باقی رہا مخالفین کا لڑکی پیدا ہونے پر اعتراض یا بشیر احمد کی وفات پر اعتراض یا لوگوں کا شبہات میں مبتلا ہونا۔ سو یہ پیشگوئی کی اصل حقیقت سے ناواقفیت کا ہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ نہ علم و بصیرت کا نتیجہ۔

برق صاحب کا چوتھا اعتراض

جناب برق صاحب کہتے ہیں :-

"پیشگوئی سے پورے سوا تیرہ برس کے بعد ۱۴/ اگست ۱۸۹۹ء کو آپ کے

ہاں ایک اور فرزند کی ولادت ہوئی۔ جس پر بے حد مسرتیں منائی گئیں اور آپ نے پورے وثوق سے اعلان فرمایا۔"

"میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے اس کی نسبت پیشگوئی ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء میں کی گئی تھی .... سو خدا نے میری تصدیق اور تمام مخالفین کی تکذیب کے لئے اسی پسر چہارم کی پیشگوئی کو ۱۴/ جون ۱۸۹۹ء میں جو مطابق ۴ صفر ۱۳۱۷ھ تھی بروز چہار شنبہ پورا کر دیا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۴۳)

پیشگوئی میں (دو شنبہ) کا دن درج تھا اس کی تشریح یوں فرمائی :-

"چوتھے لڑکے (مبارک احمد) کا عقیقہ پیر کے دن ہوا۔ تا وہ پیشگوئی پوری ہو........... کہ دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔" (تریاق القلوب صفحہ ۱۸)

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۹۰)

جناب برق صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"اگست ۱۹۰۷ء میں مبارک احمد تپ میں گرفتار ہو گئے۔ بیماری بڑھ گئی تو نو دن کے بعد جناب مرزا صاحب پر وحی نازل ہوئی "قبول ہو گئی"۔ "نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔" (اخبار بدر ۲۹/ اگست ۱۹۰۷ء)

لیکن

"حکیم نور الدین صاحب........... نے نبض پر ہاتھ رکھا تو چھوٹ چکی تھی انہوں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ حضور کستوری لائیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام چابی لے کر قفل کھول ہی رہے تھے کہ مبارک احمد فوت ہو گیا۔" (خطبہ میاں محمود احمد صاحب۔ الفضل ۱۹۳۳ء)

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۹۱۔ ۲۹۲)

الجواب

اس اعتراض میں جناب برق صاحب نے انتہائی تلبیس سے کام لیا ہے کیونکہ انہوں نے دو عبارتوں کو "لیکن" سے جوڑ کر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُدہر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ وحی نازل ہوئی۔

"قبول ہو گئی""نو دن کا بخار ٹوٹ گیا"

اور اِدھر وہ لڑکا جس کے متعلق یہ وحی نازل ہوئی تھی۔ فوراً وفات پا گیا اور یہ الہام الٰہی پورا نہ ہُوا۔

لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ الہام خدا تعالیٰ کے فضل سے پورا ہُوا اور نو دن کے بعد صاحبزادہ مبارک احمد کا بخار ٹوٹ گیا۔ اور وہ باغ میں سیر کے لئے بھی چلے گئے۔ چنانچہ بدر ۵/ ستمبر ۱۹۰۷ء میں یہ خبر یوں درج کی گئی ہے:-

"کیا ہی مبارک ہے اس مبارک (حضرت صاحبزادہ مبارک احمد فرزند مسیح موعود علیہ السلام کا وجود) جو بہت سے نشانات سماوی کا مظہر ہو کر خود آیت اللہ ہے۔ اس کے متعلق تازہ نشان کی تفصیل یہ ہے کہ صاحبزادہ تپ شدید سے سخت بیمار ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ بارہا غشی تک نوبت پہنچ گئی۔ اکثر تپ ایک سو چار (۱۰۴) سے بھی زیادہ ایک سو پانچ درجہ تک پہنچ جاتا اور سر مارنے کی حالت ایسی تھی جو سرسام کا خوف دلاتی تھی۔ رات کے وقت اس نومیدی کی حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہُوا۔

"قبول ہو گئی۔" "نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔"

"یعنی دُعا قبول ہو گئی اور تپ جو لازم حال ہو رہا ہے وہ نو دن پورے کر کے دسویں دن ٹوٹ جائے گا۔ یہ (الہامات اخبار بدر مورخہ ۲۹/ اگست ۱۹۰۷ء میں شائع ہو گئے تھے)۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اور خدا تعالیٰ نے دسویں دن بخار توڑ دیا۔

یہاں تک کہ لڑکا تندرست ہو کر باغ سیر کرنے کے لئے چلا گیا۔ یہ خدا کا بڑا نشان تھا جو ظہور میں آیا۔ کیونکہ اِس میں ایک دُعا کے قبول ہونے کی بشارت ہے اور دوسرے تاریخ صحت مقرر کر دی گئی ہے۔ جس کی تمام جماعت گواہ ہے۔"

(بدر ۵/ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۲ و الحکم ۱۳/ اگست ۱۹۰۷ء)

پس ۱۹۰۷ء کے الہام کے ساتھ ۱۹۳۳ء کے خطبے کا جوڑ محض تلبیس نہیں تو اور کیا ہے؟

صاحبزادہ مبارک احمد کے متعلق جو الہام تھا وہ صفائی سے پورا ہو گیا تھا کیونکہ ۹ دن کے بعد اُن کا بخار ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن ازلی تقدیر میں چونکہ ان کی جلد وفات مقدر تھی اس لئے اس کے بعد ان پر دوسری بیماری کا حملہ ہوا جس سے وہ ۱۴/ ستمبر کو وفات پا گئے۔ اُن کے وفات پانے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اور الہام پورا ہوا جو آپ پر اُن کی پیدائش سے بھی پہلے نازل ہوا تھا۔

چنانچہ حضرت اقدس اپنی کتاب "تریاق القلوب" میں ہی جس میں اس لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر دے رہے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"مجھے خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں تجھے اور لڑکا دوں گا۔ یہ وہی چوتھا لڑکا ہے جو اب پیدا ہوا جس کا نام مبارک احمد رکھا گیا۔ اور اس کے پیدا ہونے کی خبر قریباً دو برس پہلے دی گئی اور پھر اس وقت دی گئی جب کہ اس کے پیدا ہونے میں دو مہینے باقی رہتے تھے اور پھر جب یہ پیدا ہونے کو تھا تو یہ الہام ہوا۔

اِنِّی اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ اُصِیْبُہٗ۔

یعنی میں خُدا کے ہاتھ سے زمین پر گرتا ہوں۔ اور خدا ہی کی طرف جاؤں گا۔ میں نے اپنے اجتہاد سے اس کی یہ تاویل کی کہ یہ لڑکا نیک ہو گا اور رو بخدا ہو گا۔ اور خدا کی طرف اس کی حرکت ہو گی۔ اور یا یہ کہ جلد فوت ہو جائے گا۔ اس بات کا علم خدا تعالیٰ

کو ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات اس کے ارادہ کے موافق ہے۔

(تریاق القلوب صفحہ ۴۰)

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات سے دو پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ایک ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کہ :-

"بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے۔"

اور دوسری پیشگوئی

"اِنِّی اَسقُطُ مِنَ اللّٰہِ اُصِیبُہٗ۔"

اور کم عمری میں اس کی وفات نے ظاہر کر دیا ہے کہ اس الہام کے متعلق آپ کا دوسرا اجتہاد ہی جو ان کے جلد فوت ہو جانے کے متعلق تھا خدا کے ارادہ کے موافق تھا۔

پس جب صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے لمبی عمر پانے کا الہامات میں کوئی ذکر ہی موجود نہیں تھا۔بلکہ اس بارہ میں الہام الٰہی سے آپ نے یہ اجتہاد بھی فرمایا تھا کہ وہ جلد فوت ہو جائے گا تو آپ اُسے مصلح موعود قرار نہیں دے سکتے تھے۔کیونکہ مصلح موعود کے لئے لمبی عمر پانا ضروری ہے۔اور صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے جلد وفات پا جانے کا احتمال تھا۔اس لئے آپ نے تریاق القلوب میں جہاں اس کے حق میں چوتھے لڑکے کی پیشگوئی کے پورے ہونے کا ذکر کیا ہے جس کا نام ۱۸۸۳ء کے الہام میں ہی مبارک بتایا گیا تھا وہاں اسے ہرگز مصلح موعود قرار نہیں دیا۔جناب برق صاحب حضرت اقدس کی کوئی عبارت پیش نہیں کر سکتے۔جس میں آپ نے اُسے خاص پسرِ موعود لمبی عمر پانیوالا قرار دیا ہو۔ہاں یہ درست ہے کہ اشتہار ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء کے بعض ذوالوجوہ فقرات کو آپ نے اُس پر بھی چسپاں کیا ہے۔مثلاً یہ فقرہ کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" یا "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ"

مصلح موعود کی پیدائش کی آخری حد ۱۹ر فروری ۱۸۹۵ء تھی۔ کیونکہ اس کے لئے الہامی حد ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء سے ۹ برس مقرر کی گئی تھی اور صاحبزادہ مبارک احمد کی پیدائش اس میعاد کے بعد ۱۴ر جون ۱۸۹۹ء کو ہوئی۔

لہٰذا ازروئے الہام الٰہی بھی اُسے مصلح موعود قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ آپ کے چاروں لڑکوں میں سے وہی مصلح موعود ہو سکتا تھا جو نو برس کے اندر پیدا ہوتا اور لمبی عمر بھی پاتا۔ اور آپ کا جانشین بھی ہوتا۔

چنانچہ تین لڑکے جو اس ۹ سالہ مدت کے اندر پیدا ہوئے۔ انہیں میں سے کوئی ایک مصلح موعود ہو سکتا تھا۔ لیکن "سبز اشتہار" اس بات پر روشنی ڈال رہا ہے کہ مصلح موعود کا ایک نام بشیر ثانی یا دوسرا بشیر بھی ہے۔

چنانچہ آپ اس اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں :-

"الہام نے پیش از وقوع دو لڑکوں کا پیدا ہونا ظاہر کیا۔ اور بیان کیا کہ بعض لڑکے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے۔ دیکھو اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء و اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء۔ سو مطابق پہلی پیشگوئی کے ایک لڑکا (بشیر احمد اوّل ناقل) پیدا ہو گیا اور فوت بھی ہو گیا اور دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا تھا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہو گا۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ نادان اس کے الہامات پر ہنستا ہے اور احمق اس کی پاک بشارتوں پر ٹھٹھا لگاتا ہے۔ کیونکہ آخری دن اس کی نظر سے پوشیدہ ہے اور انجام کار اس کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔"

(حاشیہ اشتہار حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر المعروف سبز اشتہار)

اسی اشتہار میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :-

خدا تعالیٰ کے انزال رحمت اور روحانی برکت بخشنے کے لئے عظیم الشان دو طریقے ہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ کوئی مصیبت اور غم واندوہ نازل کر کے صبر کرنے والوں پر بخشش اور رحمت کے دروازے کھولے............

(۲) دوسرا طریق انزال رحمت کا ارسال مرسلین ونبیین وائمہ واولیاء وخلفاء ہے تا ان کی اقتداء وہدایت سے لوگ راہ راست پر آجائیں۔ اور ان کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پا جائیں سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونو شق ظہور میں آجائیں۔

"پس اول اس نے قسم اوّل کے انزال رحمت کے لئے بشیر کو بھیجا تا بَشِّرِ الصَّابرینُ کا سامان مومنوں کے لئے تیار کر کے اپنی بشریت کا مفہوم پورا کرے سو وہ ہزاروں مومنوں کے لئے جو اس کے موت کے غم میں محض لِلّٰہِ شریک ہوئے بطور فرط کے ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کا شفیع ٹھہر گیا............اور دوسری قسم رحمت کی جو ابھی ہم نے بیان کی ہے۔ اس کی تکمیل کے لئے خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا۔ جیسا کہ بشیر اول کی موت سے پہلے ۱۰؍ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں اس کے بارے میں پیشگوئی کی گئی اور خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہے وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہو گا۔ یخلق اللّٰہ مایشاء اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا کہ ۲۰؍ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کی پیشگوئی پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے کہ جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا اور اس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے۔"

پھر آگے چل کر حاشیہ میں فرماتے ہیں:-

بذریعہ الہام صاف طور پر کھل گیا ہے کہ یہ سب عبارتیں پسر متوفّی کے حق میں ہیں (ایک خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے وغیرہ) اور مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے۔ کہ "اس کے ساتھ فضل ہے کہ جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔"

پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا نیز دوسرا نام اُس کا محمود اور تیسرا نام اُس کا بشیر ثانی بھی ہے اور ایک الہام میں اُس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے......... بشیر اوّل جو فوت ہو گیا ہے بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا اس لئے ایک ہی پیشگوئی میں دونوں کا ذکر کیا گیا۔ (حاشیہ سبز اشتہار)

چونکہ مصلح موعود کے لئے بشیر ثانی ہونا ضروری تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کی مبشر اولاد میں سے بشارت کے ماتحت ہونے والے دوسرے بیٹے صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ہی ہیں۔ اس کے یہ الہامی نام آپ کے فرزندوں میں سے مصلح موعود کا تعین کر رہا ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کو ہی ازروئے الہام مصلح موعود ہونا چاہیئے۔

چنانچہ واقعات نے بھی آپ کو لمبی عمر دیکر اور حضرت مسیح موعود کا جانشین اور خلیفہ ثانی بوجہ فضل عمر الہامی نام کے بنا کر آپ کے ہاتھ سے تمام دنیا میں اسلام کی تبلیغ کرائی ہے یہ واقعاتی شہادت بھی روشن دلیل ہے کہ پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق حضرت مسیح موعودؑ کے چاروں بیٹوں میں سے صرف حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور آپ ہی کے حق میں تریاق القلوب صفحہ ۴۱ کی یہ بات پوری ہوئی ہے۔

"الہام یہ بتلاتا تھا کہ چار لڑکے پیدا ہوں گے اور ایک کو ان میں سے ایک مردِ خدا مسیح صفت الہام نے بیان کیا۔"

۲۰؍ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی میں "تین کو چار کرنے والا فقرہ ایک ذوالوجوہ فقرہ تھا کیونکہ جب یہ الہام ہوا تو آپ نے اس فقرہ کے متعلق الہام درج کرتے ہوئے بریکٹ میں لکھا کہ اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے لیکن بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے ہاں چار لڑکے ہوں گے اس لئے آپ نے چوتھے لڑکے مبارک احمد کو ایک پہلو سے تین کو چار کرنے والا ہونے کی وجہ سے اس ذوالوجوہ فقرہ کا مصداق قرار دیا اور اسی طرح "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کے ذوالوجوہ فقرہ کو مبارک احمد کے دوشنبہ کے دن عقیقہ ہونے پر چسپاں کیا گیا۔

واقعاتی شہادت نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کو ایک دوسرے پہلو سے ان دونو ذوالوجوہ فقرات کا مصداق ثابت کر دیا ہے۔ "تین کو چار" آپ نے اس طرح کیا کہ صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی خلافت میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ اس طرح آپ نے مسیح موعودؑ کے تین جسمانی۔ روحانی فرزندوں کے بعد جو زندہ موجود تھے مرزا سلطان احمد صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانی فرزندی میں داخل کر کے چار روحانی فرزند بنا دیئے۔ اور اس طرح "تین کو چار کرے گا" کا الہام آپ کے حق میں پورا ہو گیا۔ پس آپ بشیر ثانی بھی ہیں اور تین کو چار کرنے والے بھی۔

"دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کا الہام آپ کے حق میں ولائت کی مذہبی کانفرنس سے واپسی پر قادیان میں دوشنبہ کے دن ورود مسعود سے پورا ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مبارک احمد کے ذریعے ایک اور پیشگوئی پوری ہوئی

مبارک احمد گو مصلح موعود نہ تھا۔ کیونکہ مصلح موعود کیلئے بشیر ثانی ہونا

ضروری تھا اور وہ بشیر رابع (چوتھا بشیر) تھا۔ مگر وہ بھی خدا کا عظیم الشان نشان تھا۔ کیونکہ اس کی پیدائش کی پیشگوئی کرتے ہوئے الہامی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے اس شرط سے مشروط کر دیا تھا کہ وہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی کی زندگی ہی میں پیدا ہوگا۔ چنانچہ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

"اور میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے اس کی نسبت پیشگوئی اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں کی گئی اور پھر انجام آتھم کے صفحہ ۱۸۳ میں بتاریخ ۱۴ر اگست ۱۸۹۶ء یہ پیشگوئی کی گئی اور رسالہ انجام آتھم بماہ ستمبر ۱۸۹۶ء تخولی ملک میں شائع ہو گیا اور پھر یہ پیشگوئی ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۵۸ میں اس شرط کے ساتھ کی گئی کہ عبدالحق غزنوی جو امرتسر میں مولوی عبدالجبار غزنوی کی جماعت میں رہتا ہے نہیں مریگا جب تک یہ چوتھا بیٹا پیدا نہ ہو جائے اور اس کے صفحہ ۵۸ میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اگر عبدالحق غزنوی ہماری مخالفت میں حق پر ہے اور جناب الٰہی میں قبولیت رکھتا ہے تو اس پیشگوئی کو دعا کر کے ٹال دے اور پھر یہ پیشگوئی ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۱۵ میں کی گئی تو خدا تعالیٰ نے میری تصدیق کے لئے اور تمام مخالفوں کی تکذیب کے لئے اور عبدالحق غزنوی کو متنبہ کرنے کے لئے اس پسر چہارم کی پیشگوئی کو ۱۴ر جون ۱۸۹۹ء میں جو مطابق ۴ر صفر ۱۳۱۷ ہجری تھی بروز چہار شنبہ پورا کر دیا یعنی وہ مولود مسعود چوتھا لڑکا تاریخ مذکور میں پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اصل غرض اس رسالہ (تریاق القلوب ناقل) کی تالیف سے یہی ہے تا وہ عظیم الشان پیشگوئی جس کا وعدہ چار مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا تھا اس کی ملک میں اشاعت کی جائے۔ کیونکہ یہ انسان کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ یہ منصوبہ سوچے کہ اوّل تو مشترک طور پر چار لڑکوں کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کرے۔ جیسا کہ ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں کی گئی۔ اور پھر ہر ایک لڑکے کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے پیدا ہونے کی پیشگوئی کرتا جائے اور اس

کے مطابق لڑکے پیدا ہوتے جائیں یہاں تک کہ چار کا عدد جو پہلی پیشگوئیوں میں قرار دیا تھا وہ پورا ہو جائے۔ حالانکہ یہ پیشگوئی اسی کی طرف سے ہو جو کہ محض افترا سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا مامور قرار دیتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ مفتری کی ایسی مسلسل طور پر مدد کرتا جائے کہ ۱۸۸۶ء سے لغائت ۱۸۹۹ء چودہ سال تک برابر وہ مدد جاری رہے۔ کیا کبھی مفتری کی تائید ایسی کی یا صفحۂ دنیا پر اس کی کوئی نظیر بھی ہے۔

(تریاق القلوب صفحہ ۴۳)

پس اس چوتھے لڑکے کی پیدائش کا مولوی عبدالحق غزنوی کی زندگی سے وابستہ کر دینا عقلمند اور سلیم الطبع لوگوں کیلئے اس پیشگوئی کی عظمت کو بڑھا دیتا ہے۔ پھر اس کی عظمت کو زیادہ بڑھانے والا ایک اور پہلو بھی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

"ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۵ میں یہ عبارت لکھی گئی تھی۔ ایک اور الہام ہے جو ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا اور وہ یہ ہے کہ خدا تین کو چار کریگا اس وقت ان تین لڑکوں کا جواب موجود ہیں نام ونشان نہ تھا اور اس الہام کے معنی یہ تھے کہ تین لڑکے ہوں گے اور پھر ایک اور ہوگا جو تین کو چار کر دے گا۔ سو ایک بڑا حصہ اس کا پورا ہو گیا۔ یعنی خدا نے تین لڑکے مجھ کو اس نکاح سے عطاء کئے جو تینوں موجود ہیں۔ صرف ایک کی انتظار ہے جو تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اب دیکھو یہ کس قدر بزرگ نشان ہے کیا انسان کے اختیار میں ہے کہ اول افتراء کے طور پر تین یا چار لڑکوں کی خبر دے اور پھر وہ پیدا بھی ہو جائیں ؟ فقط یہ عبارت جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے ضمیمہ انجام آتھم کی ہے۔ اگر تم اس ضمیمہ کو کھول کر پڑھو گے تو اس کے صفحہ ۱۵ میں یہی عبارت پاؤ گے۔ اب خدا تعالیٰ کی قدرت کا نشان دیکھو کہ وہ پسر چہارم جس کے پیدا ہونے کی نسبت اس صفحہ

یاز دہم ضمیمہ انجام آتھم میں انتظار دلائی گئی اور ناظرین کو امید دلائی گئی ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا کہ جیسا کہ یہ تین لڑکے پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ چوتھا لڑکا بھی پیدا ہو جائے گا۔ سو صاحبو وہ دن آگیا اور وہ چوتھا لڑکا جس کا ان کتابوں میں وعدہ دیا گیا تھا صفر ۱۳۱۱ھ کی چوتھی تاریخ میں بروز چار شنبہ پیدا ہو گیا۔ عجب بات ہے کہ اس لڑکے کے ساتھ چار کے عدد کو ہر ایک پہلو سے تعلق ہے۔ اس کی نسبت چار پیشگوئیاں ہوئیں یہ چار صفر ۱۳۱۱ھ کو پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش کا دن ہفتہ کا چوتھا یعنی بدھ۔ یہ دوپہر کے بعد چوتھے گھنٹے میں پیدا ہوا۔ یہ خود چوتھا تھا۔

(تریاق القلوب صفحہ ۴۳، ۴۴)

پس پیشگوئی کا یہ پہلو بھی پسر چہارم کی پیشگوئی کی عظمت کو بڑھا دیتا ہے کہ وہ تین زندہ لڑکوں کی موجودگی میں پیدا ہوا اور اس طرح اس نے ایک پہلو سے تین کو چار کرنے والی پیشگوئی کو پورا کیا۔ اور خدا تعالیٰ نے کم عمری میں اسے وفات دے کر ثابت کر دیا کہ وہ مصلح موعود نہ تھا بلکہ مصلح موعود چاروں لڑکوں میں سے کوئی اور ہے۔ پس مبارک احمد کی پیدائش بھی عظیم الشان نشان ہے۔ اور پیشگوئی کے مطابق اس کا جلد فوت ہو جانا بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نشان ہے۔ ضرورت اسبات کی ہے کہ انسان خداترس دل لے کر حضرت اقدس کی ان پیشگوئیوں کا مطالعہ کرے تا اسے محسوس ہو سکے کہ خدا مفتری علی اللہ کا اس طرح مؤید نہیں ہو سکتا۔

آخری اعتراض

برق صاحب اشتہار ۵ / نومبر ۱۹۰۷ء کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں :-

"جب مبارک احمد فوت ہوا ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے یہ الہام کیا :- اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ يَنْزِلُ مَنْزِلَ الْمُبَارَكِ۔"

یعنی ایک حلیم لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہو گا اور

اس کا قائمقام اور اس کا شبیہ ہو گا۔ پس خدا نے نہ چاہا دشمن خوش ہو اس لئے اس نے بجز دوفات مبارک احمد کے ایک دوسرے لڑکے کی بشارت دی تا یہ سمجھا جائے۔ کہ مبارک احمد فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے۔

(اشتہار ۵ نومبر ۱۹۰۷ء تبلیغ رسالت ج ۱۰ صفحہ ۱۳۲)

اس اقتباس پر جناب برق صاحب کا اعتراض یہ ہے۔

"لیکن ساڑھے پانچ ماہ بعد جناب مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا اور ۱۹۰۴ء (ولادت دختر) کے بعد آپکی کوئی اولاد نہ ہوئی۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۹۲)

الجواب

الہام الٰہی میں جو مبارک احمد کی وفات پر ہوا یہ ہرگز مذکور نہیں کہ وہ لڑکا جس کا اس الہام میں ذکر ہے وہ آپ کا صلبی فرزند ہے۔ غلام کا لفظ عربی زبان میں وسعت رکھتا ہے اور اس کا اطلاق پوتے☆ اور ذریت پر بھی ہوتا ہے۔ ہماری تحقیق میں حضرت اقدس کے سابق کشوف اور الہامات سے خدا تعالیٰ کا آپ سے وعدہ صرف چار لڑکوں کے متعلق چلا آتا تھا اور اب وہ وعدہ جو اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ يَنْزِلُ مَنْزِلَ الْمُبَارَكِ میں کیا گیا اس کا تعلق کسی نافلہ لڑکے یعنی پوتے ہی سے تھا۔ جو مبارک احمد مرحوم کی فطری استعدادات کا حامل ہو کہ يَنْزِلُ مَنْزِلَ الْمُبَارَك کا مصداق بننے والا تھا۔

☆حضرت اقدس کے ایک الہام میں پوتے کے لئے بھی غلام کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵ پر ایک الہام یوں درج ہے "انا نُبَشِّرُكَ بغلامٍ نافلةً لَكَ۔" اس کا ترجمہ اس جگہ یہ درج کیا گیا ہے۔ ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جو تیرا پوتا ہو گا۔ اس الہام میں پوتے کو بھی غلام (لڑکے) کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔ منہ

ایک ضمنی اعتراض

جناب برق صاحب حضرت اقدس کی ذیل کی عبارت لکھتے ہیں۔

"اور اس لڑکے نے پیدائش سے پہلے یکم جنوری ۱۸۹۷ء میں بطور الہام یہ کلام مجھ سے کیا...... مجھ میں اور تم میں ایک دن کی میعاد ہے......" یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح نے تو صرف مہد ہی میں باتیں کیں لیکن اس لڑکے نے پیٹ میں ہی دو مرتبہ باتیں کیں اور پھر بعد اس کے ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو وہ پیدا ہوا۔

(تریاق القلوب صفحہ ۴۱)

اعتراض

اس عبارت کے متعلق جناب برق صاحب نے لکھا ہے۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب ولادت سے ساڑھے انتیس (۲۹ ½) ماہ پہلے وہ لڑکا پیٹ میں تھا ہی نہیں تو اس نے پیٹ سے کیسے باتیں کیں؟"

الجواب

اگر جناب برق صاحب حضرت اقدس کی تحریرات کے محرم ہوتے تو ان کی سمجھ میں ضرور آجاتا کہ پیٹ کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ پیٹ کا لفظ اس جگہ اختصاراً صلب اور بطن دونوں کو ملحوظ رکھ کر استعمال کیا گیا ہے چنانچہ یکم جنوری ۱۸۹۷ء کا الہام جو اس چوتھے لڑکے کی پیدائش سے انتیس ماہ پہلے ہوا اس کے ذکر میں حضرت اقدس نے انجام آتھم صفحہ ۸۲ و صفحہ ۸۳ پر لکھا ہے۔

وَبشّرَنِی رَبِّیْ بِرَابِعٍ رحمةً و قَالَ اِنَّہٗ یَجْعَلُ الثلا ثۃَ اَرْ بَعَۃً......ثم کَرَّرَعَلَیَّ صُوْرَۃَ ھٰذِہِ الْوَاقِعَۃِ فَبَیْنَمَا اَنَا کُنْتُ بَیْنَ النومِ وَالْیَقْظَۃِ فَتَحَرَّكَ فِی صُلْبِیْ رُوْحُ الرَّابِعِ بِعَالَمِ الْمُکَاشِفَۃِ فَنَادٰی اخوانَہٗ وَ قَالَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ مِیْعَادُیَوْمٍ مِنَ

اَلْحَضْرَۃِ فَاَ ظُنُّ اِنَّہٗ اَشَارَ اِلیٰ اَلْسَنَۃِ الْکَامِلَۃِ اَوْ اَمَدٍآخرَ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

ترجمہ :- میرے رب نے مجھے چوتھے لڑکے کی اپنی رحمت سے بشارت دی اور کہا بے شک وہ تین کو چار کر دے گا پھر دوبارہ اس واقعہ کا نقشہ مجھے دکھایا گیا۔ پس اس اثناء میں کہ میں نیند اور بیداری کی حالت کے درمیان تھا کہ عالم مکاشفہ میں میری صلب میں چوتھے کی روح نے حرکت کی اور اپنے بھائیوں کو پکار کر کہا "میرے اور تمہارے درمیان ایک دن کی میعاد مقرر ہے۔" پس میں گمان کرتا ہوں کہ اس نے یا تو پورے سال کا اشارہ کیا ہے یا رب العالمین کی طرف سے کسی اور مدت کی طرف اشارہ ہے۔

اس عبارت میں یکم جنوری ۱۸۹۷ء کو عالم مکاشفہ میں آپ کی صلب میں اس فرزند چہارم کی حرکت اور اس کے کلام کرنے کا ذکر ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ اولاد کے لیے پہلا بطن باپ کی صُلب ہوتا ہے اور دوسرا بطن ماں کا رحم۔ پس یہ کوئی الہامی غلطی نہیں اور نہ کوئی اجتہادی غلطی ہے بلکہ ایک ادیبانہ استعمال ہے جس کی مثالیں ان اصحاب کو بکثرت مل سکتی ہیں جن میں روح انصاف ہو۔ دوسری مرتبہ اس لڑکے نے ماں کے پیٹ سے پیدائش سے ایک دن پہلے یہ بات کی کہ۔

اِنّی اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ و اُصِیْبُہٗ۔

یعنی میں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ جاؤں گا یعنی جلد وفات پا جاؤں گا۔ پس یہ پاک آنے والا اور پاک جانے والا بھی خدا کا ایک عظیم الشان نشان تھا جس کی پیدائش کے ساتھ خدا تعالیٰ کی دو اور پیشگوئیاں وابستہ تھیں۔ یعنی عبدالحق غزنوی کی زندگی میں پیدا ہونا۔ اس کے پیدا ہونے کے وقت پہلے تین بھائیوں کا زندہ موجود ہونا۔ اور اس کی کم عمری میں وفات بھی خدا کا ایک نشان تھا۔ جس کی اس کی پیدائش سے پہلے خبر دی جا چکی تھی۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر
(کلام مسیح موعود متعلق وفات مبارک احمد)

۴۔طاعون کی پیشگوئی

قرآن مجید میں یہ پیشگوئی موجود ہے :- وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِمْ اَخْرَجْنَا لَھُمْ دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُھُمْ اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ (سورہ نمل : ۸۳) کہ جب ان پر خدا کی بات (عذاب کے متعلق) پوری ہو گی تو ہم ان کے لئے زمین میں سے ایک کیڑا (جرثومہ) نکالینگے جو انہیں زخمی کرے گا۔ کیونکہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس آیت میں آخری زمانہ میں ایک زمینی کیڑا کے ذریعہ عذاب دیا جانے کی پیشگوئی تھی۔ طاعون کے جراثیم سے پہلے چوہے مرتے ہیں جو زمین کے بلوں میں رہتے ہیں پھر ان کے جراثیم کے ذریعہ طاعون پھیلتی ہے۔ پس اس آیت میں قوموں پر فرد جرم لگ جانے پر اس وقت ان میں طاعون کی وباء پھیلنے کی پیشگوئی بیان ہوئی ہے۔ حدیثوں میں امام مہدی کے زمانہ کی ایک علامت طاعون پڑنا بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ روایت ہے۔

مَوْتَتَانِ مَوْتٌ اَبْیَضُ وَمَوْتٌ اَحْمَرُ

کہ امام مہدی کے زمانہ میں دو موتیں ہونگی۔ ایک سفید موت اور دوسری سرخ موت۔ سفید موت کی تشریح علماء نے طاعون کی ہے اور سرخ موت کی جنگ ہے۔ اناجیل میں بھی مسیح کی آمد کی علامات کے طور پر لڑائیاں قحط زلازل اور وباء کا پڑنا بیان ہوا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال اور وباء اور زلزلے آئیں گے۔ یہ سب کچھ تکالیف کی شروع ہی ہے۔ (متی ۸/۲۴)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی ایک رؤیا یوں بیان فرمائی ہے :-

"خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں۔ اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ میں نے بعض لگانیوالوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے۔ میرے پر یہ امر مشتبہ رہا کہ اس نے یہ کہا کہ آئندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلے گا یا یہ کہا کہ اس کے بعد کے جاڑے میں پھیلے گا۔ لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا جو میں نے دیکھا۔

(اشتہار طاعون مورخہ ۲۶ فروری ۱۸۹۸ء مشمولہ ایام الصلح صفحہ ۱۲۱)

یہ پیشگوئی آپ نے مذکورہ اشتہار کے ذریعہ شائع فرمائی۔ اس کے چار سال بعد آپ اپنی کتاب "دافع البلاء" میں تحریر فرماتے ہیں :-

"چار سال ہوئے کہ میں نے ایک پیشگوئی شائع کی تھی کہ پنجاب میں سخت طاعون آنے والی ہے اور میں نے اس ملک میں طاعون کے سیاہ درخت دیکھے ہیں جو ہر ایک شہر اور گاؤں میں لگائے گئے ہیں۔ اگر لوگ توبہ کریں تو یہ مرض دو جاڑہ سے بڑھ نہیں سکتی۔ خدا اسکو دفع کر دیگا مگر بجائے توبہ کے مجھ کو گالیاں دی گئیں اور سخت بدزبانی کے اشتہار شائع کئے گئے جس کا نتیجہ طاعون کی یہ حالت ہے جو اب دیکھ رہے ہو۔ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی اس کی عبارت یہ ہے :- اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ یعنی خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دور نہیں کرے گا۔ جبتک لوگ ان خیالات کو دور نہ کرلیں جو ان کے دلوں میں ہیں۔ یعنی جب تک وہ خدا کے مامور اور رسول کو مان نہ لیں تب تک طاعون دور نہیں ہوگی۔ اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ تا تم سمجھو کہ قادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔ اب

دیکھو تین برس سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ دونوں پہلو پورے ہو گئے۔ یعنی ایک طرف تمام پنجاب میں طاعون پھیل گئی اور دوسری طرف باوجود اس کے کہ قادیان کے چاروں طرف دو دو میل کے فاصلہ پر طاعون کا زور ہو رہا ہے۔ قادیان طاعون سے پاک ہے۔ بلکہ آج تک جو شخص طاعون زدہ قادیان میں آیا وہ بھی اچھا ہو گیا۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور ثبوت ہو گا کہ جو باتیں آج سے چار برس پہلے کہی گئی تھیں وہ پوری ہو گئیں۔ بلکہ طاعون کی خبر آج سے بائیس برس پہلے براہین احمدیہ میں بھی دی گئی ہے اور یہ علم غیب بجز خدا کے کسی اور کی طاقت میں نہیں۔ پس اس بیماری کے دفع کے لئے وہ پیغام جو خدا نے مجھے دیا ہے وہ یہی ہے کہ لوگ مجھے سچے دل سے مسیح موعود مان لیں۔

(دافع البلاء صفحہ ۵)

پھر الہام اِنَّہٗ اوَی الْقَرْیَۃَ کے متعلق حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ہم دعویٰ سے لکھتے ہیں کہ قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑے گی۔ جو گاؤں کو ویران کرنے والی اور کھا جانے والی ہوتی ہے۔ مگر اس کے مقابل پر دوسرے شہروں اور دیہات میں جو ظالم اور مفسد ہیں ضرور ہولناک صورتیں پیدا ہوں گی۔ تمام دنیا میں ایک قادیان ہے جس کے لئے یہ وعدہ ہوا" فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک

(دافع البلاء حاشیہ صفحہ ۵)

اس سے ظاہر ہے کہ اویٰ کا لفظ الہام میں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قادیان میں بھی طاعون کی وارداتیں ہو سکتی ہیں۔ البتہ قادیان کے جارف قسم کی طاعون سے جو نہایت بربادی بخش ہوتی ہے محفوظ رہنے کی پیشگوئی کی گئی چنانچہ قادیان میں بربادی بخش طاعون سے دوسرے شہروں اور دیہات کے بالمقابل امن رہا۔ بے شک حضرت اقدس نے اس بلاء کے دفع ہونے کی ایک صورت آپ پر ایمان لانا بیان فرمائی ہے مگر اس کے علاوہ اس کے دفع ہونے کی ایک اور صورت بھی بیان فرماتے ہیں۔

چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”دوسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ طاعون اس حالت میں فرو ہو گی جب کہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کر لیں گے اور کم سے کم یہ کہ شرارت اور ایذاء اور بد زبانی سے باز آجائیں گے۔ کیونکہ براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں آخری دنوں میں طاعون بھیجوں گا تا کہ میں ان خبیثوں اور شریروں کا منہ بند کر دوں جو میرے رسول کو گالیاں دیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ محض انکار اس بات کا موجب نہیں ہوتا کہ ایک رسول کے انکار کی وجہ سے دنیا میں کوئی تباہی بھیجی جائے بلکہ لوگ شرافت اور تہذیب سے خدا کے رسول کا انکار کریں اور دست درازی اور بد زبانی نہ کریں تو ان کی سزا قیامت میں مقرر ہے اور جس قدر دنیا میں رسولوں کی حمایت میں مری بھیجی گئی ہے وہ محض انکار سے نہیں بلکہ شرارتوں کی سزا ہے۔ اسی طرح اب بھی جب لوگ بد زبانی اور ظلم اور تعدی اور اپنی خباثتوں سے باز آجائیں گے اور شریفانہ برتاؤ ان میں پیدا ہو جائے گا۔ تب یہ تنبیہ اٹھا دی جائے گی۔ مگر اس تقریب پر سعادتمند خدا کے رسول کو قبول کر لیں گے اور آسمانی برکتوں سے حصہ لیں گے اور زمین سعادتمندوں سے بھر جائے گی۔“ (دافع البلاء صفحہ ۹، ۱۰)

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ ملک سے طاعون کے دفع ہونے کے لئے حضرت اقدس نے صرف یہی شرط بیان نہیں فرمائی کہ سب لوگ آپ پر ایمان لائیں بلکہ شرافت کا طریق اختیار کرنا اور بد زبانی اور ایذاء دہی سے بچنا بھی اسکا ایک علاج تحریر فرمایا۔ گو اعلیٰ علاج ایمان لانا ہی بیان فرمایا ہے۔

برق صاحب کا اعتراض

مگر جناب برق صاحب حضرت اقدس کی اس عبارت کو اپنی کتاب پڑھنے والوں سے مخفی رکھ کر اور بعض نامکمل عبارتیں پیش کر کے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ

حضرت مرزا صاحب نے طاعون کے دفع ہونے کا علاج صرف یہی بتایا تھا کہ لوگ آپ پر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ ادھورے حوالے پیش کرنے کے بعد وہ آخر میں احمدیوں کی تعداد کو بھی زیر بحث لائے ہیں اور کتاب مردم شماری برائے سال ۱۹۱۰ء، صفحہ ۱۶۹ کو پیش کر کے بتایا ہے۔ کہ طاعون کے بعد ۱۹۱۱ء میں احمدیوں کی تعداد صرف اٹھارہ ہزار چھ سو پچانوے تھی۔ اور کل پنجاب کی آبادی ایک کروڑ پچانوے لاکھ اناسی ہزار چالیس اور پھر لکھا ہے۔ طاعون کے بعد پھر صرف پنجاب میں مسیح موعود کے منکر ایک کروڑ پچانوے لاکھ ساٹھ ہزار باقی تھے اور طاعون ختم ہو گیا حالانکہ خدا نے صریحاً فرمایا تھا۔ "یہ طاعون اس حالت میں فرو ہو گی جب کہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کر لیں گے۔" (دافع البلاء صفحہ ۹)

اب قارئین کرام غور فرمالیں کہ جناب برق صاحب نے اس اعتراض میں کیسا نامناسب طریق اختیار کیا ہے کہ حضرت صاحب کے کلام کو آپ کی کتاب "دافع البلاءٔ" سے ادھورے طور پر پیش کرنے کے بعد مردم شماری سے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ الہام کے مطابق لوگوں کو احمدی ہو جانا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا الہام جھوٹا نکلا۔ وہ عبارت جسے آپ الہام قرار دیتے ہیں یہ ہے۔

"یہ طاعون اس حالت میں فرو ہو گی جب کہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کر لیں گے۔ (بحوالہ دافع البلاء صفحہ ۵)" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۰۷)

ہم اوپر دافع البلاء کی صفحہ ۹، اور صفحہ ۱۰، کی عبارت درج کر چکے ہیں جو جناب برق صاحب کے پیش کردہ فقرہ سے آگے یوں چلتی ہے۔ "اور کم سے کم یہ کہ شرارت اور ایذاء اور بد زبانی سے باز آجائیں گے۔" (دافع البلاء صفحہ ۹)

اپنے اعتراض کو قوی کرنے کے لئے اور اپنے تئیں اعتراض میں سچا ثابت کرنے کے لئے جناب برق صاحب نے عبارت کا پہلا حصہ تو پیش کیا ہے جو ان کے

مفید مطلب بن سکتا تھا لیکن اگلا حصہ ترک کر دیا ہے جو ان کے اعتراض کو بیخ و بن سے اکھاڑ تا تھا۔ پس ان کا یہ اعتراض محض معاندانہ ہے نہ کہ محققانہ۔

ایک اور اعتراض

جناب برق صاحب کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ قادیان طاعون سے محفوظ نہیں رہا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے چار حوالے پیش کئے ہیں۔ اول اخبار البدر قادیان ۱۹؍ دسمبر ۱۹۰۲ء کا یہ حوالہ۔

آجکل ہر جگہ مرض طاعون زور پر ہے۔ اس لئے اگرچہ قادیان میں نسبتاً آرام ہے لیکن...... (حرف محرمانہ صفحہ ۲۹۶)

اس کے بعد "لیکن" سے آگے کی عبارت چھوڑ کر اس کی جگہ نقطے ڈال کر برق صاحب لکھتے ہیں۔ "نسبتاً سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان محفوظ نہیں تھا۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۹۶)

پھر دوسرا حوالہ البدر ۲۴؍ اپریل ۱۹۰۲ء اور البدر ۱۶؍ مئی ۱۹۰۳ء سے درج کیا ہے حالانکہ ۲۴؍ اپریل ۱۹۰۲ء تک ابھی البدر جاری بھی نہیں ہوا تھا اور ۱۶؍ مئی ۱۹۰۳ء کو البدر کا کوئی پرچہ شائع نہیں ہوا۔ اب ان ہر دو حوالوں کے متعلق ان کے نہ ملنے کی ذمہ داری برق صاحب پر عائد ہوتی ہے مگر ان عبارتوں میں بھی ایک عبارت میں تو قادیان میں طاعون کی چند وارداتیں ہونے کا ذکر ہے اور دوسری عبارت میں یہ ذکر ہے کہ قادیان میں طاعون حضرت مسیح موعودؑ کے الہام کے مطابق اپنا کام کر رہی تھی۔ گویا یہ بیان کیا گیا ہے کہ قادیان کے دشمنوں کو بھی کچھ چاشنی چکھائی گئی ہے۔ اور یہ عبارت دراصل اگر کسی اور جگہ موجود ہو تو بھی منشاء الہام کے خلاف نہیں۔ کیونکہ اوپر الہام اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ کی تشریح میں ہم بتا آئے ہیں کہ قادیان میں

اس الہام کی رو سے جارف قسم کی طاعون نہیں آسکتی تھی۔ نہ یہ کہ قادیان میں طاعون کی کوئی واردات ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسرے شہروں اور دیہات کے مقابلہ میں جن میں سرکش اور شریر دشمن رہتے تھے قادیان کے نسبتاً محفوظ رہنے کی پیشگوئی تھی۔ جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں آخری حوالہ جناب برق صاحب نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۴ نیز صفحہ ۲۵۳ کا یہ پیش کیا ہے۔

"طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون کا زور تھا میرا لڑکا بیمار ہو گیا۔"

یہ حوالہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۴ میں موجود ہے اور صفحہ ۲۵۳ میں یہ الفاظ موجود نہیں اور برق صاحب نے صفحہ ۸۴ کا حوالہ بھی ادھورا پیش کیا ہے تا یہ سمجھا جائے کہ حضرت اقدس کا لڑکا طاعون سے بیمار ہو گیا حالانکہ وہاں یہ لکھا ہے۔

"پھر طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون زور پر تھا میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا اور ایک سخت تپ محرقہ کے رنگ میں چڑھا جس سے لڑکا بالکل بے ہوش ہو گیا اور بے ہوشی سے دونوں ہاتھ مارتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگرچہ انسان کو موت سے گریز نہیں مگر اگر لڑکا ان دنوں میں جو طاعون کا زور ہے فوت ہو گیا تو تمام دشمن اس تپ کو طاعون ٹھہرائینگے اور خداتعالیٰ کی اس پاک وحی کی تکذیب کریں گے جو اس نے فرمایا ہے اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ یعنی میں ہر ایک کو جو تیرے گھر کی چاردیواری کے اندر ہے طاعون سے بچاؤں گا۔ اس خیال سے میرے دل میں وہ صدمہ وارد ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتا قریباً رات کے بارہ بجے کا وقت تھا کہ جب لڑکے کی حالت ابتر ہو گئی اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ یہ معمولی تپ نہیں یہ اور ہی بلا ہے۔ تب میں کیا بیان کروں کہ میرے دل کی کیا حالت تھی کہ خدانخواستہ اگر لڑکا فوت ہو گیا تو ظالم طبع لوگوں کو حق پوشی کے لئے بہت کچھ سامان ہاتھ آئے گا اس حالت میں مَیں نے

وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا اور معاً کھڑا ہونے کے ساتھ ہی مجھے وہ حالت میسر آگئی جو استجابت دعا کیلئے کھلی کھلی نشانی ہے اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ابھی میں شائد تین رکعت پڑھ چکا تھا کہ میرے پر کشفی حالت طاری ہو گئی اور میں نے کشفی نظر سے دیکھا کہ لڑکا بالکل تندرست ہے۔ تب وہ کشفی حالت جاتی رہی اور میں نے دیکھا کہ لڑکا ہوش کے ساتھ چارپائی پر بیٹھا ہے اور پانی مانگتا ہے۔ اور میں چار رکعت پوری کر چکا تھا۔ فی الفور اس کو پانی دیا اور بدن پر ہاتھ لگا کر دیکھا کہ تپ کا نام و نشان نہیں اور ہذیان اور بے تابی اور بے ہوشی بالکل دور ہو چکی تھی اور لڑکے کی حالت بالکل تندرستی کی تھی مجھے اس خدا کی قدرت کے نظارہ نے الٰہی طاقتوں اور دعا قبول ہونے پر ایک تازہ نشان بخشا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۴، ۸۵)

اس عبارت میں جو یہ لفظ ہیں "جب قادیان میں طاعون زور پر تھا" کے یہ معنی ہیں کہ نسبتی طور پر پہلے سے زور تھا۔ ورنہ یہ نہیں کہ قادیان میں جارف قسم کی طاعون پھیل گئی تھی جس سے خدا نے قادیان کے لئے حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا۔ پس قادیان میں طاعون کی وارداتوں کا ہونا ہرگز منشاء پیشگوئی کے خلاف نہیں۔ جناب برق صاحب نے قادیان کی آبادی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ۲۸ سو نفوس پر مشتمل تھی اور صرف مارچ اور اپریل ۱۹۰۴ء میں تین سو تیرہ اموات درج ہوئیں جو قادیان میں طاعون سے واقع ہو گئی تھیں۔ یہ بات آپ نے اخبار اہلحدیث امرتسر مؤرخہ ۲۷ مئی ۱۹۰۴ء کے حوالہ سے لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ گھبرا کر گاؤں چھوڑ گئے تھے اور تمام قصبہ سنسان ہو گیا تھا۔ اخبار اہلحدیث امرتسر احمدیت کا ایک معاند اخبار تھا اس لئے ہم اس کی رپورٹ کو صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو پھر خدا کی قدرت کا یہ نشان دیکھیں کہ اس بستی میں دارِ مسیح کے اندر اس زمانہ میں اسی (۸۰) کے قریب نفوس رہتے تھے اور خدا تعالیٰ نے الہام اِنِّی اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کے

ذریعہ یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ مسیح موعود کے گھر کی چار دیواری میں رہنے والوں میں سے کوئی متنفس بھی طاعون سے ہلاک نہیں ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دیکھئے یہ کتنا بڑا نشان ہے حضرت اقدس نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۳ میں لکھا ہے۔

''ایک دفعہ طاعون کے زور کے دنوں میں جب قادیان میں بھی طاعون تھی مولوی محمد علی ایم۔اے کو سخت بخار ہو گیا۔ اوران کو ظن غالب ہو گیا کہ یہ طاعون ہے اور انہوں نے مرنے والوں کی طرح وصیت کر دی اور مفتی محمد صادق صاحب کو سب کچھ سمجھا دیا اور وہ میرے گھر کے ایک حصہ میں رہتے تھے جس گھر کی نسبت خدا تعالیٰ کا یہ الہام ہے اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ تب میں ان کی عیادت کے لئے گیا اور ان کو پریشان اور گھبراہٹ میں پا کر ان کو کہا کہ اگر آپ کو طاعون ہو گئی ہے تو پھر میں جھوٹا ہوں اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے۔ یہ کہہ کر میں نے ان کی نبض پر ہاتھ لگایا۔ یہ عجیب نمونہ قدرتِ الٰہی دیکھا کہ ہاتھ لگانے کے ساتھ ہی ایسا بدن سرد پایا کہ تپ کا نام و نشان نہ تھا۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۳)

پس قارئین کرام کے لئے الہام اِنِّیْ احافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ ایک عظیم الشان نشان ہے کہ اس قادیان کے اندر جس میں طاعون سے اموات ہو رہی تھیں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے گھر کو نوحؑ کی کشتی کی طرح نشان بنا دیا حالانکہ طاعون کے زمانہ میں گھر میں رہنے کی نسبت کھلی ہوا میں رہنا حفاظت کا زیادہ ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ واضح ہو کہ برق صاحب نے جو حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۳ کا حوالہ دیا ہے وہ تو غلط معلوم ہوتا ہے ان کی مراد صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲ کی یہ عبارت ہے۔

''جب ملک میں طاعون پھیلی تو کئی لوگوں نے دعویٰ کر کے کہا کہ یہ شخص طاعون سے ہلاک کیا جائے گا مگر عجیب قدرت حق ہے کہ وہ سب لوگ آپ ہی طاعون سے ہلاک ہو گئے اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تیری حفاظت کروں گا اور

طاعون تیرے نزدیک نہیں آئے گی۔ بلکہ یہ بھی مجھے فرمایا کہ میں لوگوں کو یہ کہوں کہ آگ سے (یعنی طاعون سے) ہمیں مت ڈراؤ۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ اور نیز مجھے فرمایا کہ میں اس تیرے گھر کی حفاظت کروں گا اور ہر ایک جو اس چاردیوار کے اندر ہے طاعون سے بچا رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس نواح میں سب کو معلوم ہے کہ طاعون کے حملہ سے گاؤں کے گاؤں ہلاک ہو گئے اور ہمارے ارد گرد قیامت کا نمونہ رہا مگر خدا نے ہمیں محفوظ رکھا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ برق صاحب کے مد نظر آخری فقرہ تھا جس کی طرف وہ توجہ دلانا چاہتے تھے کہ قادیان میں طاعون کا شدید ترین زور تھا جو نمونہ قیامت تھا مگر "ہمارے ارد گرد" کے الفاظ سے مراد جیسا کہ سیاق کلام سے ظاہر ہے ارد گرد کے گاؤں تھے نہ کہ خود قادیان گو قادیان میں بھی ایک دفعہ طاعون نے کچھ شدت اختیار کی جو منشاء الہام کے خلاف نہ تھی اگر منشاء الہام قادیان مین طاعون نہ پڑنے کا ہوتا تو پھر اِنّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّار سے خصوصیت کے ساتھ دار مسیحؑ کے محفوظ رہنے کے وعدہ کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ پس دار مسیحؑ کے متعلق حفاظت کا وعدہ اور قادیان کے متعلق اِنَّہٗ اَوَی الْقَرْیَۃَ کا وعدہ خود ایک امتیازی فرق کی طرف اشارہ کر رہا ہے چنانچہ الہام اِنَّہٗ اَوَی الْقَرْیَۃَ کی تشریح میں حضور نے فرمادیا ہے کہ قادیان میں صرف جارف قسم کی طاعون نہیں آئے گی نہ یہ کہ بالکل طاعون نہیں آئے گی۔

دارِ مسیح کے متعلق حفاظت کی پیشگوئی کو جھٹلانے کی کوشش

جناب برق صاحب نے اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کے الہام کو بھی جھٹلانے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ واضح رہے کہ اس الہام کا منشاء یہ تھا کہ دارِ مسیح کے اندر کوئی موت طاعون سے نہیں ہوگی۔ نہ یہ کہ باہر سے کوئی شخص اثر لے کر طاعون

میں مبتلا بھی نہیں ہوگا۔ہاں اگر دار مسیح میں اس مرض میں مبتلا ہو کر بچ جائے تو یہ امر نشان کی عظمت کو بڑھانے والا ہے نہ کہ گھٹانے والا۔لوگ آخر چار دیواری سے باہر آتے جاتے تھے اور طاعون کا متعدی اثر قبول کر سکتے تھے اور ان کو گلٹیاں وغیرہ بھی نکل سکتی تھیں جو دراصل طاعون کا طبعی اثر ہے۔لیکن بموجب پیشگوئی دارِ مسیح کے اندر کوئی شخص طاعون سے مر نہیں سکتا تھا۔چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ دار مسیح کے اندر طاعون سے ایک متنفس بھی ہلاک نہیں ہوا حالانکہ قادیان میں طاعون وارد ہوئی اور دار مسیح سے دیوار بدیوار بعض لوگ طاعون سے ہلاک ہوئے۔پس یہ کتنا عظیم الشان نشان ہے مگر برق صاحب نے اس پر یوں خاک ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ یہ کہہ کر کہ کیا آپ کے گھر کی چار دیواری محفوظ رہی؟ آگے یہ حوالہ دیا ہے کہ۔

"بڑی غوثاں (شاید ملازمہ) کو تپ ہو گیا تھا۔اس کو گھر سے نکال دیا ہے لیکن میری دانست میں اس کو طاعون نہیں ہے۔ماسٹر محمد دین کو تپ ہو گیا اس کو بھی باہر نکال دیا ہے...... میں تو دن رات دعا کر رہا ہوں اور اس قدر زور اور توجہ سے دعائیں کی گئیں کہ بعض اوقات میں ایسا بیمار ہو گیا کہ شائد دو تین منٹ جان باقی ہے اور خطرناک آثار ظاہر ہو گئے۔" (مکتوبات مرزا صاحب بنام نواب محمد علی خان محررہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۴ء مندرجہ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۱۱۵ حرف محرمانہ صفحہ ۲۹۸)

بڑی غوثاں کے متعلق حضرت اقدس نے خود بتا دیا کہ اس کو طاعون نہیں تھا۔اصل میں اسے منتظمین نے احتیاطاً نکال دیا تھا۔ماسٹر محمد دین صاحب دارالمسیح میں نہیں رہتے تھے بلکہ وہ دارالمسیح سے باہر سکول کے بورڈنگ میں بطور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ سکونت رکھتے تھے انہیں تپ بھی ہوا اور گلٹی بھی نکلی اور وہ بورڈنگ سے باہر نکالکر خیمہ میں رکھے گئے۔چنانچہ میں نے جناب مولوی محمد دین صاحب کے سامنے جو ان دنوں ماسٹر محمد دین کہلاتے تھے اور آج کل مرکز سلسلہ میں ناظر تعلیم کے عہدہ پر

ممتاز ہیں جناب برق صاحب کا یہ اقتباس پیش کر کے حقیقت معلوم کرنا چاہی۔ انہوں نے حلفاً جو تحریری جواب دیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

"مکرمی مخدومی قاضی صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

"حرف محرمانہ" کا وہ حصہ میری نظر سے گذرا جسمیں حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر کا وہ ٹکڑا دیا گیا ہے جس میں حضور نے حضرت نواب محمد علی خانؓ مرحوم کو اطلاع دی کہ ماسٹر محمد دین کو گلٹیاں نکل آئی ہیں اور ساتھ ہی بخار بھی ہے اس لئے بطور احتیاط کے اس کو نکال دیا ہے۔ یہ واقعہ یہاں تک اور اسقدر صحیح ہے کہ خاکسار کو اپنی رہائش گاہ سے نکال کر باہر کھلی ہوا میں چھولداریاں لگا کر ان میں رکھا گیا اور چار احباب کو میری تیمارداری اور خبر گیری کے لیے ساتھ کے خیمہ جات میں متمکن کر دیا گیا تھا کہ حضور کو وقتاً فوقتاً میری حالت کے متعلق اطلاع دیتے رہیں۔ حضور نے کمال مہربانی سے میرے لئے خود ہی دوائی بھی تجویز فرمائی اور خود ہی اپنے دست مبارک سے دوائی بنوا کر بھجواتے رہے اور ہر نماز میں میرے متعلق پتہ لیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور حضور کی دعاؤں اور دواؤں سے کامل شفا بخشی۔ مگر مصنف صاحب 'حرف محرمانہ' کا یہ خیال کہ خاکسار "الدار" میں مقیم تھا اس لئے حضور کی پیشگوئی اِنّی احافظ کل من فی الدار غلط نکلی بالکل واقعات کے خلاف ہے۔ خاکسار اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہاؤس میں تھا اور بورڈنگ ہاؤس میں ہی رہتا تھا۔ یہ بورڈنگ ہاؤس حضور کے "الدار" سے بہت دور ڈھاب کے کنارے پر واقع تھا۔ وہیں خاکسار بیمار ہوا اور وہیں سے بورڈروں سے الگ کیا گیا۔ تا کہ متعدی مرض کسی صورت میں چھوٹے بچوں پر اثر انداز نہ ہو۔ آپ خود برق صاحب کے دیئے ہوئے الفاظ سے ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس میں حضور نے کہیں نہیں لکھا کہ خاکسار "الدار" یا الدار کے کسی حصہ

نیں یا اس کے قرب میں مقیم تھا۔ بورڈنگ ہاؤس خاصے فاصلہ پر واقع تھا۔ ویسے بھی حضور نے خود تحریر فرمایا ہے کہ قادیان میں اکے دکے کیس ہو رہے تھے۔ سوال "الدار" اور اس کے مکینوں کے متعلق تھا اور یہ شرف اگر خاکسار کو حاصل ہوتا تو زہے قسمت مگر امر واقعہ یہ نہ تھا جس طرح سینکڑوں اور احمدی خدام اپنی اپنی جگہوں میں رہتے تھے۔ خاکسار بھی ہوسٹل میں رہتا تھا اور بس۔ خاکسار محمد دین ربوہ۔ ۶۳-۵-۸

نوٹ :- میری تیمار داری اور نگرانی کے لئے حضور نے بھائی عبدالرحیم صاحب مرحوم سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل۔ ڈاکٹر شیخ عبداللہ صاحب مرحوم معالج ہوسٹل۔ چوہدری فتح محمد صاحب مرحوم اور صوفی غلام محمد صاحب مبلغ ماریشس جو اسوقت بورڈر تھے اور ڈاکٹر گوہر دین صاحب جو اس وقت بقید حیات موجود ہیں وہ بھی بورڈر تھے۔ نیز جناب کی اطلاع کے لئے عرض کرتا ہوں کہ خاکسار اسوقت اپنی عمر کے بیاسیویں (۸۲) سال میں گذر رہا ہے۔ اور یہ میرا بیان اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر عرض ہے کہ بلاکم وکاست صحیح ہے۔" محمد دین

جناب مولوی محمد دین صاحب کے اس بیان سے جناب برق صاحب کی یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے کہ ماسٹر محمد دین صاحب دارالمسیح میں رہتے تھے اور وہاں وہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور وہاں سے باہر نکال دیئے گئے۔ الحمد لله ثم الحمد لله۔

جناب مولوی محمد دین صاحب کو خدا تعالیٰ نے ۱۹۰۴ء کے اس واقعہ کے بعد اس وقت ۵۹ سال تک بقید حیات رکھا اور اسوقت آپ اپنی عمر کے بیاسیویں (۸۲) سال میں ہیں اور حضرت اقدس کی دعاؤں سے نہ صرف انہیں شفا ہوئی بلکہ اس وقت سے خدا تعالیٰ نے آپ کو خدمت سلسلہ کی توفیق دے رکھی ہے۔ ۳ سال تک آپ امریکہ میں مبلغ اسلام بھی رہ چکے ہیں اور اب مرکز سلسلہ ربوہ میں ناظر تعلیم کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ پس ہم دیکھیں گے کہ جناب برق صاحب ان کے جواب کے بعد کس حد تک اس جھوٹ کا

ازالہ کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب ’’حرف محرمانہ‘‘میں یہ لکھ کر پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ ’’طاعون سے چاردیواری بھی محفوظ نہ رہی‘‘۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۹۸)

جناب برق صاحب لکھتے ہیں۔

’’میرا اپنا وطیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جہاں کوئی معقول بات سنی فوراً قبول کر لی۔‘‘(حرف محرمانہ صفحہ ۱۲) اگر وہ اس بات میں سچے ہیں تو اب انہیں اعلان کر دینا چاہیئے کہ میرا یہ بیان غلط تھا کہ چاردیواری بھی محفوظ نہ رہی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ چاردیواری میں رہنے والا کوئی شخص طاعون سے ہلاک نہیں ہوا۔ اور ماسٹر محمد دین صاحب دارالمسیح میں نہیں رہتے تھے۔

وعدہ حفاظت کی نوعیت

یہ بھی واضح رہے کہ ’’الدار‘‘کی حفاظت کا جو وعدہ تھا۔ وہ صرف طاعون کی موت سے بچنے کی حفاظت کا وعدہ تھا۔ اس بات کا وعدہ نہیں تھا کہ کوئی شخص طاعون میں مبتلا بھی نہ ہوگا۔

چنانچہ آپ حقیقۃالوحی صفحہ ۳۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔

’’میر صاحب کے بیٹے اسحاق کو تیز تپ چڑھ گیا اور سخت گھبراہٹ شروع ہو گئی اور دونوں طرف بُن ران میں گلٹیاں نکل آئیں اور یقین ہو گیا کہ طاعون ہے۔ کیونکہ اس ضلع کے بعض مواضع میں طاعون پھوٹ پڑی ہے۔ تب معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا خوابوں کی تعبیر یہی تھی۔ اول دل میں سخت غم پیدا ہوا۔ اور میں نے میر صاحب کے گھر کے لوگوں کو کہہ دیا کہ میں تو دعا کرتا ہوں آپ توبہ اور استغفار بہت کریں۔ کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے دشمن کو اپنے گھر میں بلایا ہے اور یہ کسی لغزش

کی طرف اشارہ ہے اور اگرچہ میں جانتا تھا کہ موت فوت قدیم سے ایک قانون قدرت ہے۔ لیکن یہ خیال آیا کہ اگر خدانخواستہ ہمارے گھر میں کوئی طاعون سے مر گیا تو ہماری تکذیب میں ایک شور قیامت برپا ہو جائے گا۔ اور پھر گو میں ہزار نشان بھی پیش کروں تب بھی اس اعتراض کے مقابل پر کچھ بھی ان کا اثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں صدہا مرتبہ لکھ چکا ہوں اور شائع کر چکا ہوں اور ہزارہا لوگوں میں بیان کر چکا ہوں کہ ہمارے گھر کے تمام لوگ طاعون کی موت سے بچے رہیں گے غرض اس وقت جو کچھ میرے دل کی حالت تھی میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں فی الفور دعا میں مشغول ہو گیا۔ اور بعد دعا کے عجیب نظارہ قدرت دیکھا کہ دو تین گھنٹہ میں خارق عادت کے طور پر اسحاق کا تپ اتر گیا اور گلٹیوں کا نام و نشان نہ رہا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور نہ صرف اسقدر بلکہ پھرنا، چلنا، کھیلنا دوڑنا شروع کر دیا گویا کبھی کوئی بیماری نہیں ہوئی تھی۔ یہی ہے احیائے موتٰی۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ کے احیائے موتٰی میں اس سے ایک ذرہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ اب لوگ جو چاہیں ان کے معجزات پر حاشیئے چڑھائیں مگر حقیقت یہی تھی۔ جو شخص حقیقی طور پر مر جاتا ہے اور اس دنیا سے گذر جاتا ہے اور ملک الموت اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے وہ ہرگز واپس نہیں آتا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۲۹)

ایک اور اعتراض

جناب برق صاحب کا آخری قابل جواب اعتراض اس سلسلہ میں یہ ہے کہ آپ لکھتے ہیں۔

"کیا آپ کے پیرو محفوظ رہے؟ نہیں!

۱۔ ماسٹر محمد دین (گھر میں جو رہتا تھا تو پیرو ہی ہوگا) کو گلٹی نکلی۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۰۱)

۲-آپ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ آپ کے پیرو بھی طاعون کا شکار ہوئے۔(صفحہ ۳۰۲)

ہماری جماعت میں سے بعض لوگوں کا طاعون سے فوت ہو جانا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہ لڑائی میں شہید ہوئے۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۱)

اگر ایک آدمی ہماری جماعت میں مرتا ہے تو بجائے اس کے سو یا زیادہ آدمی ہماری جماعت میں داخل ہوتا ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۱)

میں نے جناب برق صاحب کا اعتراض من و عن نقل کر دیا ہے مگر اصل سوال اس جگہ یہ ہے کہ حضرت اقدس نے کیا یہ لکھا تھا کہ میری جماعت کا کوئی فرد بھی طاعون سے ہلاک نہیں ہو گا؟ اگر کوئی ایسی عبارت ہوتی تو اسے جناب برق صاحب پہلے پیش فرماتے اور پھر اعتراض کرتے تو ایک بات تھی۔ اب تو یہ اعتراض بالکل بے ہنگم ہے۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ حضرت اقدس نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ میری یہ پیشگوئی ہے کہ میری جماعت میں سے کوئی فرد طاعون سے ہلاک نہیں ہو گا۔

ماسٹر محمد دین صاحب کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ حضرت اقدس کے گھر میں رہتے تھے درست نہیں میں بتا آیا ہوں کہ وہ بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے۔ انہیں بے شک گلٹی نکلی مگر حضرت اقدس کی دعا اور توجہ سے وہ خدا کے فضل سے بچ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خدمت سلسلہ کی توفیق دے رکھی ہے آج کل وہ صدر انجمن احمدیہ میں ناظر تعلیم کے عہدہ پر مامور ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت اقدس نے کوئی ایسی پیشگوئی کی ہی نہیں تھی۔ کہ میری جماعت کا ہر فرد طاعون سے محفوظ رہے گا۔ البتہ مخالفوں نے ایسا مشہور ضرور کر دیا تھا کہ آپ نے ایسی پیشگوئی کی ہے۔ اس افواہ سے بعض احمدی بھی متاثر تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس طاعون کے متعلق الہامات کے سلسلہ میں ایک الہام یوں درج فرماتے

ہیں۔

"غَضِبْتُ غَضَباً شَدِیْداً الاِمْرَاضُ تُشَاعُ وَ النُّفُوسُ تُضَاعُ اِلّاَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ ھُمْ مُھْتَدُوْنَ۔"

(دافع البلاء صفحہ ۶)

ترجمہ :- میرا غضب بھڑک رہا ہے۔ بیماریاں پھیلیں گی اور جانیں ضائع ہوں گی مگر وہ لوگ جو ایمان لائیں گے اور ان کے ایمان میں کچھ نقص نہیں ہوگا وہ امن میں رہیں گے اور ان کو مخلصی کی راہ ملے گی۔ (دافع البلاء صفحہ ۷، ۸)

اس سے ظاہر ہے کہ جن کے ایمان میں کچھ نقص ہو الہام الٰہی میں ان کی حفاظت کا وعدہ نہ تھا۔ پھر حضور فرماتے ہیں۔

"بعض لوگ ہماری جماعت میں سے بھی غلطی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی نہ مریگا۔ یہ ان کو مغالطہ لگا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ایک حد تک خدا نے وعدے کئے ہوئے ہیں مگر ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جماعت سے مطلقاً کوئی بھی نشانہء طاعون نہ ہو۔ یہ بات ہماری جماعت کو خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہرگز نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی نہ مرے گا۔ ہاں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ پس جو شخص اپنے وجود کو نافع الناس بنادینگے ان کی عمریں خدا زیادہ کرے گا۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت بہت کرو اور حقوق العباد کی بجا آوری پورے طور پر بجالانی چاہیئے۔"

(البدر ۲۲، مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۸ زیر ملفوظات ۹ / مئی)

پس جماعت کے تمام افراد کے طاعون سے محفوظ رہنے کی کوئی پیشگوئی نہ تھی بلکہ ایسا وعدہ جماعت کے افراد میں سے الہامی الفاظ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ کے مطابق صرف ان افراد

جماعت کے لئے تھا جن کے ایمان میں کوئی ظلم کی ملونی نہ ہو۔ پس جماعت کی حفاظت کا وعدہ محض نسبتی تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین نے پیشگوئی کو غلط رنگ میں پھیلایا۔ حتی کہ اس پیشگوئی سے بعض ناواقف احمدی بھی یہ کہنے لگ گئے کہ ہم میں سے کوئی طاعون سے نہیں مرے گا۔ چنانچہ جناب برق صاحب نے گورنمنٹ کی رپورٹ سے جو اقتباس درج کیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رپورٹ لکھنے والا بھی اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ جماعت کے ہر فرد کی طاعون سے حفاظت کا وعدہ دیا گیا ہے چنانچہ اس رپورٹ کے ایک اقتباس کو درج کرنے کے بعد جناب برق صاحب اس کے ترجمہ کا ایک حصہ بگاڑتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قبول احمدیت کی بڑی وجہ بانی احمدیت کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کے پیرو طاعون سے محفوظ رہیں گے (حالانکہ جیسا میں حضرت اقدسؑ کے الہام وکلام سے بتا چکا ہوں ایسا کوئی دعویٰ نہ تھا۔ ناقل) لیکن حفاظت کے ایک عارضی وقفہ کے بعد احمدی بھی باقی آبادی کی طرح طاعون کا شکار ہونے لگے اور لوگوں کا اعتقاد رسول قادیان کے اعلان کے متعلق متزلزل ہو گیا۔"

رپورٹ کے آخری فقرہ کا ترجمہ برق صاحب نے غلط کیا ہے۔ رپورٹ کے انگریزی الفاظ یہ ہیں :-

And the faith in the afficacy of the prophets declaration was some what shaken.

صحیح ترجمہ اس کا یہ ہے کہ۔

"نبی کے اعلان کے متعلق اعتقاد میں کچھ تزلزل پیدا ہو گیا۔"

پس رپورٹ نویس تو کچھ تزلزل پیدا ہونے کا ذکر کرتا ہے مگر جناب برق صاحب اس کی عبارت کو یہ معنی دے رہے ہیں کہ۔

”لوگوں کا اعتقاد رسول قادیان کے اعلان کے متعلق متزلزل ہو گیا۔“

بہر حال لوگوں نے اس پیشگوئی کو چونکہ غلط رنگ میں شہرت دی تھی اور حضرت اقدسؑ کا کوئی ایسا اعلان نہ تھا کہ تمام احمدی افراد طاعون سے بالکل محفوظ رہیں گے اس لئے بعض احمدیوں کے طاعون سے وفات پا جانے پر کسی کو اصل الہام کے الفاظ اور اس کی اس تشریح پر اعتراض کا حق نہیں جو خود حضرت اقدس نے کی تھی۔

آخری اعتراض

اب برق صاحب کا صرف ایک اعتراض باقی ہے گو اس کا نفس پیشگوئی سے تو کوئی تعلق نہیں تاہم اس کا جواب بھی ہم اس مضمون کے آخر میں دے دینا چاہتے ہیں۔ برق صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ آپ نے طاعون کے لئے بد دعاکیوں کی حالانکہ آپ نے اربعین میں لکھا تھا۔

”میں تمام مسلمانوں، عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں۔ میں بنی نوع سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔“(اربعین نمبر ا صفحہ ۲)

اس پر برق صاحب رقمطراز ہیں۔

”کیا مہربان والدہ اپنے بچوں کو طاعون میں پھنسانے کے لئے بد دعائیں کیا کرتی ہے؟“

الجواب

یہ اعتراض شائد ایک دہریہ کو تو زیب دے مگر انبیاء کے ماننے والوں کو ایسا اعتراض زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ لوگوں کے اپنے تمرد اور شرارتوں میں بڑھ جانے پر انبیاء کی طرف سے بھی جو در حقیقت مہربان والدہ سے بھی بڑھ کر مہربان ہوتے ہیں

شریر مخالفوں کے لئے بد دعا کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کی یہ دعا قرآن مجید میں مذکور ہے جو انھوں نے قوم کے تمرد و سرکشی میں کمال پر پہنچ جانے کے بعد ان الفاظ میں کی تھی۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (سورۃ نوح : ۲۷) جس کا مفہوم مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ نوحؑ نے بد دعا کی کہ تمام کافر روئے زمین پر ہلاک ہو جائیں اور پھر خدا بھی جو ارحم الراحمین ہے گویا ماں باپ سے بھی بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے غضب میں آ گیا اور اُس نے تمام کافروں کو غرق کر دیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور قوم فرعون کے معاملہ میں یہ بد دعا کی رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ۔ (یونس : ۸۹) اے خدا! ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں پر سختی کر کہ یہ دردناک عذاب دیکھے بغیر ایمان نہ لائیں۔

پھر سید الانبیاء فخر المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ کے متعلق صحیح احادیث میں مروی ہے کہ آپ ایک عرصہ تک اپنے متمرد دشمنوں اور قبائل کا نام لے لے کر نماز میں اُن کے لئے بد دعا کرتے رہے چنانچہ وہ سب آپکی بد دعا سے تباہ ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے سوا رحمۃ للعالمین ﷺ سے بڑھ کر اور کون رؤف و رحیم تھا۔ مگر ایک موقعہ پر آپ کو بھی بد دعا کرنی ہی پڑی۔ سچ پوچھو تو جو لوگ ایمان لانیوالے نہ ہوں ان کی ہلاکت بھی اُن کے لئے اپنے اندر ایک رحم کا پہلو ہی رکھتی ہے جس سے اُنؔ کے متمردانہ اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اور آئندہ ہو سکنے والے جرموں کی سزا سے وہ بچ جاتے ہیں۔ آخر والدہ بھی تو بچے کی شرارت پر اُسے چپت رسید کر ہی دیتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کیا خدا ارحم الراحمین نہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں وہ ارحم الرحمین ہے۔ تو اُس عورت نے کہا۔ کیا خدا والدہ سے بڑھ کر رحم کرنے والا نہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں وہ والدہ سے بڑھ

کر رحم کرنے والا ہے۔ تو اس پر اُس عورت نے کہا کہ کوئی ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی۔ یعنی پھر خدا تعالیٰ لوگوں کو جہنم میں کیسے ڈال سکتا ہے؟ اِس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ خدا صرف متمرد (سرکش اور باغی) کو ہی عذاب دیگا۔

یہی جواب ہم برقؔ صاحب کو دیتے ہیں کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بھی صرف متمرّدین کے پیش نظر بددعا کی تھی۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

فَلَمَّا طَغَا الْفِسْقُ الْمُبِيْدُ بِسَيْلِهٖ
تَمَنَّيْتُ لَوْكَانَ الْوَبَاءُ الْمُتَبِّرُ

کہ جب مہلک فسق کا سیلاب چڑھ آیا یعنی لوگوں کی سرکشی اور شرارتیں اور ایذارسانی اور دشنام دہی انتہا کو پہنچ گئی تو اس وقت میں نے یہ تمنا کی کہ کاش تباہ کردینے والی وباء آجائے۔ پس جب خدا تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے وہ بھی کسی وقت مخلوق کی سرکشی اور تمرّد کے بڑھ جانے پر غضب میں آکر دنیا میں وبائیں اور زلازل وغیرہ تباہیاں برپا کردیتا ہے تو اس کا مامور اگر ایسے ہی وقت غضب میں آکر بددعا کردے تو کیا جائے تعجب! آخر نبی کی خواہش کا توافق اسوقت خدا کے ارادہ سے ہی ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ نبی کی بددعا بھی ایک قسم کا القاہی ہوتا ہے۔ جب خدا کا غضب دنیا پر بھڑکنے والا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے کسی زور آور حملہ سے دنیا کو اپنی طاقت منوا کر لوگوں کو ضلالت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے تو اسوقت اسکے ارادہ کے ساتھ نبی کا ارادہ بھی مل جاتا ہے جو اس کی طرف سے بددعا کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔

۵- الہام عمر

جناب برق صاحب الہام عمر کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

”جناب مرزا صاحب نے الہام عمر کو اپنی تصانیف میں سو مرتبہ سے زیادہ

دہرایا ہے۔ ثَمَانِيْنَ حَوْلًا اَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذَالِكَ اَوْ نَزِيْدَ عَلَيْهِ۔ اور اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔ تیری عمر اسیؔ برس کی ہوگی یا دو چار کم یا چند سال زیادہ۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۲۰۵)

لفظی ترجمہ اس الہام کا یہ ہے کہ آپ کی عمر اسیؔ سال یا اس کے قریب ہوگی یا ہم اس پر کچھ بڑھاویں گے۔

برق صاحب کا پہلا اعتراض

جناب برق صاحب کا اس الہام پر پہلا اور اہم اعتراض یہ ہے کہ۔

"اول تو یہ الہام ہی عجیب ہے۔ اسیؔ (۸۰) برس دو چار کم یا چند سال زیادہ کیا اللہ مستقبل کے واقعات سے بے خبر ہے؟ کیا الہام نازل کرتے وقت اسے معلوم نہ تھا کہ آپ کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوگی؟ کیا اللہ کو آپ کی تاریخ ولادت بھول گئی تھی؟ اگر یاد تھی اور تاریخ ولادت بھی معلوم تھی تو پھر الہام میں یہ اظہار تجاہل کیوں دو چار سال کم یا چند سال زیادہ کیوں؟ جس شخص کو اپنے مرحوم بیٹے کی تاریخ ولادت ووفات ہر دو معلوم ہوں اور جمع و تفریق کا قاعدہ بھی جانتا ہو وہ کبھی نہیں کہے گا کہ میرے بیٹے کی عمر بیس برس یا دو چار سال کم یا چند سال زیادہ تھی۔ یہ اشتباہ و تجاہل اسی شخص کے بیان میں ہو سکتا ہے جو تاریخ ولادت ووفات ہر دو سے ناواقف ہو یا اسقدر ان پڑھ ہو کہ سال وفات میں سے سنین حیات تفریق کر کے حاصل نہ بتا سکتا ہو۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۰۸،۳۰۹)

الجواب

ہمیں یہ اعتراض پڑھ کر جناب برق صاحب کے متعلق یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی الہامی زبان سے بھی واقف نہیں ورنہ وہ اس الہام پر کبھی یہ اعتراض

نہ کرتے کہ الہام میں یہ تجاہل کیوں؟ اگر وہ قرآن مجید کی الہامی زبان کا علم رکھتے تو کبھی اَن پڑھ کی مثال دے کر جمع تفریق سے اس کی ناواقفی کو پیش کر کے الہام کو نسیان۔ اشتباہ اور تجاہل کے بیان پر مشتمل قرار نہ دیتے۔ دیکھئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ

(یونس: ۴۷ مومن: ۷۸)

یعنی اے نبی! یا ہم تجھے (کافروں سے) موعود عذاب کا کچھ حصہ دکھا دیں گے یا تجھے وفات دے دیں گے۔

جناب برق صاحب کو تو یہاں بھی یہ سوال پیدا ہونا چاہیئے کہ کیا اس وحی کے نازل کرنے والا خدا ان دونوں باتوں میں سے جو اس نے اس وحی میں بیان کی ہیں۔ ایک معیّن امر کو جس کے متعلق اس کا حتمی ارادہ تھا جانتا تھا یا نہیں؟ اگر جانتا تھا تو پھر اس نے معیّن طور پر ایک ہی بات کیوں نہ کہی جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے یہ کیوں کہا یا ایسا کروں گا یا ویسا۔ صاف ظاہر ہے کہ جناب برق صاحب کو جب یہ مسلّم ہے کہ قرآن مجید کی یہ وحی علام الغیوب خدا کی طرف سے ہے تو پھر انہیں معلوم ہو کہ اس میں یا یا کا استعمال اس غرض کے لئے کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ باوجود اس بات کو جاننے کے جو وہ دراصل کرنے والا تھا ابھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اور اس بات کے مخفی رکھنے میں اس کے نزدیک کوئی مصلحت کار فرما تھی۔ بہر حال خدا کی طرف سے ایسا الہام ہو سکتا ہے کہ یا یہ بات کروں گا یا اس کے خلاف دوسری بات کروں گا اور اس سے خدا تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر کوئی زدّ نہیں پڑتی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَرْسَلْنَاہُ اِلٰی مِائَۃِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ۔

(الصّٰفّٰت: ۱۴۸)

یعنی ہم نے یونس نبی کو ایک لاکھ کی طرف بھیجا یا وہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ اب کیا جناب برق صاحب یہاں بھی خدا سے یہ استہزاء کریں گے کہ قرآن مجید کے خدا کو گنتی آتی تھی یا نہیں۔ اگر آتی تھی تو پھر اس نے ان لوگوں کی صحیح اور معین تعداد کیوں نہ بتائی۔ کیوں ایسی عبارت استعمال کی جو معین تعداد کے متعلق ابہام پیدا کر دیتی ہے۔ پس اگر قرآن مجید کا خدا اس جگہ کسی وجہ سے ان لوگوں کی معین تعداد کے بیان کو اخفاء میں رکھنے کے باوجود عالم الغیب رہتا ہے تو حضرت اقدس کو الہام ثَمَانِیْنَ حَوْ لًا اَوْ قَرِیباً مِنْ ذَالِكَ اَوْ نَزِیْدُ عَلَیْهِ میں بھی وہ آپ کی ہونے والی عمر کو قریب قریب بیان کے لئے اسی قسم کی زبان اختیار کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ معین طور پر یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ آپ کی عمر در حقیقت کتنی ہو گی۔

پھر قرآن مجید میں وارد ہے۔ وَ اٰخَرُوْنَ مُرْ جَوْنَ لِاَ مْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّ بُهُمْ وَ اِمَّا یَتُوْ بُ عَلَیْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ (توبہ : ۱۰۶) یعنی کچھ اور لوگ بھی ہیں (یعنی تین صحابہ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جو جنگ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے) جو خدا تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں ہیں جن کا معاملہ آخر میں ڈالا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا یا معاف فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ پس "یا" کا الہام میں استعمال خدا کے علیم و حکیم ہونے کے خلاف نہیں۔ "یا" کے استعمال میں یقیناً حکیم خدا کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ اور اس سے اس کے علیم ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اس وحی میں یا کے استعمال کے بعد وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ فرمایا گیا۔

پیشگوئی کی روح

جناب برق صاحب اعتراض کی طرف تو لپکے ہیں لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہ پیشگوئی اپنی اصل روح کے لحاظ سے کیسی عظیم

الشان ہے۔ انسان کو اپنی عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لیکن غور کریں کہ ایک شخص جو آئندہ چل کر مامور من اللہ بننے والا اور مخلوق کو خدا تعالیٰ کی طرف بلانے والا ہے۔ خدا تعالیٰ ۱۸۶۵ء میں اس کی وفات سے ۴۳ سال پہلے اسے یہ اطلاع دیتا ہے کہ وہ لمبی عمر پائے گا۔ اور یہ بات اسی طرح وقوع میں آجاتی ہے اس الہام کا اگلا حصہ جناب برق صاحب نے چھوڑ دیا ہے جو تَرٰی نَسلًا بَعِیدًا ہے یعنی تو دور کی نسل دیکھے گا۔ الہام کا یہ حصہ پیشگوئی کی عظمت کو اور بڑھا رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ آخر عمر تک آپ کے ہاں اولاد ہوگی اور پھر اولاد کی اولاد کو بھی آپ دیکھ لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالك۔

اس الہام میں آپ کی عمر کے متعلق پوری تعیین کو مبہم رکھنے میں بھی ضرور اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت تھی۔ لیکن جب آپ کی وفات کا وقت قریب آنے کو تھا تو اس وقت خدا تعالیٰ نے آپ پر واضح کر دیا قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ کہ تمہاری مقررہ اجل قریب آگئی ہے۔ یہ الہام آپ نے رسالہ الوصیۃ میں درج فرمایا۔ اس میں تحریر فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے۔

جَآ ءَ وَ قْتُكَ۔ قَرُبَ اَجَلُكَ اَلْمُقَدَّرُ یعنی تیرا وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔ اور تیری عمر کی میعاد جو مقرر کی گئی تھی اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

الوصیۃ ۱۹۰۵ء میں لکھی گئی۔ پھر حضور فرماتے ہیں :-

"رؤیا میں ایک کوری ٹنڈ میں مجھے کچھ پانی دیا گیا۔ پانی صرف دو تین گھونٹ اس میں باقی رہ گیا ہے لیکن نہایت صاف اور مقطر پانی ہے اس کے ساتھ ہی الہام ہوا۔ آبِ زندگی۔" (ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء)

اس الہام اور رؤیا سے ظاہر ہے کہ جب حضرت اقدس کی عمر میں خدا تعالیٰ کے نزدیک تھوڑا عرصہ باقی رہ گیا۔ تو اس وقت آپ کو وفات کا زمانہ قریب آجانے کی

اطلاع دے دی گئی۔ چنانچہ اس الہام اور رؤیا کے مطابق آپ کی وفات ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی پس الہام نے آپ کی وفات کا ذکر کر کے خود گواہی دیدی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ازلی علم میں جو آپ کی عمر مقدر تھی جلدی ختم ہونے والی ہے۔ پس آپ کا الہام الٰہی کے مطابق لمبی عمر پانا بھی خدا کے نشانوں میں سے ایک عظیم الشان نشان ہے۔ اور آپ کی وفات کا زمانہ قریب آجانے پر آپ کو خدا کی طرف سے اطلاع دیا جانا بھی ایک نشان ہے۔

عمر کے متعلق اندازے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتابوں میں اپنی عمر اندازے سے لکھتے رہے ہیں۔ کیونکہ آپ کی تاریخ پیدائش محفوظ نہ تھی۔ چنانچہ کتاب البریۃ میں آپ نے لکھا کہ :-

"میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور ۱۸۵۷ء میں سولہ برس یا سترھویں برس میں تھا۔" (کتاب البریہ صفحہ ۱۳۴)

برق صاحب کا اعتراض

اس پر جناب برق صاحب سوال کرتے ہیں کہ :-

"کیا کوئی حساب دان یہ بتا سکتا ہے کہ آپ ۱۸۵۷ء میں کس حساب سے سولہ برس کے تھے ؟ خیر اسے چھوڑیئے۔ صرف سال ولادت یاد رکھئے اور سال وفات ۱۹۰۸ء سے منہا کر دیجئے۔

۱۹۰۸	۱۹۰۸
۱۸۴۰	۱۸۳۹
۶۸	۶۹

باقی بچے ۶۷ یا ۶۹۔ اب دیکھئے اس الہام کو

"تیری عمر اسّی سال کی ہو گی یا دو چار کم یا چند سال زیادہ لیکن یہاں تو پورے ۱۲/۱۱ برس کم ہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۰۹۔۳۱۰)

اور آخر میں جناب برقؔ صاحب نے اربعین کی یہ عبارت درج کی ہے :-

"پھر اگر ثابت ہو کہ میری پیشگوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں۔" (حاشیہ اربعین نمبر ۴ صفحہ ۳۰)

الجواب

سوال اول کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کی پیدائش ۱۸۴۰ء میں فرض کی جائے تو آپ ۱۸۵۷ء میں یقیناً سولہ برس کے ہو چکے تھے۔ حساب کر کے دیکھ لیں اور اگر ۱۸۳۹ء میں فرض کی جائے تو ۱۸۵۷ء میں بہر حال سترہ برس کے ہو جاتے ہیں۔

۱۸۵۷-۱۸۴۰=۱۷ سال۔ سولہ سال پورے کر کے سترھویں میں قدم رکھا

۱۸۵۷-۱۸۳۹=۱۸ گویا سترہ سال پورے کر کے اٹھارویں میں قدم رکھا۔

حضرت اقدس نے اپنی پیدائش ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء میں محض اندازے سے لکھی ہے جناب برقؔ صاحب نے اس حساب سے آپ کی عمر ۶۷ یا ۶۹ سال قرار دے کر پیشگوئی کو جھوٹا ٹھہرایا ہے تاکہ آپ کو دعویٰ میں کاذب قرار دیں مگر یہ بھی لکھا ہے :-

"جناب مرزا صاحب نے اپنی تصانیف میں تاریخ ولادت کہیں ذکر نہیں فرمائی صرف اتنا بار بار فرماتے رہے ہیں کہ میں ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوا تھا اور نہ آپ کے سوانح نگاروں نے یہ تکلیف کی کہ سول سرجن گورداسپور کے دفتر سے آپ کی تاریخ ولادت معلوم کر لیتے۔ اتنے بڑے روحانی رہنما کے مریدوں کا یہ تساہل قابلِ افسوس ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۰۹)

جناب برقؔ صاحب نے کس بھولے پن سے فرمایا ہے کہ آپ کے سوانح نگار

سول سرجن گورداسپور کے دفتر سے آپ کی تاریخ ولادت معلوم کر لیتے۔ گویا جناب برق صاحب یہ خیال کر رہے ہیں کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اسوقت پیدا ہوئے تھے جب کہ پنجاب میں انگریزی راج تھا اس لئے سول سرجن گورداسپور کے دفتر میں آپ کی تاریخ ولادت محفوظ تھی۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ کہ حضرت اقدسؑ سکھوں کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے تھے جبکہ اس قسم کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ پس سوانح نگاروں پر تساہل کا الزام بھی درست نہیں۔ خصوصاً آپ کے سوانح نگار حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب سیرۃ المھدی میں حضرت اقدس کی عمر کے متعلق پوری تحقیقات درج فرمادی ہے اور آپ کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے :-

"اب بعض حوالے اور بعض روایات ایسی ملی ہیں جن سے معین تاریخ کا پتہ لگ گیا ہے۔ جو بروز جمعہ ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ ہجری مطابق ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء عیسوی مطابق یکم پھاگن سن ۱۸۹۱ بکرمی ہے" (سیرۃ المھدی جلد سوم صفحہ ۷۴)

اس تاریخ پیدائش کی تعیین کی وجوہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ :-

۱- حضرت مسیح موعودؑ نے تعیین اور تصریح کے ساتھ لکھا ہے جسمیں کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں کہ میری پیدائش جمعہ کے دن چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوئی تھی۔

(دیکھو تحفہ گولڑویہ بار اول صفحہ ۱۱۰ حاشیہ)

۲- ایک زبانی روایت کے ذریعہ جو مکرمی مفتی محمد صادق صاحب کے واسطہ سے پہنچی ہے اور جو مفتی صاحب موصوف نے اپنے پاس لکھ کر محفوظ کی ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دفعہ بیان فرمایا تھا کہ ہندی مہینوں کے لحاظ سے میری پیدائش پھاگن کے مہینہ میں ہوئی تھی۔

۳- مندرجہ بالا تاریخ حضرت مسیح موعودؑ کے دوسرے متعدد بیانات سے بھی قریب

ترین مطابقت رکھتی ہے۔ مثلاً آپ کا یہ فرمانا کہ آپ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں شرف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوئے تھے (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹) اور یہ کہ اس وقت آپ کی عمر ۴۰ سال کی تھی (تریاق القلوب صفحہ ۶۸) وغیرہ وغیرہ (اس حساب سے آپکی عمر ۷۶ سال بنتی ہے جس سے الہامی عمر پوری ہو جاتی ہے جو برق صاحب کے پیش کردہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہام کے لحاظ سے اسّی سے چار سال کم چاہئے۔ ناقل)

(سیرۃ المہدی صفحہ ۷۵)

آگے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں :-

"میں نے گزشتہ جنتریوں کا بغور مطالعہ کیا ہے اور دوسروں سے بھی کرایا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ پھاگن کے مہینہ میں جمعہ کا دن اور چاند کی چودھویں تاریخ کس کس سنہ میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس تحقیق سے یہی ثابت ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی تاریخ پیدائش ۱۴ شوال ۱۲۵۰ ہجری مطابق ۱۳ فروری ۱۸۳۵ عیسوی ہے جیسے کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہو گا :-

تاریخ معہ سن عیسوی	تاریخ چاند معہ سن ہجری	دن	تاریخ ہندی مہینہ معہ سن بکرمی
۴ فروری ۱۸۳۱ء	۲۰ شعبان ۱۲۴۶ھ	جمعہ	۷ پھاگن ۱۸۸۷ بکرم
۱۷ فروری ۱۸۳۲ء	۱۴ رمضان ۱۲۴۷ھ	جمعہ	یکم پھاگن ۱۸۸۸ بکرم
۸ فروری ۱۸۳۳ء	۱۷ رمضان ۱۲۴۸ھ	جمعہ	۴ پھاگن ۱۸۸۹ بکرم
۲۸ فروری ۱۸۳۴ء	۱۸ شوال ۱۲۴۹ھ	جمعہ	۵ پھاگن ۱۸۹۰ بکرم
۱۳ فروری ۱۸۳۵ء	۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ	جمعہ	یکم پھاگن ۱۸۹۱ بکرم
۵ فروری ۱۸۳۶ء	۱۷ شوال ۱۲۵۱ھ	جمعہ	۳ پھاگن ۱۸۹۲ بکرم

۲۴ فروری ۱۸۳۷ء	۸ ذیقعدہ ۱۲۵۲ھ	جمعہ	۴ پھاگن ۱۸۹۳ بکرم
۹ فروری ۱۸۳۸ء	۲۰ ذیقعدہ ۱۲۵۳ھ	جمعہ	۷ پھاگن ۱۸۹۴ بکرم
یکم فروری ۱۸۳۹ء	۱۵ ذیقعدہ ۱۲۵۴ھ	جمعہ	۳ پھاگن ۱۸۹۵ بکرم
۱۱ فروری ۱۸۴۰ء	۶ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ	جمعہ	۴ پھاگن ۱۸۹۶ بکرم

(اس کے لئے دیکھو توقیفات الہامیہ مصری و تقویم عمری ہندی)

اس نقشہ سے ظاہر ہے کہ پھاگن کے مہینہ میں جمعہ کو چاند کی چودھویں تاریخ صرف دو سالوں میں آئی ہے اول ۱۷ فروری ۱۸۳۲ء میں اور دوم ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء میں حضرت صاحبزادہ صاحب آگے لکھتے ہیں :-

"اس نقشہ کے رو سے ۱۸۳۲ء کی تاریخ بھی درست سمجھی جا سکتی ہے مگر دوسرے قرائن سے جن میں سے بعض اوپر بیان ہو چکے ہیں اور بعض آگے بیان کئے جائیں گے صحیح یہی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیدائش ۱۸۳۵ء میں ہوئی تھی۔ پس ۱۳ فروری ۱۸۳۵ عیسوی مطابق ۱۴ شوال ۱۲۵۰ ہجری بروز جمعہ والی تاریخ صحیح قرار پاتی ہے اس حساب کی رو سے وفات کے وقت جو ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ ہجری (اخبار الحکم ضمیمہ مؤرخہ ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء) میں ہوئی۔ آپ کی عمر پورے ۷۵ سال ۶ ماہ اور ۱۰ دن بنتی ہے۔" (سیرت المہدی صفحہ ۷۶)

حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی عمر کے بارہ میں اردو زبان میں بھی الہام ہؤا جو درحقیقت عربی الہام کا الہامی ترجمہ ہے۔ اس الہام کے الفاظ یہ ہیں :-

"اطال اللّٰہ بقاءك۔ اسّی یا اس پر پانچ چار سال زیادہ یا پانچ چار کم۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶)

اس اردو الہام کو ملحوظ رکھا جائے جو عربی کے الہام کا الہامی ترجمہ ہے تو آپ کی عمر پچھتر چھہتر یا اسّی یا چوراسی پچاسی سال کی ہونی چاہیئے۔

پس آپ کی عمر پچھتر سال چھ ماہ دس دن بنتی ہے جو الہام ثمانین حولاً اوقریباً من ذالك کے صدق پر شاہد ناطق ہے۔

۶۔امراض خبیثہ سے حفاظت کا وعدہ

اس عنوان کے تحت برق صاحب نے حضرت اقدس کا یہ اقتباس درج کیا ہے :-

"اس (خدا) نے مجھے براہین میں بشارت دی کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا۔" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۳)

اس کے بعد برق صاحب نے دورانِ سر یا دوّارِ مراقی اور ذیابیطس کی مرض کو امراض خبیثہ میں سے قرار دے کر اس پیشگوئی پر اعتراض کیا ہے کہ یہ بشارت پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ امراض خبیثہ سے مراد وہ امراض ہوتی ہیں جو لوگوں کے لئے نفرت کا موجب ہوں۔ جیسے جنون۔ مالیخولیا مراقی اور جذام وغیرہ اور خدا تعالیٰ نے آپ کو ان عوارض خبیثہ سے محفوظ رکھا ہے۔ آپ کی ڈائری میں جس مراق کے مرض کا ذکر ہے اس سے مراد دوّار مراقی ہے نہ کہ مالیخولیا مراقی۔ طب اکبر میں مراق کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) صداع مراقی (۲) دوّار مراقی (۳) مالیخولیا مراقی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مالیخولیا مراقی سے جو جنون کی طرح ایک خبیث عارضہ ہے محفوظ رکھا ہے البتہ کثرت تصنیف سے پردۂ مراق کے ماؤف ہو جانے کی وجہ سے دوّار کا عارضہ آپ کو ضرور تھا جسے سیرۃ المہدی میں حضرت ام المومنینؓ کی روایت سے دورانِ سَر اور ہسٹیریا قرار دیا گیا ہے۔ ذیابیطس اور دورانِ سر خدا تعالیٰ کی طرف سے دو بیماریاں آپ کے اس وقت بھی شامل حال تھیں جبکہ آپ کو یہ بشارت دی گئی تھی کہ وہ ہر ایک خبیث عارضہ سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔ یہ دونوں عارضے آپ کو بموجب حدیث نبوی تمام عمر لاحق حال رہے ہیں۔ اور آپ نے (نواس بن سمعان والی حدیث

میں جو مسیح کے دو زرد چادروں میں نزول کے متعلق ہے) ان دو زرد چادروں کی تعبیر یہی دو بیماریاں بیان فرمائی ہے۔ اور انہیں مسیح موعود کی علامت قرار دیا ہے اِسی سلسلہ میں برقؔ صاحب نے "حیات احمد" جلد دوم نمبر اوّل صفحہ ۶۹ سے ایک حوالہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے :-

"حضرت اقدس نے اپنی بیماری دقؔ کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بیماری آپ کو حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم کی زندگی میں ہو گئی تھی............ اس بیماری میں آپ کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔"

یہ اقتباس محل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ بیماری اس وعدہ الٰہی سے بہت پہلے کی تھی جب کہ آپ کے والد صاحب زندہ تھے پھر آپ اس مرض سے کلی شفا پا چکے تھے۔ اور آپ کے اس مرض سے صحت یاب ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامور فرمایا تھا اور یہ بشارت دی تھی کہ وہ آپ کو ہر ایک خبیث عارضہ سے محفوظ رکھے گا۔ فاندفع الاعتراض

الہام متعلق ثلج

۷- پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن

۵/ مئی ۱۹۰۶ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا :-

"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن"

اور اگلے سال ۱۹۰۷ء میں ماہ فروری کے آخر میں کشمیر اور یورپ کے ملکوں میں شدید برفباری ہوئی جس سے سردی بڑھ گئی اور ایسی بارشیں ہوئیں کہ آپ کے ایک دوسرے الہام کے مطابق جو ۱۲/ فروری ۱۹۰۷ء کا ہے۔ گویا

"آسمان ٹوٹ پڑا" (ملاحظہ ہو تذکرہ صفحہ ۶۹۰)

حضرت اقدس نے تتمہ حقیقۃالوحی صفحہ ۳۹ میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کاذکر فرمایا ہے۔ اور برف باری شدید بارشوں اور شدید سردی پڑنے سے متعلق اخبارات کے اقتباسات بھی درج کئے ہیں اور کشمیر سے آمدہ ایک خط بھی درج فرمایا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ پیشگوئی جو مع تشریح رسالہ ریویو آف ریلجنز اور پرچہ بدر اور الحکم میں اس کے ظہور سے نوماہ پہلے لکھی گئی تھی اور ظہور کے لئے بہار کا موسم معین کیا گیا تھا صفائی سے پوری ہوگئی۔ یعنی جب عین بہار کا موسم آیا اور باغ پھولوں اور شگوفوں سے بھر گئے تب خدا تعالیٰ نے اپنا وعدہ اس طرح پر پورا کیا کہ کشمیر اور یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں برف باری حد سے زیادہ ہوئی جس کی تفصیل ابھی ہم انشاء اللہ چند اخباروں کے حوالہ سے لکھیں گے۔ لیکن اس ملک میں بموجب منشاء پیشگوئی کے خاص اس حصہ ملک میں وہ شدید سردی اور کثرت بارش ہوئی کہ ملک فریاد کر اٹھا۔ اور ساتھ ہی بعض حصہ میں اس ملک کے اس قدر برف پڑی کہ لوگ حیران ہوگئے کہ کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ آج ہی ۲۵، فروری ۱۹۰۷ء کو ایک خط بنام حاجی عمر ڈار صاحب (جو باشندۂ کشمیر ہیں عبدالرحمٰن ان کے بیٹے کی طرف سے) کشمیر سے آیا ہے کہ ان دنوں میں اس قدر برف پڑی ہے کہ تین گز تک زمین پر چڑھ گئی۔ اور ہر روز ابر محیط عالم ہے۔ یہ وہ امر ہے کہ کشمیر کے رہنے والے اس سے حیران ہیں کہ بہار کے موسم میں اس قدر برف کا گرنا خارق عادت ہے۔"

جب یہ الہام نازل ہوا تو اس وقت آپ نے اس کی دو توجیہات کیں جو "بدر" ۱۰/ مئی ۱۹۰۶ء اور الحکم ۱۰/ مئی ۱۹۰۶ء میں درج ہیں۔ اور یہ الہام اخبار الحکم ۵/ مئی ۱۹۰۶ء میں درج ہوچکا تھا۔

تشریح یہ درج ہے کہ۔

"الہام ۵ر مئی ۱۹۰۶ء "پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن۔"

ثلج کا لفظ عربی ہے اس کے ایک تو یہ معنے ہیں کہ وہ برف جو آسمان سے پڑتی ہے اور شدید سردی کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور بارش کے لوازم سے ہوتی ہے اس کو عربی میں ثلج کہتے ہیں۔ ان معنوں کی بنا پر اس پیشگوئی کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ بہار کے دنوں میں آسمان سے ہمارے ملک میں خدا تعالیٰ غیر معمولی طور پر یہ آفتیں نازل کرے گا۔ اور برف اور اسکے لوازم سے شدت سردی اور کثرت بارش ظہور میں آئے گی اور دوسرے معنے اس کے عربی میں اطمینان قلب حاصل کرنا یعنی انسان کو کسی امر پر ایسے دلائل اور شواہد میسر آجائیں جس سے اس کا دل مطمئن ہو جائے...... غرض یہ پیشگوئی ان پہلوؤں پر مشتمل ہے...... اس الہام پر زیادہ غور کرنے سے یہ بھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے دنوں تک نہ صرف ایک نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہو جائیں گے۔ اور جب بہار کا موسم آئے گا تو اس قدر تواتر نشانوں کی وجہ سے دلوں پر اثر ہوگا کہ مخالفین کے منہ بند ہو جائیں گے اور حق کے طالبوں کے دل پوری تسلی پائیں گے اور یہ بیان اس بنا پر ہے کہ جب ثلج کے معنے تسلی پانا اور شکوک اور شبہات سے رہائی ہو جانا سمجھے جائیں۔ لیکن اگر برف اور بارش کے معنی ہوئے تو خدا تعالیٰ کوئی اور سماوی آفات نازل کرے گا۔"

("بدر" ۱۰ر مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ و تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۸، ۳۹)

جب یہ پیشگوئی نہایت صفائی سے پوری ہو گئی تو حضرت اقدس نے فرمایا۔

"دیکھو "ثلج کے آنے کے دن" والی پیشگوئی کس طرح پوری ہو گئی اور میں نے اس کے دو پہلو لئے تھے۔ ایک تو یہ کہ خدا کچھ ایسے نشان دکھائے جن کی وجہ سے لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور دل تسکین پکڑ جائے۔ دوسرا یہ کہ سخت بارش اور سردی اور ژالہ باری ہو جو زمانہ دراز سے کبھی نہ ہوئی ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے یہ دونوں پہلو

پورے کر دیئے۔ یہ نشان اس طرح متواتر ظہور میں آئے کہ نہ صرف پنجاب بلکہ یورپ اور امریکہ پر بھی حجت قائم ہو گئی۔ یعنی ڈوئی کی موت سے............ پس یہ ایک نشان تھا جس نے تمام یورپ اور امریکہ پر اور سعد اللہ کی موت نے ہندوستان پر حجت قائم کر دی ہے۔ پس ان دونوں نشانوں اور دوسرے کئی نشانوں نے دنیا پر ثلج کی پیشگوئی کا پورا ہونا ثابت کر دیا ہے اور پھر یہی نہیں اصل الفاظ میں بھی یہ پیشگوئی کھلے طور پر پوری ہو گئی۔ یعنی اس بہار کے موسم میں جیساکہ لکھا گیا تھا کہ بہار کے موسم میں ایسا ہو گا۔ ایسی سخت سردی اور بارش اور ژالہ باری ہوئی کہ دنیا چیخ اٹھی۔"

(بدر ۲۵/اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۲)

جناب برق صاحب اس نشان سے فائدہ اٹھانے کی بجائے کشمیر والے خط کی بنا پر یہ لکھتے ہیں۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۱۴)

"یہ خط کشمیر سے چار پانچ روز پہلے یعنی ۲۰/ فروری کو چلا ہو گا کیا ۲۰/ فروری کو عین بہار کا موسم ہوتا ہے اور باغ پھولوں اور شگوفوں سے بھر جاتے ہیں؟"

الجواب

یہ نتیجہ ہے خوبیوں کی طرف سے آنکھیں بند کرنے اور معاندانہ نکتہ چینی کا کہ پیشگوئی کے پورا ہونے سے تو آپ نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور یہ اعتراض کر دیا ہے کہ گویا بیس فروری کو بہار کا موسم نہیں ہوتا اور باغ پھولوں اور شگوفوں سے نہیں بھر جاتے۔ حالانکہ فروری کے آخر میں فی الواقعہ بہار کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔ اور اگر جنوری میں سردی کم پڑی ہو تو فروری کے آخر میں کئی درختوں پر پھول اور شگوفے نکل آتے ہیں۔ آج جب کہ ہم یہ مضمون لکھ رہے ہیں ۲۳/ فروری ۱۹۶۴ء ہے اور باغوں میں کئی درختوں پر پھول کھلے ہوئے ہیں۔

برق صاحب کی بناوٹ

اس پیشگوئی کے متعلق جناب برق صاحب نے ایک بناوٹ سے بھی کام لیا ہے۔ چنانچہ پہلے وہ یہ سوال اٹھاتے ہیں کون سا موسم بہار؟ اور اس کے نیچے لکھتے ہیں۔

"حقیقۃالوحی کا تتمہ جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے ۱۹۰۷ء کے اوائل میں لکھا جارہا تھا۔ بظاہر موسم بہار سے ۱۹۰۷ء ہی کا موسم ہو سکتا ہے۔ لیکن نہیں آپ اس کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔ (یہ برق صاحب کی صریح غلط بیانی ہے کہ بظاہر ۱۹۰۷ء کا موسم بہار تھا جیسے کہ آگے ظاہر ہو گا۔ مجیب) "بہار دوبارہ (یعنی ۱۹۰۸ء میں) آئے گی تو ایک اور زلزلہ آئے گا۔" (۱۹۰۸ء لکھنا برق صاحب کی بناوٹ ہے۔ مجیب) اور چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

"پھر بہار جب بار سوم (یعنی ۱۹۰۹ء میں) آئے گی تو اس وقت اطمینان کے دن آجائیں گے۔ اور اس وقت تک خدا کئی نشان ظاہر کرے گا۔" (۱۹۰۹ء لکھنا بھی برق صاحب کی جعلسازی ہے)

یہ غلط سنہ لکھ کر آخر میں برق صاحب نے یہ سوال اٹھایا ہے۔

"اور وہ معمہ تو بدستور حل طلب رہا کہ جس الہام کا تعلق تیسری بہار (۱۹۰۹ء میں) سے تھا وہ پہلی بہار میں کیسے پورا ہو گیا؟" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۱۵)

الجواب

جناب برق صاحب! ایسا کوئی حل طلب معمہ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان اقتباسات کے پیش کرنے میں آپ نے سراسر منشائے متکلم اور تاریخی حقیقت کے بر خلاف حوالہ جات کے پیش کرنے میں خود بناوٹ سے کام لیا ہے۔

پہلی بناوٹ

برق صاحب کی پہلی بناوٹ یہ ہے کہ حوالہ اول اور دوم کے درمیان بریکٹوں میں ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء کے الفاظ انہوں نے اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں۔ حالانکہ یہ حوالے تاریخی لحاظ سے ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء سے متعلق نہیں۔

دوسری بناوٹ

برق صاحب کی دوسری بناوٹ یہ ہے کہ وہ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹ کا حوالہ پیش کرنے کے بعد دونوں حوالوں کے متعلق لکھتے ہیں۔

"آپ (حضرت مسیح موعود۔ ناقل) اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔"

حالانکہ دونوں اقتباس تتمہ حقیقۃ الوحی کے نہیں کہ آگے چل کر لکھنا صحیح ہو۔ مگر برق صاحب نے پڑھنے والوں کو دھوکا دینے کے لئے دونوں عبارتوں میں سے پہلی عبارت کے بعد تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۹ اور دوسری عبارت کے بعد تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۰ کا حوالہ دے دیا ہے۔ تتمہ حقیقۃ الوحی چونکہ ۱۹۰۷ء میں لکھا جا رہا تھا اس لئے ان دونوں اقتباسوں کو تتمہ حقیقۃ الوحی کے اقتباس سمجھنے کے بعد پڑھنے والا برق صاحب کے کہنے کے مطابق پہلی عبارت میں "بہار جب دوبارہ آئے گی۔" کا تعلق ۱۹۰۸ء سے اور دوسرے اقتباس میں "بہار جب بار سوم آئے گی" کا تعلق ۱۹۰۹ء سے سمجھے گا۔ حالانکہ یہ سراسر مغالطہ ہے۔ کیونکہ یہ ہر دو اقتباس تتمہ حقیقۃ الوحی میں موجود نہیں۔ بلکہ یہ اصل کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۹ اور صفحہ ۱۰۰ کے ہیں۔ گویا تتمہ حقیقۃ الوحی کے لکھا جانے سے بہت پہلے کے ہیں۔ اس مقام پر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے الہامات کی ایک فہرست دی ہے جو حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۷۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۰۸ پر ختم ہوتی ہے۔ اس فہرست میں مختلف اوقات کے الہامات کو اکٹھا درج کر دیا گیا ہے۔ اس

کے صفحہ ۹۹ پر یہ الہام درج ہے "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" اور نیچے ترجمہ میں درج ہے "بہار جب دوبارہ آئے گی تو پھر ایک اور زلزلہ آئے گا۔" یہ الہام دراصل ۹؍ مئی ۱۹۰۵ء کا ہے۔ جو "الوصیۃ" میں جو مئی ۱۹۰۵ء کی کتاب ہے درج ہے۔

(ملاحظہ ہو تذکرہ صفحہ ۵۴۳ الہام نمبر ۸۶۳)

"الفاظ وحی کے یہ ہیں۔ "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں آیا تھا اس لئے خدا نے خبر دی کہ وہ دوسرا زلزلہ بھی بہار میں ہی آئے گا۔ اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے اس لئے اس مہینہ سے خوف کے دن شروع ہونگے اور غالباً مئی کے آخیر تک وہ دن رہیں گے۔"

(الوصیۃ صفحہ ۱۵)

اس سے ظاہر ہے کہ اس الہام کا تعلق ۱۹۰۸ء سے قرار دینا برقؔ صاحب کی سراسر بناوٹ ہے۔ جیسا کہ الوصیۃ ۱۹۰۵ء کے حوالہ سے ثابت کیا جاچکا ہے یہ الہام مئی ۱۹۰۵ء کو ہوا تھا اب اگلی بہار سے مراد ۱۹۰۶ء کی بہار تھی جس میں یہ زلزلہ مطابق پیشگوئی کے متوقع تھا۔ چنانچہ قدرت الٰہی کا کرشمہ دیکھئے کہ ۱۹۰۵ء کے کانگڑہ کے زلزلہ کے بعد عام طور پر خیال تھا کہ ہندستان میں اب یہ آفت نہیں آئیگی۔ کیونکہ جاپان کا ایک پروفیسر "اموری" جو زلازل کا محقق اور مبصر تھا زلازل کی تحقیقات کے لئے ہندستان آیا تھا اور تحقیقات کے بعد اُس نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ یہاں اب دو سال تک اور کوئی زلزلہ نہیں آئیگا (الحکم ۱۰؍ مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱ کالم ۱) لیکن ہوا یہ کہ اگلے سال ہی ۲۷؍ فروری ۱۹۰۶ء کا دن گذرنے کے بعد رات کو ڈیڑھ بجے کے قریب ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ بہت سے گھر مسمار اور بہت سی جانیں تلف ہوگئیں (دیکھو اخبار بدر ۳؍ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۲ کالم ۲، ۳) اور یہ پیشگوئی اپنے الفاظ کے مطابق اگلی بہار مین پوری ہو گئی اِس زلزلہ کے متعلق مولوی عبداللہ العمادی نے اپنے رسالہ

البیان جلد ۵ صفحہ نمبر ۳، ۱۵؍ صفر ۱۳۲۴ھ میں لکھا:-

"قادیان کے مذہبی اخبار بدر نے ہمارے پاس ایک اشتہار شائع کرنے کو بھیجا ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ اس زلزلہ کی پیشگوئی جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بہت پیشتر کر چکے تھا اور اس زمانہ میں اخباروں اور رسالوں میں وہ شائع ہو چکی تھی۔ مرزا صاحب کی فراست ایمانی کے ہم بھی قائل ہیں۔ اور انکی پیشگوئیاں صحیح بھی ہوتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ ایک طویل اشتہار شائع کرنے کی "البیان" میں گنجائش نہیں۔"

"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن" یہ الہام حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۰۰ پر درج ہے اور دراصل یہ ۵؍ مئی ۱۹۰۵ء کا الہام ہے جو اسی وقت اخبار الحکم اور بدر میں شائع ہو گیا تھا۔ اس کے ترجمہ میں حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے:-

"پھر بہار جب بار سوم آئے گی تو اس وقت اطمینان کے دن آجائیں گے اور اس وقت تک خدا کئی نشان ظاہر کرے گا۔"

پس اس الہام کو ۱۹۰۹ء سے متعلق قرار دینا برق صاحب کی صریح بناوٹ ہے اس کا تعلق صرف ۱۹۰۷ء سے ہی ہو سکتا ہے کیونکہ پہلی بہار ۱۹۰۵ء کی بہار ہے جس میں یہ الہام ہوا تھا۔ پھر دوسری بہار ۱۹۰۶ء کی ہوئی اس کے بعد ۱۹۰۷ء کی بہار میں جو تیسری بہار تھی شدید برف باری اور شدید بارشوں اور اولوں کے پڑنے سے یہ نشان پورا ہو گیا۔ پس اس کا ۱۹۰۹ء سے تعلق ظاہر کر کے برق صاحب کا یہ لکھنا:-

"وہ معمّہ تو بدستور حل طلب رہا کہ جس الہام کا تعلق تیسری بہار ۱۹۰۹ء سے تھا وہ پہلی بار کیسے پورا ہو گیا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۱۵)

درست اعتراض نہیں۔ کیونکہ ہمارے اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ اس قسم کا کوئی معمّہ در حقیقت پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہ معمّہ تو محض برق صاحب نے تاریخی

غلطیاں کرتے ہوئے گھڑا ہے۔ لہٰذا اُن کی کتاب ”حرف محرمانہ“ کہلانے کی مستحق نہیں بلکہ اس کا نام دراصل حرف مجرمانہ ہونا چاہئیے۔

۸۔ بشیر الدولہ۔عالم کباب

جناب برقؔ صاحب نے ”میاں منظور محمد کے گھر لڑکا“ کے عنوان کے ماتحت ”البشریٰ“ مرتبہ منظور الٰہی جلد دوم صفحہ ۱۱۶ سے پہلے یہ عبارت نقل کی ہے۔

”بذریعہ الہام معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد کے گھر میں محمدی بیگمؔ (زوجہ منظور محمد) کا ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے یہ نام ہوں گے بشیر الدولہ عالم کباب شادی خاں۔ کلمۃ اللہ۔“

پھر برقؔ صاحب لکھتے ہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ لڑکے کی جگہ ۱۷؍جولائی ۱۹۰۶ء کو ایک لڑکی پیدا ہو گئی۔ اس پر جناب مرزا صاحب نے لکھا۔

”وحی الٰہی ہوئی تھی کہ وہ زلزلہ جو نمونہ قیامت ہوگا جلد آنے والا ہے۔ اس کے لئے یہ نشان دیا گیا تھا کہ پیر منظور محمد لدھیانوی کی بیوی محمدی بیگم کو لڑکا پیدا ہوگا...... مگر بعد اس کے میں نے دعا کی کہ اس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے.......... خدا نے دعا قبول کر کے زلزلہ کسی اور وقت پر ڈال دیا ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ لڑکا پیدا ہونے میں بھی تاخیر ہوتی۔ چنانچہ پیر منظور محمد کے گھر میں ۱۷؍جولائی ۱۹۰۶ء کو لڑکی پیدا ہوئی۔“ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱)

یہ عبارت جسے برقؔ صاحب نے قطع وبرید کر کے لکھا ہے پیش کرنے کے بعد جناب برقؔ صاحب لکھتے ہیں۔

”یاد رکھیئے کہ لڑکا پیدا ہونے میں تاخیر ہوئی تھی پیدائش منسوخ نہیں ہوئی۔“ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۱۶)

حضرت اقدس ”۱۷؍جولائی ۱۹۰۶ء بروز سہ شنبہ لڑکی پیدا ہوئی“ کے فقرہ کے آگے

یہ تحریر فرماتے ہیں۔

"اور یہ دعا کی قبولیت کا ایک نشان ہے۔ اور نیز وحیٔ الٰہی کی سچائی کا ایک نشان ہے جو لڑکی پیدا ہونے سے قریباً چار ماہ پہلے شائع ہو چکی تھی۔ مگر یہ ضرور ہو گا کہ کم درجہ کے زلزلے آتے رہیں گے۔ اور ضرور ہے کہ زمین نمونہ قیامت زلزلہ سے رکی رہے۔ جب تک وہ موعود لڑکا پیدا ہو۔ یاد رہے یہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت کی نشانی ہے کہ لڑکی پیدا کر کے آئندہ بلا یعنی زلزلہ نمونہ قیامت کی نسبت تسلی دیدی کہ اس میں بموجب وعدہ اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی۔ ابھی تاخیر ہے۔ اور اگر ابھی لڑکا پیدا ہو جاتا تو ہر ایک زلزلہ اور ہر ایک آفت کے وقت سخت غم اور اندیشہ دامنگیر ہوتا۔ کہ شاید وہ وقت آگیا۔ اور تاخیر کا کچھ اعتبار نہ ہوتا۔ اب تو تاخیر ایک شرط کے ساتھ مشروط ہو کر معین ہو گئی۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱ حاشیہ)

۲۸ / اپریل ۱۹۰۶ء کے الہام اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی۔ نے آپ کو زلزلہ کی تاخیر کی خبر دی تھی اس کے متعلق "بدر" ۵ / اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ اور الحکم ۳۱ / مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱ میں فرماتے ہیں۔

"چھوٹے زلزلے تو آتے ہی رہتے ہیں لیکن سخت زلزلہ جو آنے والا ہے۔ اس کے وقت میں تاخیر ڈالی گئی ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ تاخیر کتنی ہے۔"

۱۹ / فروری ۱۹۰۶ء کو بشیر الدولہ کے متعلق جو الہام ہوا اس سے متعلق فرماتے ہیں۔

"دیکھا کہ منظور محمد کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے۔ تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی اور یہ معلوم ہوا "بشیر الدولہ۔" فرمایا۔ کئی آدمیوں کے واسطے دعا کی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کس کی طرف اشارہ ہے۔ ممکن ہے بشیر الدولہ کے لفظ سے یہ مراد ہو کہ ایسا لڑکا میاں منظور محمد کے پیدا ہو گا۔ جس کا پیدا ہونا موجب خوشحالی اور

دولتمندی ہو جائے۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ وہ لڑکا خود اقبال مند اور صاحب دولت ہو لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ کب اور کس وقت یہ لڑکا پیدا ہوگا۔ خدا نے کوئی وقت ظاہر نہیں فرمایا۔ ممکن ہے کہ جلد ہو یا خدا اس میں کئی برس کی تاخیر ڈال دے۔"

(بدر ۲۳؍ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱، الحکم ۲۴؍ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱)

اس سے ظاہر ہے کہ میاں منظور محمد کے گھر میں لڑکا پیدا ہونا اور ان کی زوجہ محمدی بیگم کے بطن سے اس کا پیدا ہونا محض ایک اجتہادی امر تھا۔ الہامی الفاظ میں حضرت مسیح موعودؑ کو یہ نہیں بتایا گیا کہ منظور محمد کون سا ہے۔ پس میاں منظور محمد صاحب کے متعلق یہ پیشگوئی محض حضرت اقدس کا ایک قیاس تھا۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے ایسے لڑکے کے ظہور کو زلزلہ نمونہ قیامت کے وقت تک متاخر کر دیا ہے اور اصل وقت معین نہیں کیا گیا۔ اس لئے اگر اس زلزلہ نمونہ قیامت سے خدا تعالیٰ کے نزدیک پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ ہے تو پھر یہ موعود لڑکا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ہیں۔ اور منظور محمد سے مراد خود حضرت مسیح موعود ہیں اور پیدا ہونے کی تعبیر ظہور ہے یعنی آپ کا مسند خلافت پر متمکن ہونا ہے۔ لیکن اگر اس پیشگوئی کا ظہور پانچویں زلزلہ پر موقوف ہے جس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

"پھر پانچواں زلزلہ قیامت کا نمونہ ہوگا کہ لوگوں کو سودائی اور دیوانہ کر دے گا۔ یہاں تک کہ وہ تمنا کریں گے کہ وہ اس دن سے پہلے مر جاتے۔"

(حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۴)

تو اس صورت میں بشیر الدولہ اور عالم کباب سے مراد آئندہ زلزلہ نمونہ قیامت کے وقت کسی ایسے شخص کا پیدا ہونا ہے جو جماعت احمدیہ کی شوکت اور اقبال کی علامت ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

حضرت اقدس کی پیشگوئیاں بے شک آپ کا صدق و کذب جانچنے کا معیار

ہیں مگر جب الہام الٰہی نے اس پیشگوئی کے ظہور کو زلزلہ نمونہ قیامت سے وابستہ کر دیا ہے اور تاخیر کے زمانہ کی کوئی تعیین نہیں کی اور صرف اتنا بتایا ہے کہ یہ زلزلہ آپ کی زندگی میں نہیں آئے گا۔ تو اس الہامی وضاحت کی وجہ سے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں اس کے عدم ظہور کو آپ کے خلاف بصورت اعتراض پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ سب پیشگوئیوں کا مامور کی زندگی میں ہی پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اور اس زلزلہ کے متعلق تو حضرت مسیح موعود کی دُعا تھی کہ مجھے نہ دکھایا جائے اور خدا تعالیٰ نے اس میں تاخیر ڈال دی تھی۔

۹- کنواری اور بیوہ

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر یہ الہام نازل ہوا تھا "بِکرٌ وَثَیِّبٌ" آپ نے اجتہاداً اس کا یہ مفہوم قرار دیا :-

"خدا کا ارادہ ہے کہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا ایک بِکر (کنواری) ہوگی دوسری بیوہ۔ چنانچہ یہ الہام جو بِکر کے متعلق تھا پورا ہو گیا۔ اور اس وقت بفضلہٖ چار پسر اس بیوی سے ہیں۔ اور بیوہ کے الہام کا انتظار ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۳۴)

مگر ۱۶ر فروری ۱۹۰۶ء کو آپ پر الہام نازل ہوا۔ "تُکْفِیْكَ هٰذِهِ الْاِمْرَأَةُ۔ کہ تیرے لئے یہی عورت (جو تیرے نکاح میں ہے) کافی ہے۔ اس الہام نے بتا دیا کہ اب اور کوئی عورت آپ کے نکاح میں نہیں آئے گی۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ صفحہ ۸۳)

اس الہام کی روشنی میں الہام "بِکرٌ وَثَیِّبٌ" کی خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی تشریح مراد ہو سکتی ہے جسے بابو منظور الٰہی کی کتاب مجموعہ الہامات صفحہ ۳۸ سے برق صاحب نے ذیل کے الفاظ میں درج کیا ہے کہ :-

"یہ الہام اپنے دونوں پہلوؤں سے حضرت ام المومنین (نصرت جہان بیگم صاحبہ) کی ذات میں پورا ہوا جو بکر آئیں اور ثیب (بیوہ) رہ گئیں۔"

اب اس تشریح کے متعلق برق صاحب کا یہ اعتراض درست نہیں کہ ملہم سے زیادہ کوئی الہام کے معنے نہیں سمجھ سکتا اور نہ کسی کا حق ہے جو اس کے مخالف کہے۔ کیونکہ ملہم پر خود الہامی طور پر واضح کر دیا گیا تھا کہ اب کوئی اور عورت آپ کے نکاح میں نہیں آئے گی۔ فتدبّر

۱۰- بعض بابرکت عورتیں

اس عنوان کے تحت جناب برق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عبارت پیش کی ہے :-

"اس عاجز نے ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء کے ایک اشتہار میں یہ پیشگوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد تیرے نکاح میں آئیں گی۔ اور اُن سے اولاد پیدا ہو گی۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۸۹)

اس پر برق صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ نصرت جہان بیگم صاحبہ کے بعد کسی اور عورت سے آپ کا نکاح نہیں ہوا۔

الجواب

تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۸۹ کے الفاظ پیشگوئی کے متعلق اجتہادی ہیں نہ کہ الہامی۔ الہامی الفاظ ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء کی اس پیشگوئی کے یوں ہیں :-

"اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہو گی۔"

ان الہامی الفاظ میں یہ ہرگز نہیں بتایا گیا کہ بعض خواتین مبارکہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ نکاح کے متعلق اجتہاد کو اللہ تعالیٰ نے الہام تَكْفِيكَ هٰذِهِ الْمَرْأَةَ

سے ردّ فرمادیا ہے۔ پس یہ خواتین مبارکہ از روئے واقعات اور اس تازہ الہام کی روشنی میں وہ خواتین ہیں جو آپ کی اولاد کے نکاح میں آئیں۔ اور آپ کی زندگی میں آپ کے گھر میں آئیں۔ جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل کو بڑھایا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

برقؔ صاحب کا بعض پیشگویوں کے پورا ہونے کا اعتراف

پیشگویوں پر بحث ختم کرتے ہوئے برقؔ صاحب لکھتے ہیں :-

"آپ کی بعض پیشگوئیاں پوری بھی ہوئیں۔ جن میں سے اہم لیکھرام اور احمد بیگ کی وفات میعاد معیّنہ میں ہے۔ بعض مناظرین نے انہیں بھی جھٹلانے کی کوشش کی لیکن ان کے دلائل اطمینان بخش نہیں۔ اور ہمیں ان سے اتفاق نہیں۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۲۰)

جناب برق صاحب کا شکریہ کہ انہوں نے دو پیشگوئیوں کی تصدیق کی ہے۔ مگر جن پیشگویوں پر خود انہوں نے اعتراض کیا ہے ہمیں ان کے پیشکردہ دلائل سے اتفاق نہیں جیسا کہ قبل ازیں ہم انکے دلائل کی کمزوری اور انکے متعلق حوالہ جات کے پیش کرنے میں بے جا تصرف اور بناوٹ واضح کر چکے ہیں۔

افسوس ہے جناب برق صاحب نے لیکھرام اور احمد بیگ کی پیشگویوں کی تصدیق کرنے کے باوجود ان سے کوئی حقیقی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ انکی تصدیق کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ :-

"صرف پیشگوئی دلیل نبوت نہیں بن سکتی۔ جناب مرزا صاحب نے نعمت اللہ کی پیشگوئی کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔ نیز عبدالحکیم کی پیشگوئی آپ کی وفات کے متعلق

پوری ہوئی ہے اور یورپ کے مشہور منجم شیرو کی تو تمام پیشگوئیاں پوری نکلیں (ملاخطہ ہو اس کی مشہور کتاب ''بشارات عالم'') لیکن ان میں سے کوئی بھی نبی نہیں تھا۔

برق صاحب! یہ بات درست نہیں کہ پیشگوئی دلیل نبوت نہیں بن سکتی کیونکہ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلاَّ مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ۔
(الجنّ : ۲۷)

یعنی خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ اور وہ اپنے خاص عیب پر کسی شخص کو کثرت سے اطلاع نہیں دیتا بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ یعنی رسول ہو۔ پس قرآن مجید تو ایسی پیشگوئیوں کو رسول کی صداقت کی دلیل قرار دیتا ہے۔ مگر برق صاحب منجموں کی پیشگویوں سے خدا تعالیٰ کی اس بات کو ردّ کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اسی قرآن دانی پر انہیں فخر ہے؟

جناب برق صاحب! منجموں کی پیشگوئیوں اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں میں اگر کوئی امتیاز نہیں تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کو قرآن مجید میں بار بار کیوں دلیل صداقت قرار دیا ہے۔ کیا آپ رسول کریم ﷺ کی پیشگوئیوں کو بھی جو قرآن مجید میں مذکور ہیں آپ کی نبوت کی دلیل نہیں سمجھتے؟ مثلاً یہ پیشگوئی

لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ (بنی اسرائیل : ۸۹)

یعنی اگر جنّ وانس تمام جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کی مثل لائیں۔ تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے۔ خواہ بعض ان کے بعض کے مددگار ہوں۔

بتایئے! یہ متحدّیانہ پیشگوئی اور اس کے مقابل مخالفین اسلام کا عجز آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے یا نہیں؟ کیا اس سے ظاہر نہیں کہ جن

پیشگوئیوں کے ساتھ تحدی ہو اور وہ مدعیٔ الہام کی طرف سے پیش کی جائیں وہ اس ملہم من اللہ کے خدا کا مقرب ہونے کی دلیل ہوتی ہیں؟

ماموریں کی پیشگوئیاں نجومیوں کی طرح نہیں ہوتیں۔ نجومیوں کی پیشگوئیوں میں نہ تحدّی ہوتی ہے اور نہ وہ انہیں اپنے مقرب الی اللہ ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور نہ وہ انہیں الہامی طور پر خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن ماموریں خدا کے الہامی الفاظ کے ماتحت پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض متحدّیانہ بھی ہوتی ہیں اور متقوّل علی اللہ یعنی جھوٹے الہام گھڑنے والے کے متعلق خدا تعالیٰ نے اخذ بالیمین اور قطع وتین کی سزائیں مقرر کر رکھی ہیں۔ پس مفتری علی اللہ کی خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت نہیں کی جاتی۔ بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔

آپ کی وفات سے متعلق ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی پر ہم مفصل بحث قبل ازیں کر چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ڈاکٹر عبدالحکیم کو اس پیشگوئی میں جھوٹا کیا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کی وفات اس کی آخری پیشگوئی کے مطابق نہیں ہوئی۔ اور اس سے پہلی پیشگوئیاں وہ خود منسوخ کر چکا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات آپ کی اپنی پیشگوئیوں مندرجہ "الوصیة" کے مطابق ہوئی۔ اور ڈاکٹر عبدالحکیم آپ کی پیشگوئی کے مطابق مرض مہلک یعنی سل سے ہلاک ہوا ہے۔ ان فی ذٰلِکَ لعبرة لاولی الابصار۔ (آل عمران: ۱۴)

☆☆☆

باب نہم

الہامات پر اعتراضات کے جوابات

برق صاحب نے اپنی کتاب کے نویں باب میں الہامات کے عنوان کے تحت آریہ دھرم صفحہ ۸ سے اول یہ عبارت نقل کی ہے :-

"یہی (عربی) ایک پاک زبان ہے جو پاک اور کامل علوم عالیہ کا ذخیرہ اپنے مفردات میں رکھتی ہے۔اور دوسری زبانیں ایک کثافت اور تاریکی کے گڑھے میں پڑی ہوئی ہیں۔ اس لئے وہ اس قابل ہرگز نہیں ہو سکتیں کہ خدا تعالیٰ کا کامل اور محیط کلام ان میں نازل ہو۔"

اس کی بناء پر برق صاحب نے سوال کیا ہے :-

سوال اول

پھر یہ کیا بات ہے کہ اسی خدا نے دیگر تاریک و کثیف زبانوں میں بھی سینکڑوں الہامات آپ پر نازل کئے...... سمجھ میں نہ آیا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسی مجبوری پیش آئی تھی کہ اس نے کامل اور پاک زبان چھوڑ کر تاریک و کثیف زبانوں میں بھی بولنا شروع کر دیا۔ اگر حقیقۃً باقی تمام زبانیں تاریک و کثیف تھیں تو پھر آپ نے پوری بہتر کتابیں کثیف اردو میں کیوں لکھیں۔ ہزارہا اشعار کثیف فارسی میں کیوں تصنیف فرمائے اور زندگی بھر پنجابی جیسی تاریک زبان کیوں بولتے رہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۲۲ و صفحہ ۳۲۳)

الجواب

آریہ دھرم کی عبارت کا مطلب صرف اتنا تھا کہ خدا تعالیٰ کا کامل اور محیط

کلام یعنی قرآن شریف عربی زبان میں ہی نازل ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ زبان دوسری زبانوں کی نسبت سے اپنے مفردات میں پاک اور کامل علوم عالیہ کا ذخیرہ رکھتی ہے۔ اس عبارت کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ خدا دوسری زبانوں میں کلام نہیں کرتا۔ یہ بات تو ایک معمولی پڑھا لکھا مسلمان بھی جانتا ہے کہ انجیل، توراۃ، زبور اور دیگر صحف انبیاء عربی میں نازل نہیں ہوتے تھے۔ خدا جس طرح پہلے زمانوں میں عربی کے علاوہ انبیاء سے دوسری زبانوں میں کلام کرتا رہا ہے اور اب بھی دوسری زبانوں میں کلام کرتا ہے۔ اس کے متعلق کسی مجبوری کا لفظ تو کسی مسلمان کی زبان پر نہیں آنا چاہیئے۔ البتہ مصلحت کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے آخر عربی زبان کے علاوہ کسی مصلحت کے ماتحت خدا تعالیٰ نے دوسری زبانوں میں حضرت مرزا صاحب پر الہامات نازل کئے ہیں۔ نیک نیتی سے غور کرنے پر اس کی مصلحت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ واضح ہو کہ ہمارے زمانہ میں بعض ایسی قومیں موجود ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ الہام لفظاً نازل نہیں ہوتا بلکہ خدا کی طرف سے ملہم کے دل میں ایک خیال ڈالا جاتا ہے۔ جسے وہ اپنی زبان میں بیان کر دیتا ہے۔ عیسائی اور برہمو سماجی اسی قسم کے الہام کے قائل ہیں۔ اور مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو رہے تھے۔ چنانچہ سر سید مرحوم کا بھی ایسا ہی خیال تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب پر بعض ایسی زبانوں میں بھی الہامات نازل کئے جنہیں آپ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ تا ثابت ہو کہ خدا تعالیٰ کا الہام الفاظ میں بھی نازل ہوتا رہا ہے۔ اور قرآن شریف کا الہام اسی نوعیت کا ہے۔ ایسا نہیں کہ خدا تعالیٰ کا مطلب آنحضرت ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہو۔ پھر مختلف زبانوں میں الہام اس لئے بھی ہوا کہ خدا تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ ہر قوم اس سے تعلق پیدا کر کے اپنی زبان میں اس کے لذیذ کلام کو سن سکتی ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ عربی زبان دوسری زبانوں کی نسبت زیادہ لطیف ہے اور دوسری زبانیں اسکی نسبت زیادہ کثیف ہیں۔ لیکن ہر شخص اپنی

زبان میں جس طرح دوسرے کے خیالات کو سمجھ سکتا ہے۔ غیر زبان میں جس میں وہ کامل مہارت نہ رکھتا ہو دوسرے کے خیالات کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ چونکہ ہمارے ملک کی علمی زبان اردو تھی اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے اکثر کتابیں اردو میں لکھیں۔ چونکہ فارسی زبان بھی ہمارے ملک میں پڑھی جاتی تھی اور اسلامی لٹریچر فارسی میں بھی بہت سا موجود تھا اور ہمارے ملک والوں کو اس سے دلچسپی بھی تھی اس لئے آپ نے فارسی منظوم کلام بھی کہا اور اپنی بعض عربی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں بھی کرایا۔ تا کہ جو عربی دان نہیں وہ فارسی زبان میں اس کا مفہوم سمجھ سکیں۔ اور نیز وہ کتابیں ایران وغیرہ میں بھی کام دے سکیں۔ جہاں فارسی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ پنجابی زبان گو کوئی علمی زبان نہیں تاہم یہ حضرت مسیح موعود کی مادری زبان تھی۔ اسلئے اہل پنجاب کے لئے مادری زبان میں بھی آپ پر بعض الہامات ہوئے۔ اردو زبان چونکہ ہماری ملکی اور مشترک زبان تھی اس لئے آپ نے اکثر کتابیں اسی زبان میں تالیف فرمائیں۔ زبانوں کا اختلاف بھی خدا کا ایک نشان ہے اور کوئی زبان اپنی ذات میں بری نہیں۔ زبانیں باہمی تقابل میں ایک دوسرے پر فوقیت رکھتی ہیں۔ پس برق صاحب کے یہ اعتراضات بالکل بے حقیقت ہیں۔

سوال دوم الف :- قرآنی آیات دوبارہ کیوں اتاریں۔ کیا یہ قرآن شریف سے غائب ہو چکی تھیں۔ یا اللہ کے پاس عربی الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا؟

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۲۳)

الجواب : یہ اعتراض بھی لغو ہے کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی آنحضرت ﷺ سے روحانی مناسبت ثابت کرنے کے لئے آپ پر بعض قرآنی آیات کا دوبارہ نزول ہوا ہے۔ حضرت مرزا صاحب سے پہلے بھی بعض اولیاء اللہ پر آیات قرآنیہ نازل ہوتی رہی ہیں۔

اور حضرت محی الدین ابن عربی اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں قرآن کا ذوق دینا چاہتا تھا۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷)

سوال سوم الف :- هُوَ الَّذِیُ اَرُسَلَ رَسُوُلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیُنِ الْحَقِّ وَتَهْذِیبِ الْاَخلَاقِ۔ نقل کر کے لکھتے ہیں :-

یہ تہذیب الاخلاق کا جوڑ کس قدر غیر قرآنی و اجنبی ہے ؟

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۲۳)

الجواب : برق صاحب ! تہذیب الاخلاق کا لفظ اجنبی اور غیر قرآنی آپ کو صرف اس لئے نظر آرہا ہے کہ قرآنی آیت میں یہ لفظ موجود نہیں ورنہ یہ لفظ عربی ہے اور اس میں کوئی امر خلاف فصاحت نہیں اور نہ ہی اس فقرہ میں کوئی بات قواعد عربیہ اور فصاحت کے خلاف ہے۔ ب :- الہام اَنْتَ مِنّی بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیُ کے متعلق برق صاحب لکھتے ہیں :-

ا :- یہ منزلۃ کا استعمال خالص پنجابی قسم کا ہے۔ ب :- اللہ کی کوئی اولاد نہیں جب مشبہ بہ ہی مفقود ہے تو پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہوئی۔"

الجواب : "مَنْزِلَة" کا استعمال اس الہام میں خالص عربی ہے۔ اور برق صاحب کا اس کے استعمال کو پنجابی قسم کا قرار دینا خود عربی محاورات سے ناواقفی کا ثبوت ہے یہ لفظ عربی زبان میں محل نزول یعنی گھر کے علاوہ رتبہ کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں :- "لَهٗ عِنْدَ الْاَ مِیرِ مَنْزِلَةٌ" کہ اسے امیر کے پاس مرتبہ حاصل ہے" یا کہتے ہیں هُوَ رَفِیُعُ الْمَنزِ لَةِ" کہ وہ اونچے مرتبے والا ہے۔" (ملاحظہ ہو المنجد)

پھر مشہور حدیث نبوی میں ہے :- اَلَا تر ضٰی یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوُنَ مِنْ مُوسیٰ۔"" یعنی اے علی کیا تو اس بات میں راضی نہیں کہ تو مجھ سے ایسے

مرتبہ پر ہے جو ہارونؑ کا موسیٰؑ سے تھا۔" (دیلمی باب الیاء صفحہ ۲۱۴)

ایک دوسری حدیث میں ہے :-"یا عَلِیُّ اَنْتَ بِمَنْزِ لَةِ الْکَعْبَةِ۔" "یعنی اے علی تو بمنزلہ کعبہ کے ہے۔" (دیلمی باب الیاء صفحہ ۲۱۴)

حضرت جنیدؒ حضرت ابو یزیدؒ کی شان میں فرماتے ہیں :-اَبُوْ یَزِیْدِ مِنَّابِمَنْزِلَةِ جِبْرِیْلَ مِنَ الْملائِکَةِ۔" "یعنی ابو یزید ہم صوفیا میں اس مرتبہ پر ہیں جو جبرائیل کو ملائکہ کی نسبت سے ہے"

دیکھئے مَنْزِلَة کا استعمال خالص عربی ثابت ہوا

ب :-الہام زیر بحث کا ترجمہ یہ ہے کہ :-"تو میری طرف سے میرے بیٹے کے مرتبہ پر ہے۔"اور مراد یہ ہے کہ تو حضرت عیسیٰؑ کے مرتبہ پر ہے اور ان کا مثیل ہے جنہیں عیسائی میرا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

الہام اَنْتَ مِنِی بِمَنْزِلَةِ وَلَدِ یْ میں ولد کی اضافت یائے متکلم کی طرف یا تو اضافت بادنیٰ ملابست سے یا اضافت مجاز ہے۔ قرآن کریم میں ایسی اضافت بادنیٰ ملابست کی مثال " اَیْنَ شُرَکَائِی " میں شرکاء کی یائے متکلم کی طرف اضافت ہے۔ اس جگہ شرکاء سے مراد مشرکین کے وہ معبود ہیں جنہیں وہ اپنے زعم میں بعض خدائی صفات میں شریک سمجھتے تھے۔ پس اس جگہ شرکاء کی اضافت یائے متکلم کی طرف مشرکین کے زعم باطل کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ حالانکہ خدا کا حقیقت میں کوئی شریک نہیں اسی طرح الہام اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِ یْ میں ولد کی یائے متکلم کی طرف اضافت عیسائیوں کے مزعوم ولد اللہ کے لحاظ سے ہوگی جو حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں خدا کی کوئی اولاد نہیں۔ اس صورت میں مراد اس الہام سے یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو میری طرف سے حضرت عیسیٰؑ کے مرتبہ پر ہے جنہیں عیسائی ولد اللہ خیال کرتے ہیں (گو حقیقت میں خدا کا کوئی بیٹا نہیں) اگر اس جگہ اضافت مجاز قرار دی

جائے تو اس کی مثال مولانا روم کا اولیاء اللہ کو استعارہ کے طور پر "اطفال اللہ" قرار دینا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

"اولیاء اطفال حق اند اے پسر" (مثنوی مولانا روم)

"یعنی اے فرزند اولیاء خدا کے بیٹے ہیں" (مستعار طور پر نہ کہ حقیقی طور پر)

حضرت اقدس کے ایک دوسرے الہام اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِیْ میں اولادی کا لفظ مجازی معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ واضح ہو کہ مجاز میں اس جگہ تشبیہ کا علاقہ ہے اور اس جگہ خدا کا کوئی حقیقی بیٹا موجود نہیں جو مشبہ بہ ہو۔ حالانکہ اطفال اللہ کا مشبہ بہ ضرور کوئی ہے۔ یہ مشبہ بہ انسان کے اطفال ہیں۔ جن کے ساتھ اولیاء اللہ کو اطفال حق کہہ کر تشبیہ دی گئی ہے۔ اور مراد اس تشبیہ سے یہ ہے کہ جس طرح باپ اپنے اطفال سے محبت رکھتا ہے اور ان کی تربیت اور حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح خدا اولیاء اللہ سے محبت رکھتا ہے اور ان کی خاص تربیت اور نگرانی کرتا ہے پس اگر الہام اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ میں اضافت مجاز قرار دی جائے تو وَلَدِیْ سے مراد مجازی ولد ہوگا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں مجازی طور پر بہ محاورۂ بائبل انجیل میں خدا کا فرزند قرار دیا گیا ہے۔ (برق صاحب اناجیل میں اپنی کتاب "دو اسلام" کے مطابق کسی تحریف کے قائل نہیں) اور الہام کے معنی یہ ہوں گے کہ تو میری طرف سے میرے مجازی فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتبہ پر ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہو کر امت محمدیہ کا مسیح موعود ہے۔ یاد رہے کہ دونوں صورتوں کی اضافت میں مشبہ بہ کے لئے خدا کا حقیقی فرزند ہونا ضروری نہیں جس سے ولدی کا استعارہ کیا گیا ہو بلکہ مشبہ بہ دونوں صورتوں میں انسان کا حقیقی بیٹا ہے۔ یہی حال اس حدیث کا ہے جس میں اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ کے الفاظ وارد ہیں۔ (مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق) اس حدیث میں مخلوق کو استعارہ کے طور پر عیال اللہ کہا گیا ہے۔ اور چونکہ خدا کی کوئی حقیقی

عیال موجود نہیں جو مشبہ بہ ہو سکے اس لئے انسان کی عیال مشبہ بہ ہے اور مراد اس جگہ عیال اللہ میں تشبیہ سے یہ ہے کہ جس طرح باپ اپنے عیال کا نگران اور مربی ہوتا ہے اور ان سے شفقت کا سلوک کرتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کا مربی اور نگران ہے اور ان کے لئے باپ کی طرح شفیق۔ پس مشبہ بہ الہام اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ کا مفقود نہیں۔ فتدبّر۔

سوال سوم

ج :۔ برق صاحب اس کے بعد الہام "یَامَرْیَمُ اُسْکُنْ" پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مریم مونث ہے اس کے لئے اُسْکُنِیْ چاہیئے تھا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۲۵)

الجواب

الہام میں مریم کا لفظ مذکر کے لئے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے اس لئے "اسکن" مذکر کا استعمال ہی ضروری تھا سورہ تحریم میں اعلیٰ درجہ کے مومنوں کو حضرت مریم صدیقہ سے ہی تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ فرمایا "وَضَرَبَ اللّٰہُ مثلاً لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا .... وَمَرْیَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ۔" کہ خدا نے مومنوں کی مثال عمران کی بیٹی مریم سے دی ہے۔ اس الہام میں اُسْکُنْ مذکر کے استعمال کے متعلق خود حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں :۔

"عبارت کا سیاق دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مریم سے ام عیسیٰ مراد نہیں اور نہ آدم سے آدم اب البشر ...... یہی عاجز مراد ہے۔ اب اس جگہ مریم کے لفظ سے کوئی مونث مراد نہیں۔ بلکہ مذکر مراد ہے۔ تو قاعدہ یہی ہے کہ اس کے لئے صیغہ مذکر ہی لایا جائے یعنی یامریم اسکن کہا جائے نہ کہ یَا مَرْیَمُ اسْکُنِیْ۔ ہاں اگر مریم کے لفظ سے کوئی مونث مراد ہوتی تو پھر اس جگہ اُسْکُنِیْ آتا۔ لیکن اس جگہ تو صریح مریم

مذکر کا نام رکھا گیا ہے اس لئے بر عائت مذکر مذکر کا صیغہ آیا۔ اور یہی قاعدہ ہے جو نحویوں اور صرفیوں میں مسلّم ہے۔ کسی کو اس میں اختلاف نہیں۔"

(مکتوبات احمدیہ جلد ا صفحہ ۸۳۔ ۸۲ خط بنام میر عباس علی صاحب)

پس برق صاحب نے ان الفاظ پر تمسخر کا جو طریق اپنی کتاب میں اختیار کیا ہے جسے ہم نے نقل نہیں کیا وہ ان کی شان کے مناسب نہیں تھا۔

سوال چہارم

میں برق صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"سارے قرآن کو الحمد سے والناس تک پڑھ جایئے حضورؐ نے کہیں بھی اپنی رسالت کے ثبوت میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اور نہ ہی کوئی تحدّی کی۔ اگر کہا تو صرف اتنا ہی کہ میں ولادت سے تمہارے درمیان رہا ہوں میری زندگی پر نظر ڈالو یا یہ کہ اگر اس قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک ہے تو ایک ہی سورۃ بنا لاؤ۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۲۵ و صفحہ ۳۲۶)

الجواب

معلوم ہوتا ہے کہ جناب برق صاحب صحیح احادیث نبویہ میں آنحضرت ﷺ کے مذکورہ معجزات کے قائل نہیں (کیونکہ وہ حدیثوں کے منکر ہیں اور صرف اپنے مطلب کی حدیثیں مانتے ہیں) نیز معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کو اعجازی کلام نہیں سمجھتے تبھی تو انہوں نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے کہیں بھی اپنی رسالت کے ثبوت میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ قرآن شریف کے معجزہ ہونے کو بڑی تحدّی کے ساتھ مخالفین اسلام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اس کی مثل لانے کا چیلنج دے رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا تحدّی اور معجزہ ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل: ۸۹)

یعنی کہہ دو کہ اگر تمام انس وجن جمع ہو کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے۔ خواہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

اور پھر یہ بھی فرماتا ہے:- فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔ (ہود: ۱۴)

یعنی اگر وہ اس چیلنج کا جواب نہ لائیں تو تم جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوا ہے۔

مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ اگر اس چیلنج کے مقابلہ میں مخالفین اسلام قرآن کی مثل لانے سے عاجز آجائیں تو یہ امر اس بات کی دلیل ہوگا کہ یہ اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ سچے نبی ہیں۔ معجزہ نبی سے ایسے امر کے صدور کو ہی کہتے ہیں جس کے صادر کرنے پر مخالفین نبی کے مقابلہ میں قادر نہ ہو سکیں۔

پس خود قرآن کریم بھی آنحضرت ﷺ کا ایک معجزہ ہے اور متحدیانہ معجزہ ہے۔ اور قیامت تک کے لئے معجزہ ہے۔ لہٰذا برق صاحب کا یہ بیان غلط ثابت ہوا کہ ”حضورؐ نے کہیں بھی اپنی رسالت کے ثبوت میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا اور نہ ہی کوئی تحدّی کی۔“ وَکَاَیِّنْ مِّنْ آیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۔ (یوسف: ۱۰۶)

سوال پنجم

جناب برق صاحب لکھتے ہیں:-

”مرزا صاحب کے الہامات میں جو بیس اجزاء پر مشتمل ہیں حیات انسانی کا کوئی لائحہ عمل نہیں ملتا۔ ان میں نہ صوم صلوٰۃ کا ذکر ہے نہ حج وزکوٰۃ کا نہ مسائل نکاح وطلاق کا نہ وراثت ارضی نہ تمکن فی الارض کا نہ جہاد وصدقات کا نہ حلال وحرام کا

الاماشاءاللہ ان میں ہے کیا ستر فیصدی مسیح موعود کی تعریف کہ تو میرا بیٹا ہے۔

تیری نسل تجھ سے شروع ہو گی.......... اور باقی بشارات وغیرہ۔ تاریخ انسانی کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ اللہ نے رسول بھیج کر الہام کی ساری مشینری اس کے اوصاف تراشنے پہ لگا دی اور مخلوق کو وہ بالکل بھول گیا۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۲۷ و صفحہ ۳۲۸)

الجواب

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ آپ تشریعی نبی ہیں تو صوم الصلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، نکاح، طلاق اور حلال و حرام کے متعلق کوئی نئی شریعت آپ پر کس طرح نازل ہو سکتی تھی۔ بے شک آپ کے الہامات میں آپ کی تعریف بھی ہے مگر ان میں بہت سی بشارات ہیں وہ سب مخلوق کے فائدہ کے لئے ہیں بشرطیکہ کوئی ان کی طرف سے آنکھیں بند نہ کرلے۔

بشارتیں کوئی معمولی چیز نہیں ہوتیں کیونکہ وہ پوری ہونے پر خدا کی ہستی پر زندہ یقین پیدا کرتی ہیں اور اسبات کا بھی یقین دلاتی ہیں کہ اب اسلام کے دوبارہ غالب آنے کا وقت آ گیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے۔ اور تبلیغ اسلام کے ذریعہ دنیا کو مسلمان بنالینا چاہیئے۔

اصل بات یہ ہے کہ جناب برق صاحب کے نزدیک نبوتِ غیر تشریعی ہوتی ہی نہیں حالانکہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں :-

لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ۔

کہ اب نبوت میں سے مبشرات کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا

نمبر۱ :- "تو میرا بیٹا ہے"۔ ہرگز حضرت مسیح موعودؑ کا الہام نہیں۔ بلکہ یہ برق صاحب کا حضرت مرزا صاحب پر افتراء ہے۔

دعویٰ مبشرات والی نبوت پانے کا ہی ہے نہ کہ اس نبوت کا جو باقی نہیں رہی۔

سوالِ ششم

نمبرا :-برق صاحب ایک الہام نقل کرتے ہیں :-

"آسمان سے بہت سا دود اترا ہے محفوظ رکھ۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۲)

اور نیچے لکھتے ہیں :-

دود = دھواں

"اردو کے سادہ سے جملے میں فارسی کا یہ بھاری بھر کم لفظ گویا صحن چمن میں بھینسا باندھ دیا گیا ہے۔ اور زیادہ عجیب یہ کہ دھواں ہمیشہ آسمان کی طرف جاتا ہے اور یہاں آنے کی خبر دی گئی ہے۔ اسے محفوظ رکھ۔ کیا مطلب ؟"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۲۹)

الجواب

برق صاحب کی صحن چمن میں بھینسا باندھنے کی محاورہ آفرینی و محاورہ بندی کا اصل الہام کے الفاظ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیونکہ اصل الہام یوں ہے :-

"آسمان سے بہت سا دودھ اترا ہے محفوظ رکھو۔"

اور نیچے اس کا مفہوم یہ لکھا ہے :-

"آسمان سے بہت سا دودھ اترا ہے یعنی معارف و حقائق کا دودھ۔"

پس الہام اور اس کی تشریح دونوں میں "دودھ" کا لفظ لکھا ہوا موجود ہے جس کے معنے فارسی میں شِیر ہیں۔ نہ کہ "دود" کا لفظ جس کے معنی اردو میں دھواں ہوتے ہیں جب الہام میں دود (فارسی لفظ بمعنی دھواں) موجود ہی نہیں بلکہ اردو کا لفظ دودھ ہے۔ تو "دودھ" کے لفظ کو "دود" بنا کر صحن چمن میں بھینسا تو خود برق صاحب نے باندھا ہے۔

اور الزام حضرت اقدس پر ایسا کرنے کا لگاتے ہیں۔

اس الہام میں آسمانی علوم کو تشبیہ دے کر دودھ سے استعارہ کیا گیا ہے۔ اور حقائق و معارف کے لئے "دودھ" سے بڑھ کر کوئی اچھا مشبہ بہ نہیں ہے۔ معراج میں آنحضرت ﷺ کو دودھ اور پانی پیش کیا گیا۔ اور آپ نے دودھ اختیار کیا۔ جس پر فرشتہ نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔ اگر پانی کو اختیار کرتے تو آپ کی ساری امت تباہ ہو جاتی۔ پس دودھ سے مراد وہ معرفت و علم ہے جس سے فطرت انسانی کی تربیت ہوتی ہے۔

جناب برق صاحب نے اپنی کتاب کے خاتمہ میں صفحہ ۳۳۲ پر لکھا ہے :-

"ہمارا آغاز سے ارادہ تھا کہ ہم اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالیں۔ کہیں تحریف نہ کریں کسی عبارت کو مصنف کی منشاء کے خلاف مسخ نہ کریں۔ اور کوئی دلآزار لفظ ساری کتاب میں داخل نہ ہونے دیں۔ الحمد للہ کہ ہم ان ارادوں میں کامیاب رہے ہیں۔"

ہم ان کی خود سرائی کے متعلق کیا کہیں :-

"قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔"

برق صاحب کیا "دودھ" کو "دود" بنا دینا حضرت اقدس کے واضح منشاء کے خلاف نہیں۔ حضرت اقدس نے تو اسے حقائق و معارف کا "دودھ" قرار دیا ہے۔ اب بتایئے "دودھ" کو "دود" لکھ کر دھواں قرار دینا منشائے متکلم کو مسخ کرنا ہے یا نہیں؟ انصاف۔ انصاف۔ انصاف۔

جناب برق صاحب آپ الحمدِللہِ کس بات پر کہتے ہیں استغفراللہ کہیے تا خدا آپ کا یہ گناہ معاف کرے۔

نمبر ۲ :- "بہت سے سلام میرے تیرے پر ہوں۔" اس پر اعتراض کیا ہے۔

"فقرے کی موجودہ بناوٹ کافی مضحکہ خیز ہے۔ "بہت سے" "یہاں" "سے" کا کونسا موقعہ ہے۔ "میرے سلام" کی جگہ "سلام میرے" کیوں؟ تقدیم مضاف الیہ کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ "تجھ پہ" کی جگہ "تیرے پر" مہمل ہے۔ "تیرا" ضمیر اضافت ہے۔ اس کے ساتھ مضاف الیہ کا ہونا ضروری ہے۔"

الجواب

یہ الہام خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے پسندیدہ اسلوب میں نازل فرمایا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اہل پنجاب کے اسلوب کے مطابق "تجھ پر" کی بجائے "تیرے پر" اور "مجھ پر" کی بجائے "میرے پر" کے الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ اور ان کا استعمال بحذف مضاف کرتے تھے۔ یعنی "تیرے وجود پر" اور "میرے وجود پر" چونکہ آپ کو اردو زبان میں ان الفاظ کا استعمال پسند تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے آپ سے محبت کے اظہار کے لئے آپ کے اسی پسندیدہ اسلوب پر زیر بحث الہام نازل فرمایا۔

چونکہ اردو زبان کئی زبانوں کے الفاظ سے وجود میں آئی ہے اور اس میں پنجابی کے الفاظ سب سے زیادہ استعمال ہوئے ہیں اس لئے اس میں پنجابی اسلوبِ کلام کے استعمال کو ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ خصوصاً اہل پنجاب کے لئے۔

"بہت" کے لفظ کے ساتھ "سے" کا استعمال اس جگہ فصیح ہے کیونکہ اس جگہ "سلام" کی کیفیت معنوی کے ساتھ اس کی کمیت پر کثرت بھی مراد ہے اسی لئے اس کے نیچے اس کے ترجمہ میں "بکثرت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے پھر لفظ "سلام" اس جگہ مضاف نہیں بلکہ "میرے" مضاف الیہ کا مضاف اس جگہ محذوف ہے جو لفظ سلام ہے اور اس سے پہلے "بہت سے سلام" کے الفاظ اس کے لئے قرینہ ہیں پس مضاف کو مضاف الیہ سے پہلے لانے کا اعتراض ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

"تیرے پر" میں تیرے کے بعد اس کا مضاف لفظ "وجود" محذوف ہے یعنی

مراد ہے "تیرے وجود پر"۔ لہذا "تجھ پر" کی جگہ "تیرے پر" مہمل یعنی بے معنی نہ ہوا۔

رہا برق صاحب کا اس الہامی فقرہ کو مضحکہ خیز قرار دینا سو یہ امر ان کی طرف سے کوئی عجیب بات نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے کلام پر ہنسی اڑانا ہمیشہ سے منکرین کا شیوہ رہا ہے۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَا حَسرَۃً عَلَی العِبَادِ مَا یَأْتِیھِم مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا کَانُوا بِہٖ یَستَھزِءُونَ
(یٰسٓ:۳۱)

☆☆☆

انگریزی زبان کے الہامات

برق صاحب نے "الہامات غلط زبان میں" کے عنوان کے تحت حضرت مسیح موعودؑ کے چھ الہامات درج کئے ہیں۔ جو انگریزی زبان میں ہوئے۔ اور یہ نہیں بتایا کہ ان کے نزدیک ان الہامات میں کیا غلطی ہے۔ البتہ ان الہامات کے آخر میں آپ نے اپنی کتاب حرف محرمانہ صفحہ ۲۳۲ پر چشمہ معرفت صفحہ ۲۵۹ سے یہ عبارت درج کی ہے۔

"یہ بالکل لغو اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو۔ اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔"

جناب برق صاحب چشمہ معرفت کی اس عبارت کی رو سے گویا حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ سے ہی آپ پر نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ کہ چونکہ آپ کی اصل زبان انگریزی نہ تھی اس لئے بقول آپ کے آپ پر انگریزی الہامات کا نازل ہونا ایک لغو اور بیہودہ امر ہے۔

جناب برق صاحب نے چشمہ معرفت کی یہ عبارت پیش کر کے کہیں کی

اینٹ کہیں کا روڑا جوڑ کر اپنا مطلب سیدھا کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ چشمہ معرفت کی یہ عبارت آریوں کے اس خیال کے رد میں ہے کہ خدا تعالیٰ انسانی زبان میں کلام نہیں کرتا بلکہ اپنے رشیوں پر خود اپنی زبان سنسکرت میں کلام کرتا رہا ہے۔
آریوں کے اس خیال کے رد میں ہی اوپر کی عبارت لکھی گئی ہے۔ حضرت اقدس کو جو الہامات ہوئے ہیں وہ تو سب انسانی زبان میں ہوئے ہیں۔ ایسا نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ نے ایسی زبان میں کلام کیا ہو جسے کوئی نہ جانتا ہو۔ پس برق صاحب نے چشمہ معرفت کی اس عبارت کو اس جگہ خلاف منشائے متکلم جوڑا ہے۔ چونکہ انہوں نے انگریزی الہامات کے متعلق زبان کی کسی غلطی کی طرف اشارہ نہیں کیا اس لئے ان کے بارہ میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ تمام الہامات زبان کے لحاظ سے درست ہیں اور عظیم الشان حقائق پر مشتمل ہیں۔

چنانچہ الہام اول "we can what we will do" بتاتا ہے کہ خدا ہر شے پر قادر ہے۔ اس میں لفظ "کین" قدرت مطلقہ کے لئے ہے نہ کسی خاص فعل کے اظہار کے لئے۔

اور الہام دوم

" Though all men should be angry,God is with you.He shall help you.Words of God not can exchange."

بتاتا ہے کہ اور تمام دنیا بھی تم سے ناراض ہو تو خدا پھر بھی تمہاری تائید کرے گا۔ اور تمہاری مدد کرے گا یہ خدا کے الفاظ ہیں جو تبدیل نہیں ہو سکتے۔ آخری فقرہ کا ترجمہ یہ ہرگز نہیں کیا گیا خدا کے کام بدل نہیں سکتے۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے "خدا کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔" مراد یہ ہے کہ مدد کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ (براہین صفحہ ۵۵۴)
انگریزی کا فقرہ ناٹ کین ایکسچینج دراصل کین ناٹ ایکسچینج ہے۔ اسے برق

صاحب نے خود غلط درج کر دیا ہے۔ انگریزی زبان میں ایکسچینج کا لفظ چینج کے معنوں میں بھی استعمال ہو تا رہا ہے۔ دیکھئے آکسفورڈ ڈکشنری اور ڈکشنری Marreys۔ علاوہ ازیں ایکسچینج کا لفظ انٹر چینج کے معنوں میں بھی استعمال ہو تا ہے۔ اگر اس لحاظ سے الہام کے الفاظ کو دیکھا جائے تو الہام کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے الہامی الفاظ آپس میں تبدیل نہیں ہو سکتے اور مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس قدر افصح اور ابلغ ہو تا ہے کہ اس کا ہر لفظ اپنی جگہ پر نہایت موزون ہو تا ہے۔ اگر کسی لفظ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھا جائے تو عبارت کا مفہوم بگڑ جائے گا۔

الہام :۔"You have to go Amritsar." میں امر تسر سے پہلے ٹو کا لفظ سہو کتابت سے رہ گیا ہے۔ چنانچہ اس الہام سے قبل اس الہام سے بالکل مشابہ الہام ان الفاظ میں ہو چکا تھا۔ "وین ول یو گو ٹو امر تسر۔" اس "جگہ گو" کے ساتھ "ٹو" کا استعمال موجود ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۷۰، ۴۶۹، بر حاشیہ نمبر ۳ و تذکرہ صفحہ ۵۴)

الہام He haults in Peshawer. پورا الہام درج نہیں کیا گیا۔ پورا الہام یوں ہے۔ "ہی ہالٹس ان دی ضلع پشاور۔" آکسفورڈ ڈکشنری Zilla کے معنی Kdminstratiue dirtrich لکھے ہیں۔

اس طرح پس ضلع کا لفظ انگریزی زبان میں اپنایا جا چکا تھا۔

الہام "God is coming by his army."

"گاڈ از کمنگ بائی ہز آرمی۔"

اس الہام کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی افواج کے ذریعہ آرہا ہے یعنی خدا کا آنا بذریعہ افواج (ملائکہ) ہو گا۔ علاوہ ازیں بائی (By) کا لفظ ودھ (With) کے معنوں میں بھی

استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ انگلش ڈائلیکٹ ڈکشنری میں لکھا ہے۔

I will go if you go by me.

میں جاؤں گا اگر تم میرے ساتھ جاؤ گے۔ دوسرا فقرہ یوں ہے۔

Come along by me. میرے ساتھ آؤ۔

الہام :-

I shall give you a large party of Islam.

(ترجمہ) میں تمہیں اسلام کی ایک بڑی جماعت دوں گا۔

اس الہام کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت دی گئی ہے۔

الہام :-

"I am quarreler." آئی ایم کورلر۔

یہ الہام براہین احمدیہ صفحہ ۴۷۹ پر موجود نہیں بلکہ صفحہ ۴۷۲ پر درج ہے۔ اور اس کے بارے میں حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

"مولوی ابو عبد اللہ غلام علی صاحب قصوری جن کا ذکر اخیر حاشیہ در حاشیہ نمبر ۲ میں درج ہے۔ الہام اولیاء اللہ کی شان میں کچھ شک رکھتے تھے۔ اور یہ شک ان کی بالمواجہ تقریر سے نہیں بلکہ ان کے رسالے کی بعض عبارتوں سے مترشح ہوتا تھا۔ سو کچھ عرصہ ہوا ان کے شاگردوں میں سے ایک صاحب نور احمد نامی جو حافظ اور حاجی بھی ہیں، بلکہ شاید کچھ عربی دان بھی ہیں اور واعظ قرآن ہیں۔ اور خاص امرتسر میں رہتے ہیں۔ اتفاقاً اپنی درویشانہ حالت میں سیر کرتے ہوئے یہاں بھی آگئے۔ ان کا خیال الہام کے انکار میں مولوی صاحب کے انکار سے کچھ بڑھ کر معلوم ہوتا تھا۔ اور برہمو سماج والوں کی طرح صرف انسانی خیالات کا نام الہام رکھتے تھے۔ چونکہ وہ ہمارے ہی یہاں

ٹھہرے۔ اور اس عاجز پر انہوں نے خود آپ ہی یہ غلط رائے جو الہام کے بارے میں تھی مدعیانہ طور پر ظاہر کر دی۔ اس لئے بہت رنج گذرا۔ ہر چند معمولی طور پر سمجھایا گیا۔ کچھ اثر مترتب نہ ہوا۔ آخر توجہ الی اللہ تک نوبت پہنچی۔ اور ان کو قبل از ظہور پیشگوئی بتلایا گیا کہ خداوند کی حضرت میں دعا کی جائے گی۔ کچھ تعجب نہیں کہ وہ دعا بپایۂ اجابت پہنچ کر کوئی ایسی پیشگوئی خداوند ظاہر فرمائے جس کو تم بچشم خود دیکھ جاؤ۔ سو اس رات اس مطلب کے لئے قادر مطلق کی جناب میں دعا کی گئی علی الصباح بنظر کشفی ایک خط دکھایا گیا۔ جو ایک شخص نے ڈاک خانہ میں بھیجا ہے۔ اس خط پر انگریزی زبان میں لکھا ہوا ہے آئی ایم کورلر اور عربی میں لکھا ہے ھذا شاھد نزاغ۔ اور یہی الہام حکایۂ عن الکاتب القاء کیا گیا۔ اور پھر وہ حالت جاتی رہی۔ چونکہ یہ خاکسار انگریزی زبان سے کچھ واقفیت نہیں رکھتا۔ اس جہت سے پہلے علی الصباح میاں نور احمد صاحب کو اس کشف اور الہام کی اطلاع دے کر اور اس آنے والے خط سے مطلع کر کے اور پھر اسی وقت ایک انگریزی خوان سے اس انگریزی فقرہ کے معنے دریافت کئے گئے۔ تو معلوم ہوا کہ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ میں جھگڑنے والا ہوں۔ سو اس مختصر سے فقرہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی جھگڑے کے متعلق کوئی خط آنے والا ہے۔ اور ھذا شاھد نزاغ۔ اور جو کاتب کی طرف سے دوسرا فقرہ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ اس کے یہ معنے کھلے کہ کاتب خط نے کسی مقدمے کی شہادت کے بارہ میں وہ خط لکھا ہے اس دن حافظ نور احمد صاحب باعثِ بارش باراں امرتسر جانے سے روکے گئے۔ اور در حقیقت ایک سماوی سبب سے ان کا روکا جانا بھی قبولیت دعا کی ایک خبر تھی۔ تاوہ جب کہ ان کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کی درخواست کی گئی تھی پیشگوئی کے ظہور کو بچشم خود دیکھ لیں۔ غرض اس تمام پیشگوئی کا مفہوم سنادیا گیا۔ شام کو ان کے روبرو پادری رجب علی صاحب مہتمم و مالک مطبع سفیر ہند کا ایک خط بذریعہ رجسٹری امرتسر سے آیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ پادری صاحب

نے اپنے کتاب کے کاتب پر جو اسی کتاب کا کاتب ہے۔ عدالت خفیفہ میں نالش کی ہے۔ اور اس عاجز کو ایک واقعہ کا گواہ ٹھہرایا ہے۔ اور ساتھ اس کے ایک سرکاری سمن بھی آیا۔ اس خط کے آنے کے بعد وہ فقرہ الہامی یعنی ھذا شاھد نزاغ۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ یہ گواہ تباہی ڈالنے والا ہے۔ ان معنوں پر محمول ہوا۔ کہ مہتمم مطبع سفیر ہند کے دل میں یہ یقین کامل یہ مرکوز تھا کہ اس عاجز کی شہادت جو ٹھیک اور مطابق واقعہ ہو گی۔ بباعث وثاقت اور صداقت اور نیز باعتبار اور قابلِ قدر ہونے کی وجہ سے فریق ثانی پر تباہی ڈالے گی۔ اور اسی نیت سے مہتمم مذکور نے اس عاجز کو ادائے شہادت کے لئے تکلیف بھی دی اور سمن جاری کرایا۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ جس دن یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور امرتسر جانے کا سفر پیش آیا وہی دن پہلی پیشگوئی کے پورا ہونے کا دن تھا۔ سو وہ پہلی پیشگوئی میاں نور احمد کے ذریعہ پوری ہوگئی۔ یعنی اسی دن جو اس دن کے بعد کا دن تھا۔ روپیہ آ گیا اور امرتسر بھی جانا پڑا۔"

نوٹ :۔ یعنی "اسی دن" کے الفاظ سے جس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے وہ اَلَآ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ' فی شائیل مقیاس دنّ وِل یو گوٹو امرتسر ہے۔ جس کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا۔ کہ مراد اس سے یہ تھی۔ کہ اس دن کے بعد روپیہ آئے گا۔ اور تب تم امرتسر جاؤ گے۔

الہام I am by Isa.

He is with you to kill enemy.

آئی ایم بائی عیسیٰ۔ ہی از ودھ یو ٹو کل اینیمی۔

یہ دو الگ الگ الہام ہیں جن کو برق صاحب نے ایک بنا کر دکھایا ہے۔

حالانکہ دوسرے الہام کا تعلق God is coming by his army. "گاڈ از

کمنگ بائی ہز آرمی۔" سے ہے۔اس کے بعد فقرہ الہام ہوا تھا :-

He is with you to kill enemy.

"ہی ازودھ یوٹو کل اینیمی۔"

یعنی خدا تعالیٰ اپنی فوج کے ذریعہ آرہا ہے۔وہ دشمن کو ہلاک کرنے کے لئے تمہارے ساتھ ہے۔

آئی ایم بائی عیسیٰ کے الہام۔ "I am by Isa."

کے متعلق حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

"ایک دفعہ صبح کے وقت بنظر کشفی چند ورق چھپے ہوئے دکھائے گئے جو کہ ڈاکخانہ سے آئے ہیں اور آخر پر ان کے لکھا تھا.I am by Isa یعنی میں عیسیٰ کے ساتھ ہوں۔ چنانچہ وہ مضمون کسی انگریزی خواں سے دریافت کر کے دو ہندو آریہ کو بتایا گیا۔ جس سے یہ سمجھا گیا تھا کہ کوئی شخص عیسائی یا عیسائیوں کی طرز پر دین اسلام کی نسبت کچھ اعتراض چھپوا کر بھیجے گا۔ چنانچہ اس روز ایک آریہ کو ڈاک آنے کے وقت ڈاکخانہ میں بھیجا گیا تو وہ چند چھپے ہوئے ورق لایا۔ جس میں عیسائیوں کی طرز پر ایک صاحب خام خیال نے اعتراضات لکھے تھے۔"

(ملاحظہ براہین احمدیہ بقیہ حاشیہ درحاشیہ نمبر ۳)

عجیب قرارداده الہامات

اس کے بعد برق صاحب نے "عجیب الہامات" کے عنوان کے تحت حرف محرمانہ صفحہ ۲۴، ۳۲۳ پر بعض الہامی فقرات درج کئے ہیں۔ اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔وہ الہامات مع مفہوم درج ذیل ہیں۔

۱۔ "میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا۔"

اصل الہام عربی زبان میں اصلی واصوم ہے۔ اس جگہ صلوٰۃ کے معنی آئت قرآنیہ "ھو الذی یصلی علیکم۔" (احزاب ۴۲،۶) "خدا تم پر خاص رحمت بھیجتا ہے۔" کے مطابق خاص رحمت کے ہیں۔ پس اس الہام کا مفہوم یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم پر خاص رحمتیں نازل کروں گا۔ اور عام لوگوں سے اپنے عذاب کو روک لوں گا۔ خدا کی صلوٰۃ اس کے خاص رحمت بھیجنے کے معنی رکھتی ہیں۔ اور صلوۃ کے معنٰی لغت عربی میں اَلْاِمْسَاکُ عَنِ الفِعْلِ بھی ہیں۔ یعنی کام سے رکنا اور یہی اس جگہ مراد ہیں اور صلوٰۃ کی مناسبت سے اس جگہ صوم کے معنی عذاب سے رکنا ہیں۔

۲۔ "تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ بزدلی سے ہیں۔" (انجام آتھم صفحہ ۵۵)

یہ الہام عربی زبان میں ان الفاظ میں ہوا تھا "اَنْتَ مِنْ مَاءِ نَا وَھُمْ مِنْ فَشَلٍ" اور اس کی تشریح اسی جگہ یہ درج ہے۔

"اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی، استقامت کا پانی، تقویٰ کا پانی، وفا کا پانی، صدق کا پانی، حب اللہ کا پانی ہے جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فشل بزدلی کو کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے۔" (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۵۶)

۳۔ "بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۳)

اصل الہام عربی زبان میں یوں ہے۔

"یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَرَوْ اطَمْثَكَ وَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُرِیَكَ اِنْعَامَہٗ اَلْاِنْعَامَاتَ الْمُتَوَاتِرَۃَ۔"

اس کی تشریح میں حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

"یعنی بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تعالیٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہوں گے۔"

جناب برق صاحب نے اس عبارت کا اگلا فقرہ "یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے۔" حسب عادت دانستہ حذف کر دیا ہے۔ اس میں طمث کے مرادی معنی

بیان کر دیئے گئے تھے۔ جھوٹ کو جو ایک ناپاکی ہے حدیث نبوی میں بھی حیض قرار دیا گیا ہے۔ یہ حدیث بروائت سلمانؓ یوں وارد ہے۔

اَلکذبُ حَیضُ الرجُلِ وَ الِاستِغفارُ طھارتُہٗ۔ (دیلمی صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۷)

یعنی جھوٹ مرد کا حیض ہے اور استغفار اس کی طہارت ہے۔

تفسیر روح البیان جلد ۱ صفحہ ۳۴۶ میں لکھا ہے۔

کما اِنَّ لِلنِّساءِ مَحِیضًا فِی الظَّاھِرِ وَ ھُوَ مُوجِبُ نَقُصَانِ اِیمَانِھِنَّ لِمَنُعِھِنَّ عَنِ الصلوٰۃ و الصَّوُمِ فَکَذَالِکَ لِلرِّجَالِ مَحِیضٌ فِی البَا طِنِ وَ ھُوَ مُوجِبُ نُقُصَانِ اِیما نِھِم لِمَنُعِھِم عَنُ حَقِیقَۃِ الصَّلوٰۃِ۔

یعنی جیسے عورتوں کے لئے ظاہر میں حیض ہے جو انہیں نماز اور روزہ سے روک دینے کی وجہ سے ان میں ایمان کے نقصان کا موجب ہے۔ ایسے ہی مردوں کے لئے باطن میں حیض ہے۔ جو انہیں نماز کی حقیقت سے روکنے کی وجہ سے ان کے ایمان میں نقصان کا موجب ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عیوب کو مردوں کا حیض قرار دیا جاتا ہے اور لہام الٰہی نے بتایا تھا کہ بابو الٰہی بخش اور ہیچو قسم لوگ آپ کے عیوب کے متلاشی ہیں۔ اور آپ میں کوئی ناپاکی اور پلیدی نہیں بلکہ خدا آپ کو اپنے انعامات سے نوازے گا۔ جو متواتر ہوں گے۔

۴۔ قاضی یار محمد کے ٹریکٹ "اسلامی قربانی" کے متعلق جو کشف برق صاحب نے خدا کے قوت رجولیت کے اظہار کے متعلق بیان کیا ہے اس کی تصدیق حضرت اقدس کی کسی عبارت سے نہیں ہوتی۔ یہ شخص مختل الدماغ تھا۔ اس کی یہ روائت ہمارے نزدیک مردود ہے۔ اگر حضرت اقدس نے اپنے کسی ایسے کشف کا ذکر فرمایا ہوتا تو کوئی ڈائری نویس اس کا اخبار میں ذکر کرتا کیونکہ حضرت اقدس کے ملفوظات بطور ڈائری اخبارات سلسلہ میں چھپتے رہتے تھے۔ اور کشوف ورؤیا آپ شائع کر دیتے تھے۔ اور یہ سب

"تذکرہ" میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اگر اس کشف کی صحت کا کوئی ثبوت ہوتا تو یہ بھی تذکرہ میں درج کیا جاتا۔

۵۔ "I love You" "آئی لو یو"

یعنی خدا کہتا ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔

نہ معلوم اس الہام میں برق صاحب کو کیا عجیب بات نظر آئی ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کا کسی انسان سے محبت کرنا قابل تعجب ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ (توبہ : ۴)

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (آل عمران : ۱۴۹)

یعنی اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

۶۔ "ڈگری ہو گئی ہے مسلمان ہے"؟ (براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۵۲۲)

یہ الہام براہین احمدیہ حصہ چہارم کے صفحہ ۵۲۲ پر نہیں بلکہ صفحہ ۵۵۳ پر درج ہے اس الہام میں مسلمان ہے"؟ کا فقرہ استفہامیہ ہے۔ اس الہام کی تشریح اور تفصیل اسی جگہ یوں درج ہے :-

"ایک مقدمے میں کہ اس عاجز کے والد مرحوم کی طرف سے اپنے زمینداری حقوق کے متعلق کسی رعیت پر دائر تھا۔ اس خاکسار پر خواب میں یہ ظاہر کیا گیا کہ اس مقدمہ میں ڈگری ہو جائے گی چنانچہ اس عاجز نے وہ خواب ایک آریہ[1] کو جو کہ قادیان میں موجود ہے بتلا دی۔" (دیکھو تریاق القلوب صفحہ ۳۷)

"پھر بعد اس کے ایسا اتفاق ہوا کہ اخیر تاریخ پر صرف مدعا علیہ مع اپنے چند گواہوں کے عدالت میں حاضر ہوا۔ اور اس طرف سے کوئی مختار وغیرہ حاضر نہ ہوا شام

نمبر ۱ :- لالہ شرمپت

کومدعاعلیہ اورسب گواہوں نے واپس آکر بیان کیا کہ مقدمہ خارج ہو گیا۔"

اس خبر کو سنتے ہی وہ آریہ تکذیب اور استہزاء پر اتر آیا اس وقت جس قدر قلق اور کرب گذرا بیان میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ قریب قیاس معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ایک گروہ کثیر کا بیان جن میں بے تعلق آدمی بھی تھے خلاف واقعہ ہو۔ اس سخت حزن و غم کی حالت میں نہایت شدت سے الہام ہوا کہ جو آہنی میخ کی طرح دل کے اندر داخل ہو گیا اور وہ یہ تھا ڈگری ہو گئی ہے مسلمان ہے۔ یعنی کیا تو باور نہیں کرتا اور باوجود مسلمان ہونے کے شک کو دخل دیتا ہے۔ آخر تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ فی الحقیقت ڈگری ہی ہوئی تھی اور فریق ثانی نے حکم کے سننے میں دھوکا کھایا تھا۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم مطبوعہ ۱۸۸۴ صفحہ ۵۵۱ تا ۵۵۳ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۴)

۷۔ "اے ازلی ابدی خدا بیڑیوں کو پکڑ کے آ۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۴)

"زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں۔"

یہ دونوں الہام قریباً اکٹھے ہیں پوری عبارت یوں ہے :-

اے ازلی ابدی خدا بیڑیوں کو پکڑ کے آ۔ ضَاقَتُ الْاَرْضُ بِمَارَحُبَتُ رَبِّ اِنِّی مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرُ فَسَحِّقْهُمْ تَسُحِیقاً۔ زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں۔

ان کا ترجمہ یہ درج ہے :-

"اے ازلی ابدی خدا میری مدد کے لئے آ۔ زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہو گئی۔ اے میرے خدا میں مغلوب ہوں۔ میرا انتقام دشمنوں سے لے۔ پس ان کو پیس ڈال کہ وہ زندگی کی وضع سے دور جا پڑے۔"

یہ الہامات اپنے اس مضمون میں صاف ہیں کہ مشکلات میں خدا تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا اور آپ کے دشمن گرفتار ہوں گے انہیں بیڑیاں پڑیں گی اور وہ پیس دیئے

جائیں گے کیونکہ وہ زندگی کی حقیقی وضع کو چھوڑ چکے ہیں۔ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ وہ آپ پر ایمان لاتے۔ مگر وہ تکذیب اور شرارت پر کمر بستہ ہیں۔ اس لئے ان کا انجام برا ہوگا۔

۹۔ اس نمبر پر برق صاحب نے ادھوری عبارت درج کی ہے۔ پوری عبارت یوں ہے :-

"خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس قدر بیت اللہ کو مخالف گرانا چاہیں گے اس میں سے معارف اور آسمانی نشانوں کے خزانے نکلیں گے چنانچہ میں دیکھتا ہوں کہ ہر ایک ایذاء کے وقت ضرور ایک خزانہ نکلتا ہے۔ اور اس بارے میں الہام یہ ہے۔ یکے پائے من مے بوسید و من میگفتم کہ حجر اسود منم۔" (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۶ حاشیہ)

خط کشیدہ الفاظ برق صاحب نے درج نہیں کئے اور آخری حصہ کا ترجمہ درج کر دیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ استفتاء عربی صفحہ ۴۱ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں :-

قَالَ الْمعبِّرُ ونَ اَنّ الْمَرَادَ مِنَ الحجر الْاَ سوَدِ فِی عِلْمِ الرُّوْیَا اَلْمَرءُ العَالِمُ الْفِقِیہُ الحِکَیْمُ۔

یعنی خوابوں کی تعبیر کرنے والوں نے کہا ہے کہ علم الرؤیا میں حجر اسود سے مراد ایک عالم فقیہ اور حکیم انسان ہوتا ہے۔

حدیث میں آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

یا عَلِی اَنْتَ بِمَنْزِلَۃِ الکَعْبَۃِ۔ اے علی تو کعبہ کے مرتبہ پر ہے

(دیلمی باب الیاء صفحہ ۲۱۴)

تذکرۃ الاولیاء میں حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں :-

"میں مدت تک کعبہ کا طواف کرتا رہا لیکن جب خدا تک پہنچ گیا تو خانہ کعبہ

میر اطواف کرنے لگا۔" (تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ صفحہ ۱۲۲)

۱۰۔ برق صاحب لکھتے ہیں :-

"پانچ مارچ ۱۹۰۵ء کو خواب میں ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنا نام ٹیچی ٹیچی بتایا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۲ بجائے صفحہ ۳۳۲)

الجواب

برق صاحب کی درج کردہ عبارت محرف مبدل ہے اصل عبارت یوں ہے :-

"ایک دفعہ مارچ ۱۹۰۵ء کے مہینے میں بوقت قلت آمدنی لنگرخانہ کے مصارف میں بہت دقت ہوئی کیونکہ کثرت سے مہمانوں کی آمد تھی اور اس کے مقابلہ پر آمدنی کم۔ اس لئے دعا کی گئی۔ پانچ مارچ ۱۹۰۵ء کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص جو فرشتہ معلوم ہوتا تھا میرے سامنے آیا اور اس نے بہت سا روپیہ میرے دامن میں ڈال دیا۔ میں نے اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا کہ نام کچھ نہیں۔ میں نے کہا آخر کچھ تو نام ہوگا۔ اس نے کہا میرا نام ہے ٹیچی۔"

اس کے بعد حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

"ٹیچی پنجابی زبان میں وقت مقررہ کو کہتے ہیں یعنی عین ضرورت کے وقت پر آنے والا۔ تب میری آنکھیں کھل گئی۔ بعد اس کے خدا تعالیٰ کی طرف سے کیا ڈاک کے ذریعہ سے اور کیا براہ راست لوگوں کے ہاتھوں سے اس قدر مالی فتوحات ہوئیں جن کا خیال وگمان نہ تھا اور کئی ہزار روپیہ آگیا۔ چنانچہ جو شخص اس کی تصدیق کے لئے صرف ڈاک خانہ کے رجسٹر ہی پانچ مارچ ۱۹۰۵ء سے اخیر سال تک دیکھے اس کو معلوم ہوگا کہ کس قدر روپیہ آیا تھا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۲)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ خواب میں نظر آنے والے شخص نے جو فرشتہ معلوم ہوتا تھا اپنا نام ٹیچی ٹیچی نہیں بتایا تھا بلکہ اپنا اصل نام پوچھا جانے کے جواب میں

کہا ”نام کچھ نہیں“ اور ٹیچی اس نے اپنا صفاتی نام بتایا یعنی وقت مقررہ پر آنے والا۔ پس ٹیچی ٹیچی کا تکرار محض تحریف سے جو تمسخر کے لئے کیا گیا ہے۔ نمبر ۱۰ کے ہی ذیل میں حیات النبی جلد اول صفحہ ۹۵ کے حوالہ سے برق صاحب نے لکھا ہے۔

”اتنے میں تین فرشتے آسمان سے آئے ایک کا نام خیراتی تھا۔“

معلوم نہیں اسے عجیب الہامات کے ماتحت برق صاحب نے کیوں نقل کیا ہے۔ کیا خیراتی نام ان کے نزدیک قابل تعجب ہے۔ حالانکہ خیراتی عربی لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں نیکیوں والا۔ خیرات (عربی لفظ) کے ساتھ یائے نسبت استعمال کر کے اسے ایک فرشتہ کا صفاتی نام بنایا گیا ہے۔ اسی ذیل میں برق صاحب نے یہ عبارت بھی درج کی ہے۔

”۲۴ر فروری ۱۹۰۵ء کو حالت کشفی میں جب کہ حضور کی طبیعت ناساز تھی ایک شیشی دکھائی گئی جس پر لکھا تھا خاکسار پیپر منٹ۔“

یہ حضرت اقدس کا ایک کشف ہے۔ آپ کو ایک شیشی دکھائی گئی جس کے لیبل پر لکھا تھا ”خاکسار پیپر منٹ“ اس کی تعبیر یہ تھی کہ اس بیماری کا جس میں آپ اس وقت مبتلا تھے علاج پیپر منٹ ہے۔ جو بطور خاکسار یعنی خادم کے خدمت کرے گا۔ یعنی اس کے استعمال سے آپ کو صحت ہو جائے گی۔

پس اس کشف میں بھی کوئی قابل تعجب بات نہیں۔

۱۱۔ ”دس دن کے بعد موج دکھاتا ہوں۔“ (براہین حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۴۶۹)

پورا الہام یوں ہے۔

”دس دن کے بعد موج دکھاتا ہوں۔ اَلَا اِنَّ نَصرَ اللّٰہِ قَرِیبٌ فِی شَائِل مِقیَاسِ دنّ ول یو گو ٹو امر تسر۔“

اس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں۔

”یعنی دس دن کے بعد روپیہ آئے گا خدا کی مدد نزدیک ہے۔ جیسے جب جننے کے لئے اونٹنی دم اٹھاتی ہے تب اس کا بچہ جننا نزدیک ہوتا ہے ایسا ہی مدد الٰہی بھی قریب ہے اور پھر انگریزی فقرے میں یہ فرمایا کہ جب دس دن کے بعد روپیہ آئے گا تب تم امرتسر بھی جاؤ گے۔ تو جیسا اس پیشگوئی میں فرمایا تھا ایسا ہی ہندوؤں یعنی آریوں مذکورہ بالا کے روبرو وقوع میں آیا۔ یعنی حسب منشاء پیشگوئی دس دن تک ایک خرمہرہ نہ آیا اور دس دن کے بعد یعنی گیارھویں روز محمد افضل صاحب سپرٹنڈنٹ بندوبست راولپنڈی نے ایک سو دس روپے بھیجے اور بیس روپے ایک اور جگہ سے آئے اور پھر برابر روپیہ آنے کا سلسلہ ایسا جاری ہو گیا جس کی امید نہ تھی اور اسی روز کہ جب دس دن کے گذرنے کے بعد محمد افضل خان صاحب وغیرہ کا روپیہ آیا امرتسر بھی جانا پڑا کیونکہ عدالت خفیفہ امرتسر سے ایک شہادت کے ادا کرنے کے لئے اس عاجز کے نام اسی روز سمن آ گیا۔ سو وہ یہ عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کی مفصل حقیقت پر اس جگہ کے چند آریوں کو بخوبی اطلاع ہے۔ اور وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس پیشگوئی سے پہلے سخت ضرورت پیش آنے کی وجہ سے دعا کی گئی اور پھر اس دعا کا قبول ہونا اور دس دن کے بعد ہی روپیہ آنے کی بشارت دیا جانا اور ساتھ ہی روپیہ آنے کے بعد امرتسر جانے کی اطلاع دیئے جانا یہ سب واقعات حقہ اور صحیحہ ہیں۔“ (براہین حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۴۶۹،۷۰)

بعض الہامات پر مہمل ہونے کے اعتراضات کے جوابات

جناب برق صاحب نے ”مہمل الہامات“ کے عنوان کے تحت حرف محرمانہ کے صفحہ ۲۳۶،۳۵ پر آٹھ الہامات درج کئے ہیں اور آخر میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام لغو باتوں سے منزہ ہونا چاہیئے۔

(ازالہ اوہام ج اول صفحہ ۱۵۵)

گویابرق صاحب موصوف یہ عبارت پیش کر کے ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ الہامات لغو باتوں سے پاک نہیں۔ یہ لغوبات ان کے نزدیک ان الہامات کا مہمل ہونا ہے۔ وہ الہامات یہ ہیں۔

ا۔ ''خدا کی فیلنگ اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶)

مہمل کے معنٰی ہیں بے معنٰی مگر یہ الہام ہر گز بے معنٰی نہیں چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ خود اس الہام کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

''خدا نے وقت کی ضرورت محسوس کی اور اس کے محسوس کرنے اور نبوت کی مہر نے جس میں بشدت قوت کا فیضان ہے بڑا کام کیا یعنی تیرے مبعوث ہونے کے دو باعث ہیں۔ خدا کا ضرورت کو محسوس کرنا اور آنحضرت ﷺ کی مہر نبوت کا فیضان۔''

پھر اس الہام پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''وحی الٰہی کہ خدا کی فیلنگ اور مہر نے کتنا بڑا کام کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اس زمانہ میں محسوس کیا کہ یہ ایسا فاسد زمانہ آ گیا ہے جس میں ایک عظیم الشان مصلح کی ضرورت ہے اور خدا کی مہر نے یہ کام کیا کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے والا اس درجہ کو پہنچا کہ ایک پہلو سے وہ امتی ہے اور ایک پہلو سے نبی کیونکہ اللہ جلشانہ نے آنحضرت ﷺ کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہر گز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپؐ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔'' (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۶،۹۷)

اس تشریح سے ظاہر ہے کہ یہ الہام مہمل نہیں بلکہ ایک عظیم الشان حقیقت پر مشتمل ہے جس سے آنحضرت ﷺ کی تمام انبیاء میں امتیازی شان ظاہر

ہو رہی ہے۔

الہام ۲ :۔’’بڑے تھوڑے دن رہ گئے ہیں اس دن خدا کی طرف سے سب پر اداسی چھا جائے گی۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ پھر تیرا واقعہ ہوگا تمام عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔‘‘ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷،۸)

یہ الہام بھی مہمل یعنی بے معنیٰ نہیں بلکہ خود حضرت اقدس اس کا مفہوم یہ درج فرماتے ہیں۔

’’زندگی کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ اس دن سب جماعت دل برداشتہ اور اداس ہو جائے گی۔ کئی واقعات کے ظہور کے بعد پھر تیرا واقعہ ظہور میں آئے گا۔ قدرت الٰہی کے کئی عجائب کام پہلے دکھائے جائیں گے۔ پھر تمہاری موت کا واقعہ ظہور میں آئے گا۔‘‘ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷،۸)

ظاہر ہے کہ یہ الہام آپ کی وفات سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں ’’یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔‘‘ پھر تیرا واقعہ ہوگا کے مجمل الفاظ جنہیں برق صاحب مہمل سمجھتے ہیں کی جامع تشریح خود آگے الہام میں ہی یوں کر دی گئی ہے۔

’’کہ تمام عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ یعنی موت کا واقعہ ظہور میں آئے گا۔‘‘

یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ کے ہی تین دفعہ تکرار میں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ کی عمر اب تین سال باقی رہ گئی ہے جس میں عجائبات قدرت کے بہت سے واقعات دکھلانے کے بعد تمہاری وفات ہوگی۔

یہ الہام مئی ۱۹۰۵ء کو ہوا اور اس کے بعد ۱۹۰۶ء ۱۹۰۷ء ۱۹۰۸ء ۲۶ مئی تک پورے تین سال آپ زندہ رہے۔ اور اس میں پچاس کے قریب عظیم الشان نشان ظاہر ہوئے جن پر سلسلہ کا لٹریچر گواہ ہے اس کے بعد آپ کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔

انالله و انا الیه راجعون۔

الہام ۳ :-"فی شایئلٍ مقیاسٍ۔" (حقیقۃالوحی صفحہ ۲۸۰)

اس الہام سے پہلے یہ الفاظ بھی ہیں۔ الہام کو مہمل دکھانے کے لئے برق صاحب نے یہ الفاظ دانستہ حذف کر دیئے ہیں۔

اَلَا اِنَّ نَصرَ اللّٰہِ قَرِیبٌ۔

اسی جگہ پورے الہام کا ترجمہ بھی یوں درج ہے۔

"خدا کی مدد نزدیک ہے اور جیسے جب جننے کے لئے اونٹنی دم اٹھاتی ہے تب اس کا بچہ جننا نزدیک ہوتا ہے۔ ایسا ہی مدد الٰہی بھی قریب ہے۔"

(حقیقۃالوحی صفحہ ۲۸۰)

پس یہ الہام بھی مہمل نہیں بلکہ بامعنٰی ہے۔

الہام ۴ :-"ایلی ایلی لما سبقتنی ایلی اوس۔" (براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۳)

اس سے پہلے ذیل کا الہام عربی زبان میں ہوا تھا۔ جسے برق صاحب نے دانستہ حذف کر دیا ہے۔

"ربِّ اغفِر وَ ارحَمْ مِنَ السَّمَآءِ رَبِّ اِنِّی مغلُوبٌ فَانتَصِرْ۔"

اس کے بعد عبرانی میں الہام ہوا تھا ایلی ایلی لما سبقتنی ایلی اوس۔ اور اس عربی اور عبرانی الہام کے ایک حصہ کا ترجمہ اسی جگہ یوں درج کیا گیا ہے۔

"اے میرے خدا آسمان سے رحم اور مغفرت کر میں مغلوب ہوں میری طرف سے مقابلہ کر اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔"

آخری فقرہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"آخری فقرہ اس الہام کا یعنی ایلی اوس بباعث سرعت ورود مشتبہ رہا نہ کہ اس کے کچھ معنے کھلے واللہ اعلم بالصواب۔"

بے شک حضرت اقدس پر اس وقت ایلی اوس کے معنی نہیں کھلے ان معنوں کا اس وقت نہ کھلنا اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے الہام خدا کے الفاظ میں بھی نازل ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ جیسا بعض لوگوں کا خیال ہے صرف ملہم کے دل میں ایک خیال پیدا کیا جاتا ہے۔ جسے وہ اپنے الفاظ میں بیان کر دیتا ہے الہام "ایلی اوس" بھی عبرانی زبان کا الہام ہے۔ عبرانی میں "ایلی" کے معنی ہیں میرا خدا اور "اوس" کے معنی ہیں باہمی مقابلہ سے مسلسل۔ اور آہستہ آواز پیدا کرنے والا۔ اس سے متصل الہام "ایلی ایلی لما سبقتانی" بتاتا تھا کہ بظاہر معلوم ہو گا کہ خدا آپ کی مدد پر نہیں مگر الہام کا اگلا فقرہ "ایلی اوس" بتاتا ہے کہ خدا آپ کا لوگوں سے باہمی مقابلہ کرا کر آپ کی آواز کو مسلسل اور باوقار طریق سے دنیا میں پھیلانے والا ہے۔

مکمل عبرانی انگریزی ڈکشنری مرتبہ پی آر آرنلڈ لیکز-{complete he-brew English Dictionary.} مطبوعہ منورھا۔ وی آنا میں "اوس" کا ترجمہ دیا ہے To Rustle۔ جس کے معنی آکسفورڈ پاپولر پریکٹیکل ڈکشنری میں اشیاء کی باہمی رگڑ سے صریح اور مسلسل آواز پیدا کرنے کے لکھے ہیں۔ "اوس" اسم فاعل کے معنی ہوئے ایسی آواز پیدا کرنے والا پس یہ الہام "ربنا عاجٍ" سے معنوی طور پر مشابہ ہے۔

الہام ۵ :- "ربنا حاج" ہمارا رب حاجی ہے۔" (بحوالہ براہین احمدیہ صفحہ ۵۲۳)

حضرت اقدس پر ایسا الہام کوئی نہیں ہوا۔ اور نہ صفحہ ۵۲۳ براہین احمدیہ میں ایسا کوئی الہام درج ہے ہاں آپ پر ایک الہام "ربنا عاج" ہوا ہے جو براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۵ پر درج ہے حضرت اقدس نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے۔

"ہمارا رب عاجی ہے۔"

لفظ عاجی عجیٰ یَعْجُوْ سے اسم فاعل ہے عربی میں عَجَتِ الْاُمُّ الْوَلَدَ کے

معنے ہیں ای سقتهُ اللّبنَ۔ یعنی ماں نے بچہ کو دودھ پلایا۔ اور العجوۃ کے معنے قاموس میں یہ لکھے ہیں :-

لبنٌ یُعَالَج بِهِ الصبِیُّ ای یُغذّیٰ۔

یعنی وہ دودھ جس سے یتیم بچے کی پرورش کی جاتی ہے۔ اس لغوی تحقیق کے پیش نظر الہام کے یہ معنیٰ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ یتیمی اور بے کسی کی حالت میں روحانی دودھ یا روحانی غذا پہنچانے والا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلا الہام ربّ اغفِرْ وَ ارْحَمْ مِنَ السَّماءِ ان معنوں کی تائید کرتا ہے۔ پس یہ الہام بھی بے معنیٰ نہیں۔

الہام ۶ :- "اُشکُرْ نِعمَتِی رَأیتَ خَدِیجَتِی۔" میرا شکر کر تو نے میری خدیجہ کو پایا۔

(براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۷)

یہ الہام صفحہ ۵۵۷ کی بجائے صفحہ ۵۵۸ میں درج ہے حضرت اقدس اس کی تشریح میں نزول المسیح صفحہ ۶،۴۲۷،۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ ایک بشارت کئی سال پہلے اس رشتہ کی طرف تھی جو سادات کے گھر میں دہلی میں ہوا......اور خدیجہ اس لئے میری بیوی کا نام رکھا کہ وہ ایک مبارک نسل کی ماں ہے اور جیسا کہ اس جگہ بھی مبارک نسل کا وعدہ تھا اور نیز یہ اس طرف اشارہ تھا کہ وہ بیوی سادات کی قوم میں سے ہوگی۔"

پس یہ الہام بھی مہمل یعنی بے معنی نہیں۔

الہام ۷ :- "ھو شعنا نعسا۔" (براہین صفحہ ۵۵۶)

یہ الہام عبرانی زبان میں ہوا ہے جب یہ نازل ہوا تو اس وقت آپ پر اس کے معنے نہ کھلے۔ بعد میں جو معنے آپ پر کھلے وہ آپ نے براہین حصہ پنجم صفحہ ۸۰ پر یوں درج فرمائے ہیں۔

"اے خدا میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے نجات بخش اور مشکلات سے رہائی فرما۔

ہم نے نجات دے دی یہ دونوں فقرے (ھوشعنا۔ نعسا) عبرانی زبان میں ہیں اور یہ ایک پیشگوئی ہے جو دعا کی صورت میں کی گئی اور پھر دعا کا قبول ہونا ظاہر کیا گیا اور اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو موجودہ مشکلات ہیں یعنی تنہائی بے کسی ناداری کسی آئندہ زمانہ میں وہ دور کر دی جائیں گی چنانچہ پچیس برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور اس زمانہ میں ان مشکلات کا نام و نشان نہ رہا۔"

پس یہ الہام بھی بامعنٰی ہے نہ کہ مہمل۔

الہام ۸ :- "پریشن - عمر - پراطوس"

یعنی پڑاطوس یعنی پلاطوس

یہ ۱۳؍ دسمبر ۱۸۸۳ء کا الہام ہے جو دراصل یوں درج ہے۔

"پریشن - عمر - براطوس - یا پلاطوس"

اسکے متعلق حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں۔

"یعنی پراطوس لفظ ہے یا پلاطوس۔ بباعث سرعت الہام دریافت نہیں ہوا اور عمر عربی لفظ ہے اس جگہ پریشن اور براطوس کے معنے دریافت کرنے ہیں کہ کیا ہیں اور کس زبان کے لفظ ہیں۔" (براہین احمدیہ)

یہ الہام از قبیل اسرار و رموز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اسرار و رموز پر مشتمل الہامات کی حقیقت ملہم پر جلد ہی ظاہر ہو جائے بلکہ ایسے الہامات کی حقیقت واقعہ کے وقوع میں آنے پر ہی کھلتی ہے۔ قرآن کریم میں سورتوں کے شروع میں جو مقطعات ہیں اور اس کے علاوہ جو آیات متشابہات ہیں وہ بھی بعض اسرار و رموز پر مشتمل ہیں۔ جن کی اصل حقیقت تو خدا ہی جانتا ہے۔ اور مفسرین صرف اجتہادی طور پر ہی اپنے علم کے مطابق ان کی کچھ نہ کچھ حقیقت بیان کرتے ہیں اور اصل حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے ہیں۔ السراج الوہاج شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۷۷ میں لکھا ہے۔

لَا بُعْدَ فِی تَکَلّمِ اللّٰہِ تَعالیٰ بِکَلَامٍ مُفِیدٍ فِی نَفْسِہٖ لَا سَبِیْلَ لِاَ حَدٍ اِلیٰ مَعْرِفَتِہٖ اَلَیْسَتْ فَوَاتِحُ السُوَرِ مِنْ ھٰذَاالْقَبِیْلِ وَھَلْ یَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ یَقُوْلَ اِنَّہٗ کَلَامٌ غَیْرُ مُفِیدٍوَھَلْ لِاَحَدٍ سَبِیْلٌ اِلیٰ دَرْکِہٖ۔

ترجمہ :۔یعنی یہ امر کوئی بعید نہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا کلام نازل ہو۔ جو اپنی ذات میں مفید ہو مگر کسی کو اس کی معرفت حاصل نہ ہو کیا قرآن مجید کے حروف مقطعات اس طرح کے نہیں۔ کیا کسی کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں پھر کیا کوئی ان کے حقیقی علم کا ادراک کر سکتا ہے ؟

امام غزالیؒ اپنی کتاب ”الاقتصاد فی الاعتقاد“ میں لکھتے ہیں کہ۔

”قرآن مجید کے سب معانی سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی...... مقطعات قرآن ایسے حروف یا الفاظ ہیں جو اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنی کے لئے موضوع نہیں۔“ (علم الکلام اردو ترجمہ الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۶۶)

تفسیر جلالین میں مقطعات کے ذکر میں لکھا ہے و اللہ اعلم بمرادہ یعنی اس مقطعہ کے مرادی معنے سے اللہ ہی واقف ہے۔

ہم نے ابھی کہا ہے کہ بعض الہامات کی حقیقت واقعہ کے وقوع پر ہی کھلتی ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم جناب برق صاحب کی توجہ ان کے اپنے ایک قول کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب ”بھائی بھائی“ میں قرآن مجید کی آیات متشابہات کے متعلق لکھتے ہیں۔

”نزول قرآن کے وقت متشابہ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی بعد میں کچھ ایسے ارباب علم آئے جنہوں نے بعض آیات کو واضح کر کے محکم بنا دیا۔ گذشتہ سو برس سے علم میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے جس کے بعد مزید آیات حل ہو گئیں۔ مثلاً۔“

جب فرعون غرق ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ آیَةً (یونس : ۹۳)

"آج ہم تمہاری لاش کو بچا کر رکھیں گے۔ تا تو آنے والی نسلوں کے لئے ایک سبق بن جائے۔"

یہ آیت صدیوں متشابہ رہی۔ یہاں تک کہ اس صدی کے ربع اول میں اسی فرعون کی لاش کہیں سے نکل آئی۔ جو قاہرہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔

(بھائی بھائی صفحہ ۸۸،۸۹)

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں۔

"علم میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہے۔ کائنات کے اسرار و رموز کھل رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی قرآن کی آیات بھی حل ہوتی جا رہی ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تشریح قرآن کا وعدہ کر رکھا ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ چند صدیوں کے بعد تمام متشابہات محکمات میں تبدیل ہو جائیں گے۔"

جناب برق صاحب کی اپنی کتاب کے ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات کی اصل حقیقت نزول کے وقت کسی پر نہیں کھلی بلکہ صدیوں بعد آ کر کھلی ہے۔ اور بعض اسرار و رموز کھلنے کے لئے ابھی اور صدیاں درکار ہیں۔ اس ضروری تمہید کے بعد اب ہم ان کے پیش کردہ الہام کی حقیقت دکھانے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جناب برق صاحب نے اپنی عادت کے موافق الہام کا اقتباس درج کرنے میں بھی تحریف سے کام لیا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی اس تحریر میں لفظ یا کو یعنی سے بدل دیا ہے۔ تا اس الہام کے مہمل ہونے کا تاثر پیدا کریں۔

پھر براطوس یعنی پڑاطوس یعنی پلاطوس لکھ کر نیچے خط کھینچ دیا ہے۔ تا اس ساری عبارت کو الہام دکھا کر اس کا مہمل ہونا یقینی بنائیں۔ ایسی بات کی توقع کسی محقق کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔ کسی معاند کی طرف سے ہی ہو سکتی ہے۔ جسے دیانت کا

خون کرنے میں کوئی تامّل نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام الفاظ الہامی نہیں کیونکہ اس الہام کے متعلق حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

”پڑا طوس لفظ ہے یا پلا طوس لفظ ہے بباعث سرعت الہام دریافت نہیں ہوا۔“

گویا دونوں لفظ الہامی نہیں۔ ان میں سے الہامی ایک ہے جو بوجہ سرعتِ الہام آپ کے حافظہ میں محفوظ نہیں ہوا۔ چنانچہ آپ اس الہام کے متعلق یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔

”چونکہ یہ غیر زبان میں الہام ہے اور الہام الٰہی میں سرعت ہوتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ بعض الفاظ کے ادا کرنے میں کسی قدر فرق ہو۔“

دیکھئے حضرت اقدس نے اس بات کو چھپایا نہیں کہ اس الہام کے معنے آپ پر نہیں کھلے۔ بلکہ آپ نے میر عباس علی صاحب کو خط لکھا کہ اس الہام کے الفاظ کے معنوں کے متعلق تحقیق کر کے اطلاع دیں۔

الہام کے الفاظ کی اصل حقیقت

واقعات کی شہادت سے الہام کے الفاظ یہ معلوم ہوتے ہیں۔

اوپریشن - عمر - پلاطوس

یہ الہام تین رموز پر مشتمل ہے جن میں باہمی علاقہ بھی ہے۔ اوپریشن (Oppression) انگریزی لفظ کے معنے ظلم وجور اور دباؤ ہیں۔ پریشن انگریزی زبان کا کوئی لفظ نہیں۔ حضرت اقدس کو اس کا تلفظ بوجہ سرعت الہام سمجھ نہیں آیا۔ کیونکہ آپ انگریزی زبان نہیں جانتے تھے۔

عمر کا لفظ عربی ہے اور پلاطوس اس حاکم کا نام ہے جس کی عدالت میں حضرت مسیح ناصریؑ کا مقدمہ پیش ہوا تھا۔ جو یہودیوں نے آپ کے خلاف قائم کیا تھا تا

آپ کو صلیب دی جائے اس مقدمہ میں پلاطوس پر یقینی طور پر یہ انکشاف ہو گیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ بے گناہ ہیں۔اور یہودیوں نے ان کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنایا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر جب کہ ابھی یہ انکشاف بھی نہ ہوا تھا کہ آپ ہی مسیح موعود کی آمد کی اس پیشگوئی کے مصداق ہیں جس کا ذکر احادیث نبویہ میں آیا ہے کہ آپ پر زیر بحث الہام نازل ہوا جو یہ بتا رہا ہے کہ اب وہ زمانہ آرہا ہے کہ آپ پر دباؤ ڈالا جائے گا۔اور آپ ظلم وجور کا نشانہ بنائے جائیں گے۔اور آپ کے دشمن آپ کو ہلاک کرانے کے منصوبے کریں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت ڈالے گا اور وہ آپ کو ہلاک کرنے یا ہلاک کروانے پر قادر نہیں ہو سکیں گے۔

اس الہام میں اشارہ تھا کہ آپ جب دعویٰ کریں گے کہ میں مسیح موعود ہوں تو آپ پر آپ کے دشمنوں کی طرف سے مقدمہ بنایا جائے گا جو ایک غیر ملکی حاکم کی عدالت میں پیش ہو گا جس طرح پلاطوس رومی حاکم کی عدالت میں حضرت عیسیٰؑ کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا تھا پھر جس طرح پلاطوس پر تصرف الٰہی سے یہ امر کھل گیا تھا کہ یہ مقدمہ جھوٹا ہے اسی طرح اس پلاطوس ثانی انگریزی حاکم پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ امر کھول دیا جائے گا کہ یہ مقدمہ بھی جھوٹا ہے۔ چنانچہ آپ کے دعویٰ مسیحیت کے زمانہ میں پادری مارٹن کلارک نے آپ کے خلاف ایک مقدمہ انگریزی عدالت میں کرا دیا۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے ایک مرید عبدالحمید کو میرے قتل کے لئے بھیجا ہے۔ اور عبدالحمید سے یہی گواہی عدالت میں دلائی۔ آریہ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی اس مقدمہ میں پادری مارٹن کلارک کے مددگار تھے۔اور یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مرزا صاحب دوسروں کی موت کی پیشگوئی کر کے انہیں قتل کرا دیتے تھے۔ تا بعد میں حضرت اقدس کو لیکھرام کے قتل کی سازش میں شریک قرار دے کر حکومت سے موت کی سزا دلائیں۔ لیکن ان کی آرزوئیں پوری نہ ہوئیں

کیونکہ خدا تعالیٰ نے کیپٹن ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کو اپنے خاص تصرّف سے یہ احساس ویقین دلادیا کہ یہ مقدمہ سراسر جھوٹا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب بے گناہ ہیں۔ جس طرح پیلاطوس رومی حاکم کو خدا تعالیٰ نے یہ یقین دلادیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے گناہ ہیں۔ اور یہودیوں نے ان کے خلاف جھوٹا مقدمہ کھڑا کیا ہے۔ پس اس بات میں کیپٹن ڈگلس کو الہام الٰہی میں اسی مشابہت کی بنا پر پلاطوس قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ مسیح محمدی کا مقدمہ اس کی عدالت میں اسی طرح پیش ہوا جس طرح پہلے مسیح کا مقدمہ پیلاطوس کی عدالت میں پیش ہوا تھا۔ اور جس طرح پیلاطوس پر مسیح کا بے گناہ ہونا ثابت ہو گیا اسی طرح کیپٹن ڈگلس پر مسیح موعود کا بے گناہ ہونا ثابت ہو گیا۔ گو یہ مقدمہ نہائت ہوشیاری سے چلایا گیا تھا مگر خدا تعالیٰ نے اس حاکم پر کھول دیا کہ عبدالحمید گواہ اپنے بیان میں جھوٹا ہے۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی بھی دشمنی سے گواہی دینے کے لئے آیا ہے۔ اور پادریوں نے مرزا صاحب کی دشمنی میں یہ مقدمہ کھڑا کیا ہے۔ چنانچہ اس نے یہ تدبیر کی کہ عبدالحمید گواہ کو پادریوں کے قبضہ سے نکلوا کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ جس پر عبدالحمید نے پادریوں کے دباؤ سے نکل آنے پر عدالت میں یہ بیان دے دیا۔ کہ عیسائیوں نے اس سے محض جھوٹا بیان دلوایا ہے۔ اس پر حاکم نے حضرت مسیح موعود کو نہائت عزت سے بری کر دیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں :-

"پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نام احمدؐ جس پہ میرا سب مدار"

دیکھئے یہ تین رموز پر مشتمل الہام جو دعویٰ مسیح موعود سے بھی کئی سال پہلے نازل ہوا۔ کس طرح صفائی سے پورا ہوا ہے۔ اور واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ

الہام میں لفظ پڑطوس وغیرہ نہ تھا۔ بلکہ پلاطوس ہی تھا۔ جس کا تلفظ سرعت الہام کی وجہ سے آپ پر پڑطوس یا براطوس سے مشتبہ ہوا۔ لیکن ساتھ ہی پلاطوس کے لفظ کا الہام میں نازل ہونے کا بھی آپ کو احساس رہا۔ اور یہی احساس واقعات کے لحاظ سے درست ثابت ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشتی نوح صفحہ ۵۱،۵۲ پر خود بھی کیپٹن ڈگلس کو اسی مقدمہ کی وجہ سے پلاطوس قرار دیا ہے۔

پس واقعات نے الہام کے الفاظ میں اوپر لیشن اور پلاطوس کے الفاظ نازل ہونے پر قطعی شہادت دے دی ہے۔ اور یہ الہام مومنین کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ہے۔

یہ امر حضرت مرزا صاحب کی صاف باطنی اور خدا تعالیٰ کی باتوں پر پختہ یقین رکھنے پر بھی گواہ ہے۔ کہ باوجودیکہ بعض الہامات کے معنی آپ سمجھ نہیں سکے یا بعض الہامی الفاظ کا تلفظ بوجہ سرعت الہام آپ پر مشتبہ بھی ہو گیا مگر آپ نے اس الہام کو چھپایا نہیں۔ بلکہ جو تلفظ مشتبہ تھا۔ اس کو بھی درج کر دیا۔ آپ کا یہ فعل اس امر پر قطعی دلیل ہے۔ کہ آپ اپنے منجانب اللہ ہونے کے دعویٰ میں نہائت سنجیدہ اور پُر یقین تھے۔ اس لئے جس بات کو آپ لوگوں کے اس طعن سے بچنے کے لئے یہ الہام مہمل ہے۔ چھپا سکتے تھے۔ اسے بھی آپ نے ظاہر کر دیا۔ اور انجام کیلئے صرف خدا تعالیٰ پر توکل رکھا۔

☆☆☆☆

باب دہم
وسعتِ علم

برق صاحب نے اپنی کتاب کے دسویں باب کے شروع میں حضرت اقدس علیہ السلام کی بعض عبارتیں درج کی ہیں جن کا یہ مفہوم ہے کہ خدا نے آپ کو اپنے پاس سے علم دیا ہے اور معارف سکھائے ہیں اور وہ کچھ سکھایا ہے جو کسی اور انسان کو اس زمانہ میں معلوم نہ تھا۔ اس کے بعد آپؑ کی وسعتِ معلومات پر حملہ کرنے کے لئے برق صاحب چند اعتراض کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض

برق صاحب لکھتے ہیں :-

"سیرت مقدّسہ کا ہر طالبِ علم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ حضور ﷺ کے والد محترم آپؐ کی ولادت سے چندماہ پہلے ایک تجارتی سفر میں فوت ہو گئے تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال پورے چھ برس بعد ہوا تھا لیکن جناب مرزا صاحب اپنی آخری تحریر میں فرماتے ہیں :-"

"تاریخ کو دیکھو آنحضرت ﷺ وہی ایک یتیم لڑکا تھا جس کا باپ پیدائش سے چند دن بعد ہی فوت ہو گیا اور ماں صرف چندماہ کا بچہ چھوڑ کر مر گئی۔"

(پیغام صلح صفحہ ۱۹، ۲۰ طبع اول)

برق صاحب آخر میں اپنی حیرت کا یوں اظہار کرتے ہیں :-

"جناب مرزا صاحب تاریخ نبوی کے اس مشہور ترین واقعہ سے بھی بے خبر

نکلے۔"   (حرفِ محرمانہ صفحہ ۳۳۹)

الجواب

اس عبارت میں "ماں صرف چند ماہ کا بچہ چھوڑ کر مرگئی" میں چند ماہ یا تو سہو کتابت ہے یا آپ نے چھ سال کے لئے مجازاً تھوڑے زمانہ کے مفہوم میں چند ماہ کے الفاظ لکھے ہیں کیونکہ اس جگہ یہی بتانا مقصود تھا کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ ان کی چھوٹی عمر میں ہی وفات پاگئیں اور آپ اپنی ماں کی تربیت سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ باقی رہا یہ امر کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد وفات پاگئے تھے یا زندہ تھے یہ ایک مختلف فیہ امر ہے۔ چنانچہ سیرت حلبیہ جزاوّل صفحہ ۴۷ پر لکھا ہے:۔

قِیۡلَ اِنَّ مَوۡتَ وَالِدِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کَانَ بَعۡدَ اَنۡ تَمَّ لَھَا مِنۡ حَمۡلِھَا شَھۡرَانِ وَقِیۡلَ قَبۡلَ وِلَادَتِہٖ بِشَھۡرَیۡنِ وَقِیۡلَ کَانَ فِی الۡمَھۡدِحِیۡنَ تُوُفِّیَ اَبُوۡہُ ابۡنُ شَھۡرَیۡنِ۔

ترجمہ

کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد نے اس وقت وفات پائی جب کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو حمل ہونے پر دو ماہ گزرے تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے وہ وفات پاگئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ اس وقت گہوارہ میں دو ماہ کے بچے تھے جب کے آپ کے والد نے وفات پائی۔

یہ آخری روایت السہیلی کی ہے اور اس کے متعلق اسی جگہ لکھا ہے:۔

عَلَیۡہِ اَکۡثَرُ الۡعُلَمَاءِ کہ اکثر علماء اس روایت کو درست مانتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ برق صاحب کا حضرت اقدس کی تاریخ دانی پر اعتراض درست نہیں۔

دوسرا اعتراض

برق صاحب لین پول کے حوالہ سے خوارزم شاہی خاندان کے متعلق لکھتے ہیں :-

"خوارزم شاہی خاندان جس کا پایۂ تخت خیوایا خوارزم (روسی ترکستان) تھا ۴۷۰ھ (۱۰۷۷ء) میں برسر اقتدار آیا اور ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) تک زندہ رہا۔ یہ کل آٹھ بادشاہ تھے پہلا انوشتگین اور آخری جلال الدین منکوبرتی۔ اس کے بعد تاریخ الحکماء القفطی باب الکنٰی کے حوالہ سے لکھا ہے :-"

"اسلام کا مشہور حکیم بو علی سینا ۳۷۰ھ (۹۸۰ء) میں پیدا ہوا اور ۴۲۸ھ (۱۰۳۷ء) خوارزم شاہیوں کے ظہور سے ۴۲ برس (قمری) پہلے فوت ہو گیا تھا۔"

اس کے بعد حضرت مسیح موعود کی ایک ادھوری عبارت یوں نقل کرتے ہیں کہ :-

"اور پھر دیکھا کہ خوارزم بادشاہ جو بو علی سینا کے وقت میں تھا۔"

(مجموعہ الہامات منظور الٰہی صفحہ ۴۲۹)

پھر خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں :-

"حضرت مرزا صاحب کی کتب بھی جبریلی تائید سے لکھی گئیں۔"

اور اعتراض کی تان اپنے ان الفاظ پر توڑتے ہیں کہ :-

"یعنی جبرئیل علیہ السلام بھی تاریخ کے معمولی معمولی واقعات سے بے خبر تھے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۴۰)

الجواب

رسالہ ہمدردِ صحت دہلی بابت مئی و جون ۱۹۴۲ء میں "تاریخ الاطباء" کے عنوان کے ماتحت بو علی سینا کے متعلق حکیم عبدالواحد صاحب کا ایک قیمتی مقالہ شائع ہوا تھا۔ رسالہ ہذا کے صفحہ ۹ پر حکیم صاحب موصوف "بخارا سے ہجرت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :-

"سلطنت کی تباہی کے بعد بخارا میں شیخ (بو علی سینا۔ ناقل) کا قیام محال تھا۔ اس کو بادلِ نخواستہ بخارا سے ہجرت کا ارادہ کرنا پڑا اور ایسی جگہ تلاش کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی جہاں وہ اپنے علم و فن کے جوہر بھی دکھائے اور اپنی علمی خدمات کا مناسب صلہ بھی پائے۔ اسی تلاش میں وہ جا بجا مارا مارا پھرا لیکن کہیں گوہرِ مقصود نظر نہ آیا آخر کار اس کی نظرِ مجسّس "خوارزم شاہ والیٔ گرگانج" (ایران) پر پڑی...... "خوارزم شاہ" ایک علم دوست امیر تھا۔ علماء و فضلا کی قدردانی اس کا شعار تھا...... جب خود سلطان شیخ کی علمی قابلیت سے و عِلمیّت سے واقف ہوا تو اس کو اپنے تمام درباری علماء کا افسر اعلیٰ بنا دیا۔"

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تاریخ کے مطابق درست لکھا ہے۔ کہ بو علی سینا خوارزم شاہ کے زمانہ میں تھا۔ یہ خوارزم شاہ علی بن مامون بن محمد تھا۔ چنانچہ "تتمہ صوان الحکمت" مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے :-

ثُمَّ مَاتَ وَالِدُ اَبِیْ عَلِی فِی سَنَةِ اِثْنَتَیْ وَعِشْرِیْنَ مِنْ عُمْرِہٖ تَصرَّفَتْ بِهِ الْاَحْوَالُ وَتَقَلَّدَ عَمَلاً مِنْ اَعْمَالِ السُّلْطَانِ وَلَمَّا اِضْطَرَبَتْ اُمُوْرُ السَّامَانِیَّةِ دَعَتْهُ الضَّرُوْرَةُ اِلَی الْخُرُوْجِ مِنْ بُخَارٰی وَالْاِنْتِقَالِ اِلٰی کرکانج وَ الْاِخْتِلَافِ اِلٰی

خوارزم شاه علی بن مامون بن محمّد

ترجمہ :۔ پھر ابو علی (ابن سینا) کا والد اس کی عمر کے بائیسویں سال وفات پا گیا۔ اور ابو علی کے حالات بدل گئے اور اسے سلطان کے کاموں میں سے کوئی کام سپرد ہو گیا اور جب سامانی حکومت کے امور میں اضطراب پیدا ہوا تو ضرورت نے اسے بخارا سے خروج کرنے پر گرگانج میں خوارزم شاہ علی بن مامون بن محمد کے پاس جانے پر مجبور کیا۔

پس اس بیان سے ظاہر ہے کہ شیخ ابو علی ابن سینا نہ صرف خوارزم شاہ کے زمانہ میں موجود تھا بلکہ وہ خود خوارزم شاہ علی بن مامون بن محمد کے پاس دربار میں پہنچا تھا۔

"درّۃ الاخبار ولمعتہ الانوار" کے صفحہ ۳۸ پر جو "تتمہ صوان الحکمت" کا فارسی ترجمہ ہے یہی مضمون ان الفاظ میں موجود ہے :۔

"درسنِ بیست و دو سالگی پدرش نماند و اُو متقلّدِ اعمالِ دیوانی واشتغالِ سلطانی گشت وچوں امورِ دولتِ سامانی مضطرب شد ابو علی را از آنجا انزعاج حاصل آمد بگرگانجہ وخوارزم انتقال افتاد۔ وبخدمتِ خوارزم شاہ علی بن مامون بن محمود کہ علامۂ شاہان روزگار بود دیگانہ ملوکِ نامدار پیوست۔"

اب یہ جناب برق صاحب کا کام ہے کہ ان حوالہ جات کو لین پول اور ابن القفطی کی اپنی پیش کردہ عبارتوں سے تطبیق دیں۔ ہمارے پیش کردہ بیانات سے تو ظاہر ہے کہ شیخ ابو علی سینا نے خوارزم شاہ علی بن مامون بن محمد کا زمانہ پایا ہے۔

تلمیحاتِ اقبال میں سید عابد علی صاحب کی تحقیقات بھی یہی ہے وہ لکھتے ہیں :۔

"بو علی سینا ایران کا مشہور مفکرّ، دانشور، طبیب، مدبّر، فلسفی اور بقول بعضے شاعر بھی تھا۔ کچھ رُباعیات اس سے منسوب ہیں۔ اس کی ولادت ۳۷۰ھ کے لگ

بھگ بخارا کی حدود میں ہوئی۔ وہیں علم وفنون میں دسترس حاصل کی۔ وہاں سے مامون خوارزم شاہ کے دربار میں پہنچا۔" (تلمیحاتِ اقبال صفحہ ۵۵)

تیسرا اعتراض

جناب برق صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی ذیل کی عبارت پیش کرتے ہیں :-

"آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کی نسبت آواز آئے گی کہ هذا خليفةُ الله المهدی اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔" (شہادۃ القرآن صفحہ ۴۱ طبع اول)

یہ عبارت درج کر کے لکھتے ہیں :-

"اٹھائیے بخاری از اول تا آخر ہر سطر پڑھ جائیے یہ حدیث کہیں نہیں ملے گی۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۳۴۱)

الجواب

اس عبارت میں بخاری کا ذکر سہواً ہوا ہے دراصل یہ حدیث مستدرک للحاکم کی ہے جو بخاری اور مسلم دونوں کی شرطوں کے مطابق صحیح حدیث ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کے حاشیہ پر علامہ سندھی تحریر فرماتے ہیں :-

"صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشيخين"

یہ بخاری اور مسلم کے پایہ کی حدیث ہے۔

(ملاحظہ ہو ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ حاشیہ مطبوعہ مصر)

انبیاء سے سہو کا ارتکاب ممکن ہے۔ خود رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ اَنسیٰ کَمَا تَنْسَوْنَ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۳۱)
کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ میں بھی بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو۔

حالانکہ آپ پر وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ (سورۃ النجم) کی آیت (۴، ۵) نازل ہو چکی تھی۔ اور شیخ عبد الحق صاحب دہلوی کتاب مدارج النبوۃ کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں کہ :-

"ملائکِ وحی آنحضرت ﷺ کے دائمی رفیق اور قرین ہیں۔"

برق صاحب کی سہو

برق صاحب نے اپنی کتاب "بھائی بھائی" کے صفحہ ۱۸۴ پر تفسیر قمی سورہ احزاب طبع ایران صفحہ ۳۰۵ کے حوالہ سے ایک روایت عربی زبان میں نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :-

علی المرتضٰی کہتے ہیں کہ فاطمہؓ بنت رسولؐ کا انتقال مغرب و عشاء کے درمیان ہوا تھا۔ جنازہ میں شامل ہونے کے لئے ابو بکر، عثمان، زبیر اور عبد الرحمٰن بن عوف بھی آئے۔ جب نماز جنازہ کا وقت آیا تو علی نے کہا ابو بکر آگے آؤ۔ ابو بکر نے کہا کہ علی تم گواہ رہنا۔ کہا میں گواہ رہوں گا۔ آگے بڑھئے خدا کی قسم آپ کے سوا کسی اور کو نمازِ جنازہ پڑھانے کی اجازت نہیں دوں گا چنانچہ ابو بکر نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ چار تکبیریں کہیں۔ رات کے وقت آپ کو دفن کر دیا گیا۔

یہ روایت تفسیر قمی سورۂ احزاب میں ہر گز موجود نہیں۔ میں نے جناب برق صاحب کو خط کے ذریعہ اس امر سے آگاہ کر دیا تھا۔ اور ان سے اصل حوالہ طلب کیا تھا جس کے جواب میں وہ بالکل خاموش رہے کیونکہ تفسیر قمی میں یہ روایت موجود نہ تھی اور اصلی حوالہ انہیں یاد نہیں تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ روایت تو موجود ہے البتہ برق

صاحب سے کتاب کا حوالہ دینے میں سہو ہوئی ہے پس حوالہ میں سہو ایک بشری تقاضا ہے۔انبیاء بھی کبھی سہو کر جاتے ہیں۔چنانچہ نماز عصر میں سہواً آنحضرت ﷺ کا چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھا دینا اور پھر ایک صحابی کے بتانے پر نماز پوری کرنا ایک مشہور واقعہ ہے جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔چونکہ برق صاحب نے حضرت اقدسؑ کی وسعت علم پر حملہ کرنے کے لئے یہ اعتراض کرنا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے الہام اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ کے مطابق گرفت کا یہ سامان کرادیا کہ خود برق صاحب کے ہاتھ سے حرف محرمانہ میں ہی حوالہ دینے میں ایسی غلطیاں واقع ہو گئیں۔چنانچہ برق صاحب حرف محرمانہ صفحہ ۶۱ پر یہ عبارت لکھتے ہیں :-

"میں ابھی احمدیت میں بطورِ بچہ ہی کے تھا جو میرے کانوں میں یہ آواز پڑی مسیح موعود محمد است و عین است۔" (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱)

یہ عبارت خطبہ الہامیہ میں موجود نہیں اور نہ یہ مسیح موعود کی عبارت ہو سکتی ہے اٹھایئے خطبہ الہامیہ اور از اوّل تا آخر ہر سطر پڑھ جایئے یہ عبارت آپ کو ہرگز نہیں ملے گی۔

اسی طرح برق صاحب حرف محرمانہ کے صفحہ ۱۸۵ پر الہامی عبارت یوں درج کرتے ہیں :-

"قیصرہ ہند کی طرف سے شکریہ۔گورنر جنرل کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا (حمامة البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۷۵) حمامة البشریٰ بے شک حضرت اقدسؑ کی کتاب ہے مگر اس میں یہ الہامات مندرج نہیں۔بلکہ کتاب کا حوالہ دینے میں جناب برق صاحب سے سہو ہوا ہے۔"

اب برق صاحب غور کرلیں کہ ان اعتراض کی کیا حیثیت رہ گئی۔جبکہ وہ یہ

بھی اعلان کر چکے ہیں کہ انہوں نے خود کتب کا مطالعہ کر کے حوالہ جات دیئے ہیں۔

چوتھا اعتراض

برق صاحب نے استثناء باب ۱۸ آیت ۲۰ کا حوالہ یوں نقل کیا ہے :-

"لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے وہ نبی قتل کیا جائے۔"

(استثناء $\frac{۱۸}{۲۰}$)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اس حوالہ کو جانتے تھے چنانچہ آپ نے کتاب استثناء کی اس آیت کو "تو وہ نبی قتل کیا جاوے" کے الفاظ میں ہی درج بھی فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو اربعین صفحہ ۸ طبع اول لیکن "اربعین" کے خاتمہ پر جب اس آیت کے متعلق آپ نے مزید تحقیق کی تو آپ کو معلوم ہوا کہ اس عبرانی پیشگوئی کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"لیکن وہ نبی جو ایسی شرارت کرے کہ کوئی کلام میرے نام سے کہے جو کہ میں نے اُسے حکم نہیں دیا کہ لوگوں کو سناتا اور وہ جو کلام کرے دوسرے معبودوں کے نام پر وہ نبی مر جائے گا۔"

یہ ترجمہ مع اصل متن عبرانی کے آپ نے تتمہ اربعین نمبر ۴ کے صفحہ ۸ اور ۹ پر درج فرمایا ہے اور یہ ایک عبرانی پیشگوئی کا لفظی ترجمہ ہے۔ اسے برق صاحب نے حرف محرمانہ کے صفحہ ۳۴۲ پر نقل کر کے یہ اعتراض اٹھایا ہے :-

کجا یہ حکم کہ قتل کیا جائے کجا یہ خبر کہ مر جائے گا بائبل کے تمام تراجم جو آج تک دنیا میں ہو چکے ہیں (گویا کہ برق صاحب کو سب ترجموں پر عبور ہے۔) اور اس عبور کے بعد وہ یہ اعتراض اٹھا رہے ہیں کہ :-

ملاحظہ فرمائیے یہ ترجمہ کہیں نہیں ملے گا۔ جناب مرزا صاحب عبرانی زبان

سے نا آشنا تھے اور بائبل کے تراجم افراد نے نہیں بلکہ عبرانی علماء کی پوری جماعتوں نے برسوں میں کئے تھے ان لوگوں نے ہر ہر لفظ کی پوری چھان بین کی تھی ان کے ترجمہ کو مسترد کرنے کے لئے زبردست لغوی دلائل کی ضرورت ہے جو مرزا صاحب نے پیش نہیں فرمائے۔ اور بغیر از سند نیا ترجمہ پیش کر دیا ظاہر ہے کہ ایسا ترجمہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۴۲)

الجواب

حضرت اقدس نے زیر بحث ترجمہ کی صحت کے لئے اسی جگہ زبردست لغوی شواہد بھی پیش فرمائے ہیں جن کی طرف سے جناب برق صاحب نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ زیر بحث لفظ "وَمَیّتُ" ہے۔ جو اصل میں صیغہ ماضی ہے اور اس کے معنے ہیں مر گیا یا مرا ہوا۔ حضرت اقدس نے اسی جگہ کئی شواہد بائبل سے پیش کئے ہیں جن میں لفظ میت موت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے نہ کہ قتل کے معنوں میں چنانچہ پیدائش باب ۵۰ آیت ۱۵ میں حضرت یوسف کے والد کے متعلق "میت ابیھم" کے الفاظ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت یعقوبؑ قتل نہیں ہوئے تھے پھر استثناء باب ۱۰ آیت ۶ کا حوالہ دیا ہے جس میں "میت ھارون" کے الفاظ آئے ہیں کہ ہارون نے وفات پائی۔ ہارون علیہ السلام بھی قتل نہیں ہوئے تھے پھر ا۔ سلاطین باب ۳ آیت ۲۱ کا حوالہ دیا ہے جس میں ایک بچے کے متعلق آیا ہے اس کی ماں کہتی ہے :-

"جب میں صبح کو اٹھی کہ بچے کو دودھ دوں وھین میت اور دیکھو وہ مرا پڑا تھا۔"

پھر ا۔ تواریخ باب ۱۰ آیت ۵ کا حوالہ دیا ہے میت شاؤل کہ شاؤل مر گیا ہے۔ اسی طرح ۲۔ سلاطین $\frac{1}{20}$ میں میت اتاہ کا ترجمہ "مر جائے گا" کیا گیا ہے۔ اور یہ آیت حزقیاہ کے متعلق ہے اور اسی طرح خروج $\frac{15}{11}$ ، سلاطین $\frac{14}{12}$۔ اور

یرمیاہ $\frac{28}{15}$ میں میت کے الفاظ مرنے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ پس جب بائبل سے ہی حضرت اقدس نے شواہد پیش کر دیئے ہیں جن میں "میت" کے ترجمے میں قتل نہیں بلکہ موت بیان کی گئی ہے۔ تو استثناء کی زیر بحث آیت میں بھی ان شواہد کی بناء پر بوجہ پیشگوئی مر جائے گا ترجمہ ہی صحیح ہوگا۔ ماضی کا لفظ پیشگوئیوں میں مستقبل کے معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔

پانچواں اعتراض

برق صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی عبارت یوں پیش کرتے ہیں :-

حال ہی میں جو ایک شخص عبدالغفور نامی مرتد ہو کر آریہ سماج میں داخل ہوا اور دھرمپال نام رکھا۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۹ طبع اول)

اس پر برق صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ دھرم پال کا نام عبدالغفور نہیں تھا بلکہ محمود تھا جو بعد میں مشرف باسلام ہو گیا تھا۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۴۳)

الجواب

برق صاحب کا یہ اعتراض خود ناواقفی پر مبنی ہے۔ دھرمپال کا پہلا نام عبدالغفور ہی تھا۔ یہ مسلمانوں سے مرتد ہو گیا تھا لیکن پھر دوبارہ مشرف باسلام ہو گیا تو اس نے اپنا نام محمود رکھا اور غازی محمود کہلاتا تھا۔ مناظرات میں حصہ لینے والے اس بات سے خوب واقف ہیں کہ مرتد ہونے کے بعد عبدالغفور نے "ترک اسلام" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کے جواب میں حضرت مولانا نورالدینؓ نے ایک کتاب "نورالدین" کے نام سے لکھی اور مولوی ثناءاللہ صاحب نے بھی ترک اسلام کا جواب تَرکِ اسلام کے نام سے دیا اور سوہدرہ کے ایک دوست نے اس کے جواب میں ایک کتاب "برقِ اسلام" کے نام سے لکھی تھی۔

چھٹا اعتراض

برق صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی ایک عبارت یوں پیش کرتے ہیں :-

"جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اس کی اندرونی حالت گویا حُسن میں رشکِ یوسف تھی۔ اور اس کی بیرونی حالت گویا اسکندریہ رومی کو شرمندہ کرتی تھی۔" (شہادت القرآن صفحہ ۱۳ طبع اول)

برق صاحب کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ یونان کے مشہور فاتح کا نام اسکندر تھا اسکندریہ نہیں تھا۔ اسکندریہ مصر کا مشہور شہر ہے۔ بحیرہ روم کے ساحل پر جس کی بناء سکندرِ اعظم نے ڈالی تھی۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۴۳)

الجواب

جناب برق صاحب! اس عبارت میں اسکندر رومی مُراد نہیں بلکہ اسکندریہ مصر کا مشہور شہر ہی مُراد ہے۔ جو بحیرہ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ اور جس کی بناء سکندر اعظم نے ڈالی تھی۔ آپ حضرت مسیح موعود کا کلام نہیں سمجھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس عبارت میں اسلام کے عروج کے زمانہ میں اس کا ظاہری اور باطنی حسن تمثیلاً بیان کر رہے ہیں۔ اس کے باطنی حسن کے لحاظ سے اسے رشکِ یوسف قرار دیا ہے اور اس کی بیرونی حالت کو اسکندریہ کے خوبصورت شہر کو شرمندہ کرنے والی قرار دیا ہے۔

ساتواں اعتراض

برق صاحب آسمانی فیصلہ صفحہ ۵ اور شہادۃ القرآن صفحہ ۶۵ کے دو حوالے پیش کرتے ہیں۔ پہلی عبارت کا مفاد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خارقِ عادت زندگی اور دوبارہ آنے کا ذکر قرآن میں نہیں اور دوسری عبارت میں بتایا گیا ہے کہ قرآن

مجید میں آنے والے مجدد کا بلفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی یہ دونوں باتیں درست ہیں ان کے پیش کرنے کے بعد برق صاحب نے اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲۱ کی یہ عبارت پیش کی ہے۔

لیکن ضرور تھا کہ قرآن مجید اور حدیث کی وہ پیشگوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا اور اس کے قتل کے فتوے دیئے جائیں گے۔

اسی پر برق صاحب معترض ہیں کہ قرآن شریف میں ایسی پیشگوئی کہاں ہے دو سو سے زیادہ مرتبہ پڑھ چکا ہوں اور ایک لفظ تک بھی مسیح و علماء کے تصادم کے متعلق میری نظر سے نہیں گذرا۔ کیا کوئی احمدی عالم کوئی ایسی پیشگوئی دکھا کر میری جہالت کو رفع فرمائیں گے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۴۴ و صفحہ ۳۴۵)

الجواب

آسمانی فیصلہ کی عبارت کا مقصد صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے نبی ہیں ان کی خارقِ عادت جسمانی زندگی اور انہیں کے دوبارہ آنے کا ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مسیح محمدی کے لئے بھی کوئی پیشگوئی قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ ہاں شہادت القرآن صفحہ ۶۵ میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اس موعود مجدد کے متعلق پیشگوئی بلفظِ مسیح موعود قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ ہم قبل ازیں سورہ نور کی آیت استخلاف سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس آیت میں یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ اس امت کے خلفاء پہلے خلفاء سے مشابہ ہوں گے۔ اور چونکہ قریب ترین خلفاء موسوی سلسلہ کے انبیائے بنی اسرائیل ہیں۔ اور ان میں آخری خلیفہ بصورت نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ امتِ محمدیہ میں بھی سلسلہ محمدی کا آخری خلیفہ حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کے رنگ میں رنگین ہوگا۔

چنانچہ امت محمدیہ کے مسیح موعود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو کئی امور میں حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام سے مشابہت ہے۔ ان میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ جس طرح یہودی علماء نے اپنے مسیح وقت کا انکار کیا تھا اور اس کی تکفیر بھی کی تھی اسی طرح مسیح محمدی کے زمانہ کے علماء بھی اس کی اسی طرح تکفیر کرنے والے تھے۔ واقعات نے یعنی علماء کے فتووں نے مماثلت کے اس پہلو کو واضح کر دیا ہے۔ کہ قرآن مجید کی اس آیت میں مسیح محمدی کی تکفیر کیا جانے کی مماثلت بھی ملحوظ ہے احادیث نبویہ بھی یہ بتاتی ہیں کہ امت محمدیہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت اختیار کر لے گی۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے :-

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ۔
(صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۸۹)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ ضرور پہلی قوموں کی اس طرح پیروی کرو گے جس طرح ایک بالشت دوسری بالشت کے برابر ہوتی ہے۔ یا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے برابر ہوتا ہے۔

اس پر صحابہ کرامؓ نے پوچھا "الیھود والنصاری" کیا پہلے لوگوں سے مراد آپ کی یہود و نصاریٰ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فَمَنْ" اور کون؟ پس یہود نے جس طرح اپنے مسیح موعود کا انکار اور تکفیر کی تھی اسی طرح ضروری تھا کہ اس پیشگوئی کے مطابق امت محمدیہ کے مسیح موعود کی بھی علماء کی طرف سے تکفیر کی جاتی۔ سورۃ فاتحہ کی دعا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں اس بات کا اشارہ موجود ہے کہ امت محمدیہ کے کچھ افراد یہود کی طرح مغضوب علیھم بننے والے تھے کیونکہ آیت "وَبَاؤُوْا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ" میں یہود کے مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہونے کی بڑی وجہ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی تکفیر بھی تھی۔ پس قرآن مجید اور احادیث نبویہ دونوں میں اس بات کے

لئے اشارات ملتے ہیں کہ امت محمدیہ کے علماء بھی علمائے یہود کی طرح اپنے مسیح وقت سے متصادم ہوں گے۔

اٹھواں اعتراض

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آریہ دھرم صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے :-

حمل والی عورتوں کی طلاق کی عدّت یہ ہے کہ وہ وضعِ (حمل) تک بعد طلاق کے دوسرا نکاح کرنے سے دستکش رہیں۔اس میں یہی حکمت ہے کہ اگر حمل میں نکاح ہو جائے تو ممکن ہے کہ دوسرے کا بھی نطفہ ٹھہر جائے۔اس صورت میں نسب ضائع ہو گی اور یہ پتہ نہیں لگے گا کہ وہ دونوں لڑکے کس کس باپ کے ہیں۔

برق صاحب نے اس حکمت کی یوں ہنسی اڑائی ہے :-

"اگر بالفرض حمل کی حالت میں بھی نطفہ ٹھہر جائے اور پہلے حمل پر چار ماہ گذر چکے ہوں دوماہ کے بعد تیسرا حمل ٹھہر جائے اور پھر ایک ماہ کے بعد چوتھا اور ہر بچہ نوماہ کے بعد پیدا ہو تو غریب بیوی سارا سال بچے جنتی رہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۴۶)

الجواب

اگرچہ عام معمولِ تولید یہی ہے کہ اگر ایک دفعہ حمل قرار پا چکا ہو تو بالعموم دوسرا حمل قرار نہیں پاتا۔لیکن بعض عورتوں میں اسبات کا امکان ہوتا ہے کہ پہلے حمل کے بعد دوسرا حمل بھی قرار پا جائے۔گو یہ تمسخر والی صورت کبھی پیدا نہیں ہوتی جس کا ذکر جناب برق صاحب نے کیا ہے۔افسوس ہے کہ برق صاحب نے آریہ دھرم کا حوالہ تو درج کر دیا اور اس کی ہنسی بھی اڑائی لیکن انہوں نے آریہ دھرم کی ذیل کی عبارت جو ایسے امکان کی دلیل تھی اپنی کتاب کے پڑھنے والوں سے چھپائی ہے۔اس

سے ان کی نیت ظاہر ہے جو تحقیق کی بجائے عناد پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آریہ دھرم صفحہ ۱۸،۱۷ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"حال کی تحقیقات جدیدہ کی رو سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی ہے اور ڈاکٹروں نے اس میں مشاہدات پیش کئے ہیں چنانچہ ایک ڈاکٹر صاحب یعنی مصنف رسالہ معدن الحکمت اپنی کتاب کے صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں" ایک حمل پہلے حمل کے بعد کچھ دنوں کے فاصلہ سے ٹھہر سکتا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں سے ایک یہ ہے کہ ہیک صاحب اپنا مشاہدہ لکھتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ۱۷۱۴ء میں ایک گوری عورت کے دو لڑکے ایک کالا اور دوسرا گورا تھوڑی دیر کے بعد فاصلہ سے پیدا ہوئے اور تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس کے خاوند کے بعد ایک حبشی نے مجامعت کی تھی۔ اسی طرح ڈاکٹر میٹن صاحب نے بیان کیا ہے کہ ایک حمل پر تین مہینے کے وقفہ سے حمل ٹھہر گیا اور دو لڑکے پیدا ہوئے اور انہوں نے عمر پائی اور کوئی ان میں سے نہ مرا۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حاملہ عورت کے لئے وضعِ حمل کی عدت کی جو وجہ بیان فرمائی ہے میڈیکل سائنس کی رو سے بعض عورتوں میں اس وجہ کے پایا جانے کا امکان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے شواہد ڈاکٹروں نے مشاہدہ کئے ہیں۔ قرآن کریم نے بھی اقل مدت وضعِ حمل کی چھ ماہ قرار دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

حَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا (الاحقاف : ۱۶)

کہ حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے :-

وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ۔ (البقرہ : ۲۳۴)

گویا اس آیت میں بچے کو دودھ پلانے کی مدت کامل دو سال بتائی ہے۔

کامل دو سال یعنی چوبیس مہینوں کو تیس مہینوں سے منفی کیا جائے تو وضع حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہی قرار پاتی ہے۔ اور چونکہ اسبات کا امکان ہوتا ہے جیسا کہ میٹن صاحب کے بیان سے ظاہر ہے کہ تین ماہ کے وقفہ سے حمل ٹھہر سکتا ہے اس لئے حاملہ عورت کی عدت اسی لئے وضع حمل قرار دی گئی تا اختلاطِ نسل کا اندیشہ نہ رہے۔

نواں اعتراض

حضرت اقدس چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۷ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اور موتی کا کیڑا بھی ایک عجیب قسم کا ہوتا ہے۔ اور بہت نرم ہوتا ہے اور لوگ اس کو کھاتے بھی ہیں۔"

جناب برق صاحب نے اس بات کی یوں ہنسی اڑائی ہے :-

"ہے کوئی گوہر شناس جو اس نکتہ کی تائید کرے۔"

الجواب

سمندر کے کناروں پر رہنے والے لوگ ہر قسم کے سمندری جانوروں کو کھاتے ہیں۔ اگر سمندر سے دور رہ کر جناب برق صاحب کو اس کا علم نہیں تو اپنی ناواقفی کو وہ حقائق کے ردّ میں دلیل قرار نہیں دے سکتے۔

دسواں اعتراض

سیرت المہدی میں ایک روایت ان الفاظ میں درج ہے کہ :-

"بٹیر کے گوشت میں طاعون پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔"

اس پر برق صاحب کا اعتراض ہے کہ :-

"کیا کوئی ماہرِ طب اس پر روشنی ڈالیں گے ؟"

الجواب

برق صاحب! جب آپ خود اس حقیقت سے ناواقف ہیں تو آپ نے اس امر کو "وسعت علم" کے عنوان کے ماتحت ان باتوں کے ذیل میں کیوں درج کیا جو آپ کے نزدیک علم کے مخالف ہیں۔ حضرت اقدس تو طب یونانی میں ماہر تھے۔ انہوں نے یہ بات اپنے علم کی بناء پر ہی بیان فرمائی ہے۔ تا طاعون کے ایام میں بٹیر کے گوشت سے احتراز کیا جائے۔

گیارہواں اعتراض

(ا) جناب برق صاحب تریاق صفحہ ۴۱ کی ایک عبارت درج کر کے معترض ہیں کہ اس میں صفر کو جو دوسرا مہینہ ہے چوتھا مہینہ قرار دے دیا ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۴۷)

الجواب

تریاق القلوب صفحہ ۴۱ پر سہو کتابت سے کاتب نے عبارت آگے پیچھے کر کے ماہ صفر کو چوتھا مہینہ لکھ دیا ہے۔ جس پر برق صاحب معترض ہیں۔ حضرت اقدس اس جگہ مبارک احمد کی ولادت پر اس کی مختلف پہلوؤں سے چار کے عدد سے نسبت بیان کر رہے ہیں۔ کاتب نے عبارت ادل بدل کر یوں لکھ دی ہے :-

"اور جیسا کہ وہ چوتھا لڑکا تھا اس حساب سے اس نے اسلامی مہینوں میں سے چوتھا یعنی صفر اور ہفتہ کے دنوں میں سے چوتھا دن یعنی چار شنبہ اور دن کے گھنٹوں میں سے بعد از دوپہر چوتھا گھنٹہ لیا۔"

یہ عبارت دراصل یوں ہونی چاہیئے :-

"اس نے اسلامی مہینوں میں سے چوتھا دن صفر کا اور ہفتہ کے دنوں میں سے

چوتھا دن یعنی چہار شنبہ اور دن کے گھنٹوں میں سے بعد از دوپہر چوتھا گھنٹہ لیا۔"

چنانچہ تریاق القلوب ہی کے صفحہ ۴۳ سے اس کی تصحیح ہو جاتی ہے کیونکہ اس جگہ بھی آپ نے اسی مضمون کو دہرایا ہے۔ آپ اس جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

"سو صاحبو! وہ دن آگیا اور وہ چوتھا لڑکا جس کا ان کتابوں میں چار مرتبہ وعدہ دیا گیا تھا صفر ۱۳۱۷ھ کی چوتھی تاریخ میں بروز چار شنبہ پیدا ہو گیا۔ عجیب بات ہے کہ اس لڑکے کے ساتھ چار کے عدد کو ہر ایک پہلو سے تعلق ہے اس کی نسبت چار پیشگوئیاں ہوئیں یہ چار صفر ۱۳۱۷ھ کو پیدا ہوا اس کی پیدائش کا دن ہفتہ کا چوتھا دن تھا۔ یعنی بدھ یہ دوپہر کے بعد چوتھے گھنٹے میں پیدا ہوا۔ یہ خود چوتھا تھا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۴۴-۴۳)

اس موعود لڑکے کے متعلق پیشگوئی میں ایک اور عظیم الشان بات یہ پائی جاتی ہے کہ پیشگوئی میں اس کی پیدائش کو اسبات سے مشروط کر دیا گیا تھا کہ :-

"عبدالحق غزنوی جو امرتسر میں مولوی عبدالجبار غزنوی کی جماعت میں رہتا ہے نہیں مریگا جب تک یہ چوتھا بیٹا پیدا نہ ہولے۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۸)

اور اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے :-

"اگر عبدالحق غزنوی ہماری مخالفت میں حق پر ہے اور جناب الٰہی میں قبولیت رکھتا ہے تو اس پیشگوئی کو دعا کر کے ٹال دے الحمد للہ کہ یہ پیشگوئی چار ماہ صفر ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۹۹ء بروز چار شنبہ پوری ہو گئی۔"

اب جناب برق صاحب اس متحدیانہ پیشگوئی سے تو کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور صرف یہ نکتہ چینی کر رہے ہیں کہ ماہ صفر کو چوتھا مہینہ قرار دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس میں سہو کتابت وقوع میں آئی ہے۔ اور اگلے صفحہ کی عبارت اس کی تصحیح کر رہی تھی۔ (ب) برق صاحب کو اس عبارت پر یہ بھی اعتراض ہے کہ چار شنبہ یعنی بدھ کو

چوتھا دن کیوں کہا گیا۔ ان کے نزدیک چار شنبہ پانچواں دن ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۴۷)

الجواب

اس کے جواب میں واضح ہو کہ :-

اس جگہ عربی طریق کے مطابق ہفتہ کا پہلا دن اتوار کو قرار دیا گیا ہے اور سبت پر ہفتہ کو ختم سمجھا گیا ہے۔ اس لئے چہار شنبہ یا یوم الاربعاء اس مناسبت سے چوتھا دن ہی ہے۔

بارھواں اعتراض

برق صاحب لکھتے ہیں کہ ایک طبّی نکتہ سنئیے :-

"روزہ رکھو کہ وہ خصی کر دیتا ہے۔" (آریہ دھرم صفحہ ۲۳)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ :-

"میں بغیر بلائے بول نہیں سکتا اور بغیر اس کے دکھائے دیکھ نہیں سکتا۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷۸)

واضح ہو کہ دوسری عبارت کا پہلی عبارت سے کوئی جوڑ نہیں۔ کیونکہ یہ دوسری عبارت الہامی امور سے متعلق ہے مگر برق صاحب اسے پہلی عبارت سے جوڑ کر گویا اس شبہ کا اظہار کر رہے ہیں کہ باوجود اس دعویٰ کے کہ آپ خدا کے بلانے سے بولتے ہیں۔ آپ نے عبارت "روزہ رکھو کہ وہ خصیّ کر دیتا ہے" لکھ دی ہے جو برق صاحب کے زعم میں وسعت علم کے خلاف ہے۔

الجواب

اس کے جواب میں یہ واضح ہو کہ عبارت آریہ دھرم کے صفحہ ۲۳ پر نہیں

بلکہ صفحہ ۱۹ طبع اول پر درج ہے اور یہ عبارت دراصل ایک حدیث نبوی کا ترجمہ ہے۔
اسی جگہ اس عبارت سے پہلے وہ حدیث ان الفاظ میں درج ہے۔

يَا مَعْشَرَا لشُّبانِ مَنِ استَطَاعَ مِنكُمُ البَاءَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْسَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ

(صحیح مسلم وبخاری)

آگے اس کا ترجمہ لکھا ہے :-

"اے جوانوں کے گروہ جو کوئی تم میں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو تو چاہئیے کہ وہ نکاح کرے۔ کیونکہ نکاح آنکھوں کو خوب نیچا کر دیتا ہے اور شرم کے اعضاء کو زنا وغیرہ سے بچاتا ہے۔ ورنہ روزہ رکھو کہ وہ خصی کر دیتا ہے۔"

پس برق صاحب کا اعتراض حضرت مرزا صاحب پر نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ پر ہوا۔ جنہوں نے خود طبّی نکتہ بیان فرمایا ہے کہ روزہ رکھنے سے انسان کے شہوانی خیالات ختم ہو جاتے ہیں وجاء کے معنی لسان العرب میں یہ لکھے ہیں :-

اَلْوِجَاءُ اَنْ تُرَضَّ اُنْثَيَا الفَحْلِ رَضًّا شَدِيْدًا يُذْهِبُ شَهْوَةَ الْجِمَاعِ

یعنی وجاءٌ کے معنی یہ ہیں کہ نر کے دونوں خصیے سخت کچل دیئے جائیں کہ اس کی شہوت جماع جاتی رہے۔ پس وجاءٌ کے معنی خصی کرنا ہیں اور حدیث نبوی میں یہ لفظ مجازاً شہوانی خیالات کو مٹا دینے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نہ یہ کہ روزہ حقیقی طور پر خصی کر دیتا ہے۔

پس برق صاحب کا یہ اعتراض بھی محققانہ نہیں محض معاندانہ ہے۔

باب یازدہم

حضرت اقدس کی اردو دانی پر

اعتراضات کے جوابات

اس کے بعد برق صاحب نے حضرت اقدس ؑ کی اردو تحریروں پر زبان دانی کے لحاظ سے کچھ نکتہ چینی کی ہے اور اسے فصاحت وبلاغت کے معیار سے گرا ہوا قرار دیا ہے اور مولانا آزاد اور علامہ نیاز کی تحریروں کی اس کے بالمقابل تعریف کی ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی وفات پر لکھتے ہیں :-

"مرزا صاحب کی رحلت نے ان کے بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو۔ ہاں روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرادیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا بھی جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا ...... مرزا صاحب کے لٹریچر کی قدر و عظمت آج جب کہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دیئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا...... اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں بھی مرزا صاحب نے اسلام کی خاص خدمت سرانجام دی ہے...... آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ

مرزا صاحب کی یہ تحریریں نظر انداز کی جا سکیں۔" (وکیل امر تسر جون ۱۹۰۸ء)

یہ وہ خراج تحسین ہے جو پنجاب کے اس بادیہ نشین حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کی وفات پر ادا کیا گیا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کوئی ادیب نہ تھے اور نہ ان کا کوئی ایسا دعویٰ تھا کہ میں اردو زبان میں فصاحت وبلاغت کے جوہر دکھانے کے لئے یہ مضامین لکھ رہا ہوں۔ بلکہ آپ کا مقصد صرف خدمتِ اسلام تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم کو عظیم الشان قوت عطاء فرمائی تھی۔

اردو زبان ابھی ترقی کے منازل طے کر رہی تھی اور اس کی فصاحت وبلاغت کا کوئی خاص معیار اس زمانہ میں مقرر نہ تھا۔ انگریزوں نے اپنی اغراض کے لئے صرف صرف ونحو کی کتاب لکھائی تھی چونکہ آج کی زبان میں کافی تبدیلی ہو چکی ہے۔ اس سے برق صاحب یہ ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت اقدسؑ کی اردو زبان کا موجودہ زمانہ کی اردو زبان سے تقابل پیش کر کے حضرت اقدسؑ کی زبان کو فصاحت وبلاغت کے معیار سے گرا ہوا بتا سکیں اور وہ یہ اعتراض کر سکیں کہ نبی تو فصیح البیان ہوتا ہے مگر آپ کی زبان فصاحت وبلاغت سے گری ہوئی ہے۔ اس میں تراکیب بھی درست نہیں۔ ثقیل الفاظ بھی موجود ہیں۔ تکرار الفاظ بھی پایا جاتا ہے توالیٔ اضافات کا عیب بھی موجود ہے۔ حشو وزوائد بھی پائے جاتے ہیں اور محاورہ کی بھی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ تذکیر و تانیث کا استعمال بھی صحیح نہیں۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ جن باتوں کو انہوں نے عیب قرار دیا ہے یہ امور اس زمانہ کے بڑے بڑے ادیبوں کے کلام میں جنہیں اردو کے عناصر سمجھا جاتا ہے، موجود ہیں۔ ہاں چونکہ آپ پنجاب کے رہنے والے تھے اس لئے طبعاً آپ کی اردو زبان میں پنجابی زبان کا اثر بھی موجود ہے اور اردو زبان کے لحاظ سے یہ کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ اردو ایک مخلوط زبان ہے۔ یہ پنجابی فارسی اور برج بھاشا کے امتزاج سے معرضِ وجود میں آئی ہے۔ پھر جس طرح مسلمانوں کی اردو میں عربی الفاظ

کی کثرت ہے اسی طرح ہندوؤں کی زبان میں سنسکرت اور بھاشا کی کثرت ہے۔ لکھنوی زبان دہلوی زبان سے مختلف ہے اور دکنی اردو کچھ اور ہی رنگ رکھتی ہے۔ اگر مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو اردو زبان میں پنجابی زبان کا عنصر دوسری زبانوں کی نسبت بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے۔ میرزا حیرت مدیر اخبار کرزن گزٹ دہلی حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات پر یکم جون ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں لکھتے ہیں :-

"اگر چہ مرحوم پنجابی تھا۔ مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندی ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں...... اس کا پر زور لٹریچر اپنی شان میں نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے...... اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا رستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔"

پس حضرت اقدسؑ کی اردو زبان پر برق صاحب کی نکتہ چینی جو انہوں نے موجودہ زمانہ کی اردو زبان کو مد نظر رکھ کر کی ہے ژاژ خائی سے بڑھ کر کوئی حقیقت نہیں رکھتی دیکھنا تو یہ ہے کہ مضمون نگار کی زبان نے کیا اثر پیدا کیا ہے۔ اگر اس کی زبان اہل علم طبقہ پر ایک عمدہ اور گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ تو پھر اس کی فصاحت اور بلاغت کے بارہ میں نکتہ چینی بے حقیقت ہو جاتی ہے اردو زبان کے لئے فصاحت وبلاغت کے بارہ میں کوئی کتاب موجود نہیں تھی۔ کہ ادیب ان قواعد کی پابندی کرتے اب بھی کچھ لوگوں نے عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت کا تتبع کر کے بعض کتابیں فارسی اور اردو زبان کے متعلق لکھی ہیں۔

برق صاحب اگر زبان پر نکتہ چینی کرنا چاہتے تھے تو انہیں بانی سلسلہ کے زمانہ کے ادیبوں کی طرزِ نگارش کو سامنے رکھنا چاہیے تھا۔ اگر وہ اس زمانہ کے ادیبوں کے کلام سے آپ کے کلام کا مقابلہ کریں تو جن امور کو جناب برق صاحب نے حضرت

اقدسؑ کی زبان کی خامی قرار دیا ہے وہی امور ان مسلم ادیبوں کے کلام میں بھی موجود ہیں پس برق صاحب کی تنقید محض معاندانہ ہے نہ کہ محققانہ۔

برق صاحب کا سب سے پہلا اعتراض

برق صاحب حضرت اقدسؑ کی ذیل کی عبارت پیش کرتے ہیں :-

"اور ایک جماعت محققین کی بھی یہی معنی آیت موصوفہ بالا کے لیتی ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۶ طبع اول)

اس پر برق صاحب معترض ہیں کہ اردو میں مضاف الیہ ہمیشہ پہلے آتا ہے لیکن یہاں مضاف "ایک جماعت" پہلے ہے۔

دوسرا اعتراض

اس پر یہ کیا ہے کہ موصوفہ میں بالا کا مفہوم موجود ہے۔ اس لئے "بالا" زائد ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۶۵۷)

الجواب

عام قاعدہ تو بے شک یہی ہے کہ اردو میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے۔ لیکن جب، مضاف کو اہمیت دینا مقصود ہو۔ تو ازروئے علم معانی مقتضائے حال کے مطابق کلام وہی ہوگا جس میں مضاف کو مقدم کیا جائے۔ اس کلام میں محققین پر زور دینا مقصود نہیں بلکہ ان کی "ایک جماعت" پر زور دینا مقصود ہے۔ اس لئے جماعت کو محققین سے مقدم رکھا گیا ہے۔ اور "بالا" کو زائد قرار دینا برق صاحب کی زیادتی ہے۔ موصوفہ کا لفظ مذکورہ کے معنوں میں ہے اور بالا کا لفظ مذکورہ کی وضاحت کے لئے ہے پس یہ لفظ زائد نہیں۔

دوسرا فقرہ

برق صاحب نے یہ پیش کیا ہے :-

"خدا تعالیٰ کو ان لوگوں کے ساتھ نہائت وفاداری کا تعلق ہوتا ہے"

(ازالہ اوہام صفحہ ۴۴٦ طبع اول) (حرف محرمانہ صفحہ ۳۵۸)

برق صاحب کو اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ "کو" علامتِ مفعول ہے نہ کہ نشان اضافت اس لئے یہاں "کا" چاہیے کے ساتھ کی جگہ "سے" کافی ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۵۸)

الجواب

یہ فقرہ بطور جملہ اسمیہ کے ہے تا استمرار پر دلالت کرے۔ "وفاداری کا تعلق" بترکیب اضافی اس جملہ میں "ہوتا ہے" فعل ناقص کی خبر ہے اور "خدا تعالیٰ کو" جار مجرور اس جملہ میں بمنزلہ اسم کے ہے۔ پس "کو" اس جگہ علامت مفعول نہیں کیونکہ جملہ اسمیہ میں مفعول نہیں ہوا کرتا اس جملہ کی بناوٹ حدیثِ نبوی کے فقرہ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ کی طرح ہے۔ پس برق صاحب اس فقرہ کی ترکیب کو نہ سمجھنے کی وجہ سے معترض ہیں۔ کیا میرا یہ فقرہ کہ "برق صاحب کو اس عبارت پر یہ اعتراض ہے۔" بھی غلط دکھائی دیتا ہے ؟ دیکھئے میرا یہ فقرہ بھی جملہ اسمیہ ہے اس میں "برق صاحب کو" بمنزلہ اسم ہے اور "اعتراض" خبر ہے اور ہے کلمہ ربط ہے اور "اس پر" جار مجرور ہو کر متعلق خبر ہے۔ پھر "کے ساتھ" بجائے "سے" اس زمانہ کے ادباء کی زبان ہے۔ جو ان اللہ مع الذین اتقوا میں جو مع کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہے۔

تیسرا فقرہ

برق صاحب نے یوں لکھا ہے :-

"اصل بات یہ ہے کہ شیعہ کی روایات کے بعض ساداتِ کرام کے کشفِ لطیف پر بنیاد معلوم ہوتی ہے" (ازالہ اوہام صفحہ ۷۵۴ طبع اول)

اس پر برق صاحب معترض ہیں کہ :-

"اصل بات""کے ساتھ""معلوم ہوتی ہے" بے معنی ہے کیونکہ وہ مظہر الیقین ہے اور یہ مخبر اشتباہ۔ باقی فقرہ بے معنی ہے۔ "بنیاد" مضاف ہے اور "روایات" مضاف الیہ دونوں میں سات الفاظ حائل ہیں یہ انفصال علمائے فصاحت کے ہاں ناروا ہے جملے میں کے لئے "کی تکرار ذوق خراش ہے۔"

الجواب

اس جملے میں "کے لئے" تو موجود ہی نہیں۔ پس برق صاحب کے ذوق کی نزاکت ملاحظ ہو کہ بغیر "کے لئے" کی موجودگی کے ہی ان کا ذوق خراش پا رہا ہے۔ روایات کے بعد "کے" کی بجائے کی پڑھئے چونکہ روایات کے بعد ساداتِ کرام کی اہمیت کے پیش نظر "بنیاد" کا لفظ پیچھے لایا گیا ہے لہذا یہ انفصال بلاوجہ نہیں برق صاحب نے علمائے فصاحت کا ایسے انفصال کے غیر فصیح ہونے کے لئے کوئی قاعدہ بیان نہیں کیا پھر یہ فقرہ مہمل کیسے ہوا جب کہ اس کا کوئی لفظ بے معنی نہیں اور اس عبارت کے یہ معنی ظاہر ہیں کہ زیر بحث مسئلہ میں اصل بات یہ سمجھ میں آتی ہے شیعہ روایات سادات کرام کے کشفِ لطیف پر مبنی ہیں۔

"معلوم ہوتی" مخبر اشتباہ نہیں کیونکہ روایات کی بنیاد کشفِ لطیف پر سمجھنا غور و فکر چاہتا ہے۔ اور معلوم ہونا اس غور و فکر کا نتیجہ ہے پس "معلوم ہوتی" ہے مخبر

علم استدلالی وفکری ہے نہ کہ مجرد اشتباہ۔

چوتھا فقرہ

برق صاحب نے یوں لکھا ہے :-

"میری اس تجویز کے موافق جو میں نے دینے چندہ کے لئے رسالہ مذکور میں لکھی ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۷۴)

الجواب

یہ عبارت ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۷۴ کی بجائے صفحہ ۴۷۷ طبع اول پر بہت تلاش کے بعد ملی ہے۔ اصل عبارت میں "دینے چندہ" کی بجائے "دینی چندہ" لکھا ہے اور مراد اس سے مذہبی امور کے لئے چندہ ہے جیسا کہ سیاق کلام سے بھی ظاہر ہے۔

نمبر ۲

اس نمبر میں برق صاحب نے حضرت اقدسؑ کی ذیل کی عبارتوں کو ثقیل الفاظ پر مشتمل قرار دیا ہے۔

نمبر ۱ :-

"جب ہم اپنے نفس سے بکلی فنا ہو کر درد مند دل کے ساتھ لا یُدرک وجود میں ایک گہرا غوطہ مارتے ہیں تو ہماری بشریت الوہیت کے دربار میں پڑنے سے عند العود کچھ آثار وانوار اس عالم کے ساتھ لے آتی ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۳۱۴ طبع اول)

نمبر ۲ :-

"ان کی اخلاقی حالت ایک ایسے اعلیٰ درجہ کی کی جاتی ہے جو تکبر اور نخوت اور کمینگی اور خود پسندی اور ریاکاری اور حسد اور بخل اور تنگ دلی سب دور کی جاتی ہے۔ اور انشراح صدر اور بشاشت عطاء کی جاتی ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۵۴۴ طبع اول)

نمبر ۳ :-

"نیز بباعث ہمیشہ کے سوچ بچار اور مشق اور مغززنی اور استعمال قواعدِ مقررہ صناعت منطق کے بہت سے حقائق علمیہ اور دلائل یقینیہ اس کو مستحضر ہو گئے ہیں۔"

(بحوالہ براہین احمدیہ حصہ اول صفحہ ۱۴۱ طبع اول)

الجواب

مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ نیاز فتح پوری وغیرہ کی جناب برق صاحب نے خاص تعریف کی ہے۔ اور دنیائے ادب و علم میں انہیں بلند مقام حاصل کرنے والا قرار دیا ہے۔

اب ذرا مولانا ابوالکلام صاحب کا کلام ملاحظہ ہو :-

نمبر ا :- "ان اقوال سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں حیلہ تراشیوں کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ یہ کتاب و سنت سے بُعد و ہجر اور ترکِ براہین و یقینیاتِ شرعیہ و تشبث بہ ظن و تخمینِ بحث و تَخرص و تلعب بہ ظلماتِ اوہام و اہوا و قیاس غیر صالح و غیر موید بالوحی کے شجرہ الزقوم کے ابتدائی برگ و بار تھا۔"

(تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد صفحہ ۸۵ مرتبہ فضل الدین احمد شائع کردہ کتاب محل "لاہور")

کیوں برق صاحب ابوالکلام کی اس عبارت کے خط کشیدہ الفاظ سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ وہی مولانا ابوالکلام آزاد ہیں جنہیں آپ سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

مولانا حالیؒ اردو کے عناصر خمسہ میں شمار کئے گئے ہیں برق صاحب ان کی تحریر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وہ پادری عماد الدین کو "تریاق مسموم" میں لکھتے ہیں :-

"شاید آپ نے اکل معاش مستلزم اکل معاد جان کر ارباب اکل معاش

کے دین کو راہ ثواب سمجھا ہو۔اور کچھ عجب نہیں کہ ایسا ہی ہوا ہو کیونکہ اکثر سادہ لوح بے مغز ایسی جگہ دھوکا کھا جاتے ہیں اگر ایسا سمجھو۔ تو کچھ نہیں سمجھے۔اوّل تو اس تقدیر پر لازم تھا کہ اہل یورپ اور امریکہ کا اتباع پوری طرح کرتے۔"

جناب برق صاحب! اس عبارت میں بھی آپ کو کوئی ثقل دکھائی دیتا ہے یا نہیں؟ کیا ان دونوں اقتباسات سے ظاہر نہیں ہے کہ حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے زمانہ کے ادیب اور اہل علم حضرات کی زبان میں کثرت سے عربی الفاظ اور تراکیب موجود تھیں۔جو عوام الناس کے فہم سے بالا تھیں؟ حضرت اقدسؑ کی جو عبارتیں برق صاحب نے پیش کی ہیں وہ تو ان کے مقابلہ میں ثقل سے خالی ہیں۔

تکرار الفاظ کے عنوان کے تحت برق صاحب نے حضرت اقدسؑ کی چند عبارتیں پیش کی ہیں:-

نمبر ۱:-"بوڑھے ہو کر پیرانہ سالی کے وقت میں۔"

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ دوم طبع اول صفحہ ۲)(حرف محرمانہ صفحہ ۳۶۳)

الجواب

بظاہر بڑھاپا اور پیرانہ سالی مترادف معلوم ہوتے ہیں لیکن اس جگہ پیرانہ سالی سے مراد محض بڑھاپا نہیں بلکہ بڑھاپے کی انتہائی صورت مراد ہے پس اس جگہ تکرار لفظ بے فائدہ نہیں۔بلکہ یہ تکرار ملیح ہے جس میں ایک زائد فائدہ ملحوظ ہے۔

نمبر ۲:-"ائمہ اربعہ کی شہادت گواہی دے رہی ہے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹)

اعتراض یہ ہے کہ شہادت کے معنے بھی گواہی کے ہیں۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۶۳)

الجواب

شہادت یا گواہی سے مقصود کسی امر کا ثابت کرنا ہوتا ہے۔اس عبارت میں شہادت کے بعد گواہی کا لفظ مجازاً ثبوت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے پس یہ تکرار ملیح ہے قبیح نہیں۔

نمبر ۳ :- برق صاحب نے تریاق القلوب کا ایک شعر پیش کیا ہے اور مذاق اڑانے کے لئے اسے غلط بھی لکھا ہے۔لکھتے ہیں :-

چنیں زمانہ چنیں ودریں چنیں برکات

توبے نصیب روی وہ چہ ایں شقاباشد (تریاق صفحہ ۷)

اعتراض کیا ہے کہ چنیں کی گردان ملاحظہ ہو۔(حرف محرمانہ صفحہ ۳۶۳)

الجواب

اصل شعر یوں ہے ؂

چنیں زمانہ چنیں دوراین چنیں برکات توبے نصیب روی وہ چہ ایں شقاباشد

(تریاق القلوب صفحہ ۴ طبع اول)

چنیں کی تکرار پہلے مصرع میں نہایت خوش آئند اور موزون ہے جو کلام کو زور دار بنا رہی ہے اور ترنم میں بھی ممدّ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جناب برق صاحب تعصب اور عناد کی وجہ سے اس کا لطف نہیں اٹھا سکے۔ پس دیکھئے حضرت اقدسؑ کا یہ مصرع کہ :- توبے نصیب روی وہ چہ ایں شقاباشد

کیساان کے حسب حال ہے۔ حالانکہ وہ خود کئی مرتبہ فارسی کے اس مشہور شعر کا لطف اٹھا چکے ہوں گے ؂

اگر فردوس بروئے زمین ست ہمیں ست وہمیں ست وہمیں ست

کیااس شعر میں "ہمیں" کی تکرار برق صاحب کی طبع نازک پر گراں نہیں گزرتی سوداء کہتے :-

اشک آتش وخوں آتش دہر لختِ دل آتش
آتش پہ برستی ہے پڑی متصل آتش

برق صاحب! سنی آپ نے آتش کی گردان سوداء کے کلام میں شیفتہ فرماتے ہیں :-

کس تجاہل سے یہ کہتا ہے کہ کہاں رہتے ہو
تیرے کوچے میں ستم گار تیرے کوچے میں

اشک کہتے ہیں :-

میخانہ ہو گیا ہے پری خانہ ان دنوں   اے رشک آفتاب پری تو پری شراب

پھر جناب برق صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۳ پر غالب کے مصرع :-

خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

اور اقبال کے مصرع :-

سبزہ جہاں جہاں بہیں نالہ چمن چمن نگر

اور اپنے پرانے اشعار میں مہکی مہکی اور لہکی لہکی اور دہکا دہکا اور بھیگی بھیگی اور ذرّہ ذرّہ کی تکرار دکھاتے ہوئے اس تکرار کو تو ترنم اور زور دینے کے لئے قرار دے چکے ہیں۔ مگر حضرت اقدس ؑ کے شعر میں انہیں چیں کی تکرار نہ ترنم کا فائدہ دینے والی دکھائی دیتی ہے اور نہ کلام میں زور پیدا کرنے والی معلوم ہوتی ہے۔ دراصل یہ برق صاحب کی سیاہ عینک کا قصور ہے۔ جو انہوں نے حضرت اقدس ؑ کا یہ شعر پڑھتے ہوئے لگائی ہے۔

نمبر ۴ :- میں برق صاحب حضرت اقدس کا یہ فقرہ نامکمل پیش کرتے ہیں کہ :-

"درحقیقت تمام ارواح کلمتہ اللہ ہی ہیں جو ایک لایدرک بھید کے طور پر

جس کی تہ تک انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۴۰ طبع اول)

اس پر برق صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ :-

"لایدرک بھید کے معنی ہی ہیں۔ وہ راز جس کی تہ تک عقل انسانی نہ پہنچ سکے۔ تو پھر جس کی تہ تک انسان کی عقل...... کی ضرورت ؟"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۶۴)

الجواب

چونکہ "لایدرک" کے لفظ کا استعمال سکھانا مطلوب تھا اس لئے اس کے بعد فقرہ میں "جس کی تہ تک انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی" کے توضیحی الفاظ استعمال کئے تا کہ لایدرک کا استعمال عوام الناس کے علم میں اضافہ کا موجب ہو۔ پس یہ تکرار بالمعنی اپنے محل پر بالکل درست ہے۔ مترادفات کا استعمال تو اس زمانہ میں پسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔

نمبر ۵ :- میں برق صاحب حضرت اقدسؑ کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں :-

"اور نیز بباعث ہمیشہ کے سوچ اور بچار اور مشق اور مغزدانی اور استعمال قواعد مقررہ صناعتِ منطق کے بہت سے حقائق علمیہ اور دلائل نقلیہ اس کو مستحضر ہو گئے ہیں۔" (براہین احمدیہ حصہ اول صفحہ ۱۴۱ طبع اول)

اس فقرہ میں برق صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ اس میں اور کا تکرار ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۶۴)

الجواب

حرف عطف واوؔ بمعنی اور تکرار تو قرآن مجید میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ہ

(سورۃ النساء ۲۴)

دیکھئے اس آیت قرآنیہ میں بارہ دفعہ واوٴ بمعنی اور کا تکرار ہوا ہے اب کیا کوئی سلیم الفطرت مسلمان کہہ سکتا ہے کہ واوٴ عاطفہ کا یہ تکرار مخلِ فصاحت ہے ؟

اس ایک آیت میں "بارہ دفعہ" واوٴ بمعنی اور کا تکرار ہوا ہے اور حضرت اقدسؑ کے قول میں صرف "چھ دفعہ" اور کا تکرار دکھایا گیا ہے۔ پھر اردو کے عناصر خمسہ میں سے سرسید کا کلام ملاحظہ ہو :-

وہ لکھتے ہیں :-

"سویلزیشن سے مراد ہے انسان کے تمام افعال اور اخلاق اور معاملات اور طریقۂ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون اعلیٰ درجہ کی عمدگی تک پہنچانا۔" (مقالاتِ سرسید)

دیکھا برق صاحب آپ نے کہ حضرت اقدسؑ کے زمانہ میں اور کا تکرار دوسرے ادیبوں کے کلام میں بھی موجود تھا۔ اور اسے فصاحت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا تھا؟ دیکھئے اس عبارت میں بھی "اور" کا چھ دفعہ تکرار موجود ہے۔

توالیٔ اضافات

برق صاحب کو حضرت اقدسؑ کی مندرجہ ذیل تراکیب میں

نمبر ا :- ذریعہ کاملۂ وصولِ حق

نمبر ۲ :- بوجہ احاطۂ جمیع ضروریات تحقیق و تدقیق

نمبر ۳ :- موردِ احسانات حضرتِ عزت

ایک سے زیادہ پے در پے اضافت پایا جانے پر اعتراض ہے۔

الجواب

حضرت اقدسؑ کے زمانہ کے اہل علم کا اسلوب ایسا ہی تھا۔ قرآن کریم میں بھی اس کی مثال ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا (مریم : ۲) میں موجود ہے۔ جس میں تین پے در پے اضافات پائی جارہی ہیں۔

غالب کا ایک شعر ملاحظہ ہو جس کی زبان دانی جناب برق صاحب کو مسلّم ہے۔

رنگِ شکستہ عرضِ سپاسِ بلائے تُست
پنہاں سپردۂ غم وپیدا نوشتہ ایم

پہلے مصرع میں رنگِ شکستہ کے آگے "ما" مضاف الیہ محذوف ہے اور عرضِ سپاسِ بلائے تُست میں تین اضافتیں پے در پے موجود ہیں۔

مومن :-

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

حالیؔ :-

یارانِ تیزگام نے محمل کو جالیا
ہم محوِ جرسِ نالۂ کارواں رہے

اقبالؔ :-

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

ان اشعار میں پے در پے تین اضافتیں موجود ہیں۔ پس جب اساتذہ کے کلام میں تین تک پے در پے اضافتیں موجود ہیں جب تین تک اضافتیں مسلم زبان دانوں کے نزدیک جائز ہیں تو برق صاحب کا اعتراض حضرت اقدسؑ پر لغو ہے۔ برق صاحب کی پیش کردہ مثالوں میں تو صرف دو دو اضافتیں موجود ہیں۔ اور دو دو اضافتیں تو شعراء کے کلام میں کثرت سے موجود ہیں :-

غالبؔ :-

حسنِ ماہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے

مومنؔ :-

منّتِ حضرتِ عیسٰی نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لئے شرمندہ احساں ہونگے

ظفرؔ :-

خاکساری کے لئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

حالیؔ :-

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

امیر مینائی :-

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

درد :-

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص دولت خانہ تھا
ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر
اے درد آکے بیعتِ دستِ سبو کریں

یہ تمام اشعار غالب کے فارسی شعر کے سوا ایف اے کے نصاب "چمن زارِ غزل" کے سرسری مطالعہ سے اخذ کئے ہیں۔

حشو و زوائد

اس عنوان کے تحت برق صاحب نے دو عبارتیں پیش کی ہیں :-

نمبر ا :- "سو بعد اس کے کہ قرآن قیامت کے آنے پر اپنے اعجازی بیانات اور تاثیرات احیاء موتیٰ سے دلیلِ محکم قائم کر رہا ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲۴۷ طبع اول)

اس پر برق صاحب کے اعتراضات یہ ہیں :-

"سو بعد اس کے کہ" کی بجائے ایک لفظ "جب" کافی تھا۔

"اپنے اعجازی بیانات" میں "اپنے" بے کار ہے۔

"اعجازی بیانات اور تاثیراتِ احیاء موتیٰ" مہمل اور بے ربط ہونے کے علاوہ توالیٔ اضافات سے بھی داغدار ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۶۷)

الجواب

ایک بات کو ادا کرنے کے زبان میں کئی اسلوب ہوتے ہیں لہذا اس کلام میں جو زور ''سو بعد اس کے کہ'' کے الفاظ سے پیدا کرنا مقصود ہے وہ ''جب'' کے لفظ سے پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

''اپنے اعجازی بیانات'' میں ''اپنے'' کا لفظ بے کار نہیں بلکہ تاکید کا فائدہ دے رہا ہے۔ جناب برق صاحب کی بات مانی جائے تو تاکید کا باب ہی لغو قرار دینا پڑے گا۔ اور تاکید کا لانا لغو نہیں ہوتا لہذا اعتراض لغو ہے۔

''اعجازی بیانات اور تاثیراتِ احیاء موتیٰ'' کا مرکب ہرگز مہمل اور بے ربط نہیں۔ تاثیرات احیاء موتیٰ میں تو صرف دو اضافتیں موجود ہیں اور یہ کوئی عیب نہیں۔ ہم تین پے در پے اضافتوں کے نمونے قرآن مجید اور اساتذۂ زبان کے کلام سے پیش کر چکے ہیں۔ اس جگہ تو صرف دو اضافتیں موجود ہیں۔

جناب برق صاحب! وہ پے در پے اضافتیں مخلِّ فصاحت ہوتی ہیں جو طبیعت پر گراں گذریں اور دو اضافتوں کا استعمال تو مخلِّ فصاحت سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اوپر اساتذہ کے کلام سے اس کی کئی مثالیں دی جا چکی ہیں۔

نمبر ۲:-''اجماع ان امور پر ہوتا ہے جن کی حقیقت بخوبی سمجھی گئی اور دیکھی گئی اور دریافت کی گئی۔ اور شارع علیہ السلام نے ان کے تمام جزئیات سمجھا دیئے دکھا دیئے اور سکھلا دیئے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ ۷۴۲ طبع اوّل)

برق صاحب کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ ''دیکھی گئی'' اور ''دریافت کی گئی'' بے کار جملے ہیں۔ جزئیات مونث ہے اس لئے ''کی'' چاہیے۔ یہ جزئیات دکھانا اور سکھانا مہمل ہے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۶۸)

الجواب

جناب برق صاحب! دیکھی گئی اور دریافت کی گئی جملوں کو بے کار کہنا اور جزئیات دکھادیئے اور سکھادیئے کو مہمل قرار دینا بالکل ہی بیکار اور مہمل بات ہے۔ کیونکہ ان فقروں کا اجماع کی حقیقت بیان کرنے کے لئے اس محل پر ذکر کیا جانا ازبس ضروری تھا۔ افسوس ہے کہ برق صاحب نے ان جملوں کو بیکار اور مہمل ثابت کرنے کے لئے دانستہ اخفائے حق سے کام لیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اعتراض پختہ کرنے کی خاطر اس عبارت کے بعد کا فقرہ درج نہیں کیا جس سے ان فقرات کا مفید ہونا جنہیں وہ بیکار اور مہمل قرار دے رہے ہیں ظاہر وباہر تھا وہ فقرہ یہ ہے :-

"جیسے صلوٰۃ و صوم وحج و عقائدِ توحید و ثواب و عقاب۔"

اس عبارت کو پہلی عبارت کے ساتھ ملانے سے ظاہر ہے کہ ان امورِ شرعیہ پر اجماع امت اس وقت ہوا جب کہ پہلے آنحضرت ﷺ نے یہ مسائل قولی طور پر "سمجھادیئے" اور پھر عملی مسائل پر خود عمل کر کے امت کو "دکھادیا" اور اس طرح اپنا نمونہ امت کے سامنے پیش فرمادیا۔ بعد ازاں علمائے امت نے ان کی حقیقت قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ اور امت کے تعامل سے ٹھیک ٹھیک "دریافت" کر کے ان مسائل پر اتفاق کیا۔ اور ایسے ہی مسائل اجماعی قرار پائے۔ پس برق صاحب کا حذف کردہ فقرہ اس بات کے لئے قوی قرینہ ہے کہ حقیقت بخوبی سمجھادی گئی کے بعد دکھا دی گئی اور دریافت کی گئی کے دونوں جملے بیکار نہیں بلکہ اجماع کی حقیقت سمجھانے کے لئے ان کا بیان کرنا نہائت ضروری تھا۔ اسی طرح وہ تمام جزئیات سمجھادیئے کے بعد دکھادیئے اور سکھلادیئے بھی مہمل جملے نہیں بلکہ مراد ان سے یہ ہے کہ جن جزئیات پر امت کا اجماع ہوا ہے یہ وہ جزئیات ہیں جو خود شارع علیہ السلام نے قولاً امت کو سمجھا دیئے اور پھر ان پر عمل کر کے امت کو دکھادیئے اور پھر بواسطہ تعامل امت کو سکھا

دیئے۔

بالآخر عرض ہے کہ جزئیات کا لفظ اردو میں مذکر استعمال ہوتا ہے نہ کہ مونث۔ ملاخطہ ہو جامع اللغات جلد ۲ صفحہ ۳۵۱ یہاں لکھا ہے :-

جزئیات جزئی کی جمع (مذکر)

پس جزئیات کے اس عبارت میں مذکر استعمال کئے جانے پر بھی برق صاحب کا اعتراض لغو ہے۔

نمبر ۳ :- "پھر جب ہم اس آیت پر نظر ڈالیں کہ جو اللہ جلشانہ، قرآن شریف میں فرماتا ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۳۲)

اس پر برق صاحب معترض ہیں کہ کیا کوئی آیت بھی ہے جو قرآن میں نہ ہو تو پھر "جو اللہ جلشانہ، قرآن شریف میں فرماتا ہے" کی ضرورت ؟

یہ ابتداء میں "پھر" کی کیا حاجت اور "یہ کہ جو" "کا گل جوڑ" بھی خوب ہے۔ اسم موصول (جو آدمی، جس کتاب) وغیرہ سے پہلے "کہ" کا استعمال معیوب ہوتا ہے۔ "ڈالیں" کی جگہ "ڈالتے ہیں" چاہیے۔ (حرفِ محرمانہ صفحہ ۳۶۸)

الجواب

برق صاحب کے یہ تمام اعتراضات لغو ہیں۔ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہاں صاحب ایسی آیتیں بھی موجود ہیں۔ جو قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ انجیل اور تورات اور صحفِ انبیاء کی آیات اسی قبیل سے ہیں جن کو برق صاحب عیسائیوں کی طرح غیر مبدّل سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب "دو اسلام"۔ اور لفظ پھر ابتداء میں نہیں آیا بلکہ اپنے سے بعد والے مضمون کو پہلے مضمون پر متفرع کرنے کے لئے آیا ہے۔

اسم موصول "جو" سے پہلے "کہ" کا استعمال پرانے مستند ادیب بھی کرتے

رہے ہیں۔ چنانچہ میر تقی میر جو دنیائے ادب میں خدائے سخن قرار دیئے جاتے ہیں فرماتے ہیں :-

مقامر خانۂ آفاق وہ ہے

کہ جو آیا ہے یاں کچھ کھو گیا ہے

جناب برق صاحب! آپ نے خواجہ میر درد دہلوی علیہ الرحمتہ کا یہ مشہور شعر تو پڑھا ہو گا :-

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اور اس سے لطف بھی لیا ہو گا۔ ان کی اسی غزل کے مطلع میں آپ ذرا "کہ جو" کا استعمال دیکھیں۔ فرماتے ہیں :-

ہم تجھ سے ہوس کی فلک جستجو کریں

دل ہی نہیں رہا کہ جو کچھ آرزو کریں

جناب برق صاحب پر واضح ہو کہ اس قسم کے الفاظ کے لئے صرف یہ دیکھ لینے کی ضرورت ہوتی ہے کہ جس زمانہ میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اس زمانے کے مستند شعراء اور مسلم اساتذہ نے بھی انہیں استعمال کیا ہے یا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب میر تقی کے زمانے سے لے کر غالب خواجہ وزیر اور اکبر الہ آبادی کے عہد تک سب نے الفاظ "جو کہ" استعمال کئے ہیں مزید مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں :-

میر تقی میر فرماتے ہیں :-

افسوس وہ شہید کہ جو قتل گاہ میں

لگتے ہی اس کے ہاتھ کی تلوار مر گئے

مقامر خانۂ آفاق وہ ہے   کہ جو آیا ہے یاں کچھ کھو گیا ہے

غالب :-

جو کہ بخشے گا تجھ کو فرِ فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مئے گل فام

غالب اس جگہ "وہ جو" بھی کہہ سکتے تھے مگر انہوں نے "جو کہ" کو ترجیح دی ہے۔

آتش :-

حضوری نگاہوں کو دیدار سے تھی
اٹھا تھا وہ پردہ کہ جو درمیان تھا

جرأت :-

کیوں کر اب اس سے ملاقات ہو اک آن کہیں
دل دیا اس کو کہ آیا تھا جو مہمان کہیں
حیرت ہے کہ کل اس نے کہی کان میں اپنے
وہ بات کہ مطلق نہ تھی جو دھیان میں اپنے

زکی مُرادآبادی :-

جو کہ رکھتے تھے فقیرانہ لباس کا مزہ
ان کے دل کو ہوسِ اطلس و کمخواب کہاں

خواجہ وزیر :-

صد چاک ہو وہ دل کہ جو درد آشنا نہ ہو
پھوٹے وہ آنکھ جس سے کہ آنسو گرا نہ ہو

آباد لکھنوی :-

آرزوئے قتل ہے خنجر گلے پر پھیر دے
کون وہ رگ ہے کہ جو مشتاق گردن میں نہیں

مجروح دہلوی شاگرد غالب :-

جو کہ غیروں کو آشنا جانے

وہ بھلا قدر میری کیا جانے

رضا علی وحشت :-

کیوں بھول کر بھی وحشت نہ کیا خیال فردا

میں رہا اسی سے غافل کہ جو کام تھا ضروری

شاد علیم آبادی :-

جلوہ تیرا دیکھا کہ جو روپوش ہوئی دھوپ

موسیٰ کی طرح گرتے ہی خاموش ہوئی دھوپ

اکبر الہ آبادی :-

نظر وہ ہے جو دل پہ نقشِ حسنِ مدعا کھینچے

نفس وہ ہے کہ جو سینے میں آہ دل کشا کھینچے

بے خود دہلوی :-

نہ تھا وہ دوست تو دشمن بھی زینہار نہ تھا

کہا وہ اس نے کہ جو دل کو ناگوار نہ تھا

ہائے وہ شخص کہ جو محوِ رخِ یار رہا

حیف اس دل پہ کہ جو طالب دیدار رہا

نادر لکھنوی :-

غیر کیا کور نمک ہیں کہ جو زخمی ہو کر

ذائقہ بھول گئے ہیں نمک افشانی کا

حفیظ جونپوری :-

جو الگ رہتے ہیں تجھ سے وہ ہی اچھے ہیں غریب
شامت ان کی ہے کہ جو تیرے قریب رہتے ہیں

لفظ "ڈالیں" فعل مضارع ہے جو حال اور استقبال دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے "نظر ڈالیں" کے الفاظ سے مقصود ہے کہ اب نظر ڈالیں یا آئندہ نظر ڈالیں۔ ڈالتے ہیں کا لفظ تو مفہوم کو صرف زمانہ حال کے لئے محدود کر دیتا ہے۔ لہذا اس جگہ اس کا استعمال درست نہیں۔

نمبر ۴ :- "اگر کشتی دین کی ان کی نظر کے سامنے ساری کی ساری ڈوب جائے"
(براہین احمدیہ حصہ اول دیباچہ ب طبع اول)

اس پر برق صاحب کا اعتراض یہ ہے :-

"کشتی دین کی" بجائے "دین کی کشتی" چاہیے۔ "کی نظر" زائد ہے "ساری کی ساری" بے کار۔ ڈوبنے کا مفہوم ہی یہی ہے کہ کوئی چیز پانی میں چھپ جائے۔
(حرف محرمانہ صفحہ ۳۶۸)

الجواب

"کشتی دین کی" پرانے اسلوب (Style) کے لحاظ سے درست ہے۔ "ان کی نظر کے سامنے" میں "کی نظر" زائد نہیں۔ مراد اس سے ان کے دیکھتے دیکھتے ہے۔ "نظر" کے استعمال سے لوگوں کی غفلت کے مضمون میں زور پیدا کرنا مقصود ہے۔ اور "ساری کی ساری" کے الفاظ تاکید کے لئے ہیں۔ اور جو الفاظ تاکید کا فائدہ دیں انہیں بے کار کہنا بد ذوقی ہے۔ ورنہ برق صاحب کی بات مانی جائے تو ہر جگہ تاکید بے فائدہ قرار پائے گی۔ اور خلاف فصاحت ہو گی حالانکہ اپنے محل پر تاکید کا لانا کلام کو بلیغ بناتا ہے۔ مخلِّ فصاحت و بلاغت نہیں ہوتا۔ پس برق صاحب کے یہ اعتراضات محض

بھرتی کے ہیں۔اور معاندانہ روح کے مظہر۔

محاورہ پر اعتراضات

برق صاحب کا محاورہ پر اعتراض یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب محاورہ کے بھی پابند نہیں۔ مثلاً

نمبر ا :۔ "ایسے لوگوں کی اندرونی حالت ہاتھ پھیلا پھیلا کر مفلسی ظاہر کرتی رہتی ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۳۲ طبع اول)

برق صاحب لکھتے ہیں۔ محاورہ ہے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا یعنی سوال کرنا۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کر مفلسی ظاہر کرنا بے معنی ہے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۷۰)

الجواب

جب ہاتھ پھیلانا سوال کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تو سوال کرنا مفلسی کو ہی ظاہر کرتا ہے۔ اور جب بار بار ہاتھ پھیلایا جائے تو افلاس پر قطعی اور روشن دلیل ہوتا ہے۔ اس لئے ہاتھ پھیلا پھیلا کر لکھنا بالکل بر محل اور فصیح ہے۔ اگر ہاتھ پھیلا کر مفلسی ظاہر کرنا لکھنا جائز ہے تو "ہاتھ پھیلا پھیلا کر مفلسی ظاہر کرنا" لکھنا کیوں جائز نہیں؟ تکرار تو وہ معیوب ہوتی ہے۔ جو کوئی فائدہ نہ رکھتی ہو۔ اس جگہ پھیلانے کی تکرار سے جو لطف پیدا ہوتا ہے وہ اہلِ ذوق پر مخفی نہیں۔ برق صاحب کے ذوقِ لطیف کو کیا کیا جائے۔

نمبر ۲ :۔ حضرت اقدسؑ نے لکھا ہے :۔

"یہ دروغ بے فروغ اس حد تک بنایا گیا تھا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۵۲۶ طبع اول)

برق صاحب کا اعتراض یہ ہے :۔

دروغ بنا کوئی محاورہ نہیں۔ دروغ بافتن فارسی کا ایک محاورہ ہے اردو کا محاورہ

ہے جھوٹ گھڑنا، جھوٹ بنانا یا جھوٹ کے پل باندھنا۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۷۰)

الجواب

اگر حضرت اقدسؑ جھوٹ کا لفظ استعمال کرتے۔ تو پھر گھڑنا وغیرہ ہی استعمال فرماتے۔ مگر جب آپ نے دروغ بے فروغ کا لفظ فقرہ میں استعمال فرمایا۔ تو چونکہ فارسی محاورہ دروغ بافتن تھا۔ اس لئے اس موقعہ پر "بُنا گیا تھا" کے الفاظ ہی زیادہ موزون ہیں۔ کیونکہ دروغ کے لئے فارسی میں بافتن (بننا) ہی استعمال ہوتا ہے۔ کیا برق صاحب اس جواب سے کچھ فائدہ اٹھائیں گے۔

نمبر ۳ :- برق صاحب نے حضرت اقدسؑ کا ایک فقرہ درج کیا ہے جس کا حوالہ نہیں دیا۔ وہ فقرہ یوں ہے :-

"قرآن کریم نے حضرت مسیح کے وفات کے منکروں کو ایسی زک دی ہے کہ اب وہ ذرّہ نہیں ٹھہر سکتے۔"

برق صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ وفات مذکر ہے یا مونث اسے جانے دیجئے۔ صرف یہ دیکھئے کہ آخری جملے میں "ذرّہ" کا مفہوم کیا ہے اور اس کا یہ استعمال کہاں تک صحیح ہے۔ (حرفِ محرمانہ صفحہ ۳۷۱)

الجواب

اگر نقل عبارت درست ہے تو سنئے۔ وفات مونث ہے اور یائے معروف کو مجہول سے لکھنا یا یائے مجہول کو یائے معروف سے لکھنا بھی کاتبوں کا پرانا دستور رہا ہے۔ برق صاحب نے حسب عادت "کی" کو "کے" پڑھ لیا ہے۔ "ذرہ" کا استعمال ہی اس جگہ موزون ہے کیونکہ مراد اس سے "ذرہ بھر" ہے اور یہی لفظ "ٹھہر سکتے" کے ساتھ استعمال ہو سکتا ہے۔ نہ کہ "ذرا" کا لفظ۔

نمبر ۴ :-"میری رحمت تجھ کو لگ جائے گی۔ اللہ رحم کرے گا۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۰ طبع اول)

برق صاحب استہزاءً لکھتے ہیں :-

"کیا رحمت کوئی بیماری ہے۔ جس سے محفوظ رہنے کی بشارت دی جارہی ہے یا دھمکایا جارہا ہے کہ اے میرے نبی تو اس وقت میری رحمت سے بچ نہیں سکتا۔ البتہ آخر میں تم پر رحم کیا جائے گا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۳)

الجواب

برق صاحب کی طرف سے یہ طنز و استہزاء قابلِ تعجب نہیں کیونکہ بات کو غلط معنے دیکر استہزاء کرنا ان کی عادت میں داخل ہے ورنہ بات بالکل سیدھی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا یہ الہام قرآن مجید کے استعمال وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ (اگر تمہیں بھلائی لگ جائے۔ سورہ انعام آیت ۱۸) کے مطابق نازل ہوا ہے۔ ماسوا اس کے اردو لغت میں "لگ جانا" شروع ہونے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (ملاخطہ ہو فیروز اللغات اردو) اس لحاظ سے "رحمت لگ جائے گی" سے مراد رحمت کا شروع ہونا ہے۔ اور اس کے بعد کے فقرہ میں "اللہ رحم کریگا" میں تکمیل رحمت کا وعدہ ہے۔ لہذا برق صاحب کا یہ اعتراض محض استہزاء ہے۔ اور استہزاء ہمیشہ منکرینِ انبیاء کا شیوہ رہا ہے۔

"رحمت لگنا" خدا تعالیٰ کی طرف سے اردو محاورہ میں ایک ایجاد بھی سمجھی جائے تو کیا خدا تعالیٰ کو محاورہ آفرینی کا حق نہیں ؟

ضرور ہے اسی لئے اس نے قرآن مجید میں فَلَمَّا سُقِطَ فِیْ اَیْدِیْھِمْ کا جدید محاورہ استعمال کیا ہے۔ جس سے عرب ناآشنا تھے۔ ہاں اس کے محلِ استعمال سے اس کے معنی خود سمجھ میں آرہے ہیں۔

"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن"

یہ بھی الہامی زبان ہے۔ اور برق صاحب کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے کہ ثلج کا لفظ اردو زبان میں استعمال نہیں ہوتا۔ حالانکہ تمام عربی اسمائے نکرہ اردو میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں اور پھر خدا تعالےٰ کے لئے پابندی تو عجیب بات ہے اور برق صاحب کا یہ کہنا کہ برف باری سردیوں میں ہوتی ہے نہ کہ بہار میں۔ ایک عام قاعدہ تو ضرور ہے۔ مگر اس الہام میں موسمِ بہار کے ایام میں ایک غیر معمولی نشان کے طور پر برف باری کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ یعنی یہ بتایا گیا تھا کہ آئندہ موسم بہار میں برفباری کے دن آجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ اس موقعہ پر برق صاحب کا اپنی ساری اس تنقید کے بعد خود یہ لکھ دینا کہ :-

"ممکن ہے کہ کسی وجہ سے فضائیں سرد ہو جائیں اور بہار میں بھی ایک آدھ دن برف برسنے لگے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۳)

اعتراض کر کے خود اُس کو واپس لینے کے مترادف ہے۔ ہاں برق صاحب کا یہ لکھنا کہ :-

"برف آتی نہیں بلکہ برستی ہے۔"

ایک فضول اعتراض ہے۔ کیوں کہ اس جگہ برف آنے کا ذکر نہیں برف کے دن آنے کا ذکر ہے۔ اور دن آیا ہی کرتے ہیں۔ برسا نہیں کرتے۔

پس ان کا یہ فقرہ کہ "اس الہام کی زبان خلاف محاورہ اور مضمون خلاف حقیقت ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۲۷۳) محض ژاژ خائی ہے۔

پھر برق صاحب ذیل کی الہامی عبارت جو دراصل نثر ہے شعر کی صورت میں یوں نقل کرتے ہیں :-

تو در منزل ما چو بار بار آئی　　　خدا ابر رحمت بباریدیانے

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷۷ طبع اول)

اس طرح اسے شعر قرار دے کر اس پر معترض ہیں کہ پہلا مصرع بے وزن ہے۔ وزن قائم رکھنے کے لئے بار بار کو بربار پڑھنا ہوگا جو صریحاً غلط ہے۔

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۲۷۳)

الجواب

یہ الہامی عبارت دراصل شعر نہیں بلکہ نثر کے دو فقرے ہیں۔ لہذا یہاں وزن اور تقطیع کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت اقدس نے نہ اسے شعر قرار دیا ہے اور نہ ہی شعر کی صورت میں لکھا ہے۔ بلکہ مسلسل عبارت کی صورت میں لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ برق صاحب نے اسے شعر ظاہر کرنے کے لئے از خود اس کو درج کرتے ہوئے اس کے شروع میں یوں ؎ شعر کی علامت ڈال دی ہے ماشاء اللہ کیا دیانت ہے۔

فارسی زبان کے الفاظ سے اردو الفاظ کی تراکیب

حضرت اقدسؑ کے زمانہ میں اردو زبان ابھی منت پذیرِ شانہ اور ادیب نئی سے نئی تراکیب وضع کر رہے تھے۔ کبھی عربی لفظ کو اردو لفظ سے مرکب کرتے تھے اور کبھی فارسی سے مرکب کر دیتے تھے۔ لہذا ”قابل ہنسی“ اور ”مہینہ رمضان“ اور ”بے باپ“ کی تراکیب مرکب اضافی نہیں۔ ایسی تراکیب ہرگز قابل اعتراض نہیں۔ اسی طرح ”گورنمنٹ محسنہ انگریزی“ کی ترکیب بھی اردو زبان کے محاورہ کے ہرگز خلاف نہیں۔ اردو زبان تو ہے ہی لشکری زبان۔ جس میں ہر زبان کے الفاظ فروغ پا رہے تھے۔ ”قلت بارشوں“ اور ”کثرت بارشوں“ میں بھی ترکیب اضافی نہیں۔ اس قسم کی ترکیب کا

استعمال جبکہ بارش کا متعدد مرتبہ ہونا مراد ہو۔ درست ہے ہر گز محل اعتراض نہیں۔
اس زمانہ میں مفرد کی بجائے جمع کا استعمال ایسے محل پر زیادہ موزوں سمجھا جاتا تھا۔
سر سید مرحوم لکھتے ہیں :-

" میجک لیٹن اس وقت یہاں کوئی نہیں جانتا خواہ اس کا یہی نام لیں خواہ فانوسِ جادو کہیں۔ خواہ اجنبی کا تماشہ کہیں ہر گز کوئی نہیں سمجھے گا۔ لیکن اگر وہ مشاہدہ میں عام ہو جائے اور "استعمالوں" میں جاری ہو جائے تو الٹے سے الٹا اس کا نام رکھ دیں۔ وہی بچہ بچہ کی زبان پر مشہور ہو جائے گا۔ اور وہی ہم سمجھیں گے۔"

(مقالات سر سید)

اس عبارت میں استعمال کی تکرار ظاہر کرنے کے لئے استعمالوں بصورت جمع استعمال کیا گیا ہے۔ گو آج کل اس کا استعمال کم ہوتا ہے۔

تذکیر و تانیث

اردو کے الفاظ کی تذکیر و تانیث کے بارہ میں ادباء میں بہت اختلاف رہا ہے۔ بعض ادیب اسے اپنے ذوق کے مطابق ایک لفظ کو مذکّر استعمال کرتے تھے تو دوسرے اسی لفظ کو مونث۔ اور ابھی تک تمام الفاظ کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا پھر یہ بھی واضح رہے کہ کا، کے، کی، کے الفاظ جس سے اسماء کی تذکیر و تانیث ظاہر ہوتی ہے کے متعلق پرانا رسم الخط (شکستہ) کا تبوں پر ملتبس بھی ہو جاتا تھا اور پرانے طریق کتابت میں یائے معروف و مجہول کے لکھنے میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ البتہ پڑھنے والا خود اسے صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ لیتا تھا۔

چونکہ برق صاحب کو یائے مجہول کے پرانے طریق کتابت کو پڑھنے کا سلیقہ نہیں ہے اس لئے وہ صحیح پڑھنے سے تو خود عاجز ہیں اور مذکر کو مونث یا مونث کو مذکر کر دینے کا الزام دوسروں پر لگاتے ہیں۔

تیسرا سبیل

سبیل چونکہ عربی زبان میں مذکر ہے اس لئے قرآنی اتباع میں حضرت اقدس نے اسے مذکر استعمال فرمایا ہے۔

"کلام کے بینات" اور "کلام کے دلالات" میں "کے" کی جگہ "کی" پڑھیں۔اور "مسیح کی ظہور" میں بجائے "کی" "کے" پڑھیئے۔ "جیسے موسوی شریعت" میں "جیسے" پڑھیئے۔

بے شک حضرت اقدس نے "ابتداء" کے لفظ کو شروع کے معنوں میں مذکر استعمال فرمایا ہے۔ "ابتداء" مصدر ہے۔ مصدر کو مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آیات صغری کو مونث ہی استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے لئے "شروع ہو گئی تھیں" سے پہلے "ظاہر ہونے" کی بجائے "ظاہر ہونی" پڑھیئے۔

اوپر ہم نے سر سید احمد خان کی تحریر کا جو نمونہ دیا ہے اس میں "اچھبے" کی جگہ اچنبی لکھا گیا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یائے معروف و مجہول کے لکھنے میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ دراصل لفظ اس جگہ اچھبے ہے نہ کہ اچنبی۔

"قیمت پیشگی کتابوں کا بھیجنا منظور نہیں" لفظ "کا" "قمیت" مونث کی مناسبت سے نہیں لکھا گیا۔ بلکہ اس کا استعمال "بھیجنا" مذکر کی مناسبت سے کیا گیا ہے اور یہ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے کا اسلوب بیان تھا۔

"مرض" اہل پنجاب مرض کو عموماً بیماری کے معنوں میں مونث ہی استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت اقدس نے اسے مونث استعمال فرمایا۔

"زبان خدا کے ہاتھ میں ایک آلہ ہوتا ہے" "ہوتا ہے" فعل مذکر آلہ کی مناسبت سے استعمال کیا گیا ہے نہ زبان کی مناسبت سے۔ پس زبان مونث ہی ہے اور مونث ہی استعمال کی گئی ہے۔

"الفاظ اور کے ساتھ اور ایک جلدی نکلتے ہیں" اس کے متعلق برق صاحب لکھتے ہیں کہ خط کشیدہ الفاظ کا مفہوم میری سمجھ سے بالا ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۷۸)

اس کے جواب میں واضح ہو کہ اس فقرہ کی موجودہ صورت کا مفہوم تو ہماری سمجھ سے بھی بالا ہے۔ کیونکہ برق صاحب نے خود فقرے ہی کو غلط بنا دیا ہے۔ حالانکہ براہین احمدیہ کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

"الفاظ زور کے ساتھ اور ایک جلدی سے نکلتے آتے ہیں"

(براہین احمدیہ جلد چہارم حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۴۷۹ طبع اول)

جناب برق صاحب! معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک محقق کا دعویٰ کرنے کے باوجود بھی خود اصل کتاب کھولنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں فرمائی۔ بلکہ کسی مخالفِ احمدیت کی کتاب سے یہ غلط اقتباس نقل کر کے اس پر اعتراض کر دیا ہے۔ کیا اسی کو غیر جانبدارانہ تحقیق کہتے ہیں؟

"میں خدا کا چراگاہ ہوں۔" گاہ سے مرکب الفاظ کی تانیث و تذکیر مختلف فیہ ہے۔ مولانا حالی نے تخت گاہ کو مذکر ہی لکھا ہے۔ پس چراگاہ کو مذکر لکھنا کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔

"درد۔" درد کے لفظ کو اہل پنجاب اردو میں مونث ہی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے وہ فکر اور ناک کو مذکر استعمال کرتے ہیں۔

قرارداد کا لفظ چشمہ معرفت میں "قرار دینا" مصدر کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس لئے وہ مذکر استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ اس جگہ حاصل مصدر کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا جو مونث ہے۔

اصل عبارت ملاحظہ ہو جو یہ ہے :-

"کسی چیز کو خدا کی ملکیت ان معنوں کی رُو سے قرار دینا جن معنوں سے انسانی ملکیت قرار دی جاتی ہے یہ ایک ایسا قرارداد (قرار دینا ناقل) ہے۔ جس کی رو سے خدا تعالےٰ انسان کے برابر ٹھہر جاتا ہے۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۸،۹ طبع اول)

"روح۔" کا لفظ جان کے معنوں میں مونث ہے۔ لیکن انسانی کمال کے منبع کے معنوں میں حضرت اقدس نے اسے چشمہ معرفت کی عبارت سے کئی سال پہلے ازالہ اوہام میں مونث بھی استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :-

"ہمارے نبی ﷺ نے چونکہ ان جسمانی امور کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور تمام زور اپنی روح کا دلوں میں ہدایت پیدا کرنے کے لئے ڈالا اسی وجہ سے تکمیل نفوس میں سب سے بڑھ کر رہے۔"

چشمۂ معرفت کی عبارت میں انسانی روح کا حیوانی روح سے تقابل منظور تھا۔ اس لئے آپ نے انسانی روح کو منبعِ کمال کے معنوں میں حیوانی روح کے بالمقابل مذکر استعمال کیا ہے۔ اور حیوانی روح کو اس کے بالمقابل مونث استعمال کیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :-

"جس قدر انسانی روح اپنے کمالات ظاہر کر سکتا ہے یا یوں کہو جس قدر کمالات کی طرف ترقی کر سکتا ہے وہ کمالات ایک ہاتھی کی روح کو باوجود ضخیم اور جسیم ہونے کے حاصل نہیں ہو سکتے۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۱۰ طبع اول)

تقابل کے وقت حیوانی روح کے بالمقابل انسانی روح کو مذکر استعمال کرنا تو ایک صنعت ہے۔ جو کلام میں حسن پیدا کرتی ہے مگر برق صاحب بنگاہِ بد اندیشی اس کے مذکر استعمال کو قابل اعتراض قرار دیتے ہیں۔

" بہشت "کا لفظ بتاویل مقام مذکر استعمال کیا گیا ہے۔ دیکھئے ناسخ لکھتے ہیں :-

پس از فنا بھی کسی طور سے قرار نہیں
ملا بہشت تو کہتا ہوں کوئے یار نہیں
(رسالہ تذکیر و تانیث اردو)

جمع و مفرد

جناب برق صاحب لکھتے ہیں اگر فاعل جمع ہو تو فعل کا جمع ہونا ضروری ہے۔ اور مرزا صاحب اس پابندی کے بھی قائل نہیں اس کے بعد برق صاحب نے اس اعتراض کی چند مثالیں دی ہیں :-

''اب جس قدر میں نے پیشگوئیاں بیان کی ہیں...... صدق یا کذب کے آزمانے کے لئے یہی کافی ہے۔''

الجوب

اس عبارت کے درمیان سے جناب برق صاحب نے بعض الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔ جو یقیناً طوالت سے بچنے کے لئے نہیں کیونکہ حذف صرف ''بطور نمونہ کے'' تین الفاظ کئے ہیں۔ برق صاحب نے اعتراض کو صحیح بنانے کے لئے انہیں دانستہ حذف کیا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے :-

''اب جس قدر میں نے بطور نمونہ کے پیشگوئیاں بیان کی ہیں درحقیقت میرے صدق یا کذب کے لئے یہی کافی ہے۔''

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ''یہی کافی ہے'' کے الفاظ کا بصورت مفرد استعمال لفظ ''نمونہ'' کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔ نہ کہ پیشگوئیوں کی مناسبت سے۔ مراد یہ ہے کہ یہ نمونہ پیشگوئیوں کا میرے صدق یا کذب آزمانے کیلئے کافی ہے۔ کیا اس طرح کلام میں دانستہ تحریف سے برق صاحب کی کتاب حرف محرمانہ کی بجائے

حرف مجرمانہ قرار دی جانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

۲:-"ایک مکھی کے خواص و عجائبات کی قیامت تک تفتیش...... کرتے جائیں تو وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔"

اس عبارت میں بھی برق صاحب نے جس جگہ نقطے دیئے ہیں وہاں سے دانستہ تفتیش کے آگے تحقیقات کا لفظ حذف کر دیا ہے۔ اور "بھی" کی جگہ "وہ" لکھ دیا ہے۔ تا اپنے اعتراض کو صحیح قرار دے سکیں۔ پوری عبارت ملاحظہ ہو جو یوں ہے:-

"ایک مکھی کے خواص و عجائبات کی قیامت تک تفتیش و تحقیقات کرتے جائیں تو بھی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔"

اس عبارت میں "ختم نہیں ہو سکتی" کے الفاظ تفتیش و تحقیقات سے متعلق ہیں نہ کہ "خواص و عجائبات" کے متعلق مراد یہ ہے کہ تفتیش و تحقیقات کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

۳:-"خدا کے مامورین کے آنے کے بھی ایک موسم ہوتے ہیں۔"

اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ موسم مفرد ہے اور ہوتے ہیں جمع ہے۔

الجواب

یہاں موسم بطور اسم جنس کے استعمال ہوا ہے جو جمع کا فائدہ دے رہا ہے۔ اور "ایک" کا لفظ خاص کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ خاص موسم ہوتے ہیں۔

بعض الفاظ کے استعمال پر اعتراضات

"الفاظ کا غلط استعمال" کے عنوان کے تحت برق صاحب نے بعض الفاظ درج کئے ہیں جن میں بعض غلطیاں سہوِ کتابت سے متعلق ہیں برق صاحب نے ازالہ اوہام

صفحہ ۴۳۱ کے حوالہ سے "بھیڈی اور لونبڑی" کے الفاظ درج کئے ہیں۔ دراصل یہ لفظ "بھیڑی" اور "لومبڑی" ہیں۔ غلطی رسم الخط کی ہے۔

۲ :- پھر "جو" کا لفظ بامعنی "کہ" استعمال ہوا۔ اس جگہ "جو" موصولہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ اور یہ پرانا اسلوبِ بیان ہے۔

۳ :- "ایک خاص طور پر ان کے ساتھ ہوتا ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۷)

برق صاحب "ایک خاص طور پر" کے الفاظ پر معترض ہیں۔ مگر مراد اس فقرہ سے یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے خدا تعالےٰ ایک رنگ کا خصوصی تعلق رکھتا ہے۔

۴ :- برق صاحب ایک عبارت پیش کرتے ہیں :-

"جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے...... درحقیقت وہ ایک روحانی آفتاب نکلتا ہے۔ جس کی کم وبیش دور دور روشنی پہنچتی ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۴۹)

برق صاحب اس پر معترض ہیں کہ۔ خط کشیدہ حصص بے معنی ہیں۔

الجواب

برق صاحب نے حسب عادت پوری عبارت نہیں لکھی۔ پوری عبارت سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ حصص بے معنی نہیں۔ بلکہ برق صاحب نے درمیان سے کچھ عبارت حذف کر کے خود اسے بے معنی بنایا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے :-

"جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے۔ اس کے وجود سے علیٰ حسبِ مراتب سب کو بلکہ تمام دنیا کو فائدہ ہوتا ہے۔ اور درحقیقت وہ ایک روحانی آفتاب نکلتا ہے۔ جس کی کم وبیش دور دور تک روشنی پہنچتی ہے۔" ہر شخص اس عبارت کے مفہوم کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ مامورین من اللہ کو اس عبارت میں آفتاب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس سے دور دور تک روشنی پہنچتی ہے۔ کہیں کم اور کہیں زیادہ۔ اس تشبیہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مامور من اللہ روحانیت میں آفتاب ہوتا ہے۔ جس سے حسبِ

مراتب تمام دنیا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ۔

۵ :-ازالہ اوہام صفحہ ۷۹۶ پر :-

"افریقہ کے جنگلیوں آدمیوں" کی بجائے "جنگلی آدمی" پڑھیے۔ اس میں سہو کتابت ہے۔

۶ :-برق صاحب ایک عبارت پیش کرتے ہیں :-

"تو پھر روح ایک جسم میں آگئی جو بطور بے کار چھوڑا گیا تھا۔"

الجواب

برق صاحب نے یہ عبارت بھی پوری درج نہیں کی۔ پوری عبارت یوں ہے :-

"سونا اور پھر جاگ اٹھنا ایک معمولی بات ہے۔ جب تک انسان سویا رہا۔ روح اس کی خدا تعالےٰ کے قبضہ میں رہی۔ اور جب جاگ اٹھا تو پھر روح اس جسم میں آگئی۔ جو بطور بے کار چھوڑا گیا تھا۔"

اس عبارت کے معنے ظاہر ہیں کہ سونے کی حالت میں جسم بالکل بے کار نہین ہوتا بے کار کی طرح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں صرف بعض حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ اور جسم کی حرکات ارادی نہیں ہوتیں بلکہ غیر ارادی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے بے کار سے پہلے بطور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ تا یہ ظاہر ہو کہ سونے کی حالت میں جسم پورا بے کار نہیں ہوتا بلکہ بطور بے کار معطل ہوتا ہے۔

۷ :-پھر برق صاحب نے یہ عبارت پیش کی ہے۔

"میں اپنے چند موہومی بزرگوں کی لکیر کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۵۴۳)

اس پر برق صاحب لکھتے ہیں کہ خدا جانے یہ موہومی کیا چیز ہے۔ اور یہ

موہومی بزرگ کون ہوتے ہیں؟ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۲)

الجواب

اس جگہ پوری عبارت یوں ہے :-

"قرآن کریم نے نہ ایک بار نہ دوبار بلکہ پچیس بار فرمادیا کہ توفیّ کے لفظ سے صرف قبض روح مراد ہے۔ جسم سے کچھ غرض نہیں۔ پھر اگر اب بھی کوئی نہ مانے۔ تو پھر اسے قرآن کریم سے کیا غرض اس کو تو صاف یہ کہنا چاہیے۔ کہ میں اپنے موہومی بزرگوں کی لکیر کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ "موہومی بزرگوں" جن کے خیال کو وہ لوگ قرآن کے فیصلہ پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ اور انہیں لوگوں کی لکیر کے فقیر رہنا چاہتے ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ توفیّ سے جسم اور روح دونوں کا لینا مراد ہے۔ حالانکہ قرآن مجید توفیّ کے مشتقات صرف قبض روح کے معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ نہ قبض روح مع الجسم کے معنوں میں۔

"موہوم" وہم سے اسم مفعول ہے۔ اور اس کے ساتھ "ی" نسبتی لگا کر یہ لفظ خیالی کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے مراد یہ ہے کہ جو لوگ قائلینِ حیات مسیحؑ کے وہم وخیال میں بزرگ ہیں۔ وہ ان خیالی بزرگوں کی لکیر ہی پیٹنا چاہتے ہیں۔

۸ :- برق صاحب ایک عبارت درج کرتے ہیں :-

"اور درندگی کے جوشوں کی وجہ سے لعنتوں پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۵۹۵)

آپ کو اعتراض یہ ہے کہ "جوشوں" کی جگہ "جوش" چاہیے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۲)

الجواب

آج کل کے اسلوب میں گو جوشوں کی جگہ جوش استعمال ہوتا ہے۔ مگر پرانا اسلوب اپنی جگہ درست تھا۔ اور فصیح سمجھا جاتا تھا ہم اس سے پہلے سر سید احمد خان کے قول سے لفظ ”استعمالوں“ کی مثال دے چکے ہیں۔ آج کل صرف لفظ ”استعمال“ مستعمل ہے۔ لیکن پرانے اسلوب میں استعمالوں غیر فصیح نہیں سمجھا جاتا تھا۔ تبھی تو سر سید احمد خان نے جو اردو کے عناصر خمسہ میں سے تھے ”استعمالوں“ کا لفظ استعمال کیا۔

۹ :۔برق صاحب نے ایک اقتباس دیا ہے :۔

”اب جو یہودیت کی صفتوں کا عام وبا پھیل گیا ہے اور...... نصاریٰ کو اپنے مشرکانہ خیالات میں بہت سی کامیابی ہوئی ہے۔“ (ازالہ اوہام صفحہ ۶۵۰)

اس پر برق صاحب معترض ہیں۔ اردو میں صفت عموماً مدح خیر اور خوبی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں قبائح چاہیے نیز ”وباو کامیابی“ مونث ہیں۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۲)

الجواب

صفت کا لفظ در حقیقت ”حالت“ کے معنوں میں آتا ہے۔ برق صاحب کا یہ کہنا کہ عموماً مدح میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ عمومی استعمال اس کا مدح میں ہوتا ہے۔ لیکن کسی خاص محل پر جب کہ سیاق کلام وضاحت کر رہا ہو۔ قبائح میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس جگہ استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ اس جگہ یہودیت کی صفتوں کو عام وبا سے تعبیر کیا گیا ہے عام وبا کا لفظ اس جگہ صفتوں کے قبائح ہونے کے لئے قطعی قرینہ ہے۔ گویہ عرف عام کے مقابلہ میں مجازی استعمال ہوا ہے کیونکہ لغت میں صفت کا لفظ حالت کے معنوں میں ہی استعمال ہوتا ہے خواہ حالت اچھی ہو۔ یا بری۔ لفظ ”بہت

سے ’’کو‘‘ ’’بہت سی‘‘ پڑھیے اس جگہ ’’کامیابی ہوئی ہے‘‘ میں ’’ہوئی ہے‘‘ کا لفظ بھی اس بات کے لئے قرینہ ہے کہ ’’سی‘‘ ہی پڑھا جانا چاہیے۔ اور یہ اسبات کے لئے بھی قرینہ ہے کہ ’’کامیابی‘‘ کا لفظ مونث ہی استعمال ہوا ہے۔ رہا لفظ ’’وباء‘‘ تو وہ اہل علم میں مختلف فیہ ہے جیسا کہ۔ قلم، راہ، ہوش، فکر مختلف فیہ ہیں۔

برق صاحب! سنئے :- فکر ہوتا ہے فکر ہوتی ہے۔ یوں بھی لکھتے ہیں یوں بھی لکھتے ہیں۔ (نوحِ ناروی)

۱۰ :- برق صاحب حضرت اقدس کے ایک فقرہ کو ادھورا نقل کرتے ہیں :-

’’...... کا مفصل حال معلوم کرنا طول بلا طائل۔‘‘ (ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۶)

برق صاحب کا اس پر اعتراض یہ ہے۔ کہ عربی مرکب ’’بلا طائل‘‘ ہے۔ لا طائل کو بغیر طائل یا سوائے طائل میں بدل نہیں سکتے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۳)

الجواب

عربی مرکب دراصل ’’لَا طَائِلَ تَحتَہٗ‘‘ ہے۔ ’’طول لا طائل‘‘ عربی مرکب نہیں ہے۔ لہذا طول بلا طائل فارسی یا اردو ترکیب ہے اور یہ استعمال جائز ہے۔ ہرگز محل اعتراض نہیں۔ حضرت اقدس نے ’’طول بلا طائل‘‘ استعمال کیا ہے طول بغیر طائل یا طول سوائے طائل استعمال نہیں کیا۔ اور صرف طول لا طائل کہنا درست نہ ہوتا۔ جب تک اسکے ساتھ تَحتَہٗ کا استعمال نہ ہو۔ تا اس جگہ ’’بلا‘‘ کی ’’ب‘‘ سے ’’تحتہٗ‘‘ کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور عربی کے محاورہ کو اردو کا رنگ دے دیا گیا ہے۔ پس جو امر خوبی اور کمال پر دال ہے۔ اس میں بھی برق صاحب کیڑے نکال رہے ہیں۔

و کم من عائبٍ قولاً صحیحًا۔ و آفتہٗ من الفہم السقیم

۱۱ :- اس نمبر کے فقرہ میں ’’تحقیقاتوں‘‘ کے لفظ کے استعمال پر یوں معترض ہیں کہ :-

"تحقیق کی جمع تحقیقات ہے۔ جمع الجمع بنانے کی ضرورت ؟"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۳)

الجواب

اردو کے پرانے اسلوب میں عربی اسم کی جمع الجمع بنا کر علی العموم استعمال کی جاتی تھی بلکہ اب تک کئی الفاظ بطور جمع الجمع کے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً رسوم کی جمع الجمع رسومات اور اصول کی جمع الجمع اصولوں۔ وجوہ کی جمع الجمع وجوہات۔ کفار کی جمع الجمع کفاروں۔ اور علماء کی جمع الجمع علماؤں۔

۱۲ :۔برق صاحب ایک فقرہ یوں درج کرتے ہیں :۔

"مسیح نے اپنے حواریوں کو یوں نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کا منتظر رہنا۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۶۸۴)

اس پر برق صاحب لکھتے ہیں۔ کیا سمجھے ؟ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۳)

الجواب

برق صاحب نے ادھوری عبارت پیش کر کے مضمون کو مبہم بنا دیا ہے۔ اگر پہلا فقرہ ساتھ ہی درج کر دیتے تو "آخر" کا مفہوم واضح ہو جاتا۔ پوری عبارت یوں ہے :۔

"عیسائیوں نے مختلف زمانوں میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور کچھ تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ کہ ایک عیسائی نے امریکہ میں بھی مسیح ابن مریم ہونے کا دم مارا تھا۔ لیکن ان مشرک عیسائیوں کے دعویٰ کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ ہاں ضرور تھا کہ وہ ایسا دعویٰ کرتے۔ تا انجیل کی وہ پیشگوئی پوری ہو جاتی کہ بہترے میرے نام پر آئیں گے۔ اور کہیں گے۔ کہ میں مسیح ہوں پر سچا مسیح ان سب کے آخر میں آئے گا۔ اور مسیح

نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کا منتظر رہنا۔"

اس عبارت کے سیاق سے ظاہر ہے۔ کہ "آخر کا منتظر رہنا" سے۔ "سب سے آخر میں آنے والے" کا منتظر رہنا مراد ہے۔ پس اس عبارت میں کوئی ابہام نہیں۔ صرف جناب برق صاحب نے اعتراض کی خاطر اسے مبہم بنانے کے لئے ادھوری عبارت پیش کی ہے۔ تا کہہ سکیں سمجھے ؟

۱۳ :-برق صاحب ایک عبارت یوں درج کرتے ہیں :-

"جب دجال کے زمانہ میں دن لمبے ہو جائیں گے...... تو تم نے نمازوں کا اندازہ کر لیا کرنا۔" (ازالہ صفحہ ۶۸۷)

برق صاحب نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا صرف تو تم نے نمازوں کا اندازہ کر لیا کرنا کے نیچے لائن کھینچ دی۔ گویا یہ عبارت آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۳)

الجواب

پوری عبارت یوں ہے :-

"بعض یہ شبہ پیش کرتے ہیں۔ کہ ایک سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ کہ جب دجال کے زمانہ میں دن لمبے ہو جائیں گے۔ یعنی برس کی مانند یا اس سے کم تو تم نے نمازوں کا اندازہ کر لیا کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو انہی ظاہری معنوں پر یقین تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف فرضی طور پر ایک سوال کا جواب حسبِ منشا سائل دیا گیا تھا۔ اور اصلی واقعہ کا بیان کرنا مدعانہ تھا۔ بلکہ آپ نے صاف صاف فرمادیا تھا کہ سائر آیاَمِہ کَاَیّامِکُمْ۔"

اگر برق صاحب کو عبارت میں "تم نے اندازہ کر لیا کرنا" میں "نے" کے استعمال پر اعتراض ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پنجاب میں آجتک "نے" کا

استعمال موجود ہے۔

۱۴:-برق صاحب ایک عبارت یوں نقل کرتے ہیں :-

"اگرچہ یہ بات قابل تسلیم ہے۔ جو ہر سال میں ہماری قوم کے ہاتھ سے بے شمار روپیہ بنام نہاد خیرات وصدقات کے نکل جاتا ہے۔" (دیباچہ براہین صفحہ ب)

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ "جو" اور "میں" کا استعمال غلط ہے اور "بنام نہاد" مہمل ہے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۴)

الجواب

حضرت اقدس کا پرانا اسلوب بیان یہ تھا کہ "کہ" کی جگہ اس کے ہم معنے لفظ "جو" استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اور وقت کے ساتھ "میں" کا استعمال بھی پرانا اسلوب ہے بنام نہاد میں "ب" زائد تزئین کلام کے لئے ہے۔ اور پرانے لوگوں کا یہ اسلوب تھا۔ کہ عبارت میں "کے" لانے کے ساتھ "ب" بھی استعمال کرتے تھے۔ اس قسم کی تراکیب سر سید احمد خان مرحوم کے کلام میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں :-

الف :-بذریعہ ایک ڈپوٹیشن کے۔ (بجائے ایک ڈپوٹیشن کے ذریعے)

ب :-بہ نسبت سابق کے۔ (بجائے بہ نسبت سابق)

ج :-بطور نمونہ کے۔ (بجائے نمونہ کے طور پر)

د :-میرے پاس بذریعہ ڈاک کے۔ (بجائے ڈاک کے ذریعے)

(مکتوبات سر سید احمد خان)

پس بنام نہاد پرانی اردو زبان کے لحاظ سے قابل اعتراض نہیں۔

۱۵ :-پھر برق صاحب یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔

"دوسرے تو ایسا دل ودماغ ہی نہیں رکھتے جو اسکی فلاسفری تقریر کو سمجھ

سکیں۔" (براہین صفحہ ۱۹۵)

اس عبارت میں فلاسفر پر "یائے نسبت" لگا کر فلاسفر کے لفظ کو صفت نسبتی بنایا گیا ہے۔ اور یہ لفظ فلسفیانہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہ امر بالکل جائز ہے۔ کہ کسی اسم پر یائے نسبتی لگا کر اسے صفت بنا دیا جائے سر سید مرحوم نے بھی بعض الفاظ ایجاد کئے ہیں۔ جیسے "معمّم" بڑے بڑے عمامہ والے۔ "شمشل" شملوں والے۔

۱۶:- پھر برق صاحب یہ شعر پیش کرتے ہیں:-

اب سال سترّہ بھی صدی سے گذر گئے

تم میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۱)

اس پر یہ اعتراض کیا ہے۔ سترہ (۱۷) تشدید کے بغیر ہے۔

الجواب

جناب برق صاحب اپنے آپ کو خواہ مخواہ اردو دان سمجھ بیٹھے ہیں۔ اہلِ زبان تو سترّہ کو مشدّد ہی بولتے اور پڑھتے ہیں۔

۱۷:- پھر برق صاحب نے ایک مصرع درج کیا ہے:-

"چھوڑتے ہو دیں کو اور دنیا کو کرتے ہو پیار۔"

اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ دیں میں اعلانِ نون ضروری ہے۔ پیار کی یا غیر ملفوظہ ہوتی ہے۔ اور تقطیع کے وقت پیار صرف پار رہ جاتا ہے۔ مگر یہاں ملفوظہ ہے۔

الجواب

جن اساتذہ نے اپنے پر یہ پابندی عائد کرنی ہے کہ عطف و اضافت کے بغیر اخفائے نون نہیں کریں گے۔ وہی اس قاعدہ کے پابند ہیں۔ ورنہ میر اور سوداء سے لیکر

تا ایں دم شعراء اخفائے نون سے بھی لفظ باندھتے چلے آئے ہیں۔ اور اعلانِ نون سے بھی اخفائے نون کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

منیر شکوہ آبادی :-

منیر افسردہ ہوں پابندی عطف واضافت سے
ورنہ لطف دکھلاتا مضامین گریباں کا

اس جگہ اضافت کی وجہ سے منیر نے گریبان کو اخفائے نون سے باندھا ہے۔

منیر :-

ٹھہرے ہیں ہم تو مجرم تم کو پیار کر کے
تم سے بھی کوئی پوچھے تم کیوں ہوئے پیارے

سوداء :-

ماروگے کس کو جی سے کس پر کمر کسی ہے
پھرتے ہو کیوں پیارے تلوار ڈھال باندھے

قائم :-

بہار عمر ہے قائم کوئی دن
اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

بے خود :-

یہ سمجھ کر گالیاں دیتے ہیں وہ
بھولی صورت پر پیار آجائے گا

پس اخفائے نون اور تقطیع میں پیار کی یائے کا ملفوظہ ہونا محل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس زمانے کے اساتذہ اپنے کلام میں اعلانِ نون اور تقطیع میں پیار کی یائے کو ملفوظہ استعمال کرتے رہے ہیں۔ کیوں برق صاحب تسلی ہوئی ؟

اب سوداء کے کلام میں خود لفظِ "دین" میں اخفائے نون کی مثالیں واضح ہوں :-

(۱) غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

(۲) نے فکر ہے دنیا کی نے دیں کا مثلاشی
اس ہستی موھوم میں کسی کام کا ہوں میں

(۳) کار فرما جو ہمیں پوچھے تو کیا دیں گے جواب
وہ کیا کام نہ دنیا ہوئی نے دیں جس میں

سنایئے برق صاحب! اب بھی تسلی ہوئی یا نہیں؟ کہ حضرت اقدس کا دین کو اخفائے نون سے استعمال کرنا درست ہے۔ اور آپ کا اعتراض لغو۔

۱۸ :- پھر برق صاحب یہ فقرہ درج کرتے ہیں :-

"چونکہ نور افشاں کے صاحبِ راقم نے"

اس پر یہ اعتراض کیا ہے۔ یہ صاحبِ رقم کیا چیز ہے؟ (حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۵)

الجواب

یہ صاحبِ رقم نور افشاں کے ایڈیٹر صاحب ہیں۔ راقم کے ساتھ صاحب کا لفظ اکراماً استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ہر گز محلِ اعتراض نہیں۔ یہ بیان ختم ہوا اس کے بعد برق صاحب "مہمل" کے عنوان کے تحت اٹھ عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔ جناب مرزا صاحب کے ہاں مہمل جملوں کی بھی کمی نہیں۔ اقتباسات میں خط کشیدہ الفاظ ملاخطہ فرمایئے۔

۱ :- "مگر یہ دنیوی پیشگوئیاں تو ابھی مخفی امور ہیں۔ جن کی شارع علیہ السلام نے اگر

کچھ شرح بھی بیان کی۔ توایسی کہ جواستعارہ کی طرف توجہ دلاتی ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۷)

الجواب

خط کشیدہ الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پیشگوئیوں کی جو تشریح آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان پیشگوئیوں میں استعارہ کا استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کی عبارت یوں ہے :-

"مثلاً کیاان احادیث پر اجماع ہو سکتا ہے۔ کہ مسیح آکر جنگلوں میں خنزیروں کا شکار کھیلتا پھرے گا۔ اور دجال خانہ کعبہ کا طواف کرے گا۔ اور ابن مریم بیماروں کی طرح دو آدمیوں کے کاندھے پر ہاتھ دھر کے فرض طواف کعبہ بجالائیگا کیا معلوم نہیں ؟ کہ جو لوگ ان حدیثوں کی شرح کرنے والے گزرے ہیں۔ وہ کیسے بے ٹھکانہ اپنی اپنی تکیں ہانک رہے ہیں اگر کوئی بات اجماع کے طور پر تصفیہ یافتہ ہوتی تو کیوں وہ لوگ مختلف خیالات کو ظاہر کرتے۔ کیا کفر کا خوف نہیں تھا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۴۱۸)

۲ :- "اور ان (کامل لوگوں) کی روح کو خدا تعالیٰ کی روح کے ساتھ وفاداری کا ایک راز ہوتا ہے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۴۴۶)

پوری عبارت یوں ہے :-

"خدا تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں کو نہایت کامل وفاداری کا تعلق ہوتا ہے۔ اور ایک عجیب مستی جانفشانی کی ان کے اندر ہوتی ہے۔ اور ان کی روح کو خدا تعالیٰ کی روح کے ساتھ وفاداری کا ایک راز ہوتا ہے جس کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ اس لئے حضرتِ احدیت میں ان کا ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ جس کو خلقت نہیں پہچانتی اور وہ چیز جو خاص طور پر ان میں زیادہ ہے۔ اور جو سرچشمہ تمام برکات کا ہے۔ اور جس کی وجہ سے یہ ڈوبتے ہوئے پھر نکل آتے ہیں۔ اور موت تک پہنچ کر پھر زندہ ہو جاتے ہیں اور : لتیں

اٹھا کر پھر تاج عزت رکھا دیتے ہیں۔ اور مہجور اور اکیلے ہو کر پھر ناگہاں ایک جماعت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ وہ یہی رازِ وفاداری ہے۔ جس کے رشتۂ محکم کو نہ تلواریں قطع کر سکتی ہیں اور نہ دنیا کا کوئی بلوہ اور خوف مفسدہ اس کو ڈھیلا کر سکتا ہے۔ السلام علیھم من اللّٰہ و ملئکته ومن الصلحاء اجمعین" ہر پڑھنے والا خود سمجھ سکتا ہے کہ اس عبارت میں "راز وفاداری" سے کیا مراد ہے۔ پس یہ فقرہ قابل اعتراض نہیں کیونکہ آگے اس کی نہایت لطیف تفسیر اور وضاحت موجود ہے۔"

۳:- "تیری ذریت کو بڑھائے گا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتداء قرار دیا جائے گا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۶۳۴)

اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کی دو الہامی پیشگوئیوں کا ذکر ہے۔ اور اس عبارت سے پہلے اور بھی کئی پیشگوئیاں مذکور ہیں۔ یہ عبارت اپنے اس مضمون میں صاف ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ کہ وہ آپ کی ذریت کو بڑھائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ نہایت شاندار طریق سے پورا فرمایا ہے اور آپ کی ذریتِ جسمانی و روحانی ترقی پر ترقی کر رہی ہے۔ دوسری پیشگوئی یہ کی گئی ہے کہ اس کے بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتداء قرار دیا جائے گا۔ یہ عبارت عربی الہام ینقطع من ا باء ك ویبدء منك کا اردو مفہوم ہے۔ کہ آپ کے خاندان کی باقی شاخیں خشک ہو جائیں گی اور باقی لوگ لاولد رہ جائیں گے۔ اور آئندہ سے آپ کے خاندان میں سے صرف آپ کی شاخ پھلے پھولے گی۔ اور خاندان آپ کی طرف سے منسوب ہو گا۔ اللہ اللہ یہ کیسی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جس کے عمل میں آنے کے لئے کسی انسانی تدبیر کا کچھ دخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت اقدس کے خاندان کی باقی سب شاخیں ان لوگوں کے لاولد رہ جانے کی وجہ سے خشک ہو گئیں۔ اور صرف آپ کی ذریت جاری ہے۔

جناب برق صاحب اس معجزانہ نشان سے ازراہ تقویٰ خدا تعالیٰ کی ہستی پر

ایمان تازہ کرنے کی بجائے اسے اعتراض کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ صد حیف۔

۴ :۔"اکثر لوگ عقل کی بد استعمالی سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۷۶۷)

پوری عبارت یوں ہے :۔

"اسلام کے ضعف اور غربت اور تنہائی کے وقت میں خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔ تا میں ایسے وقت میں جو اکثر لوگ عقل کی بد استعمالی سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں۔ اور روحانی امور سے رشتہ مناسبت بالکل کھو بیٹھے ہیں اسلامی تعلیم کی روشنی ظاہر کروں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اسلام اپنا اصلی رنگ نکال لائے گا۔ اور اپنا وہ کمال ظاہر کرے گا جس کی طرف آیت لیظھرہ علی الدین کلّہ میں اشارہ ہے۔"

عبارت کا مفہوم واضح ہے۔ اس میں کوئی ابہام نہیں۔

جناب برق صاحب نے نہیں بتایا کہ ضلالت کی راہیں پھیلانا کیوں قابلِ اعتراض ہے۔ اگر ضلالت پھیلانا کے الفاظ قابل اعتراض نہیں تو ضلالت جس کی کئی راہیں یعنی مذاہب ہیں۔ ان کے پھیلانے کا ذکر کیوں خلاف فصاحت ہے۔ مذاہب کے لئے تو پھیلانے ہی کا استعمال موزوں اور فصیح ہے۔

۵ :۔"اس قدر عرض کرنا اپنے بھائیوں کے دین اور دنیا کی بہبودی کا موجب سمجھتا ہوں۔ کہ اگرچہ گورنمنٹ کی رحیمانہ نظر مسلمانوں کی شکستہ حالت بہر حال قابل رحم ٹھہرے گی۔"

الجواب

اس عبارت میں سہو کتابت سے لفظ "نظر" کے بعد "میں" کا لفظ رہ گیا ہے اس قسم کی کتابت اور طباعت کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی بجائے ان پر سنجیدہ بن کر

اہتمام سے اعتراض کرنا عالی ظرفی کی علامت نہیں۔

۶ :-"اسی سال بہت سے اور لوگوں نے بھی امتحان دیا...... مجھ کو خواب آئی کہ ان سب میں سے صرف اس شخص مقدم الذکر کا پاس ہو گا۔ اور دوسرے سب امیدوار فیل ہو جائیں گے۔"

اصل عبارت یوں ہے :-

"ایک مرتبہ خدا نے ہم کو خواب میں ایک راجہ کے مر جانے کی خبر دی وہ خبر ہم نے ایک ہندو صاحب کو کہ جواب پلیڈری کا کام کرتے ہیں بتلائی۔ جب وہ خبر اسی دن پوری ہوئی تو وہ ہندو صاحب بہت ہی متعجب ہوئے کہ ایسا صاف اور کھلا ہوا علم غیب کا کیونکر معلوم ہوا۔

پھر ایک مرتبہ جب انہیں وکیل صاحب نے اپنی وکالت کے لئے امتحان دیا تو اسی ضلع میں سے اُن کے ساتھ اسی سال میں بہت سے اور لوگوں نے بھی امتحان دیا۔ اس وقت بھی مجھ کو ایک خواب آئی۔ اور میں نے اس وکیل صاحب کو اور شاید تیس[۳] یا چالیس[۴] اور ہندوؤں کو جن میں سے کوئی تحصیلدار' کوئی سر رشتہ دار' کوئی محرّر ہے بتلایا۔ کہ ان سب میں سے صرف اس شخص مقدم الذکر کا پاس ہو گا اور دوسرے سب امیدوار فیل ہو جائیں گے۔ چنانچہ بالآخر ایسا ہی ہوا۔ اور ۱۸۶۸ء میں اس وکیل صاحب کے خط سے اس جگہ قادیاں میں یہ خبر ہم کو مل گئی۔ والحمد للہ علی ذالك۔"

(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۲۵۶ طبع اول)

برق صاحب نے اس نشان سے تو کوئی فائدہ اٹھایا نہیں بلکہ عبارت کو غیر مُوثر بنانے کے لئے شروع اور درمیان کی عبارتیں حسبِ عادت حذف کر گئے ہیں۔ البتہ انہیں اس نشان کے بیان کی عبارت کے ایک حصے پر اعتراض پیدا ہوا ہے۔ خط کشیدہ عبارت میں "پاس" کا لفظ ایک خاص صنعت میں استعمال ہوا ہے۔ جو بظاہر

انگریزی لفظ "فیل" کے مقابل انگریزی لفظ pass کے مشابہ ہے۔ حقیقت میں یہاں یہ لفظ فارسی لفظ پاس ہے۔ جو اردو میں بامعنی "لحاظِ خاطر" استعمال ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے۔ کہ خواب کا مضمون آپ نے یہ بتایا تھا۔ کہ اس امتحان میں مقدم الذکر شخص کا "پاس خاطر" ہوگا یعنی وہ کامیاب ہوگا۔ اور دوسرے سب امیدوار فیل ہو جائیں گے۔

۷ :- "یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اسرار اور عجائبات پُر ہیں دجال معہود کی طبائع کی بناوٹ اس کے برابر نہیں۔"

نہ معلوم برق صاحب نے یہ عبارت کیوں درج کر دی اور اس میں انہیں کیا اہمال اور ابہام نظر آیا ہے۔ جس لطیف اور واضح عبارت سے سیاق و سباق کو دانستہ کاٹ کر یہ فقرہ لکھا گیا ہے۔ وہ پوری عبارت یوں ہے :-

"واضح رہے کہ قرآن شریف میں الناس کا لفظ بمعنی دجال معہود بھی آتا ہے۔ اور جس جگہ ان معنوں کو قرینہ قویہ متعین کرے تو پھر اور معنے کرنا معصیت ہے۔ چنانچہ قرآن شریف کے ایک اور مقام میں الناس کے معنے دجال ہی لکھا ہے اور وہ یہ ہے۔ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ۔ (المومن : ۵۸) یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اسرار اور عجائبات پُر ہیں۔ دجال معہود کی طبائع کی بناوٹ اس کے برابر نہیں۔ (یہ آیت کا ترجمہ ہے آگے تشریح میں فرماتے ہیں ناقل)۔ یعنی گو وہ لوگ اسرار زمین و آسمان کے معلوم کرنے میں کتنی ہی جانکاہی کریں اور کیسی ہی طبعِ وقاد لاویں۔ پھر بھی ان کی طبعیں ان اسرار کے انتہا تک پہنچ نہیں سکتیں۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۱ طبع اوّل)

اور پھر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں :-

"خلاصہ مطلب آیت یہ ہے کہ زمین آسمان میں جس قدر اسرار رکھے گئے ہیں جن کو دجال بذریعہ علم طبعی اپنی قدرت میں کرنا چاہتا ہے وہ اسرار اس کے اندازۂ

جودتِ طبع اور مبلغِ علم سے بڑھ کر ہیں۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۱ طبع اوّل)

اب قارئین کرام ملاحظہ فرمالیں کہ اس عبارت میں کونسا فقرہ مہمل ہے۔ جب کہ اس کو مذکورہ سیاق وسباق میں پڑھا جائے۔

۸ :-برق صاحب لکھتے ہیں۔ مرزا صاحب کے دو شعر ملاحظہ ہوں :-

کیوں غضب بھڑکا خدا کا مجھ سے پوچھو غافلو!
ہو گئے ہیں اس کا مُوجب میرے جُھٹلانے کے دن
جب سے میرے ہوش غم سے دیں کے ہیں جاتے رہے
طَور دنیا کے بھی بدلے ایسے دیوانے کے دن

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ آخر طبع اول ۱۹۰۷ء)

الجواب

"میرے جُھٹلانے کے دن" میں حضرت اقدس نے "میرے" کو بطور "ضمیرِ اضافت" استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے اسلوب کے مطابق بطور "ضمیرِ مفعول" بامعنی "مجھے" استعمال فرمایا ہے۔ پس شعر کے معنی صاف ہیں کہ اے غافلو! مجھ سے پوچھو کہ خدا کا غضب کیوں بھڑکا ہے؟ تمہارا مجھے جھٹلانا اس غضب کا موجب ہوا ہے۔

دوسرے شعر کا مصرع ثانی پہلے مصرع کے ساتھ مل کر یہ معنی رکھتا ہے کہ جب سے میں دینِ (اسلام) کے غم میں دیوانہ ہوا ہوں۔ لوگوں کے اطوار بھی بدل گئے ہیں۔ اور میری تکفیر اور تکذیب پر کمربستہ ہو گئے ہیں۔

برق صاحب نے آخر میں نوٹ دیا ہے :-

یہ تھیں چند مثالیں اس کلام کی جس کے متعلق مرزا صاحب نے فرمایا تھا۔

كَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَبٍّ رَحِيْمٍ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فقرہ عربی زبان کے امتیازی کلام کے متعلق ہے۔ پس برق صاحب کا اس جگہ اس عربی عبارت کو پیش کرنا غیر متعلق ہونے کی وجہ سے بے محل ہے۔

بعض الہامات پر
ادبی نکتہ چینی کا جواب

برق صاحب نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے بعض الہامات پر کچھ ادبی نکتہ چینی بھی کی ہے۔ اس نکتہ چینی میں انہوں نے محض اپنے فہمِ سقیم اور عربی ادب میں اپنی انتہائی کم مائیگی کا ثبوت دیا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

وَكَمْ مِن عَائِبٍ قَوْلاً صَحِيحاً

وآفَتُهٗ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيمِ

۱۔ ”السماء والارض معك كما هو معی۔“

اس الہام پر دو اعتراض کئے ہیں :-

اوّل :- عربی میں ارض و سماء مونث ہیں ان کے لئے ضمیر ھُوَ مذکر استعمال کی گئی۔

دوم :- دو اشیاء کی طرف مفرد کی ضمیر راجع کر دی حسبِ قواعد ھُمَا چاہیے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۸۹، ۳۹۰)

الجواب

یہ دونوں اعتراض عربی زبان کے اسالیب سے ناواقفی کا ثبوت ہیں۔ ان دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ اس الہام میں ”السماء والارض“ کو تاویلاً مخلوق پر

محمول کر کے ھُوَ کی ضمیر کا مرجع قرار دیا گیا ہے۔ مخلوق چونکہ مذکر اور مفرد ہے اس لئے ھُوَ کی ضمیر مفرد مذکر استعمال کی گئی۔ حضرت اقدسؑ اس الہام کے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں :-

"ھُوَ کا ضمیر واحد باعتبار واحد فی الذہن یعنی مخلوق ہے۔ اور ایسا محاورہ قرآن شریف میں بہت ہے۔ (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۵۲)

سراج منیر صفحہ ۸۱ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "ضمیر ھو اس تاویل سے (واحد) ہے۔ کہ اس کا مرجع مخلوق ہے۔"

اگر یہ سوال ہو کہ کیا ایسی تاویل جائز ہے؟ تو مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ پر غور فرمایئے۔

۱ :-اللّٰہ ورسولُہٗ اَحَقُّ ان یُرضوہُ

اس آیت میں اللہ اور رسول کی طرف ہ مفرد کی ضمیر دونوں کا ایک مقصد ہونے کی وجہ سے راجع کی گئی ہے۔

۲ :-وَ الَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّھَبَ وَالۡفِضَّۃَ وَلَا یُنۡفِقُوۡنَھَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَبَشِّرۡھُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ (التوبہ : ۳۴)

اس آیت میں ذھب (سونا) اور فِضّۃ (چاندی) دو چیزیں مذکور ہیں۔ جن میں سے ایک مذکّر ہے اور دوسری مونث لیکن ان دونوں کی طرف تثنیہ کی ضمیر ھما کی بجائے واحد مونث کی ضمیر ھا راجع کی گئی ہے۔ اس کی توجہ یہ ہے کہ ذَھب اور فِضّہ کو ثروت قرار دے کر ان دونوں کی طرف واحد مونث کی ضمیر ھا راجع کی گئی ہے۔ کیا برق صاحب ان آیتوں کے الہامی کلام ہونے سے انکار کر دیں گے۔ یا ان میں ہماری تاویل سے ہی کام لیں گے۔

۳ :-"اِنّا آتیناك الدنیا"

اس الہام پر بھی دو اعتراض کئے گئے ہیں۔

اوّل :- ”یہاں ایک خدائی نعمت و عطاء کا ذکر ہے۔ اس لئے اعطینك زیادہ مناسب تھا گو قواعد کے لحاظ سے آتینٰك بھی صحیح ہے۔“ (حرفِ محرمانہ صفحہ ۳۹۰)

گویا اعتراض یہ ہوا کہ زیادہ مناسب لفظ اعطینٰك کے مقابلہ میں کم مناسبت رکھنے والا لفظ آتینٰك استعمال کر دیا گیا ہے۔

الجواب

قرآن کریم نے خدائی نعمت کے دیا جانے کا ذکر کرتے ہوئے صرف ایک جگہ اعطینٰك کے لفظ سے نعمت دینے کا ذکر کیا ہے۔

جیسے فرمایا :-

اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْکَوْثَر (الکوثر : ۲)

مگر قریباً تر یپن دفعہ نعمت دینے کے لئے اِس کی بجائے اٰتینا کا لفظ ہی استعمال فرمایا ہے۔ اگر اعطینا کا لفظ آتینَا کے مقابلہ میں نعمت دینے کے لئے زیادہ مناسب تھا تو برق صاحب بتائیں کہ قرآن کریم میں نعمت دینے کے لئے آتینَا کو اعطینا کے مقابلہ میں کیوں بہت اکثریت سے استعمال کیا گیا ہے؟ اس جگہ آتینَا کی چند مثالیں درج ہیں :-

۱ :- آتَیْنَا مُوسَی الْکِتٰبَ تَمَاماً عَلَی الَّذِیْ اَحْسَنَ۔ (الانعام : ۱۵۵)

۲ :- آتَیْنَا اٰلَ اِبْرَاهِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ۔ (النساء : ۵۵)

۳ :- آتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْماً۔ (النمل : ۱۶)

۴ :- آتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ۔ (لقمٰن : ۱۳)

۵ :- آتَیْنَا مُوسٰی سُلْطَاناً مُبِیْناً۔ (النساء : ۱۵۴)

۶ :- آتَیْنٰهُ مِنَ الْکُنُوْزِ۔ (القصص : ۷۷)

۷ :- لُوطاً آتَیۡنٰہُ حُکۡماً وَّ عِلۡماً۔ (الانبیاء : ۷۵)

۸ :- اٰتَیۡنٰھُمۡ مُّلۡکاً عَظِیۡماً۔ (النساء : ۵۵)

۹ :- وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعاً مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ۔ (الحجر : ۸۸)

اس آیت میں سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کے دیا جانے کیلئے اتینک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ وحی الٰہی کے لحاظ سے سب سے بڑی نعمت ہے جو دنیا کو دی گئی۔

پس برق صاحب کے اعتراض کی رکاکت اور سخافت ان آیات سے ظاہر ہے۔ کیونکہ ان کا یہ اعتراض تو پھر قرآن شریف کی وحی پر بھی پڑتا ہے۔

دوم :- "یہ الہام اتینٰک الدنیا (ہم نے تمہیں دنیا دے دی) مادی لحاظ سے غلط ہے۔ اور روحانی لحاظ سے ابھی پورا نہیں ہوا اور نہ آئندہ اس کی تکمیل کا کوئی امکان نظر آتا ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۹۴)

الجواب

روحانی لحاظ سے یہ ایک حد تک پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس وقت لاکھوں آدمی ساری دنیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیادتِ روحانیہ کو مان رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا کہ دنیا کی غالب اکثریت آپ کی روحانی سیادت کی قائل ہو جائے گی۔ گو برق صاحب کو اس کی تکمیل کا کوئی امکان نظر نہیں آتا مگر بعض ناممکنات کا وجود میں آجانا ہی تو خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی اور معجزہ ہوتا ہے۔ اور پیشگوئیوں کا پورا ہونا ایک وقت چاہتا ہے۔ اس لئے انتظار کیجئے۔ اس کے آثار تو ظاہر ہو چکے ہیں کیونکہ حضرت اقدسؑ کو تبلیغ اسلام کے لئے مخلصین کی ایسی جماعت دی گئی ہے۔ جو دین کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں کر کے اس پیشگوئی کے کامل طور سے پورا ہونے کے زمانہ کو خدا کے فضل سے قریب لا رہی ہے۔

۳ :- " لَو لاَ الاِ کْرَامُ لَهَلَكَ المُقَامُ۔ "

اس الہام پر تین اعتراض کئے ہیں :-

اوّل :- الا کرام کا استعمال غلط اور بے معنی ہے۔

دوم :- مقام کا استعمال ہندی ہے۔

سوم :- ہلاکت کی نسبت مقام کی طرف عربی محاورہ کے خلاف ہے۔

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۳۹۶)

الجواب

برق صاحب کی یہ تینوں باتیں غلط ہیں۔

پہلی اس طرح غلط ہے کہ الاکرام کا استعمال الہام میں غلط اور بے معنی نہیں بلکہ الاکرام کا الف مخصوص اکرام کو ظاہر کرتا ہے۔ جس سے مُلہم کا اکرام مراد ہے۔

پس الاکرام کے معنی اکرامكَ ہوئے۔ مگر برق صاحب نے اس کی توجیہہ لو لا اکرامك قرار دے کر لکھا ہے :-

"جس کے معنی ہوں گے " اگر تیرا عزت کرنا نہ ہوتا" ظاہر ہے کہ اس فقرے میں کوئی بھی مفہوم موجود نہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۹۵)

ان کا یہ ضمنی اعتراض بھی ان کے علمی افلاس کا ثبوت ہے۔ دراصل برق صاحب کو یہ علم نہیں کہ عربی زبان میں مصدر معروف اور مصدر مجہول کے لئے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اردو اور فارسی کی طرح مصدر معروف اور مصدر مجہول کے لئے الگ الگ الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔ پس الاکرام کے معنی جہاں دوسرے شخص کی عزت کرنا ہیں وہاں اِس کے معنی عزت کیا جانا بھی ہیں اگر مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہو مصدر معروف سمجھا جائے گا اور معنی عزت کرنا ہوں گے۔ اور اگر مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہو تو اسے مصدر مجہول سمجھا جائے گا۔ اور معنی عزت کیا جانا

ہوں گے۔ مصدر مجہول کی اپنے مفعول کی طرف اضافت کے لحاظ سے اِکْرَامُکَ کے معنے ہوں گے۔ تیرا عزت کیا جانا اور یہی معنے یہاں مراد ہیں۔ اس جگہ تیرا عزت کرنا یعنی دوسرے کی عزت کرنا مراد نہیں اسی لئے حضرت اقدس کے الہام کا ترجمہ مصدر مجہول کے معنوں میں یوں کیا ہے :-

"اگر تیری عزت منظور نہ ہوتی تو یہ مقام (قادیان) تباہ ہو جاتا۔"

(تذکرہ صفحہ ۱۱۷ چوتھا ایڈیشن)

چونکہ برق صاحب عربی ادب میں مفلس ہیں اس لئے انہیں آئندہ یاد رکھنا چاہیے کہ ضَرْبُ زَیْدٍ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ اوّل زید کا مارنا (یعنی زید کا کسی دوسرے کو مارنا) دوم زید کا مارا جانا (یعنی زید کا کسی دوسرے کے ہاتھ سے پٹنا)

دوسرے اعتراض کا جواب

مقام کے لفظ کو برق صاحب کا ہندی قرار دینا بھی علمی افلاس کا ثبوت ہے۔

برق صاحب نے اعتراض کیلئے مقام کے لفظ پر جو نوٹ دیا ہے وہ یہ ہے کہ :-

"مقام کے لفظی معنی ہیں وہ جگہ جو دو پاؤں کے نیچے ہو۔ یا وہ جگہ جہاں آپ دوران سفر میں قیام کریں مستقل جائے قیام کو بیت یا دار کہتے ہیں لغت کے لحاظ سے ہر جگہ مقام کہلاتی ہے۔ لیکن اصطلاحاً عرب کسی بستی کو مقام نہیں کہتے اس کے لئے قریہ کا لفظ ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۹۵)

الجواب

جناب برق صاحب اس بات سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں کہ عربی زبان میں دو لفظ مَقَام میم کی زبر سے مُقَام میم کی پیش سے استعمال ہوتے ہیں۔ مُقَام میم کی پیش سے مستقل رہائش گاہ کے لئے قرآن مجید کی وحی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مگر کبھی

میم کی زبر سے بھی مستقل رہائش گاہ کے لئے آجاتا ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

فَاَخرَجنٰھُم مِن جَنّٰتٍ وَّعُیُونٍ وَّ کُنُوزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیمٍ۔ (الشعراء ۵۹)

ہم نے فرعون کو اس کے لشکر کے ساتھ باغوں چشموں اور باعزت رہائش گاہ سے نکالا۔

گویا ایک شہر اور بستی کو مقام قرار دیا ہے۔ جو مستقل رہائش گاہ ہوتی ہے۔ پس اس آیت میں مَقام مفتوح المیم کو بھی مستقل رہائش گاہ کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن دوزخ کے متعلق سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں آیا ہے۔

اِنَّھَا سَآءَ ت مُستَقَرًا وَّمُقَامًا۔ (الفرقان : ۶۷)

کہ وہ بُری قرار گاہ اور مقام ہے اور جنت کے متعلق اسی جگہ آیا ہے۔

حَسُنَتُ مُستَقَرًا وَّمُقَامًا۔ (الفرقان : ۷۷)

وہ اچھی قرار گاہ اور مقام ہے۔

ان دونوں آیتوں میں مُقام مضموم المیم کا لفظ مستقل رہائش گاہ کے معنے دے رہا ہے۔ دو پاؤں کی درمیانی جگہ یا سفر میں عارضی رہائش گاہ کے معنے نہیں دے رہا۔ پس زیرِ بحث الہام الٰہی میں المُقَام میم کی پیش سے پڑھیں یا المَقَام میم کی زبر سے۔ یہ لفظ قادیان کی بستی کے لئے مستقل رہائش گاہ کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے برق صاحب کا یہ لکھنا کہ۔

"اصطلاحاً عرب کسی بستی کو مقام نہیں کہتے اس کے لئے قریہ کا لفظ موجود ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۹۵)

یہ بات بھی برق صاحب کے عربی علم ادب میں افلاس کا ہی ثبوت ہے دیکھئے عرب کا ایک مشہور اور مُسلّم شاعر کہتا ہے :-

عَفَتِ الدِّیَارُ مَحِلُّھَا وَ مُقَامُھَا۔

یعنی دیار مٹ گئے ان کی عارضی رہائش گاہیں بھی مٹ گئیں اور مستقل رہائش گاہیں یعنی بستیاں مٹ گئیں۔

اس شعر میں شاعر نے عارضی رہائش گاہ کے لئے مَحِل کا لفظ استعمال کیا ہے اور مستقل رہائش گاہ کے لئے مُقام کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اگر برق صاحب عربی لغت کی کتاب ''المنجد'' ہی اٹھا کر دیکھ لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس میں اقام کے معنی جس سے مُقام کا لفظ اسم مفعول ہے یہ لکھے ہیں :-

اقام بالمکان دام فِیْہِ و اِتَّخَذَہٗ وَطَناً (المنجد :ق)

یعنی اقام بالمکان کے معنی ہیں۔ اس مکان میں ہمیشہ رہا اور اسے اپنا وطن بنا لیا۔

اس لحاظ سے مُقام کے معنی ایسی جگہ کے ہوئے جو مستقل رہائش گاہ ہو چنانچہ اسی لغت میں المقام کے معنی الاِقَامَۃ و موضعھا وزمانُھا لکھے ہیں۔ یعنی مقام کے معنی بطور مصدر میمی الاقامۃ بھی ہیں۔ جس کے معنی مستقل قیام کرنا کے ہوتے ہیں۔ اور ایسی رہائش کی جگہ کے بھی ہیں اور ایسی رہائش کے زمانہ کے بھی ہیں۔ پس مقام کے معنی ہوئے دائمی اور مستقل رہائش گاہ۔

تیسرے اعتراض کا جواب

برق صاحب نے لکھا ہے کہ :-

''مقام کے لئے ہلاکت کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان جانور اور پرندے ہلاک ہوتے ہیں۔ نہ کہ پتھر دریا صحرا اور درخت یہ کہتے ہیں کہ بستی ہلاک ہو گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس گاؤں کی اینٹیں اور مکان فوت ہو گئے بلکہ یہ

کہ بسنے والے تباہ ہو گئے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۹۵)

برق صاحب نے اس جگہ دراصل خود ہی اپنے اعتراض کا جواب مہیا کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک بستی کی ہلاکت سے مراد اہل بستی کی ہلاکت ہوتی ہے نہ کہ اینٹوں اور مکان کا فوت ہونا۔ جب یہ امر برق صاحب کو مسلّم ہے تو یہ انہیں کس بے وقوف نے بتایا ہے کہ حضرت مرزا صاحب یا احمدی هلك المقام سے اینٹ پتھروں کا فوت ہو جانا مراد لیتے ہیں۔ خدا کے بندے! اس الہام میں بھی تو مقام سے مراد اہل مقام ہی ہیں۔ پس جس طرح قرآن مجید کی آئت میں وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهلِكَ قَرْيَةً (بنی اسرائیل : ۱۷)
میں قریہ کی ہلاکت سے مراد اینٹ پتھروں کا فوت ہو جانا نہیں بلکہ اہل قریہ کا تباہ ہو جانا ہے۔ اسی طرح اس الہام میں مقام کی ہلاکت سے مراد اہل مقام کی ہلاکت ہے۔ ظرف بول کر مظروف مراد لینا ہر زبان کا محاورہ ہے۔ اور لفظ کا ایسا استعمال مجاز مرسل کہلاتا ہے جو کلام میں حُسن پیدا کرتا ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام کے اس الہام کا مطلب یہ ہے۔ اے مسیح موعود اگر تیری عزت منظور نہ ہوتی تو ہم قادیان کے رہنے والوں کو تباہ کر دیتے۔ کیونکہ قادیان میں بڑے بڑے خبیث النفس موجود تھے جو سچائی کے دشمن اور تاریکی سے پیار رکھنے والے تھے۔ ایسے لوگوں پر ان میں مامور الہی کی موجودگی کی برکت سے عمومی تباہی نہیں آتی کیونکہ خدا کے مامورین رحمت ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ رسول کریم ﷺ کے متعلق فرماتا ہے:-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ (الانفال آیت : ۳۴)

اے نبی! خدا تعالےٰ مکہ والوں کو تیری موجودگی میں (موعود) عذاب نہیں دے گا۔

۴ :-"ھٰذا ھُوَ التِّرْبُ الَّذِی لَایَعْلَمُوْنَ۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۳۱۲ طبع اول)

برق صاحب کا اس الہام پر اعتراض یہ ہے :-

"ترجمہ میں تِرب کو عمل الترب بنادینا لغوی درازدستی کی انتہا ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۹۷)

الجواب

اِلتِّرب کو عمل التّرب قرار دینا لغت میں دراز دستی نہیں بلکہ جناب برق صاحب کا اِلتِّرب کا التّرب پڑھنا علمی بے مائگی کا ثبوت ہے اِلتِرب کے معنی ہم عمر ہیں۔ مسمریزم ایک نفسیاتی علم ہے۔ جو انسان کے ہم عمر چلا آیا ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اس کا نام اِلتّرب رکھا۔ اس الہام میں اِلترب کا الف لام عہد کا ہے۔ یعنی اس الہام سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر واضح کر دیا گیا تھا کہ مسمریزمی طریق کا نام ہمارے نزدیک اِلتّرب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی نسبت خود تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ جو میں نے مسمریزمی طریق کا عمل اِلترب نام رکھا...... یہ الہامی نام ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ یہ عمل اِلتّرب ہے۔ اور اس عمل کے عجائبات کی نسبت یہ بھی الہام ہوا ھذا ھو اِلتّرب الذی لایعلمون یعنی یہ وہ عمل اِلتّرب ہے جس کی اصل حقیقت کو زمانہ حال کے لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۳۱۲ حاشیہ طبع اول)

اس سے ظاہر ہے کہ اس اِلترب کا عمل اِلتّرب ہونا حضرت مسیح موعودؑ پر الہام ھذا ھو اِلترب سے پہلے ظاہر ہو چکا تھا۔ پس لغوی دراز دستی کا الزام دینے کے

لئے برق صاحب نے اس الہام کے سیاق کی مندرجہ بالا عبارت کو دانستہ چھپایا ہے۔ یہ طریق اعتراض محققانہ نہیں بلکہ محض معاندانہ ہے۔

۵ :-"اَنْتَ مِنْ مَاءِ ناوَهُمْ مِنْ فَشَلٍ۔"

تم ہمارے پانی سے ہو اور باقی لوگ بزدلی ہیں۔

اس پر برق صاحب کو اعتراض ہے :-

"کیا سمجھے؟" (حرف محرمانہ صفحہ ۳۹۷)

الجواب

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے سمجھانے سے ہم یہ سمجھے ہیں کہ "اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی، استقامت کا پانی، تقویٰ کا پانی، وفا کا پانی، صدق کا پانی، حبّ اللہ کا پانی ہے جو خدا سے ملتا ہے اور فشل بزدلی کو کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے۔"

(انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۵۶ طبع اول)

اس الہام میں ایمان، استقامت، تقویٰ اور حبّ اللہ کا مفہوم پانی کے لفظ سے مستعار ہے۔ اور یہ ایک لطیف استعارہ ہے اس امر کے لئے کہ مسیح موعود علیہ السلام ایمان، تقویٰ، استقامت کے حامل اور حبّ اللہ سے سرشار ہیں۔ اور آپ کے دشمن بزدل ہیں۔ اس لئے ان سے مت گھبرانا۔ پس جب ملہم نے اپنے الہام کی تشریح خود کر دی ہے تو برق صاحب کا سوال کیا سمجھے؟ ایک فضول اور لغو سوال ہے۔

۶ :-"وھٰذا تَذْكِرَةٌ۔" (انجام آتھم صفحہ ۶۲ طبع اول)

اس پر برق صاحب لکھتے ہیں :-

"تذکرہ مونث ہے اس لئے ھذا کی جگہ ھٰذہٖ چاہیے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۹۷)

الجواب

برق صاحب! قدم قدم پہ آپ اپنے علمی افلاس کا ثبوت دے رہے ہیں۔
سنئے! تذکرہ مصدر ہے اور عربی زبان میں مصدر مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہو سکتا ہے۔ اس عبارت میں ھذا تذکرہ کے لئے اسم اشارہ نہیں بلکہ "ھذا تذکرہ" جملہ اسمیہ ہے۔ جس میں ھذا مبتداء واقع ہوا ہے اور تذکرہ اس کی خبر ہے۔ اگر ھذا بطور اسم اشارہ استعمال ہوتا تو عبارت ھذا متذکرۃ ہوتی اور اس کے بعد اس کی کوئی خبر لائی جاتی۔ الہام میں ھذا کا مشار الیہ اس سے پہلا مذکور کلام ہے۔ اس مذکور کلام کو باسم اشارہ مذکر یہ الہام الٰہی تذکرہ (نصیحت) قرار دے رہا ہے۔

برق صاحب! آپ کو قرآن مجید کا بھی صحیح علم نہیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (العبس : ۱۲، ۱۳)

ذرا آنکھیں کھول کر دیکھئے "ذکرہٗ" میں ہٗ کی ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع اس جگہ تذکرہ ہی ہے۔ پس اس جگہ خدا تذکرہ کو مذکر ہی استعمال کر رہا ہے۔ اور انہا کی ضمیر کا مرجع آیات القرآن میں جو اس سے پہلے مذکور ہیں۔

فافھم و تدبرو لاتکن من الغافلین

برق صاحب! معلوم ہوتا ہے مصدر کے استعمال کا قاعدہ نہ جاننے کی وجہ سے غالباً آپ کو سورۃ مزمل کی آیت (۲۰) اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ سے کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے آپ نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے اس الہام پر زبان طعن دراز کی ہے۔

سنئیے! قرآن مجید کی آیت میں اس جگہ ھٰذہٖ کا مشارٌالیہ بھی آیات قرآنیہ ہیں۔ نہ کہ تذکرۃ۔ تذکرہ تو ھذہٖ متبدا کی خبر واقع ہوا ہے۔ پس قرآن کریم میں تذکرہ

مونث بھی استعمال ہوا ہے اور مذکر بھی اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے زیر بحث الہام میں پہلی آیت کی طرح مذکر استعمال ہوا ہے۔

۷ :-" اُخطِئی واُصِیبُ "۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۳ طبع اول)

اس الہام پر برق صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ :-

"عجب بے بس خدا ہے جس کے ارادے کبھی پورے نہیں بھی ہوتے۔ قرآن میں تو فرمایا فَعَّالٌ لِمَایُرِیدُ اور یہاں یہ ضُعف و بیچارگی۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۳۹۸)

الجواب

یہ الہام از قبیل متشابہات ہے۔ حقیقۃ الوحی میں جہاں سے برق صاحب نے یہ الہام لیا ہے وہاں ہی حاشیے میں اس کی تشریح یوں درج ہے :-

"اس وحی الٰہی کے ظاہری الفاظ یہ معنے رکھتے ہیں کہ میں خطا بھی کروں گا اور صواب بھی یعنی جو میں چاہوں گا کبھی کروں گا کبھی نہیں۔ اور کبھی میرا ارادہ پورا ہوگا اور کبھی نہیں۔ ایسے الفاظ خدا تعالےٰ کے کلام میں آجاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مومن کی قبضِ روح کے وقت تردّد میں پڑتا ہوں۔ حالانکہ خدا تردّد سے پاک ہے۔ اسی طرح یہ وحیٔ الٰہی ہے کہ کبھی میرا ارادہ خطا جاتا ہے اور کبھی پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۱۰۳ طبع اول)

واضح ہو کہ الہام ہذا کا یہ مفہوم کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں آیت قرآنیہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَایَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ (الرعد : ۴۰) کے عین مطابق ہے۔ اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ ام الکتب کی بعض مقدر

باتیں خدا مٹا بھی دیتا ہے اور بعض قائم رکھتا ہے۔ یہی مجازی زبان میں ارادے کی خطاو صواب ہے۔ پس اس الہام کی مجازی اور متشابہ زبان میں تقدیر کے محو واثبات کو ہی اُخطِئُ وَاُصِیبُ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے تا کہ برق صاحب جیسے لوگوں کا امتحان لیا جائے کہ وہ کجی اختیار کرتے ہیں یا راسخون فی العلم کی طرح اس کے معنی سمجھ لیتے ہیں۔

٨ :-"تَریٰ فَخِذًا اَلِیمًا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۳ طبع اول)

تو ایک دردناک ران دیکھے گا۔

برق صاحب کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ اَلْاَلِیمُ کے معنی مُوجِعٌ ہیں تو الیم کے معنی ہوں گے درد رساں۔ دوسرے کو دکھ دینے والی۔ اس تحقیق کی رو سے اس کے معنے ہوں گے۔

"تو ایک درد رساں ران دیکھے گا۔"

یعنی ایسی ران دیکھے گا جو کسی اور کو تکلیف دے رہی ہو گی۔ (حرفِ محرمانہ صفحہ ۳۹۹)

الجواب

برق صاحب آپ کو الیم کے مُتَعَدّی ہونے کی وجہ سے دوسرے آدمی کی تلاش کی ضرورت نہیں تھی۔ خود صاحب ران ہی وہ شخصیت تھا جس کی ران کی تکلیف اس کے سارے وجود کو درد مند کر رہی تھی اور اس کے لئے درد رساں تھی۔ شیخ سعدی نے سچ فرمایا ہے :-

چُو عُضوے بدردِ آوردْ رُوزگار
دِگَر عُضو ھا را نَمَانَدْ قَرَار

انسان کے ایک عضو میں درد ہو تو اس کا اثر سارے جسم کو پہنچتا ہے۔ اور سارا

جسم بے چین و بے قرار ہو جاتا ہے۔

جناب برق صاحب! اگر آپ کو درد رسانی کے لئے دوسرے آدمی کی ہی تلاش ہے تو حقیقۃ الوحی میں ایک دوسرا آدمی بھی اس جگہ مذکور ہے جس کو اس کے بھائی کی ران کا درد دردمند کر رہا تھا۔ چنانچہ اسی لئے وہ اپنے اس بھائی کو جلدی میں بلازین گھوڑے پر سوار کرا کے علاج کے لئے لایا۔ اس کے بھائی کی ران میں درد اتنی شدید تھی کہ اسے جلدی میں گھوڑے پر زین کسنے کے لئے وقت صرف کرنا بھی دوبھر تھا۔ ماموریںِ الٰہی کے مکذبین بھی کتنے تنگ نظر ہوتے ہیں۔ وہ کلام کے حُسن کو نہیں دیکھتے عیب ہی تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ الہام تو خدا کا ایک نشان ہے کہ ادھر یہ الہام ہوا ادھر پورا ہو گیا۔ مگر برق صاحب اس نشان سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے اس میں ادبی غلطیاں تلاش کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اعتراض خود ان کی ادبی بدذوقی کا ثبوت ہے۔ "المنجد" ہی پڑھ کر دیکھ لیتے اس میں لکھا ہے :-

وَجَعَ فُلَانًا رَأسُہٗ۔ (المنجد : باب ۹)

اس کے سر نے فلاں کو دردمند کیا۔

مراد یہ ہے کہ اس کے سر میں شدید درد ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بے چین ہے۔ پس فَخِذًا اَلِیمًا کے معنے فَخِذًا مُوجِعًا ٹھیک ہیں۔ مگر تعدیہ درد کا صاحبُ الفخذ کے لئے ہے۔ یعنی ران کی تکلیف صاحبِ ران کو سخت دردمند کر رہی تھی۔ پس جب ران دردناک تھی اور صاحبِ ران اس کی وجہ سے دردمند تھا تو ران اس کے لئے الیم یعنی درد رساں ہوتی۔ فافهم و تدبّر۔

۹ :- "وَ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْ بِشِفَاءٍ مِنْ مِّثْلِہٖ۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۵ طبع اول)

یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس وقت ہوا جب آپ شدید قولنج

زحیری میں مبتلا تھے۔ اور حالت قریب المرگ تھی۔ جیسا کہ حقیقۃ الوحی میں صفحہ ۲۳۴، ۲۳۵ طبع اول میں اس کی تفصیل درج ہے۔ اس وقت الہامی طور پر آپ کو اس کا علاج بتایا گیا جس کے کرنے سے آپ کو بہت جلد شفاء ہو گئی۔ اس شفاء کی نسبت الہام ہوا کہ اگر لوگوں کو میرے کلام کے متعلق شک ہے جو میں نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس جیسی شفاء پیش کریں۔ کیسی شفاء؟ ایسی شفاء کہ مریض قریب المرگ ہو۔ گھر والے مایوس ہو چکے ہوں۔ مَرض مہلک اور خطرناک ہو۔ مریض کو الہاماً اس کا علاج بتایا جائے۔ جس کے استعمال سے وہ جلد تندرست ہو جائے۔ یہ باتیں ثابت کرتی ہیں کہ یہ الہام خدا کا کلام تھا۔ پس اگر کوئی اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک کرتا ہے تو اسے چیلنج دیا گیا ہے کہ وہ اس رنگ کی شفاء پیش کرے۔ جس میں ایسے ہی مرض میں مبتلا مریض کو الہام میں اس کا علاج بتایا گیا ہو۔ اور پھر اس سے شفاء بھی پا گیا ہو۔ قرآن مجید میں ہے :۔

"فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ۔" (ھُود : ۱۵)

کہ اگر مخالفین قرآن کے مثل لانے کے چیلنج کے مقابلہ میں عہدبرآنہ ہو سکیں تو یہ اس امر کا ثبوت ہوگا کہ یہ کلام خدا کے علم سے اتارا گیا ہے۔

پس برق صاحب یا تو اس شفاء کی نظیر لائیں یا اس الہام کو کلام الٰہی سمجھیں۔ اس الہام کے متعلق یہ لکھنے کا آپ کو کوئی حق نہیں کہ :۔

"ہر روز قولنج کے سینکڑوں مریض شفاء یاب ہو جاتے ہیں۔ یہ عجیب چیلنج ہے جس کی دھجیاں دن میں بیس مرتبہ اڑائی جاتی ہیں۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۰، ۴۰۱)

سینکڑوں مریض قولنج زحیری سے شفاء یاب ہوتے ہوں گے۔ چیلنج تو ایسے شفاء یاب ہونے والے کے متعلق ہے جسے الہام میں اس کے شدید حملہ پر اس کا علاج

سمجھایا گیا ہو اور وہ اس سے شفاء یاب ہو گیا ہو۔ پس برق صاحب کی مندرجہ بالا نکتہ چینی چیلنج کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ چیلنج اپنی جگہ پر قائم ہے۔

۱۰ :۔" اَرَدْتُ زَمَانَ الزَّلْزَلَةِ۔" (تتمہ حقیقۃالوحی صفحہ ۱۵۸ طبع اول)

اس الہام پر برق صاحب لکھتے ہیں :۔

"کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ زلزلوں کے زمانہ میں جانا چاہتے ہیں یا اُس زلزلہ کے زمانہ کو لمبا کرنا چاہتے ہیں یا اس کو سزا دینا چاہتے ہیں۔ آخر جو کچھ کرنا تھا اس کا ذکر تو اس الہام میں آجانا چاہیے تھا تاکہ ابہام نہ پیدا ہوتا۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۰۲)

الجواب

الہام کا مضمون واضح ہے۔ اس میں کوئی ابہام نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے زلزلوں کے زمانے کا ارادہ کیا ہے۔ یعنی اب زلزلوں کا زمانہ آرہا ہے۔ پس اَرَدْتُ زَمَانَ الزَّلْزَلَةِ سے مراد اَرَدْتُ اَتیَانَ زَمَانَ الزَّلْزَلةِ یا مَجِیَ زَمَانَ الزَّلْزَلَةِ ہے۔ پس زمان کا لفظ بحذف مضاف استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ آیت قرآنیہ

"اِن تنصروُا اللّٰہ یَنْصُرْکُمْ۔" (مُحَمّد : ۸)

میں اللہ کا لفظ بحذف مضاف استعمال ہوا۔ اور مضاف اس کا لفظ دین ہے۔ ای اِنْ تَنْصُرُوا دِیْنَ اللّٰہِ۔ یعنی اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو۔ کیونکہ اللہ تو کسی کی مدد کا محتاج نہیں اور دین کو البتہ مدد کی احتیاج ہوتی ہے۔ پھر قرآن شریف میں وارد ہے۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (یٰسۤ : ۸۳)

اس آیت میں اَرَادَ فعل کے بعد شَیْئًا سے پہلے اَنْ یَّخْلُقَ محذوف ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ خدا کا کام یہ ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے کہ کسی شی کو پیدا کرے تو اسے کُنْ کہتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے۔

برق صاحب آخر میں لکھتے ہیں :-

"اس طرح بیسیوں الہامات اور ہیں جن میں سے بعض کی زبان غلط ہے اور بعض مفہوم کے لحاظ سے مہمل ہیں۔ ہم بخوفِ طوالت انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۰۲)

الجواب

ہم ثابت کر چکے ہیں کہ برق صاحب کے اعتراضات اوپر کے دس الہامات کے متعلق بالکل مہمل اور لغو ہیں۔ اور ان کے اعتراضات سے ان کا علمی افلاس ظاہر ہے۔ اسی قسم کی غلط فہمی اور نادانی میں ہی وہ دوسرے الہامات کے متعلق بھی مبتلا ہوں گے۔

☆☆☆

خطبہ الہامیہ پر
ادبی اعتراضات کے جوابات

خطبہ الہامیہ وہ کتاب ہے جس کا ایک حصہ یعنی پہلا باب الہامی ہے۔ اور باقی حصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے ٹائیٹل پیج پر تحریر فرماتے ہیں :-

هٰذَا هُوَ الكِتَابُ الَّذِي أُلْهِمَتْ حِصَّةٌ مِنْهُ مِنْ رَبِّ العِبَادِ۔ فِي يَوْمَ عِيْدٍ مِنَ الْأَعْيَادِ۔ فَقَرَأْتُهُ عَلَى الْحَاضِرِيْنَ۔ بِانْطَاقِ الرُّوحِ الأَمِيْنِ۔ مِنْ غَيْرِ مَدَدِ التَّرْقِيمِ

وَالتَدوِینِ۔ فَلا شَکَّ اَنّهٗ آیَةٌ مِنَ الآیَاتِ۔ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یَنطِقَ کَمِثْلِی مُرْتَجِلاً مُسْتَحْضِرًا فِی مِثْلِ هٰذِهِ العِبَادَاتِ۔

ترجمہ :- یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کا ایک حصہ عیدوں میں سے ایک عید میں مجھے مخلوق کے رب کی طرف سے الہام ہوا ہے اور میں نے اسے حاضرین کے سامنے روح الامین کے بُلانے سے پڑھا ہے۔ اسے نہ پہلے لکھا گیا ہے اور نہ مدّون کیا گیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ اور کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ میری طرح علی البدھیہ اس قسم کی عبارت میں خطبہ دے سکے۔

جناب برق صاحب نے خطبہ الہامیہ پر بھی کچھ ادبی اعتراض کئے ہیں جن کا تعلق زیادہ تر دوسرے ابواب سے ہے۔ پہلے باب پر صرف ایک ہی اعتراض کیا گیا ہے۔ عربی علم ادب کا ذوق رکھنے والا جناب برق صاحب کے اعتراضات پڑھ کر فوراً معلوم کر سکتا ہے کہ ان کے یہ اعتراض محض بھَرتی کے ہیں۔ جن کا ادبی غلطیوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان اعتراضات سے جناب برق صاحب کا عربی علمِ ادب سے تہی دست ہونا ظاہر ہے۔

ذیل میں اس کے اعتراضات مع جوابات درج ہیں :-

۱ :- ”اَلَّذِینَ اَکَلُوْ اَعمَارَهُمْ فِی ابْتِغَاءِ الدُّنیَا۔“

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۷۳ طبع اول)

ترجمہ :- ”(جو تلاش دنیا میں اپنی عمر کو کھا گئے) عمر کھانا پنجابی محاورہ ہے۔ عربی میں استعمال نہیں ہوتا۔“

الجواب

اس عبارت کا جو لفظی ترجمہ برق صاحب نے پیش کیا ہے وہ خطبہ الہامیہ میں

دیئے گئے مرادی ترجمہ کے خلاف ہے۔ خطبہ الہامیہ میں اس عبارت کا ترجمہ یوں دیا گیا ہے :-

''انہوں نے دنیا کی طلب میں اپنی عمریں کھوئیں۔''

اَ کَلُوْ (انہوں نے کھایا) کا استعمال چونکہ مجازی ہے اس لئے مجاز کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا مفہوم مراد ہوتا ہے۔ پس اَ کَلُوْ ا اَعْمَارَ ھُمْ کا مجازی مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی عمریں کھوئیں۔

برق صاحب کہتے ہیں کہ ''اَ کَلُوْ اَعْمَارَ ھُمْ'' پنجابی محاورہ ہے کئی محاورات مختلف زبانوں میں مشترک ہوتے ہیں کیونکہ فطرت انسانیہ ایک ہی ہے۔ یہ محاورہ اگر پنجابی میں بھی استعمال ہوتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ عربی اور فارسی میں استعمال نہیں ہوتا۔ فارسی میں ''سالخوردن'' کا محاورہ انہی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

برق صاحب کو یہ کیسے زعم ہو گیا ہے کہ انہیں عربی زبان پر عبور حاصل ہے۔ کیا برق صاحب اپنے تئیں طُرفہ اور نابغہ کا مثیل سمجھتے ہیں۔

سنئے برق صاحب! اکلوا اعمار ھم کا جملہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے ٹھیک عربی محاورہ کے مطابق استعمال کیا ہے۔ دیکھئے! لسان العرب میں جو عربی لغت کی جامع اور مستند کتاب ہے لکھا ہے :-

''یقال اکلتہٗ العقرب و اکل فلان عمرہ اذا اُفناہ۔''

(لسان العرب جلد ۱۳ صفحہ ۲۰)

ترجمہ :- ''کہتے ہیں کہ فلاں کو بچھو کھا گیا۔ یا فلاں نے اپنی عمر کھائی جب وہ اُسے فنا کر دے۔''

پس ''اس نے اپنی عمر کھائی'' کے معنے ہیں اس نے اپنی عمر کھو دی۔ اگر برق صاحب المنجد کو ہی دیکھ لیتے تو انہیں اکل فلان عمرہ کا محاورہ مل جاتا۔

حارث بن کعب زمانۂ جاہلیت کا ایک شاعر کہتا ہے :-

اَ کَلْتُ شبَا بِی فَاَفْنَیْتُهٗ | وَاَفْنَیْتُ بَعْدَ شهورٍ شُهُوْرًا

ثَلاَ ثَۃَ اَهْلِینَ صَاحَبْتُهُمْ | فَبَانُوا وَاصْبَحْتُ شَیْخاً کَبِیْرًا

(الشعر والشعراء لابن قتیبة)

ترجمہ :- میں نے اپنی جوانی کھائی پس میں نے اسے فنا کر دیا اور میں نے مہینوں کے بعد کئی مہینے فنا کر دیئے۔ میں تین گھر والوں کے ساتھ رہا پس وہ تو جدا ہو گئے اور میں بہت بوڑھا ہو گیا۔

کیا برق صاحب اب اَ کَلُوْا اَعْمَارَ هُمْ کا عربی محاورہ کے مطابق استعمال دیکھ کر کچھ محسوس کریں گے + دیدہ باید۔

۲ :- هَلْ هُوَا لاَّخُرُوْجُ مِّنَ اَلْقُرآنِ۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۵۸ طبع اول)

کے فقرہ پر برق صاحب لکھتے ہیں :-

”خروج جب بغاوت کے معنوں میں استعمال ہو تو اس کے بعد ہمیشہ علیٰ آتا ہے۔ اس لئے من القرآن صحیح نہیں۔“ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۶)

الجواب

اس فقرہ میں خروج بغاوت کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ قرآن کو مانتے ہوئے اس کی تعلیم کو نظر انداز کر دینے اور اس سے غفلت برتنے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سیاق کلام بھی اسی مفہوم کے ادا کرنے پر روشن دلیل ہے۔

یَاحَسْرَةً عَلَیْکُمْ اِنَّکُمْ نَسِیْتُمْ قَوْلَ اللّٰهِ وَقَوْلَ رَسُوْلِهٖ اَعْنِی مِنْکُمْ وَظَنَنْتُمْ اَنَّ الْمَسِیْحَ یَاتِی مِنَ السَّمٰوٰتِ الْعُلیٰ وَ کَیْفَ تَتْرُکُوْنَ الْقُرآنَ وَاَیُّ شَهَادَةٍ اَکْبَرُ لِمَن هْتَدَیٰ۔

یعنی تم پر افسوس ہے کہ تم نے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے قول "منکم" کو فراموش کر دیا۔ اور فضول گمان رکھتے ہو کہ مسیح آسمان سے آئے گا۔ تم قرآن کو کیوں ترک کرتے ہو ہدایت پانے والوں کے لئے قرآن سے بڑھ کر کون سی گواہی ہے۔"

اس سیاق سے ظاہر ہے خروج من القرآن کے الفاظ حضرت اقدس نے اس جگہ قرآن مجید کو نظر انداز کرنے اور اس سے غفلت برتنے کے معنوں میں استعمال کئے ہیں۔ برق صاحب! "المنجد" کو ہی دیکھ لیتے تو یہ اعتراض نہ اٹھاتے۔ "المنجد" میں "مرق" کے لفظ کے تحت لکھا ہے :-

مَرَقَ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَةِ نَفَذَ فِيهَا وَخَرَجَ مِنْهَا............ ...... مِنَ الدِّيْنِ خَرَجَ مِنْهُ بِضَلَالَةٍ اَوْبِدْعَةٍ۔ (المنجد باب۔م)

یعنی مَرَقَ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَةِ کے یہ معنے ہیں کہ تیر نشانے میں نفوذ کر کے اس سے نکل گیا اور مَرَقَ مِنَ الدِّيْنَ کے معنے خَرَجَ مِنْهُ بِضَلَالَةٍ اَوْبِدْعَة کے ہیں وہ دین سے گمراہی یا بدعت کی وجہ سے نکل گیا۔

دیکھ لیجئے خود لغت کی کتاب میں ایسے موقعہ کے لئے خَرَجَ مِنْهُ بِضَلَالَةٍ اَوْبِدْعَة کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں نہ کہ خَرَجَ عَلَى الدِّيْنِ کے۔

حدیث میں بھی آیا ہے۔ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٖ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ" فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔ (مشکوۃ باب الظلم)

کہ جو شخص ظالم کے ساتھ چل پڑا کہ اس کو قوّت دے اور وہ جانتا ہو کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خَرَجَ عَلَى الْاِسْلَامِ کے الفاظ استعمال نہیں فرماتے بلکہ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ کے الفاظ ہی استعمال فرمائے ہیں۔ اور مراد اس

سے یہی ہے اس کا فعل ضلالت ہے اور روح اسلام کے خلاف ہے۔

پس برق صاحب کا یہ اعتراض بھی لغو اور ان کے عربی علم ادب میں پس ماندگی کا ثبوت ہے۔

۳ :- فَفَرِیْقٌ عُلِّمُوا مَکَائِدَ الْاَرْضِ وَفَرِیْقٌ اُعْطُوا مَا اُعْطِیَ الرُّسُلُ مِنَ الْھُدٰی۔

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۷۶ طبع اول)

اس عبارت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ :-

"مکر و سازش انسان کا کام ہے یا شیطان کا۔ زمین پہاڑ یا تارے کوئی شرارت نہیں کر سکتے۔ لیکن آپ زمین کو بھی مکار سمجھتے ہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۶)

الجواب

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ

"ایک گروہ نے زمینی فریبوں سے تعلیم پائی۔ اور دوسرے گروہ کو وہ چیزیں دی گئیں جو ہدایت میں سے انبیاء اور رسولوں کو دی گئیں۔"

اس عبارت میں مَکَائِدُ الْاَرْضِ سے مراد مَکَائِدُ اَھْلِ الْاَرْضِ ہیں مکائد الارض میں محاورہ کے مطابق اَھْلِ کا لفظ محذوف ہے۔ گویا ارض سے بطور مجاز مُرسل کے اَھْلِ الْاَرْضِ مراد ہیں۔ ظرف بول کر مظروف مراد لینے کا طریق ہر زبان میں رائج ہے۔ خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَلَوْ لَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ آمَنَتْ۔ (یونس : ۹۹)

"کہ کیوں کوئی بستی ایمان نہیں لائی۔"

یہاں قریہ جو ظرف ہے اسے استعمال کر کے مظروف یعنی اہلِ قریہ مراد ہیں۔ پس جس طرح قریہ کا استعمال اس آیت میں بطور مجاز مُرسل کے ہے اور مراد اس سے اہلِ

قریہ ہیں اسی طرح مَکائِدُ الْاَرْضِ میں ارض کا استعمال بھی مجاز مُرسل کے طور پر ہے اور مراد مَکائِدُ الْاَرْضِ سے اہلِ ارض کے فریب ہیں۔ پھر قرآن شریف میں آیا ہے۔

فَمَا بَکَتْ عَلَیْھِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ۔ (اَلدُّخَان : ٣٠)

کہ ان پر آسمان وزمین نہ روئے۔

مراد اس سے یہ ہے کہ انہیں عذاب دیا جانے پر نہ ان پر اہلِ سماء روئے نہ اہلِ ارض۔ بلکہ وہ یہ سمجھے چلو "خس کم جہاں پاک" دیکھئے اس آیت میں آسمان وزمین کے رونے سے مراد اہلِ سماء واہلِ ارض کا رونا ہے۔ اور اس آیت میں سماء وارض استعمال کر کے مجاز مُرسل کے طور پر اُن سے آسمان وزمین کے رہنے والے مراد ہیں۔ فتدبّر۔

۴ :- وَتَنَزِلَ السَّکِیْنَۃُ فِیْ قُلُوْبِھِم۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۸۳ طبع اول)

اس پر اعتراض کیا ہے۔

"تنزل کے بعد علیٰ چاہیے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۷)

الجواب

برق صاحب نے تنزل کا لفظ غلط لکھا ہے یہ دراصل تَنَزِلُ ہے۔ برق صاحب کا اعتراض بالکل لغو ہے کیونکہ "سَکِیْنَۃ" (اطمینان و تسلی) کے جب کسی شخص پر نازل ہونے کا ذکر ہو تو اس صورت میں تو بے شک تَنَزِلُ کے بعد علیٰ آنا چاہیے۔ جیسے قرآن شریف میں ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ (التوبہ : ۴۰)۔ اس پر سکینت اتاری لیکن جب دل میں سکینت اترنے کا ذکر ہو تو تَنَزِلُ کے بعد فِی کا آنا ہی ضروری ہے اور اس جگہ علیٰ کا استعمال غلط ہوگا۔ کاش برق صاحب قرآن مجید ہی دیکھ لیتے جس میں صاف یہ آیت موجود ہے۔

هُوَ الَّذِیُ اَ نزَلَ السَکِینَۃَ فِی قُلُوبِ المُئو مِنِینَ لِیَزدَادُ وُا اِیمَاناً مَعَ اِیمَا نِہِم۔ (الفتح : ۴)

ترجمہ :۔یعنی خدا ہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت اتاری تا کہ جو ایمان انہیں پہلے نصیب تھا اس کے ساتھ اور ایمان بھی انہیں نصیب ہو جائے۔

دیکھ لیجئے اس آیت میں دلوں پر سکینت نازل ہونے کے لئے ''فِی'' کا لفظ ہی استعمال کیا گیا ہے۔ نہ کہ ''علی'' کا۔ پھر اسی سورۃ کی آیت ۲۷ میں جہاں اشخاص پر سکینت نازل کرنے کا ذکر ہے فرمایا ہے۔

فَا نزَ لُ اللّٰہُ سَکِینَتَہُ عَلیٰ رَسُو لِہٖ و عَلیٰ المُئو مِنِینَ۔

پس سکینۃ کے ساتھ حضرت اقدسؑ کے زیر بحث فقرہ میں ''فِی'' کے استعمال پر برق صاحب کا اعتراض نہ صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ عربی علم ادب میں کم مایہ ہیں۔ بلکہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ وہ قرآن شریف سے بھی ناواقف ہیں۔

۵ :۔ فَخَرَ جَ النَّصَارٰی مِنُ دَیُرِ ھِمُ۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۰۰ طبع اول)

نصاری اپنے گرجاؤں سے نکلے۔

اعتراض

گرجاؤں کا ترجمہ دیر نہیں بلکہ دیار، ادیر، اور دیورۃ ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۷)

الجواب

دَیُر کا لفظ اس جگہ بطور اسمِ جنس کے استعمال ہوا ہے۔ یہ استعمال اسی طرح ہے جس طرح قرآن مجید میں ثُمَّ یُخرِ جُکُمُ طِفلاً (المومن : ۶۸) (پھر تمہیں بچہ

پیدا کرتا ہے) میں طفل کا لفظ بطور اسمِ جنس اطفال کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جب کہ یُخرِ جُکمُ میں ضمیر کُمْ جمع مخاطب کی ہے۔ اسی طرح زیر بحث فقرہ میں "دیر" بطور اسمِ جنس استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے متعلق قرآن مجید میں وارد ہے کہ انہیں فرعون کے پاس بھیجتے ہوئے خدا تعالیٰ نے یہ ہدایت دی۔

فَقُوْ لَا اِنَّا رَسُوْ لُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (الشُّعَراء: ۱۷)

کہ دونوں جا کر کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔

اس آیت میں رسول مفرد بطور اسم جنس دو رسولوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ فَتَدَبَّر۔

۶:۔ وَ ارْ تَدُّ وْا مِنَ الْاِسْلَامِ۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۰۸ طبع اول)

اعتراض

عن چاہیے من غلط ہے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۷)

الجواب

اس جگہ کاتب نے عن اور من کی ملتی جلتی شکل کیوجہ سے بے توجہی سے عن کو من بنا دیا ہے۔ علاوہ ازیں عن کی جگہ من کا استعمال بھی نحوی لحاظ سے صحیح ہے۔ کیونکہ نحو کی کتابوں میں لکھا ہے کہ من بمعنی عن بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ پھر ملاحظہ ہو۔

قرآن شریف کی آیت قَدْ کُنَّا فِی غَفْلَةٍ مِنْ ھٰذا۔ (الانبیاء: ۹۸)

حالانکہ دوسری آیات قرآنیہ میں عن ہی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً فرمایا

"اَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُوْنَ۔" (یوسف: ۱۴)

پس زیر بحث فقرہ میں مِن کا استعمال بھی غلط نہیں۔

۷:۔ یُرِیْدُ وْنَ اَنْ یَّدُسَّو ا الْحَقَّ فِی تُرَابٍ وُ یمزِّ قُوْ ا اَذْ یَا لَهٗ کَکِلَابٍ۔

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۰۹ طبع اول)

اعتراض

اُلتراب اور الکلاب چاہیے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۲۰۷)

الجواب

یہ اعتراض بھی برق صاحب کی بدذوقی کا ثبوت ہے۔ تراب اور کلاب کو بصورت نکرہ ان لوگوں کی زیادتِ تحقیر کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ جہاں اور جس جگہ ان کو موقعہ ملے وہ حق کو چھپاتے ہیں۔ اور عام کُتّوں کی طرح سچائی کے دامن کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔

۸ :۔وَ لَا یفکّرُوْنَ فِی لَیْلِھِمْ وَ لَاْ نِھَارِھِمْ اِنّھُمْ یُسئَلُوْنَ۔

(صفحہ ۱۰۹ خطبہ الہامیہ طبع اول)

برق صاحب نے اس کا ترجمہ اپنی طرف سے یوں کیا ہے۔

”وہ لوگ قیامت کی باز پرس سے نہیں ڈرتے۔“

اور پھر اپنے ہی اس ترجمہ کی بناء پر یہ اعتراض کر دیا ہے کہ۔

”فکر کا استعمال خالص پنجابی ہے ڈر کے لئے خوف و خشیت کی مصادر موجود ہیں۔ (اس جگہ ”کی“ استعمال غلط ہے ہم اسے سہو کتابت ہی سمجھتے ہیں۔ ناقل) اس لئے لا یخشون کہئیے۔ قرآن میں ہر جگہ ”فکر“ غور و خوض اور تدبر کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ”لقومٍ یتفکرون (یونس : ۲۵)، یتفکرون فی خلق السموٰات (آل عمران : ۱۹۲) وغیرہ۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۸)

الجواب

برق صاحب! زیر بحث عبارت میں بھی غور و فکر کا لفظ قرآن کریم کے استعمال کی طرح سوچ بچار کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ خطبہ الہامیہ میں

اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

"اور اپنے رات اور دن میں فکر نہیں کہ آخر پوچھے جائیں گے۔"

مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت کے محاسبہ سے غفلت برتتے ہیں۔ اور دن اور رات میں کسی وقت نہیں سوچتے کہ ہمارا محاسبہ بھی ہونے والا ہے۔ بے شک سوچ بچار میں یہ غفلت خوف محاسبہ کے نہ ہونے پر دال ہے۔ جو لوگ محاسبہ کے متعلق سوچ بچار سے کام نہ لیں لازماً وہ محاسبہ سے ڈرتے بھی نہیں کیونکہ انہیں محاسبہ کا خیال ہی نہیں آتا تو ڈریں کیسے۔ پس اس جگہ لَا یُفَکِّرُوْنَ کو نہ ڈرنے کا مفہوم لازم ہے۔ لیکن مقصود اس عبارت میں چونکہ محاسبہ سے نہ ڈرنے کی علت بیان کرنا ہے جو عدمِ فکر (سوچ وبچار کا نہ ہونا) ہے۔ اس لئے لَا یَخَافُوْنَ کی جگہ لا یُفَکِّرُوْنَ کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ پس اس جگہ برق صاحب نے کسی نکتہ چینی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ صحیح انداز فکر سے محرومی کا ہی ثبوت دیا ہے۔ اور انہوں نے "حرفِ محرمانہ" نہیں لکھی بلکہ حرفِ محرومانہ لکھی ہے۔

۹ :- وَلَا یُبْعِدُ مِنِّیِ طَرْفَةَ عَیْنٍ رَّحْمَتَهٗ۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۰ طبع اول)

اعتراض

"طرفۃ العین کسی کام کی رفتار اور سُرعت ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً راکٹ آنکھ جھپکنے کی دیر میں سو میل نکل گیا۔ قرآن میں درج ہے کہ ایک جن ملکہ سبا کا تخت چشم زدن میں لے آیا۔ اس لئے یہاں اس کا استعمال غلط ہے۔"

(حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۰۸)

الجواب

طرفة عین کا استعمال اس جگہ غلط نہیں۔ بلکہ غلطی برق صاحب کی سمجھ کی

ہے۔ طرفة عین کا لفظ فقط قلیل ترین وقت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ اس وقت کا گذرنا کسی ہی کام کے لئے ہو۔ صرف سرعت رفتار ظاہر کرنے کے لئے ہی یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں لَمْ یُبْعَدُ مِنِّی الطُّرفَةَ العَیْنِ۔ وہ مجھ سے ایک لحظے کے لئے بھی دور نہیں ہوا۔ خطبہ الہامیہ کی عبارت وَلَایُبْعَدُ مِنِّی طُرفَةَ عَیْنً رَحْمَتُہٗ کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے :-

"اور اس کی رحمت ایک لمحہ بھی مجھ کو نہیں چھوڑتی۔"

پس یہ اعتراض بھی عربی علم ادب سے ناواقفی کا ثبوت ہے۔

لغت عربی میں طُرفہ کے معنے لمحہ ہی کئے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو "المنجد"۔ پس یہ لفظ ثانیہ (سیکنڈ) کی طرح وقت کے اقل ترین حصہ کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سرعتِ رفتار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۱۰ :- اِنَّ اِنْکَارِیْ حَسَرات" عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَبِی۔ وَ اِنَّ اِقْرَارِیْ بَرَکَات" لِلَّذِیْنَ یَتْرُکُوْنَ الحَسَدَ وَیُؤْمِنُوْنَ۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۳ طبع اول)

اس عبارت پر ہی اعتراض کیا گیا ہے کہ :-

"میرا انکار اور میرا اقرار پنجابی عربی ہے۔ میرے "اقرار وانکار" کا مفہوم یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب کسی چیز کا انکار اور کسی کا اقرار کر بیٹھے ہیں۔ اور اب فرمارہے ہیں کہ میرا اقرار و انکار........ علاوہ ازیں انکار مفرد ہے اور حسرات جمع اسی طرح اقرار مفرد ہے۔ اور برکات جمع۔ اسم و خبر میں تطابق ضروری ہے۔ اس لئے حسرة اور برکة صحیح ہے۔ اور حسرات برکات غلط۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۹)

الجواب

انکاری واقراری کے الفاظ ہرگز پنجابی عربی نہیں بلکہ یہ دونوں ٹھیٹھ عربی

کے لفظ ہیں۔ جب عربی زبان میں مصدر کو مضاف کیا جائے ایسی اضافت لفظی کہلاتی ہے۔ جو کبھی تو اپنے فاعل کی طرف ہوتی ہے۔ اور کبھی مفعول کی طرف۔ اس جگہ انکاری اور اقراری میں انکار واقرار کی اضافت فاعل کی طرف نہیں بلکہ مفعول کی طرف مراد ہے۔ لہذا اس فقرہ میں حضرت مرزا صاحب کا کسی چیز کا اقرار اور کسی چیز کا انکار مراد نہیں۔ بلکہ آپ کا انکار کیا جانا اور مانا جانا مراد ہے۔ برق صاحب اس قاعدہ سے ناآشنا ہیں کہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف بھی ہوتی ہے اور اس صورت میں مصدر کے معنے مصدر مجہول کے ہو جاتے ہیں۔ پس اس کے معنے ہیں میرا انکار کیا جانا اور میرا اقرار کیا جانا۔ ''انکار'' مصدر کے ضمیر کی طرف مضاف ہو کر استعمال کی مثال بھی ملاحظہ ہو۔ تفسیر کشاف میں زیر آیت فما یُکذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنُ (التّین : ۸) لکھا ہے۔

اَیُ فَمَا یَجْعَلُکَ کَاذِبًا بِسَبَبِ الدِّیْنِ وَاِنْکَارِہٖ بَعْدَ ھٰذا الدَلِیلِ۔ اور تفسیر روح المعانی میں زیر آیت ہٰذا لکھا ہے :-

اَیُ فَمَا یَجْعَلُکَ کَاذِباً بِسَبَبِ اَلْجزَاءِ وَاِنْکَارِہٖ بَعْدَ ھٰذا الدَلِیلِ۔

رہا برق صاحب کا یہ اعتراض کہ انکار اور اقرار مفرد ہیں اور ان دونوں کی خبر جمع لائی گئی ہے۔ سو یہ اعتراض بھی لغو ہے۔ برق صاحب نے اپنے تئیں عربی ادب کے بحر کا شناور سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ ان پر اس کنویں کے مینڈک کی مثل صادق آتی ہے جس نے کنویں کے ایک طرف سے دوسری طرف چھلانگ لگائی اور سمجھنے لگا کہ سمندر اس سے بڑا کہاں ہوگا؟

اگر وہ قرآنی زبان سے ہی ذرا مسّ رکھتے تو کبھی تو ایسا لایعنی اعتراض زبانِ قلم پر نہ لاتے۔ انکار و اقرار دونوں مصدر ہیں جو مبتدا واقع ہوئے ہیں۔ اور حَسَرٰت اور بَرَکَات ان کی خبر جمع اس لئے لائی گئی ہے کہ منشاء متکلم یہ تھا کہ میرا انکار منکرین کے لئے حَسَرہ بعد حسرۃٍ کا موجب ہوگا۔ اور ایسا شخص کئی پہلوؤں سے اپنے لئے حسرتوں

کا سامان جمع کرے گا۔ اور اسی طرح میرا اقرار بَرَکَةٌ بعد بَرَکَةٍ کا موجب ہو گا۔ اور ہر قسم کی برکات سماوی وارضی سے متمتع کرے گا۔ یہ مضمون خبر کے مفرد لانے سے تفصیل کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس جگہ خبر کا جمع لانا ناگزیر اور افصح ہے۔ اسی مفہوم میں قرآن شریف میں برکات اور حسرات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ البقرہ آیت ۱۶۸ میں کَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ اور الاعراف : ۹۷ میں ہے آتا ہے :-

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔ گو یہ دونوں مثالیں برکات وحسرات کے بطور خبر کے استعمال کی نہیں۔ لیکن ہم نے یہ مثالیں اس لئے دی ہیں کہ ان میں حسرة بعد حسرة اور برکة بعد برکة کا مفہوم ہے۔ جو خالی حسرة اور برکة کے لفظ سے ادا نہیں ہوتا۔ کیونکہ خالی حسرة اور برکة کے بطور خبر استعمال ہونے کی صورت میں ایک ہی حسرة اور ایک ہی برکة کی طرف ذہن جا سکتا ہے۔ اور تعدّد حسرة و برکة کی طرف سے غفلت واقع ہو سکتی ہے۔

برق صاحب نے کسی نحو کی کتاب میں پڑھا ہو گا کہ مبتداء اور خبر میں وحدت وجمع میں مطابقت ضروری ہے۔ ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ مصدر کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ اور اُس کی خبر حسبِ ضرورت مفرد بھی لائی جا سکتی ہے اور جمع بھی۔ دیکھئے قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے مصدر کے مبتداء ہونے کی صورت میں اس کی خبر جمع استعمال فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:- "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ۔" (البقرہ : ۱۹۸) اس جگہ الحج مصدر مبتداء واقع ہوا ہے اور اشهر معلومٰت خبر ہے۔ ذرا سوچئے! شهر واحد ہے یا جمع؟ سنئے! اشهر جمع ہے شهر کی جس کے معنے مہینہ ہوتے ہیں :-

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطاست　　　سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

۱۱ :- "زُکِّیَ مِنْ اَیْدِی اللّٰہِ۔"　　　(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۶ طبع اول)

اعتراض

مِنْ کا استعمال خالص پنجابی ہے بِاَیْدِ اللّٰہِ چاہیئے۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۰۹)

الجواب

اس جگہ مِنْ کا باء کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہ خالص عربی استعمال ہے۔ "المنجد" (لغت عربی کی کتاب) میں مِنْ کے متعلق لکھا ہے :-

"وَیَاْتِیْ مُرَادِ فَاًالباءَ ، نَحْوُ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ۔"

یعنی مِنْ۔ باء کے ہم معنی بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ ینظرون من طرفٍ خفیٍ (الآیہ) میں مِنْ۔ باء کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۲ :- اِنْ کُنْتُمْ فِی شَکٍّ مِّنْ اَمْرِیْ فَاْ مْتَحِنُوْ نِیْ۔

اگر میری نسبت تمہیں کچھ شک ہے تو مجھے جس طرح چاہو آزما لو۔

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۲۸ طبع اول)

اعتراض

"یہ امتحان کا استعمال خالص پنجابی اور غیر قرآنی ہے۔ قرآن اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ابتلاء سے کام لیتا رہا۔"　　　(حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۹)

الجواب

"بڑے بول کا سر نیچا۔" آپ کی قرآن دانی کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے کیونکہ قرآن کی دو آیتوں میں آزمائش کے معنوں کو ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے امتحان کا

لفظ ہی استعمال فرمایا ہے۔ نمبر ا۔ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی۔

(الحجرات : ۴)

وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے آزمایا ہے۔

۲ :- یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا جَاءَ کُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ۔

(الممتحنة : ۱۱)

"اے لوگو جب مومن عورتیں تمہارے پاس مہاجرہ ہو کر آئیں تو انہیں آزمالو۔ یعنی ان کا جائزہ لے لو کہ دین کی خاطر آرہی ہیں یا دنیا کی خاطر۔" جناب برق صاحب اب بھی تسلی ہوئی ہے یا نہیں۔ کہ خطبہ الہامیہ میں امتحان کے لفظ کا استعمال خالص پنجابی یا غیر قرآنی نہیں ؟

۱۳ :- فَارْحَمُوْا مَسِیْحاً آخَرَ وَاَقِیْلُوْہُ مِنْ ھٰذِہِ الْعِزَّۃِ۔

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۴۰ طبع اول)

برق صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

"تم مسیح پر رحم کرو اور اسے نزول کی عزت سے معافی دو۔"

پھر اس عبارت پر اعتراض کیا ہے کہ۔

"خالص ہندی محاورہ کو عربی میں منتقل کر دیا گیا ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۹)

الجواب

اس کا صحیح ترجمہ خطبہ الہامیہ میں یہ درج ہے۔

"دوسرے مسیح پر رحم کرو اس عزت اور احترام سے اسے معاف رکھو۔"

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۴۰ طبع اول)

اس جگہ عزت و احترام سے باالفاظ طنزیہ گالیاں دینا اور تکفیر و تکذیب ہے۔ جیسا کہ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے۔ یہ کہ نزول کی عزت۔

ارحموا اور اقیلوا دونوں لفظ ٹھیٹھ عربی زبان کے ہیں۔ اور سارا کلام طنزیہ ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔

ذُقۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ۔ (اَلدُّخان :۵۰)

"یعنی اس عذاب کو چکھ تو بڑا معزز اور باعزت ہے۔"

ایک ضمنی اعتراض

برق صاحب لکھتے ہیں۔

"اللہ کا ذخیرۂ الفاظ ختم ہو گیا کہیں قرآن کی آیات دوبارہ نازل کر کے کام چلایا کہیں مقاماتِ حریری سے مدد لی۔ (دیکھو سورہ فاتحہ کی الہامی تفسیر جس میں مقاماتِ حریری وبدیعی کے بیسوں جملے بالفاظہا موجود ہیں۔) کہیں شعرائے جاہلیت کے مصرعے اڑا لئے۔ (عِفت الدیار محلّھا و مقامھا آپ کا ایک الہام ہے یہ سبع معلقات کے ایک قصیدہ کا پہلا مصرع ہے) اور کہیں ادھر ادھر سے انسانی اقوال لے لئے مثلاً شکَرَ اللّٰہُ سَعۡیَہٗ (آپ کا الہام) منتھی الارب میں "شکر" کے تحت درج ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۰۳)

الجواب

اسی قسم کے اعتراضات نادان عیسائیوں نے قرآن شریف کی الہامی زبان پر کئے ہیں۔ چنانچہ "ینابیع الاسلام" میں ایسے ہی عتراض کے گئے ہیں۔ اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو زرتشت نبی کے کلام سے سرقہ قرار دیا گیا ہے۔ آیت قرآنیہ عَلَی اللّٰہِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ وَمِنۡھَا جَائِرٌ۔ کو امرءِ القیس کے کلام کی نقل قرار دیا گیا ہے۔

امرء القیس نے کہا تھا :-

وَمِنَ الطَّرِیْقَةِ جَائِرٌ وَهُدَیً   قَصْدُ السَّبِیْلِ وَمِنْهُ ذُوْدَخَلِ

(شعرائیہ النصرانیہ جلد ا صفحہ ۵۷)

قرآن مجید میں ہے :- وَمَایُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَایُعِیْدُ۔ (سبا: ۵۰)

ابن الابرص کہتا ہے :-

اَفُقَرُمِنْ اَهْلِهٖ عَبِیْدٌ   فَالْیَوْمَ لَایُبْدِیْ وَلَا یُعِیْدُ۔

پھر قرآن مجید میں ہے :-اِنَّ عَذَابَهَا کَانَ غَرَامًا۔ (الفرقان :۶۶)

ابی حازم کہتا ہے :-

یَوْمَ النِّسَاءِ وَیَوْمُ الْفِجَارِ   کَانَ عَذَاباً وَکَانَ غَرَاماً

قرآن مجید میں آیا ہے :- خَلَقَ الْاِ نْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ۔(الرحمٰن: ۱۵)

امیہ ابن ابی الصلت کہتا ہے :-

کَیْفَ الْجُحُوْدُ وَاِنَّمَا خُلِقَ الْفَتیٰ   مَنْ طِیْنِ صَلْصَالٍ لَهٗ فَخَّارٌ

قرآن مجید میں ہے :-مَنْ یُّحْیِی الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ۔ (یٰسٓ: ۷۹)

زہیر بن ابی سلمٰی کہتا ہے :- سَیُحْیِی الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ۔

قرآن شریف میں ہے :-قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْ لَدْ۔

(الاخلاص : ۲ تا ۴)

قس بن ساعدہ کہتا ہے :-

کَلَّا بَلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ   لَیْسَ بِمَوْ لُوْدٍ وَلَاوَالِدٌ

کیا برق صاحب کا قرآن مجید میں پرانے شعراء کے کلام سے توارد اور مشابہت پاکر بھی یہ گستاخانہ کلام کرنے کے لئے تیار ہوں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا کہ اس نے شعرائے جاہلیت کے محاورات اور فقرات اڑا لئے اور ادھر ادھر

سے انسانی اقوال لے لئے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

واضح رہے کہ خدا اور اعلیٰ درجہ کے مصنفین کے کلام میں بھی کئی جگہ پہلے باکمال لوگوں کے کلام سے توارد یا مشابہت پائی جاتی ہے۔ جسے سرقہ قرار دینا نادانی ہے۔ میرے سامنے اس وقت شعرائے عرب کے کلام کی یکصد مثالیں ایسی موجود ہیں جن میں تضمین پائی جاتی ہے اور اسے کوئی سرقہ قرار نہیں دیتا۔

۱۴:۔فَا لْیَصْبِرُوْا حَتّٰی یَرْجِعُوْا اِلٰی رَبِّھِمْ وَیَطَّلِعُوْا عَلٰی صُوَرِھِمْ۔

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۵۶ طبع اول نہ کہ صفحہ ۱۶۳)

برق صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں :۔

"وہ انتظار کریں جب خدا کے ہاں جائیں گے تو وہاں شیشے میں اپنا منہ دیکھ لیں گے۔"

یہ غلط ترجمہ کر کے برق صاحب معترض ہیں :۔

"شیشہ میں منہ دیکھنا" اردو کا محاورہ ہے۔ عربوں کے ہاں اس کا استعمال نہیں ہوتا" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۰)

الجواب

برق صاحب نے صحیح ترجمہ نہیں کیا۔ خطبہ الہامیہ میں ہی اس عبارت کے نیچے اردو ترجمہ یہ کیا گیا ہے :۔

"پس چاہئیے کہ صبر کریں یہاں تک کہ اپنے پروردگار کے پاس جائیں اور اپنی صورتوں سے واقف ہوں۔"

پس اس جگہ شیشہ میں منہ دیکھنے کا محاورہ نہ عربی عبارت میں استعمال ہوا ہے نہ اردو عبارت میں۔ لہذا اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے۔ اس عبارت سے یہ بتانا مقصود ہے

کہ ان لوگوں پر قیامت کے دن اپنی اصل صورتیں یعنی صفات ظاہر ہو جائیں گی۔
صورت کے معنی المنجد میں الصفت بھی لکھے ہیں اور یہی یہاں مراد ہیں۔

خطبہ الہامیہ کے عربی قصیدہ

پر ادبی اعتراضات کے جوابات

۱۵:- کے ذیل میں برق صاحب خطبہ الہامیہ کے آخر میں درج شدہ قصیدہ کے بعض شعروں پر انہیں الہامی قرار دیتے ہوئے ادبی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے اس قصیدہ کو الہامی قرار نہیں دیا۔ بہر حال ان کی نکتہ چینی معہ جوابات درج ذیل ہے۔

نمبر ۱:- اَرَیٰ سَیْلَ آفَاتٍ قَضَا ھَا الْمُقَدِّرُ وَفِی الْخَلْقِ سَیَّاتٌ قُذَاعٌ وَتُنْشَرُ
(خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۰۳ طبع اول)

اعتراض

"لفظ سَیِّآت (یا مکسور ش مُشَدّد مابعد الف محدودہ) لیکن اس شعر میں ہے سَیَّات (الف محدودہ غائب اور یا کو مفتوح) باندھا گیا جو غلط ہے۔"
(حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۵)

الجواب

اس شعر میں برعائت وزن سَیِّآتٌ باندھا گیا ہے۔ امام ثعالبی جو امام لغت ہیں لکھتے ہیں:-

"العَرَبُ تَزِیْدُوَ تَحذِفُ حِفْظاً لِلتَّوازُنِ وَاِیْثاراً لَہٗ۔"

(خفّة اللغة و سِرّالعربیہ صفحہ ۲۱۷)

یعنی عرب شعر میں توازن کی حفاظت اور توازن کو ترجیح دیتے ہوئے لفظ میں کمی بیشی کر دیتے ہیں۔

الشعرو الشعراء لابن قتیبہ میں لکھا ہے :-

(۱) قَدْیَضْطَرُّ الشَّاعِرُ فَیَقْصُرُ الْمَمْدُوْدَ وَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَمتَدَّ الْمَقْصُوْرَ۔(۲) وَاَمَّا تَرْكُ الْهَمْزِمِنَ الْمَهْمُوْزِ فَكَثِیْرٌ وَاسِعٌ لاعَیْبَ فِیْهِ عَلی الشَّاعِرِ۔

(۱) کبھی شاعر مضطر ہوتا ہے تو وہ ممدود کو مقصور کر دیتا ہے (یہ تو جائز ہے) مگر اسے اس بات کی اجازت نہیں کہ مقصور کو ممدود کرے۔

(۲) ہمزہ کو ترک کر دینے میں تو کثرت اور وسعت پائی جاتی ہے اس کا ترک کرنا شاعر کے لئے معیوب نہیں۔

پس سَیِا تٌ کو حفاظتِ وزن کے لئے سَیَّاتٌ باندھنا جائز ہے۔ برق صاحب محض اپنے محدود علم کے پیمانے سے امام الزمان کے کلام کو ناپنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مشہور مقولہ ہے۔ یجوز فی الشعر ما لا یجوز فی النثر۔ یعنی کئی باتیں شعر میں تو جائز ہیں مگر نثر میں جائز نہیں۔

نمبر ۲ :- و للدّینِ اَطْلَالٌ اَرَاھَا کَلُاھفٍ

وَدَمْعِیْ بِذِکْرِ قُصُوْرِهٖ یَتَحدَّرٗ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۰۳ طبع اول)

اعتراض

برق صاحب لکھتے ہیں کہ دوسرا مصرع خارج ازوزن ہے۔

الجواب

دوسرے مصرع کا وزن بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا تیسرا اور آخری رکن بزحافِ قبض مقبوض ہے۔ یعنی فعولُ مفاعِلنُ کے وزن پر ہے۔ زحافِ قبض شعر میں

جائز ہے۔ دوسرے رکن بِذِکْرِ قُصُوُ میں ق متحرک کو حفاظت وزن کے لئے ساکن کر دیا گیا ہے جیسے استاذ الشعراء امراء القیس نے اپنے شعر۔

اَلْیَوْمَ اَشْرِبْ غَیْرَ مُسْتَحْتِبٍ

اِثْمًا مِنَ اللّٰهِ وَلَا وَاغِلٍ

میں اَشْرِبُ کی بائے متحرک کو برعایت وزن ساکن کر کے اَشْرِبْ باندھا گیا ہے۔ (دیکھو کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ مطبوعہ جرمنی صفحہ ۳۲۳) زیر بحث مصرع کی تقطیع یوں ہوگی۔

وَدَمْعِیْ	بِذِکْرِ قُصُوْ	رِہٖ یَ	تَحَدَدِرْ
فَعُوْلُنْ	مَفَاعِیْلُنْ	فَعُوْلُ	مَفَاعِلُنْ

نمبر ۳:۔ اَلَا اِنَّمَا الْاَیَّامُ رَجْعَتُ اِلَی الْهُدٰی

هَنِیْئًا لَکُمْ بَعْثِیْ فَبَشُّوْا وَ اَبْشِرُوْا

اعتراض

صحیح لفظ رَجَعَتُ (بفتح جیم ہے) نہ کہ رَجْعَتُ (بسکون جیم)

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۱)

الجواب

ضرورتِ شعریہ کے لئے رَجَعَتُ کی جیم متحرک کو اسی طرح ساکن کیا گیا ہے جس طرح امرء القیس نے اوپر کے جواب میں دیئے گئے شعر میں اَشْرِبُ کی بائے متحرک کو رعایت وزن کے لئے ساکن استعمال کیا ہے۔ دو مثالیں اور ملاحظہ ہوں۔ حضرت لبیدؓ کا ایک شعر ہے۔

تَرَّاكُ اَمْکِنَةٍ اِذَا لَمْ اَرْضِهَا　　　اَوْ یَعْتَلِقْ بَعْضَ النُّفُوْسِ حِمَامُهَا

دوسرے مصرع میں یَعتَلِقَ کے قاف مفتوح کو برعائتِ وزن ساکن کیا گیا ہے۔
کعب بن زھیرؓ کہتے ہیں۔

اَرجُوُ وَاٰمِلُ اَنْ تَدنُوا مُوُدَّتُهَا
وَمَا اَخَالُ لَدَيْنا مِنْكِ تَنوِيْلُ

پہلے مصرع میں اَنْ تَدنُوَ کی واوٗ مفتوح کو برعایت وزن ساکن کردیا گیا ہے۔
آخری شعر :-برق صاحب نے ایک شعر کا دوسرا مصرع درج کیا ہے۔
فَمُتُ اَیّھَا النَّارِیُ بِنَارِ تُسعَرٗ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۰۴ طبع اول)اور اعتراض کیا ہے ناری غلط ہے نَارِیٌّ بہ تشدیدی ہونا چاہیے۔
(حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۱)

الجواب

برق صاحب اس جگہ اصل لفظ الناریُّ الف لام کے ساتھ ہے نہ کہ نَارِیٌّ الف لام کے بغیر۔النّاریُّ کی یائے مرفوع مُشدّد کو برعایت وزن مخفف الناریُ پڑھا جائے۔ مولوی ہادی علی صاحب حاشیہ اجرومیہ میں جوازات شعریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''سوم مُشدّد را مخفّف خواندن''یعنی مُشدّد کو مخفف پڑھنا جائز ہے۔ پھر اس پر نوٹ دیتے ہیں۔

''و معنیٰ ضرورت دریں جا جوازِ مطلق است نہ ایں کہ شاعر ازبدل آوردنش عاجز آمدہ اختیار کند۔''

یعنی ضرورتِ شعریہ کے معنے اس جگہ مطلق جواز کے ہیں نہ یہ کہ شاعر اس لفظ کا بدل لانے سے عاجز آکر اسے اختیار کرتا ہے۔

پس اس اجازت کے تحت زیر بحث مصرع میں اَلنَّارِیُ مُشدّد کو اَلنَّارِیُ مخفف استعمال کیا گیا ہے۔ فتدبر ولا تکن من الغافلین۔

قصیدہ اعجازیہ کی معجزانہ حیثیت

اور اس پر اعتراضات کے جوابات

حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ کے قصیدہ اعجازیہ مندرجہ ''اعجاز احمدی'' پر جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار بھی تھا کہ جو شخص ایسا قصیدہ جو ساڑھے پانچسو اشعار کا ہے معہ اردو عبارت کی تردید پندرہ دن کے اندر پیش کر دے اسے یہ انعام دیا جائے گا۔ اور بالخصوص اس میں مولوی ثناء اللہ صاحب مخاطب تھے اور انہیں اجازت دی گئی تھی کہ قاضی ظفر الدین و مولوی اصغر علی و علی حائری و پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو بھی اپنی مدد کیلئے اپنے ساتھ ملا لیں جن کے دماغ میں عربی دانی کا کیڑا ہے۔ سولہ نومبر کو رسالہ اعجاز احمدی ان لوگوں کو بھیجا گیا۔ تین دن ڈاک کے رکھے گئے اور دس نومبر سے دس دسمبر تک مہلت دی گئی۔ آپ فرماتے ہیں :-

''۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء تک اس میعاد کا خاتمہ ہو جائیگا۔ پھر اگر بیس دن میں جو دسمبر ۱۹۰۲ء کی دسویں کے دن کی شام تک ختم ہو جائے گی انہوں نے اس قصیدہ اور اردو مضمون کا جواب چھاپ کر شائع کر دیا تو یوں سمجھو کہ میں نیست و نابود ہو گیا اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا۔ اس صورت میں میری تمام جماعت کو چاہیئے کہ مجھے چھوڑ دیں اور قطع تعلق کریں۔ لیکن اگر اب بھی مخالفوں نے عمداً کنارہ کشی کی تو نہ صرف دس ہزار روپے کے انعام سے محروم رہیں گے بلکہ دس لعنتیں ان کا ازلی حصہ ہو گا۔ اور اس انعام میں سے ثناء اللہ کو پانچ ہزار روپیہ ملے گا اور باقی پانچ کو اگر فتحیاب ہو گئے ایک ایک ہزار ملے گا۔''
(اعجاز احمدی صفحہ ۹۰ طبع اول)

کس قدر غیرت دلانے والا یہ چیلنج ہے جس میں دس لعنتیں ڈالکر مقابلہ کے لئے غیرت دلائی گئی ہے مگر افسوس کہ کسی شخص کو مدتِ معینہ کے اندر اس کا جواب

دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے تحدّی کو زوردار بناتے ہوئے یہ بھی لکھا تھا :-

"دیکھو! میں آسمان اور زمین کو گواہ رکھکر کہتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے اس نشان پر حصر رکھتا ہوں۔ اگر میں صادق ہوں اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں صادق ہوں تو کبھی ممکن نہیں ہوگا کہ مولوی ثناء اللہ اور ان کے تمام مولوی پانچ دن میں ایسا قصیدہ بنا سکیں اور اردو مضمون کا رَدّ لکھ سکیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ان کی قلموں کو توڑ دیگا اور ان کے دِلوں کو غبی کر دیگا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۷ طبع اول)

اس پُر زورِ تحدّی کے باوجود کوئی شخص مقابلے میں نہ آیا۔ جناب برق صاحب لکھتے ہیں :-

"چونکہ ان شرائط کو پورا کرنا انسانی قدرت سے باہر تھا اس لئے کوئی شخص مقابلے میں نہ اترا۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۱۱)

جناب برق صاحب اسی امر کو تو اعجاز کہتے ہیں جو انسانی قدرت سے باہر ہو۔ دیکھئے اس قصیدہ کو حضرت اقدسؑ نے پانچ دن میں لکھ لیا اور اس کے ساتھ ایک اردو مضمون لکھ کر پندرہ دن میں شائع کر کے مخالفوں کے پاس بھجوا دیا۔ اور پُر زور تحدّی کے ساتھ غیرت دلایا جانے پر بھی مخالف علماء سارے ملکر بھی پندرہ دن کی مدت میں اس قصیدے کا جواب لکھ کر شائع نہ کر سکے تو اس کا معجزہ ہونا تو ثابت ہو گیا۔ اور یہ امر برق صاحب خود بھی مان چکے ہیں کہ ان شرائط کا پورا کرنا انسانی قدرت سے باہر تھا۔ اس مدت کے گذر جانے کے لمبے عرصے بعد اگر کوئی شخص جواب میں کوئی قصیدہ شائع بھی کر دے تو حضرت اقدسؑ کے قصیدہ کے معجزہ ہونے میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی؟ معجزہ تو اپنے وقت پر کام کر گیا اور مدّ مقابل وقت کے اندر جواب شائع کرنے میں ناکام ہو گئے۔

برق صاحب نے اس قصیدہ کے متعلق لکھا ہے :-

"قصیدہ اعجازیہ کے قریباً تین درجن اشعار عروضی و نحوی اغلاط سے آلودہ ہیں بطور نمونہ ہم چند اشعار پیش کرتے ہیں۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۱۲)

برق صاحب کے یہ اعتراضات ایسے ہی ہیں جیسے عیسائی قرآن کی مثل تو نہیں لا سکے مگر اس کی ادبی غلطیاں نکالتے رہتے ہیں۔ یہ نوٹ لکھنے کے بعد برق صاحب نے پانچ شعر پیش کر کے ان پر اعتراض کئے ہیں کہ ان میں ادبی غلطیاں ہیں۔ مگر ان اشعار پر اعتراض کر کے برق صاحب نے اپنے علمی افلاس کا ہی ثبوت دیا ہے۔

۱:- فَاَیْنَ بِھٰذاالوقتِ مَن شَانَ جَوْلَرُ (اعجاز احمدی صفحہ ۴۹ طبع اول)

اس مصرع پر آپ کو یہ اعتراض ہے کہ "جولر" شَانَ کا مفعول بِہٖ ہے اس لئے منصوب "جولرا" چاہیئے (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۱۲)

اَلجواب

"جولرہ" گولڑہ کا معرب ہے اور اس کی ہ کو ترخیم کی خاطر گرا دیا گیا ہے جو دراصل محلِ نصب میں تھی۔ پس جولرُ منصوب مرخّم ہے۔ اور اس میں غیر منادیٰ کی ترخیم کی تینوں شرطیں موجود ہیں۔ اوّل شعر میں واقع ہونا۔ دومؔ حرف ندا کے دخول کی صلاحیت رکھنا۔ سومؔ بالتاء واقع ہونا (واضح ہو ہ دراصل تاء ہوتی ہے) پس اعتراض باطل ہے۔

۲:- وَکَانَ سَنا بَرقِی مِنَ الشَّمْسِ اَظْھَرُ (اعجازِ احمدی صفحہ ۶۴ طبع اول)

اس مصرع پر یہ اعتراض کیا گیا ہے :-

اظھرُ غلط ہے اس لئے کہ کان کی خبر ہے۔

اظھرا چاہیئے۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۱۲)

الجواب

من الشمس اظھرُ سے پہلے ھُوَ ضمیرِ شان محذوف ہے۔ اس جگہ کَانَ شانیہ استعمال ہوا ہے۔ جس کی خبر سے پہلے ضمیر شان حذف کر دی جاتی ہے۔ اس لئے اظھر ھُوَ کی خبر مرفوع ہے کیونکہ پورا فقرہ یوں بنا۔ و کان سنابرقی ھو من الشمس اظھرُ۔

اس طرح ھو من الشمس اظھر ' جملہ ہو کر کان شانیہ کی خبر واقع ہوا ہے۔ ہم کان شانیہ کے استعمال کی دو مثالیں پرانے شعراء کے کلام سے پیش کرتے ہیں ؎

اِذَا مِتٌّ کَانَ النٰاسُ صِنفَان شَامِتٌ

وَآخَرُ مُثْنٍ بِالَّذِیُ کُنتُ اَصنَعُ

دیکھئے پہلے مصرع میں کان شانیہ استعمال ہوا ہے النٰاسُ اس کا اسم ہے اور صنفان جو مرفوع ہے کَانَ کی خبر نہیں بلکہ ھُوَ ضمیر شان محذوف کی خبر ہے اور ھُوَ صنفان جملہ ہو کر کَانَ کی خبر ہے۔ اور یہ جملہ محلًا منصوب ہے۔

(دیکھئے شرح ملا جامی بحث افعال ناقصہ)

حسام بن ثابت الانصاری صحابی کا شعر ہے ؎

کَاَنّٰہُ صَبِیَّۃٌ مِنُ بَیْتِ رأسٍ

یَکُوُنُ مِزاجُھَا عَسَلٌ وَمَاءٌ

اس شعر کے دوسرے مصرع میں یکون شانیہ ہے مِزا جُھا اس کا اسم ہے اور عَسَلٌ اور مَاءٌ سے پہلے ھُوَ ضمیر شان محذوف ہے اس لئے عَسَلٌ اور مَاءٌ کو مرفوع استعمال کیا گیا ہے اور ھُوَ عَسَلٌ وَمَاءٌ جملہ ہو کر یکون کی خبر ہونے کی وجہ سے محلًا منصوب ہے۔ کچھ سمجھے؟

برق صاحب! لیجیئے آپ کو شعر میں منصوب کو مرفوع استعمال کرنے کی بھی مثال بتا دیتے ہیں۔ سنیئے! حضرت علیؓ کا ایک شعر ہے ؎

وَکَمْ سَاعِی لِیَشْرِیَ لَمْ یَنَلْهُ

وَاٰخِرُ مَاسَعٰی لَحِقَ الثَّراءُ

الثراءُ دراصل لَحِقَ کا مفعول بہ ہے جسے قاعدہ نحویہ کے مطابق الثراءَ منصوب ہونا چاہیئے تھا مگر حضرت علیؓ نے اسے ضرورتِ شعر کے لئے مرفوع استعمال فرمایا ہے۔ (دیوان حضرت علیؓ مترجم)

۳:- اَکَانَ شَفِیْعُ الا نبیاء مَوُثّرٌ (اعجاز احمدی صفحہ ۶۸ طبع اول)

برق صاحب کا اعتراض اس مصرع پر یہ ہے کہ موثر شفیع پر معطوف ہے اس لئے موثرا چاہیئے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۲)

الجواب

جناب برق صاحب! یہاں بھی کان شانیہ ہے اور شفیع سے پہلے ھُوَ ضمیر شان محذوف ہے۔ شفیع الانبیاء ھُوَ کی خبر مرفوع ہے اور اس پر موثرٌ کا عطف ہے۔ اس لئے موثرٌ مرفوع استعمال ہوا ہے۔ ھو شفیع الانبیاء و موثر جملہ معطوفہ ہو کر کان کی خبر ہے اور محلاً منصوب ہے۔

برق صاحب! کان کی خبر کے مرفوع استعمال ہونے کی ایک اور مثال بھی ملاحظہ ہو۔

؎ وَمَنْ یَسْتَعْتَبِ الْحَدَ ثَانِ یومًا

یکن ذاك الحِتَابُ له عناءُ

دیکھئے ضرورت شعری کیلئے عناءُ کو مرفوع استعمال کیا گیا ہے حالانکہ وہ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب چاہیئے۔ (دیوان بدیع الزمان صفحہ ۶)

۴:- فَیَأْتِی مِنَ اللّٰهِ الْعَلِیْمِ مُعَلِّمٍ فَیَهْدِیُ اِلٰی اَسْرَارِ ھا وَیُفَسِّرُ

اس شعر پر برق صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ :-

"اسرارھا کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ اللہ مذکر اور ضمیر مؤنث ہے۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۲)

الجواب

اس اعتراض میں آپ بددیانتی سے کام لے رہے ہیں۔ یا یہ اعتراض آپ کی کم فہمی پر مبنی ہے۔ ھا کا مرجع اللہ نہیں بلکہ اِس شعر سے پہلے شعر کے مصرع اول میں لفظ "حقائق" اس کا مرجع ہے۔ پہلا شعر یوں ہے

وکَم مِن حقائِقَ لایُریٰ کیفَ شبُحُھا

کَنَجمٍ بعیدٍ نورُھا یَتَستَّرٗ

حقائق حقیقۃ کی جمع مُکسّر ہے اس لئے اس کی طرف ھا کی ضمیر راجع کی گئی جو جمع مؤنث کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔ پس اللہ اس کا مرجع نہیں ہے۔

۵ :- فقلتُ لَکَ الویلاتِ یاارضَ جَولَرَ

لُعِنتِ بِمَلعُونٍ فانتِ تُدَمَّرٗ

برق صاحب کا اعتراض اِس پر یہ ہے کہ :-

"ارض مؤنث ہے اور تَدَمّرٗ واحد مذکّر مخاطب گویا مذکر کے لئے مؤنث کا صیغہ استعمال کر دیا جو صریحاً غلط ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۲)

الجواب

اس جگہ تُدَمَّرِینَ مؤنث کا ی ن ضرورتِ شعری کے لئے حذف کیا گیا ہے۔ اور لُعِنتِ صیغہ مؤنث اس لفظ تُدَمَّرِینَ کے مؤنث ہونے پر دال ہے۔ اور ضرورتِ شعری کے لئے ایسا حذف جائز ہے۔ دیکھئے آیت قرآنیہ وَالّیلِ اِذا یَسرِ

(الفجر : ۵) میں لفظ یَسْرِ کے آخر سے ی برعائت سجع حذف کردی گئی ہے اصل میں یہ لفظ یَسْرِیْ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اہلِ عرب وزن یا سجع کیلئے زیادتی اور حذف کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام ثعالبی جو امام لغت ہیں اپنی کتاب خفة اللغة وسرّالعربية (مطبوعہ مطبع عجومیہ) کے صفحہ ۲۱۷ پر وزن کی خاطر حذف یا زیادۃ کی قرآن مجید سے مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"فصلٌ فِی حفظِ التَّوازنِ.............. العربُ تَزِیْد و تَحْذِفُ حفظاً للتوازن وایثارًا لہٗ۔ امّا الزیادۃُ فَقَالَ کَمَا قَالَ اللّٰہ تعالیٰ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظنونا(الاحزاب :۱۱) ۔وکما قال فَاضَلُّونَا السَّبِیْلا (الاحزاب :۶۸)۔ واما الحَذْفُ فکما قال جلّ اسمہٗ وَالّیلِ اذا یَسْرِ (الفجر : ۵)۔ وقال الکبیر المتعال ویوم التناد ویوم التلاق۔"

اس جگہ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظنونا اور فاضلونا السبیلا زیادہ کرنے کی مثالیں دی ہیں اور والیل اذایسر اور الکبیر المتعال اور یوم التناد حذف کی مثالیں دی ہیں۔ فافھم وتدبر ولاتکن من الغافلین۔

☆☆☆

اعجاز المسیح پر اعتراضات کے جوابات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تائید الٰہی سے سورۃ فاتحہ کی تفسیر عربی زبان میں تحریر فرما کر اعجاز المسیح کے نام سے شائع فرمائی اور اس بارے میں آپ کو الہام ہوُا :-

"مَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ یَرٰی اَنَّہٗ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ۔"

"یعنی جو شخص اس کا جواب دینے کے لئے اٹھے گا اور حملہ آور ہو گا وہ کچھ

عرصے کے بعد نادم اور شرمندہ ہو گا۔"

اس کتاب کے جواب کے لئے بالخصوص سید مہر علی شاہ گولڑوی مخاطب تھے یہ کتاب الہامی نہیں بلکہ حضرت اقدس نے اسے صرف تائید الہی سے لکھنے کا دعویٰ فرمایا ہے۔ سید مہر علی شاہ گولڑوی نے اس کے جواب میں بجائے عربی میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنے کے ایک کتاب "سیف چشتیائی" کے نام سے شائع کی جس میں "اعجاز المسیح" پر نکتہ چینی کی۔ جو بعد میں مولوی محمد حسن آف بھیں کے مضمون کا سرقہ ثابت ہوئی اور سید مہر علی شاہ صاحب کو حضرت اقدس کے الہام کے مطابق شرمندہ ہونا پڑا۔ اب جناب برق صاحب بھی اس شرمندگی سے حصہ لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی اس کتاب پر پندرہ ادبی اعتراضات کئے ہیں جن کے جوابات درج ذیل ہیں۔

اعتراض نمبر ۱

ٹائیٹل پیج کی عبارت فِیْ سَبْعِیْنَ یَوْماً مِنْ شَهْرِ الصِّیَامِ درج کر کے لکھتے ہیں۔

سبعین: ستر

"ماہ رمضان کے ستر دنوں میں"

یہ کیسا رمضان ہے جس کے ستر دن ہوتے ہیں۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۳)

الجواب

یہ سوال محض طفلانہ ہے۔ برق صاحب نے ادھورا فقرہ درج کر کے اعتراض کر دیا ہے۔ پورا فقرہ یوں ہے۔

"وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهٗ "اعجاز المسیح" وَقَدْ طُبِعَ فِیْ مَطْبَعِ ضِیَاءِ الْاِسْلَامِ فِیْ سَبْعِیْنَ یَوْماً مِنْ شَهْرِ الصِّیَامِ وَ کَانَ مِنَ الْهِجْرَةِ ۱۳۱۸۔

ترجمہ :۔میں نے اس کتاب کا نام "اعجاز المسیح" رکھا ہے اور یہ مطبع ضیاء الاسلام میں رمضان کے مہینہ سے ستر دن میں طبع ہوئی ہے اور ہجری کا سن ۱۳۱۸ تھا۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب رمضان کے مہینہ کے شروع سے ستر دن میں مطبع ضیاء الاسلام میں طبع ہوئی ہے۔من شھر الصیام کے الفاظ میں من ابتدائیہ استعمال ہوا ہے۔پس "رمضان کے ستر دن" ان الفاظ کا ترجمہ درست نہیں۔ بلکہ رمضان کے مہینہ سے شروع ہو کر ستر دن میں اس کے طبع ہونے کا ذکر ہے۔

اعتراض نمبر ۲

مَا قَبِلُوْنِیْ مِنَ الْبُخلِ صفحہ ۸ "بخل کا استعمال خالص پنجابی ہے۔ حسد چاہیئے"۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۳)

الجواب

پوری عبارت یوں ہے۔

"بَیْدَ اَنَّ بَعْضَ علماءِ ھٰذہ الدیارِ مَا قَبِلُوْ نِیْ مِنَ الْبُخلِ وَ الْاِ سْتِکْبَارِ فما ظَلَمُوْنَا وَ لٰکِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ حَسَدًا وَاسْتِعْلَاءً۔"

ترجمہ :۔مگر اس ملک کے بعض علماء نے مجھے بخل اور تکبر کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ پس انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا اور انہوں نے اپنی جان پر ہی حسد اور تکبر سے ظلم کیا۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ بخل کا استعمال پنجابی کیوں ہے۔ جبکہ انکار کی وجہ محض بخل ہی قرار نہیں دی گئی بلکہ اس کے ساتھ حسد اور استکبار کا ذکر بھی موجود ہے۔ اور بخل اور استکبار اور حسد تینوں کو وجہ انکار قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَمَّا مَنْ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی وَ کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی۔

(سورۃ والیل)

ترجمہ :۔جس شخص نے بخل کیا اور لاپرواہی کی اور سچائی کی تکذیب کر دی تو اسے ہم تکلیف کا سامان بہم پہنچائیں گے۔

دیکھیے !اس آیت میں بخل کے ساتھ استغناء ملا کر سچائی کی تکذیب پر منتج قرار دیا ہے۔ اور حق سے استغناء تکبر کی ہی علامت ہے حضرت مسیح موعودؑ نے اسی قرآنی استعمال کے مطابق بخل کے ساتھ استکبار کو استعمال فرمایا ہے کہ علماء اپنے بخل اور تکبر کی وجہ سے مجھے قبول نہیں کرتے پس بخل کا استعمال پنجابی نہیں بلکہ خالص قرآنی ثابت ہوا۔اس خالص قرآنی استعمال نے برق صاحب کی قرآن دانی کا بھانڈا بھی پھوڑ دیا۔سچ فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے اعجاز المسیح کے متعلق اپنے الہام میں کہ جو اس کے جواب کے لئے کھڑا ہو کر حملہ آور ہو گا وہ ندامت اٹھائیگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض نمبر ۳

اِتَّخَذَ الْخَفَا فِیْشُ وقرأ(صحیح وکراً)لجنانھم لجنانھم پر ل غلط ہے۔اس لئے کہ اتخذ دو مفعول چاہتا ہے جنان پہلا مفعول ہے۔ مفعول پر لام لانا درست نہیں۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۳)

الجواب

یہ لفظ اَجنَا نَھُمْ ہے۔کاتب نے شکستہ خط کی وجہ سے الف کو لام سمجھ کر ج سے ملا دیا ہے۔اجنان جنان کی جمع ہے۔اور اس فقرے کے یہ معنے ہیں کہ۔

"چمگادڑوں نے ان کے دلوں کو گھونسلہ بنالیا۔"

لجنا نھمؔ سے تو فقرہ کے کچھ معنے ہی نہیں بنتے۔کیونکہ پھر ترجمہ یہ بن جاتا ہے۔

"چمگادڑوں نے گھونسلے کو ان کے دلوں کے لئے بنالیا۔"

ظاہر ہے کہ کوئی معمولی علم رکھنے والا بھی ایسی بے معنی بات نہیں کہہ سکتا۔ پس حقیقت یہی ہے کہ اَجْنَانَھُمْ اصل لفظ ہے جو اتّخذ کا مفعول ہے۔

اور باوجود احتیاط کے کتابت کی غلطیاں کتاب میں رہ ہی جاتی ہیں۔ مثلاً دیکھئے برق صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے اسی فقرہ کو نقل کرتے ہوئے اس میں "وکراً" (گھونسلہ) کو اپنی کتاب میں وقراً لکھ دیا ہے جس کے معنے بوجھ کے ہوتے ہیں۔ جسے ہم نے فقرہ میں صحیح کر کے وکراً لکھا ہے۔ کیونکہ اس جگہ گھونسلہ مراد ہے۔ پس ہم اس غلطی کو برق صاحب کی لغزش قلم پر ہی محمول کر سکتے ہیں۔

پس بعض اوقات کاپی نویس ایسی غلطیاں نقل عبارت کرتے ہوئے کر جاتے ہیں اور پروف پڑھا جانے کے باوجود بھی وہ نظر انداز ہو جاتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۴

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَسْفِکُوْا قَائِلَہٗ صفحہ ۱۳ سفك کے معنے ہیں بہانا، گرانا۔ (وہ چاہتے ہیں کہ قائل کا بہائیں) کیا؟ خون: تو پھر قَائِلَہٗ سے پہلے دم (خون) کا اضافہ فرمائیے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۴)

الجواب

پورا فقرہ یوں ہے۔

وَلَا یَسْمَعُوْنَ قَوْلَ الْحَقِّ بَلْ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَسْفِکُوْا قَائِلَہٗ وَ یَغْتَالُوْنَ۔

کہ یہ لوگ سچی بات نہیں سنتے بلکہ چاہتے ہیں کہ وہ بات کہنے والے کا خون بہا دیں اور چھپ کر ہلاک کر دیتے ہیں۔

اس جگہ یَغْتَالُوْنَ کا لفظ اغتیال سے ماخوذ ہے جس کے معنے چھپ کر ہلاک کر

دینے کے ہیں۔ پس یَغۡتَالُوۡنَ (چھپ کر ہلاک کر دیتے ہیں) کا لفظ اس عبارت میں سفک دم کے لئے قرینہ ہے۔ اس لئے یسفکوا کے بعد دم (خون) کا لفظ جو مضاف تھا۔ قائله سے پہلے حذف کر دیا ہے۔ اور قائلۂ کو مضاف کا اعراب میں قائم مقام بنادیا گیا ہے۔

جیسے آیت ان تنصرو االلّٰه ینصر کم میں اللہ سے پہلے دین کا لفظ جو مضاف تھا حذف کر دیا گیا ہے اور اللہ کو اعراب میں اس کا قائم مقام بنادیا گیا ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں البتہ اس کے دین کو مدد کی ضرورت ہے۔

اس طرح مضاف کا حذف کرنا کلام میں حسن پیدا کرتا ہے۔ لہذا فقرہ میں لفظاً دم کے اضافہ کی ضرورت نہیں۔ دیکھئیے۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔ ''اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی۔'' (عدل کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔)

اس آیت میں هُوَ کا مرجع کلام العدل چاہیئے جو لفظاً مذکور نہیں ہاں فعل اِعۡدِلُوۡا کے قرینہ سے العدل کو معناً مراد لے کر اس کی طرف هُوَ کی ضمیر راجع کی گئی ہے۔ پس اگر قرینہ موجود ہو تو حذفِ لفظ مستحسن ہوتا ہے نہ کہ ناجائز۔

اعتراض نمبر ۵

جَعَلَ قَلۡمِیۡ وَ کَلۡمِیۡ مَنۡبَعَ الۡعَارِفِ منبع غلط ہے منابع چاہیئے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۴)

الجواب

قَلۡمِیۡ اور کَلۡمِیۡ کو واحد کے حکم میں قرار دے کر معارف کا منبع (سرچشمہ) قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ قلم کلمات کے بغیر معارف کا منبع نہیں بن سکتی۔

دونوں مل کر اعجاز المسیح کے معارف کا منبع ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔
كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا۔
دیکھئے! اِس میں دونوں باغوں کا مل کر چونکہ ایک کام تھا یعنی پھل دینا اس لئے جنتین تثنیہ کے لئے آتت مفرد فعل لایا گیا۔ کیونکہ دونوں باغوں کو بحکم واحد قرار دیا گیا ہے۔ اور اس قسم کے محاورات عربی زبان میں شائع اور ذائع ہیں۔

اعتراض نمبر ٦

وَأَيُّ مُعْجَزَةٍ صفحہ ۴۵

وَ اَيَّةُ چاہیئے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۴)

الجواب

ہمیں برق صاحب یہ بتا رہے ہیں کہ معجزہ مؤنث ہے اور ایُّ مذکر لہذا معجزۃ سے پہلے بوجہ اس کے مؤنث ہونے کے اَیَّةُ چاہیئے۔ مگر یہ بات ان کی قواعد عربی سے ناواقفی کا کھلا کھلا ثبوت ہے اَیُّ کا مؤنث کے لئے استعمال تو خود قرآن مجید میں ہوا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(١) بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ (لقمان آیت ۳۴)

دیکھئے ارض مؤنث ہے اور اس کے لئے ایّ استعمال کیا گیا ہے۔

(٢) فَاَيَّ اٰيَاتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ۔ (مومن آیت ۸۴)

اس میں آیات کا لفظ مؤنث بھی ہے اور جمع بھی مگر اس کے لئے ایّ ہی استعمال ہوا ہے۔

(٣) فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ۔

اس جگہ صورۃ مؤنث ہے مگر اس کے لئے اَیّ ہی استعمال ہوا ہے۔ پس برق

صاحب کا یہ اعتراض ایّ کے قرآنی استعمال سے بھی ناواقفی کا ثبوت ہے۔

پھر حدیث میں آیا ہے :-

اَ یُّمَا امرأۃٌ نَکَحَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّھَا فَنِکَا حُھَابَاطِلٌ۔ کہ جو عورت بھی اپنے ولی کے اذن کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔

اس حدیث میں اِمْرَأۃٌ مؤنث حقیقی کے لئے بھی اَیُّ کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔ چونکہ جناب برق صاحب عربی گرامر میں مفلس ہیں اس لئے جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ لفظ مناویٰ معرف بالام کے صلہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو مذکر کے لئے اَیُّ اور مؤنث کے لئے اَ یَّۃُ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اَیُّھَا الرَّجُلُ اور ایّتھا المرأۃُ تو انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ عربی زبان میں ہر صورت میں مذکر کے لئے اَیُّ استعمال ہوتا ہے اور مؤنث کے لئے اَ یَّۃُ۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ اَیُّ جب استفہامیہ یا شرطیہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے اَیُّ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید سے جو مثالیں اوپر دی گئی ہیں وہ اَیُّ استفہامیہ کی ہیں اور یہ سب مثالیں مؤنث کے لئے اَیُّ کے استعمال کی ہیں۔ حدیث کی مثال اَیُّمَا المراۃُ اَیُّ کے شرطیہ کی صورت میں استعمال کی ہے۔

اعتراض نمبر ۷

وَمِنْ نَوادِرِ مَا اُعْطِیَ لِیَ۔ (صفحہ ۱۴۸ اعجاز المسیح)

مَاعطیتُ صحیح ہے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۴)

الجواب

برق صاحب نے مَااُعْطِیَ لِیَ کو غلط قرار دینے کی کوئی وجہ بیان نہیں کی۔ بے شک اس فقرہ میں مَااُعْطِیْتُ بھی استعمال ہو سکتا ہے مگر جو مفہوم مَااُعْطِیَ

لِیُ سے مراد تھا وہ مَاأُعْطِیْتُ کے الفاظ پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا اس جگہ مَاأُعْطِیَ لِیُ کا استعمال ہی انسب ہے۔

مِنْ نَوَادِرِ مَا أُعْطِیْتُ کے معنے ہونگے۔ وہ نوادر جو میں دیا گیا۔ اور مِنْ نَوادِرِ مَا أُعْطِیَ لِیُ کے یہ معنے ہیں۔ وہ نوادر جو مجھے میرے لئے بطور اختصاص و استحقاق دیئے گئے ہیں۔ پس مَاأعطیتُ سے وہ مضمون ادا نہیں ہو سکتا تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس جگہ بیان کرنا چاہتے تھے۔

لام اس جگہ لام اختصاص یا لام استحقاق ہے۔ جیسے قرآن مجید کی آیت لاتعلم نفس مااخفی لَهُمْ من قرة اعینٍ میں لھم کا لام اختصاص ہے۔

"المنجد" میں لام استحقاق کی مثال العزة للہ دی گئی ہے اور لام اختصاص کی مثال الجنة للمؤمن دی گئی ہے۔ دیکھو المنجد (زیر لفظ لام) نوادر سے مراد اس جگہ نوادر کلام ہیں جو آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بصورت نشان آپ کے مخصوص منصب کے لحاظ سے دیئے گئے۔

اعتراض نمبر ۸

مَثَلُهَا كَمَثَلِ نَاقَةٍ تُوْصِلُ اِلَى دِيَارِ الْحِبِّ مَنْ رَكِبَ عَلَيْهِ۔

(اعجاز المسیح صفحہ ۷۷)

ناقہ مؤنث ہے اور علیہ کی ضمیر مذکر۔ علیھا چاہیئے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۴)

الجوب

توصل (فعل مؤنث) کا لفظ بتاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جانتے ہیں کہ ناقہ مؤنث ہے۔ چنانچہ آپ نے اس فقرے کے بعد وَقَدْ حُمِلَ عَلَيْهَا من كلّ نوعِ الْاَزْوَادِ وَالنَّفَقَاتِ وَالثِّيَابِ وَالْكِسْوَاتِ کے فقرہ میں ناقہ کی طرف

مؤنث کی ضمیر علیها ہی راجع کی ہے۔لہذا مَنْ رکبَ علیه کی عبارت میں تاویلاً اہل عرب کے ایک اسلوب کے مطابق ناقہ کو بقرینہ فعل رکب "مرکب" پر محمول کر کے اس کی طرف مذکر کی ضمیر راجع کی گئی ہے چنانچہ خود قرآن کریم میں بعض جگہ یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ مؤنث کی طرف مذکر کی ضمیر راجع کر دی ہے اور مذکر کی طرف مؤنث کی۔دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) اِنَّ لَکُمْ فِیْ الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ۔(سورۃ نحل آیت ۶۷)میں انعام جمع مکسر ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے مگر بُطُوْنِہٖ میں واحد مذکر کی ضمیر اس کی طرف راجع کی گئی ہے

(۲) لَاْ تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ مِنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ۔(سجدہ) میں نفس مؤنث ہے اس کی طرف لھم مذکر کی ضمیر بتاویل اشخاص راجع کی گئی ہے۔

(۳) پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَعْتَدْ نَالِمَنْ کَذَّبَ بِالسَّاعَۃِ سَعِیْرًا۔اس میں سعیراً مذکر ہے۔مگر اس کے بعد فرماتا ہے :-

اِذَا رَئَتْھُمْ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَھَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیرًا۔(فرقان آیت ۱۳) اس میں فعل رأت میں مؤنث کی ضمیر اور لھا مؤنث کی ضمیر دونوں کا مرجع سعیر مذکر کو نار مؤنث پر محمول کر کے بنایا ہے۔اسی طرح مؤنث حقیقی کے لئے قرآن مجید میں فعل مذکر استعمال کیا گیا ہے۔چنانچہ فرماتا ہے :-

قَالَ نِسْوَۃٌ فِی الْمَدِیْنَۃِ امْرَاۃُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتَا ھَاعَنْ نَفْسِہٖ۔

اسی طرح مشہور شاعر اعشي کہتا ہے

؎ یقوم و کانوا ھم المنفدین

شرابھم قبل تنفادھا

شراب مذکر ہے مگر عرب کے مشہور شاعر اعشي نے اس کی طرف بتاویل

خمرھا مؤنث کی ضمیر راجع کی ہے۔

مؤنث کی طرف مذکر کی ضمیر راجع کرنے کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

کَیْ یَطْلُبُوا فوقَ الارضِ لم یَجِدُوْا

مثل الذی غیّبوا فی بطنہٖ رَجُلاً

دیکھئے ارض مؤنث ہے مگر بطنہٖ کی واحد مذکر ضمیر اس کی طرف راجع کی گئی ہے۔ (حماسہ مجتبائی صفحہ ۵۱۷)

کیوں برقؔ صاحب! اب بھی تسلی ہوئی ہے یا نہیں۔ کہ آپ کا یہ لغو اعتراض عربی علم ادب میں بالغ النظر ہونے کا ثبوت نہیں۔

اعتراض نمبر ۹

اَلْزَمَ اللّٰہُ کَآ فَّۃَ اَھْلَ الْمِلَّۃِ۔

عربی میں کافۃ مضاف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ فقرہ غلط ہے۔

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۵)

الجواب

اس عبارت میں کافۃً مضاف نہیں بلکہ حال مقدّم ہے اور اھل الملۃ اس کا ذوالحال متاخر جو اَلْزَمَ کا اپنے حال مقدم کے ساتھ مل کر مفعول بہ ہے۔ پس اس عبارت کو یوں پڑھا جائے گا۔ اَلْزَمَ اللّٰہُ کَافَّۃً اَھْلَ الْمِلَّۃِ۔ اس جگہ حال کو برعایت سجع مقدم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس عبارت کا اگلا فقرہ ہے۔ اِنْ یَقْرَءُ وْا لَفْظَ الرَّجِیْمِ قَبْلَ قِراءَ ۃِ الفَاتِحَۃِ وقَبْلَ الْبَسْمَلَۃِ اس جگہ یہ مضمون بیان ہو رہا ہے کہ سورۃ فاتحہ سے اور بسم اللہ سے پہلے اَعُوْذُ باللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنا کیوں لازم کیا گیا ہے۔

حال کا اصل محل تو فقرہ کے آخر میں ہوتا ہے۔ مگر جب فقرہ میں عامل فعل

ہو تو حال کا ذوالحال سے مقدم لانا جائز ہے۔ چنانچہ شرح المفصّل میں حال کی بحث میں لکھا ہے :-

"اِذَا کَانَ الْعَامِلُ فِیْهَا فِعْلاً جَازَ تَقْدِیْمُ الْحَالِ عَلَیْهِ۔"

یعنی جب عامل فعل ہو تو حال کا مقدم لانا جائز ہے۔

آگے اس کی مثالیں دی ہیں۔ جَاءَ قَائِماً زَیْدٌ اور قَائِمًا جَاءَ زَیْدٌ (دیکھئے شرح المفصل للشیخ العلامہ ابن علی بن یعیش النحوی متوفی ۶۴۳ھ ہجری جزو اول صفحہ ۵۷ مطبوعہ مصر)

اِن مثالوں سے ظاہر ہے کہ حال کا نہ صرف ذوالحال سے پہلے لانا جائز ہے بلکہ فعل سے بھی پہلے لانا جائز ہے۔

اسی طرح الفیہ ابن مالک اور اوضح المسالک میں بھی جو نحو کی مشہور کتابیں ہیں یہی قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو الفیہ اور اوضح المسالک میں بحث حال۔ ابن مالک الفیہ میں تو جار مجرور کے ذوالحال ہونے کی صورت میں حال کا مقدم لانا جائز قرار دیتے ہیں۔ گو نحویوں کو اس سے انکار ہے ملاحظہ ہو الفیہ کا شعر

؎ وَسَبْقُ حالِ مَابِحَرْفٍ جُوَّقَدْ
اَبَوْا وَلاَ اَمْنَعُهٗ فَقَدْ وَرَدْ

یعنی حال کے مجرور سے مقدم لانے سے نحویوں نے انکار کیا ہے لیکن میں ناجائز نہیں کہتا کیونکہ (قرآن مجید میں) وارد ہوا ہے۔ اس جگہ بین السطور آیت وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كافةً للنّاسِ بطور نظیر پیش کی گئی ہے گویا كافةً للنّاس کا حال مقدّم قرار دیا ہے۔

اوضح المسالک میں جو نحو کی مشہور اور مستند کتاب ہے حال کے باب میں لکھا ہے کہ آیت وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كافةً للنّاسِ میں الفارسی۔ ابن جنیّ اور قیسان کے

نزدیک کافۃً حال مقدم ہے اور للنّاسِ اس کا ذوالحال متاخر ہے۔ گو دوسرے نحوی اس آیت میں کافۃً کو اَرسَلنَاکَ کی ضمیر کاف کا حال قرار دیتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ معنوی لحاظ سے اس جگہ قرآن مجید میں کافۃً کو للنّاسِ کا حال قرار دینا ہی مناسب ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سب کے سب لوگوں کے لئے رسول ہیں۔ خیر یہ بحث تو حال کے جار مجرور سے مقدم لانے یا نہ لانے سے متعلق ہے۔ مگر جس جملے میں عامل فعل یا شبہ فعل ہو وہاں تو حال کا مقدم لانا علی الاتفاق جائز ہے۔ پس حضرت اقدس کا زیر بحث فقرہ میں کافّۃً کا لفظ اھل الملۃ کا مضاف نہیں بلکہ اس کا حال مقدم ہے اور اَلزَمَ فعل اس کا عامل ہے۔ پس برق صاحب کا اسے خلاف قاعدہ مضاف قرار دینا غلطی ہے اور ان کا اعتراض محض مغالطہ ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰

وَتِلْکَ الْجُنُودُ یَتحَارَبَانِ

یتحاربان غلط ہے تتحاربان چاہیئے۔ (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۵)

الجواب

یہ استعمال بالکل درست بلکہ زیادہ فصیح ہے۔ برق صاحب نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ الجنود جمع مکسر ہے جو مؤنث ہوتی ہے۔ اس کے لئے فعل یتحاربان مذکر استعمال کیا گیا ہے۔ مگر انہوں نے اس جگہ پوری عبارت نہ پیش کر کے مغالطہ دہی سے کام لیا ہے۔ پوری عبارت یوں ہے :-

وَلَمْ یَزَلْ ھٰذِہِ الْجُنُودُ وَتِلْکَ الجنودُ یَتَحَارَبان۔

(یہ لشکر اور وہ لشکر دونوں لڑتے رہے۔)

سیاق کے لحاظ سے اس جگہ ھذہ الجنود (اِن لشکروں) اور تِلْکَ الجنود

(اُن لشکروں) سے مراد شیطان کے لشکر اور امام الزمان کے لشکر ہیں۔ مختلف افراد کے جمع ہو جانے کے لحاظ سے اِنہیں اور اُنہیں هٰذه الجنود و تلك الجنود قرار دیا گیا ہے جب ان هٰذه الجنود و تلك الجنود میں لڑائی ہوتی ہے۔ تو یہ دونوں متحارب فریق بن جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے دو فریق یا گروہ بن جانے کی وجہ سے ان کے لئے فعل یتحاربان (دونوں فریق لڑ رہے ہیں) کا استعمال ہی زیادہ فصیح ہے۔

اگر صرف اتنا ہی فقرہ ہوتا و تلك الجنود یتحاربان اور اس سے پہلے وهٰذه الجنود کا ذکر نہ ہوتا تو پھر افراد کے لحاظ سے اس جگہ یتحاربون (وہ سب لڑ رہے ہیں) استعمال ہوتا۔ اور اس صورت میں تلك الجنود کو ہی دو فریق قرار دے کر ان کے لئے یتحاربان بھی جائز ہوتا۔ مگر اب تو یہ صورت ہی موجود نہیں بلکہ پوری عبارت هذه الجنود اور تلك الجنود دونوں کو باہم دو متحارب فریق قرار دے رہی ہے لہذا اس صورت میں یتحاربان کا استعمال ہی انسب اور افصح ہے۔

اعتراض نمبر ۱۱

النفسُ الّتِیُ سَعٰی سَعُیَهَا۔ پر اعتراض کیا گیا ہے "سعی غلط ہے اس لئے کہ نفس مؤنث ہے۔ سعتُ چاہیئے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۵)

الجواب

سعٰی کا استعمال بھی صحیح ہے۔ کیونکہ نفس کو شخص اور انسان مراد لے کر مذکر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے لاتعلم نفس ما اخفی لهم من قرّة اعینٍ۔ اس جگہ پہلے لاتعلم فعل واحد مؤنث استعمال کر کے نفس کو مؤنث قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد اس کی طرف ضمیر لهم جمع مذکر کی نفس کو اشخاص پر محمول کر کے راجع کر دی گئی

ہے۔ یہی حال زیر بحث فقرہ کا ہے کہ پہلے اسے مؤنث قرار دے کر اس کی طرف فعل سعٰی کی ضمیر واحد غائب راجع کی گئی۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

؎ماعندنا الا ثلثة انفسٍ

مثل النجوم تلعلعت فی الحندس

اس جگہ انفس کی تانیث کی وجہ سے بقاعدہ تمیز اعداد ثلث کا استعمال چاہیئے تھا۔ لیکن شاعر نے انفس کو بتاویل اشخاص مذکر قرار دیدیا ہے۔ اور مذکر کے مناسب قاعدہ کے مطابق عدد ثلاثة کا استعمال کیا ہے۔

پھر دوسرے مصرعہ میں یہی شاعر انفس کو مؤنث قرار دے کر اس کے لئے تلعلعت فعل واحد مؤنث کا استعمال کر رہا ہے۔

گویا ایک ہی شعر میں انفس کو مذکر بھی استعمال کیا گیا ہے اور مؤنث بھی۔

اعتراض نمبر ۱۲

اِلَّا قلیلُ ن الّذِیْ ھُوَ کَا لْمَعْدُوْمِ۔ (صفحہ ۱۵۹) اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے۔

"یہاں موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ جو صحیح نہیں۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۵)

الجواب

افسوس ہے کہ جناب برق صاحب نے اس جگہ اعتراض وضع کرنے کے لئے ادھوری عبارت پیش کر دی ہے تا منشاء متکلم کو چھپا کر اپنے اعتراض کو صحیح دکھا سکیں۔ یہ فعل مجرمانہ ہے نہ کہ محرمانہ۔ پوری عبارت یہ ہے۔

کأنَّ النّاس کلّھُم مَاتُوا وَلَم یَبْقَ فِیھِمْ رُوْحُ الْمَعْرِفَةِ اِلَّا قَلِیْلُ ن الّذِیْ

هُوَ کَالْمَعْدُوْمِ مِنَ النُّدْرَةِ۔

ترجمہ :۔گویا کہ تمام لوگ مر چکے ہیں اور ان میں بجز تھوڑے سے لوگوں کے روح معرفت باقی نہیں رہی جو اپنی ندرت کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس فقرہ میں رُوْحُ الْمَعْرِفَةِ جو اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے ترکیب میں موصوف ہے اور الَّذِیْ هُوَ کَالْمَعْدُوْمِ اس کی صفت معرفہ لائی گئی ہے۔ یہ صفت معرفہ قَلِیْلٌ نکرہ کی صفت نہیں۔ اَلَّاقَلِیْلٌ میں قَلِیْلٌ نکرہ تو مستثنیٰ ہے جو اپنے مستثنیٰ منہ رُوْحُ الْمَعْرِفَةِ کے ساتھ مل کر فعل لَمْ یَبْقَ کا فاعل ہے۔ پس برق صاحب نے یہ اعتراض کر کے بھی صرف منہ چڑانے کی کوشش کی ہے۔

من کان هٰذاالقدر مبلَغ عِلمهٖ

فَلْیَسْتَتِرْ بِالصّمت والکتمانٖ

اعتراض نمبر ۱۳

"لا تؤ ذی اخیك"

برق صاحب نے اس پر اعتراض کیا ہے :۔

اخیك غلط ہے۔ مفعول ہونے کی وجہ سے اخاك چاہیئے

الجواب

یہ اعتراض عبارت صحیح نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ پورا فقرہ یوں ہے :۔

"اَنْ لَا تُوْذِیَ اُخَیَّكَ بِکِبْرٍ مِنْكَ"

چونکہ عبارت پر اعراب درج نہیں تھے اس لئے یہ فقرہ جناب برق صاحب کیلئے امتحانی بن گیا۔ اور وہ اسے صحیح طور پر پڑھ نہیں سکے۔ یہ لفظ اس جگہ اخ[illegible] نہیں

بلکہ اُخَیَّكَ ہے۔ یعنی اخ کے مصغر اُخَیّ کو کاف ضمیر خطاب کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اسم تصغیر پیار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور تحقیر کے لئے بھی۔ اس فقرہ میں بِکِبْرِ مِنْكَ کے الفاظ اس بات کے لئے قرینہ ہیں کہ یہ لفظ متکبّر کے نقطہ نگاہ کے لحاظ سے جو اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے بطور مصغّر مضاف اُخَیَّكَ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کی عبارت میں اس بھائی کو جسے وہ اپنے کبر کی وجہ سے حقیر سمجھتا ہے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ :-

"اسے اپنے کلمات سے مجروح نہ کر بلکہ تجھ پر واجب ہے کہ تیرا وہ بھائی جو تجھے غصہ دلا رہا ہے اس سے تواضع سے پیش آ اور گفتگو میں اس کی تحقیر نہ کر۔ اور مرنے سے پہلے مر جا۔ اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر (یعنی نفس کی فربہی اور کبر چھوڑ دے) جو شخص بھی تیرے پاس آئے خواہ وہ پھٹے پرانے لباس میں آئے اس کی تعظیم کر۔"

پس سیاق و سباق اس جگہ قرینہ ہے کہ زیر بحث لفظ اَخِیْكَ نہیں بلکہ اُخَیَّكَ ہے۔ برق صاحب! آپ اخیك پر یوں (اخیْك) اعرابی الف دیکر اخاك بھی پڑھ سکتے تھے مگر آپکو تو اعتراض کرنا تھا؟

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہٖ دلبر اخطا اینجاست

اعتراض نمبر ۱۴

ثَمَرَاتِ الْجنّۃِ فَوَیْلٌ لِلّذِیْ تَرَکَھُمْ (صفحہ ۱۷۰)

برق صاحب کو اس پر اعتراض ہے :-

"ترکھم غلط ہے۔ ثمرات جمع مکسر ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اس لئے ترکھا صحیح ہے۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۵)

الجواب

اس عبارت کے پیش کرنے میں بھی جناب برق صاحب نے یوں جرم کا ارتکاب کیا ہے کہ عبارت ادھوری پیش کر دی ہے تا کہ ان کے مضمون کو پڑھنے والا مغالطہ کھا جائے۔ اوران کے اعتراض کو صحیح سمجھ لے۔ حالانکہ پورا فقرہ یوں ہے :-

"وَاِنَّھُمْ ثَمَرَاتُ الْجَنَّةِ فَوَیْلٌ لِلَّذِیْ تَرَکَھُمْ۔"

ترجمہ :-وہ انبیاء اور رسل جنت کے پھل ہیں۔ پس ہلاکت ہے اس پر جس نے انبیاء اور رسل کو چھوڑا یعنی ان کا انکار کیا اور ان کے دامن سے وابستہ نہ ہوا۔

واضح ہو کہ اس فقرہ سے پہلے مرسلین اور انبیاء کا ذکر چلا آرہا تھا اور اسی سلسلہ عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جنت کے پھل ہیں۔ پس اس کے لئے ہلاکت ہے جس نے ان بزرگوں کو چھوڑ دیا اور دنیا کے قوت لایموت کی طرف مائل ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترکھم کی ضمیر کا مرجع ثمرات الجنة نہیں بلکہ اِنَّھُمْ میں جو انبیاء اور رسل مراد ہیں وہ ترکھم کی ضمیر ھم کا مرجع ہیں۔ پس مرجع بھی جمع مذکر ہے اور اس کیلئے ضمیر بھی جمع مذکر لائی گئی۔ فاندفع الاعتراض۔

اعتراض نمبر ۱۵

اَتَظُنُّ اَنْ یَکُوْنَ الْغَیْر

"غیر پر الف لام نہیں آسکتا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۵)

الجواب

یہ عبارت بھی اوپر کے جواب میں دیئے گئے فقرہ سے چند فقرات کے بعد لائی گئی ہے عبارت کا سلسلہ یوں ہے :-

"وَاِنَّھُمْ نورُ اللّٰہِ یُعْطٰی بِھِمْ نُورٌ لِلْقُلُوْبِ وَتریاقٌ لِسَمِّ الذُّنُوبِ وَسَکِیْنَةٌ

عند الِاحتِضَارِ و الْغرغرَةِ۔وثَبَاتٌ عند الرحلَةِ وَتَرْكِ الدُنْيا الدنِيّةِ۔اَتظُنُّ اَنْ يكونَ الْغَيرُ كَمِثْلِ هٰذِهِ الْضِئَةِ الْكَرِيمَةِ

ترجمہ :-یعنی وہ انبیاء و رسل اللہ کا نور ہیں ان کے وسیلہ سے دلوں کو نور ملتا ہے اور گناہوں کے زہروں کے لئے تریاق ملتا ہے اور موت اور نزع کی حالت میں تسلی ملتی ہے اور حقیر دنیا کو چھوڑنے اور کوچ کے وقت ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں :-کیا تو گمان کرتا ہے کہ الغیر (انبیاء کا غیر) اس بزرگ گروہ کی طرح ہو سکتا ہے۔اور اس کے بعد فرماتے ہیں :-کَلَّا والذی اخرجَ العَذقَ مِنَ الجریمةِ۔اس خدا کی قسم جس نے تنے سے شاخدار ٹہنی نکالی ہے ہر گز ایسا نہیں ہو سکتا۔

جناب برق صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ غیر پر الف لام نہیں آسکتا مگر ہم انہیں الغیر کے استعمال کی ایک مثال دیتے ہیں جس سے ان پر اپنی علمی حیثیت خوب روشن ہو جائے گی۔سنیئے ''المنجد'' میں الغیر کا اسی طرح استعمال موجود ہے جس طرح زیر بحث فقرہ میں حضرت اقدس نے الغیر کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔المنجد میں غار یغار کے تحت لکھا ہے

''غارَالرجُل علٰی امرٰتہ مِنْ فُلان وھی علیہ من خُلاَنِہٖ

اور آگے اس کے معنے لکھے ہیں :-

اَنِفَ من الحمیّة وَکرِہَ شِرْکَۃَ الغیر فی حقّہٖ بھا وھی کذالك

(المنجد ایڈیشن ۱۷ صفحہ ۵۶۳ کالم ۳)

یعنی مرد نے حمیت کی وجہ سے نفرت کی اور اپنے حق میں اپنی بیوی میں الغیر (غیر مرد) کی شرکت کو ناپسند کیا۔اور اسی طرح عورت نے حمیت کی وجہ سے نفرت کی اور اپنے حق میں اپنے خاوند میں الغیر (کسی غیر عورت) کی شرکت کو ناپسند کیا۔

کیوں برق صاحب! تسلی ہوئی یا نہیں کہ عربی میں الغیر بھی استعمال ہوتا

ہے۔

برقؔ صاحب نے اعجاز المسیح کی تحریر پر صرف پندرہ اعتراضات کئے تھے جن کے جوابات سے ہم خدا کے فضل سے فارغ ہو چکے ہیں۔اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے برقؔ صاحب نے یہ نوٹ دیا ہے :-

''اس تفسیر میں اس قسم کی کم وبیش ایک سو اغلاط موجود ہیں۔ حقیقتاً تاریخ رسالت کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ اللہ نے مسیح موعود پر چار زبانوں پر الہامات اتارے اور ہر زبان میں درجنوں غلطیاں کیں۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ دشمن اسکی غلطیوں پر ہنس رہے ہیں۔وہ آخر تک اپنی ہٹ پر قائم رہا اور وقتاً فوقتاً غلط الہامات نازل کرتا رہا۔''

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۵)

قارئین کرام !برق صاحب کی پیش کردہ پندرہ مزعومہ غلطیوں اور ان کے متعلق ہمارا جواب ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہمارے جوابات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ ان کی نکتہ چینی سراسر باطل ہے اور انکی بد ذوقی کم فہمی اور عربی علم ادب میں مفلس ہونے کا ثبوت ہے۔

برق صاحب کی وہ سو غلطیاں جن کا وہ اس نوٹ میں ذکر فرمارہے ہیں یہی حال ہوگا یعنی وہ کم فہمی سے انہیں اغلاط سمجھ رہے ہونگے۔ یہ کہنا ان کا دروغ بے فروغ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے چار زبانوں میں الہامات کے اندر خدا تعالیٰ نے درجنوں غلطیاں کی ہیں۔ خدا کا کلام تو غلطیوں سے پاک ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے الہامات پر دشمنوں کی ہنسی در حقیقت اپنی ہی نادانی اور جہالت کا ثبوت ہوتا ہے۔

قرآنِ شریف کی آیات پر عیسائیوں کی نکتہ چینی کا نمونہ

جس قسم کی مزعومہ ادبی غلطیاں جناب برق صاحب نے ذکر کی ہیں اسی قسم کی غلطیاں نادان عیسائیوں نے قرآن مجید کے الہامات کے متعلق بھی بیان کی ہیں جو

عربی زبان کی وسعت کے پیش نظر محض انکی جہالت کا مظاہرہ ہیں۔ مثلاً

۱- قرآن شریف میں آیا ہے۔ خُضۡتُمۡ کَالَّذِیۡ خَاضُوۡا۔ اوراس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ الذی موصول کا استعمال غلط ہے۔ خاضوا جمع کے صیغہ کے لحاظ سے اسم موصول الذین چاہیئے کیونکہ الذی مفرد ہے اور خاضوا جمع ہے۔ بتایئے برق صاحب! آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ آخر آپ کو اس جگہ تاویل ہی کرنا پڑے گی۔

۲- سورۃ نحل کی آیت ۶۷ میں آیا ہے۔ وَاِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ الانعام جمع مکسر ہے اس کی طرف مؤنث کی ضمیر کی بجائے "فی بطونہٖ" میں مذکر کی ضمیر راجع کی گئی ہے۔ حالانکہ سورۃ مومنوں کی آیت وَاِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِھَا میں خود قرآن کریم میں ہی انعام کی طرف ھا مؤنث کی ضمیر بھی راجع کی گئی ہے۔ اس تضاد کا برق صاحب کے پاس کیا جواب ہے؟

۳- سورۃ یوسف میں آیا ہے :-

"قَالَ نِسۡوَۃٌ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ۔"

حالانکہ نسوۃ مؤنث حقیقی ہے جس کے لئے قال مذکر کا فعل استعمال کیا گیا ہے۔ فرمایئے اس کا کیا جواب ہے؟

۴- پھر سورۃ حج آیت ۲۰ میں وارد ہے :-

"ھٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّھِمۡ......"

خصمان تثنیہ ہے۔ اس کے لئے فعل جمع کا استعمال کیا گیا ہے بظاہر اِخۡتَصَمَا چاہیئے۔

۵- وَ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ (سورۃ توبہ آیت ۶۲)

اس میں اللہ اور رسول تثنیہ کیلئے یُرضوہ میں مفرد کی ضمیر راجع کی گئی ہے۔
اسکا آپ کے پاس کیا جواب ہے ؟

۶- سورۃ نساء آیت ۱۶۳ میں آیا ہے :-

لٰکِنِ الرَّاسِخُوْنَ فِیْ العِلْمِ مِنْهُم وَالمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَالمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الآخِرِ۔

اس آیت میں وَالْمُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کو منصوب استعمال کیا گیا ہے اور اس سے پہلے المومنون کو مرفوع اور اس کے بعد وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کو بھی مرفوع استعمال کیا گیا ہے اور یہ سب عطف کے سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ عام قاعدے کے لحاظ سے وَالْمُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوة چاہیئے۔ بتائے آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے ؟

۷- فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْن۔ (یونس ۴۲) میں فلك کو مذکر قرار دیا گیا ہے مگر والفلك التی تجری فی البحر (حج ۶۶) میں فلك کو مؤنث استعمال کیا گیا ہے۔ آخر کچھ تو وجہ ہے۔

۸- وَاِنْ کنتم جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ (المائدہ آیت ۷)

مخاطب سب افراد ہیں اور جُنُباً مفرد استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّلِیْ الاربّ العالمین (شعراء آیت ۷۸) میں بھی۔

۹- فَلَا یُخرِ جَنّکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی۔ (طٰہٰ آیت ۱۱۸)

کما تثنیہ کی ضمیر ہے اور اس کے بعد فعل تشقٰی واحد مذکر لایا گیا ہے۔
بظاہر فَتَشْقَیا آنا چاہیئے۔

۱۰- لَاعَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِاللّٰهِ۔ (ہود : ۴۴)

بظاہر لامعصوم چاہیئے۔

۱۱- عیشة راضیة۔ (القارعة : ۸)

بظاہر مرضیّة چاہیئے کیونکہ عیش راضی نہیں ہوتی بلکہ مرضیّة یعنی پسندیدہ ہوتی ہے۔

۱۲- اِنَّہٗ کَانَ وَعْدُہٗ ماتیًّا۔ (مریم آیت ۶۲)

ماتیا تو اسم مفعول ہے۔ بظاہر اتیاً چاہیئے۔

اسی طرح قرآن میں وارد ہے حجاباً مستورًا۔ حجاب کو مستور قرار دیا گیا ہے حالانکہ وہ خود ساتر ہوتا ہے بظاہر مستور اسم مفعول کی جگہ ساتر اسم فاعل کا استعمال چاہیئے۔

۱۳- وَاتَّبَعُوْا مَاتَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ۔ (بقرہ : ۱۰۳) میں شیاطین کے پڑھنے کا پرانا قصہ بیان ہوا ہے اس لئے بظاہر تَتْلُوا مضارع کی بجائے تَلَتْ ماضی چاہیئے۔

۱۴- آیت لِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰہِ مِنْ قَبْلُ۔ (بقرہ : ۹۲) بقرینہ مِنْ قَبْلُ بظاہر لِمَ قَتَلْتُمْ آنا چاہیئے تھا۔

۱۵- اِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ منه نفساً۔ (النساء : ۵)

نفساً تاکید ہے۔ طِبْنَ جمع مؤنث کے لئے قاعدہ کے مطابق تاکید انفسھن آنی چاہیئے تھی۔

۱۶- ثُمَّ یُخْرِجُکُمْ طِفْلاً۔ (مومن : ۶۸)

کُمْ جمع کی ضمیر کی مناسبت سے بظاہر اطفالاً آنا چاہیئے۔

۱۷- یٰاَیّھا النبیّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ۔ (الطلاق : ۲)

النبی مفرد ہے اس کی مناسبت سے بظاہر طَلَّقْتَ آنا چاہیئے۔

۱۸- وَالْمَلٰئِکَةُ بَعْدَ ذَالِکَ ظَھِیْرٌ۔ (تحریم : ۵)

ملائکہ جمع مکسر ہے اور اس کے لئے ظھیرۃٌ کی بجائے وصف ظھیر واحد مذکر

استعمال کیا گیا ہے۔

۱۹- وَاَسَرُّ وا النَّجوَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ (الانبیآء : ۳)

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ خلاف قاعدہ فعل کو جمع لایا گیا ہے حالانکہ فاعل سے پہلے فعل مفرد استعمال ہوتا ہے۔

۲۰- ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا کَثِیْرٌ مِنْھُمْ۔ (المآئدة : ۷۲)

اس آیت میں بھی اوپر کے قاعدہ کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے کثیر فاعل سے پہلے عموا وصموا دو فعل جمع لائے گئے ہیں۔

۲۱- اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا۔ (التحریم : ۵)

آنحضرت ﷺ کی دو بیویوں کا ذکر ہے اس لحاظ سے بظاہر قَلْبَا کُمَا آنا چاہیئے۔

۲۲- اِذَارَاَوْا تِجَارَۃً اَوْلَھْوًا اِنْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا۔ (الجمعة : ۱۲)

تجارۃ اور لھو دو چیزیں ہیں ان دونوں کی مناسبت سے الیھا کی بجائے الیھما چاہیئے۔

۲۳- وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

(التوبة : ۳۴)

ذھب اور فضّہ دو چیزیں ہیں ان کی مناسبت سے بظاہر یُنْفِقُوْنَھُمَا چاہیئے تھا۔

۲۴- فَاَحْیَیْنَا بِہٖ بَلْدَۃً مَیْتًا۔ (قٓ : ۱۲)

بلدۃ مؤنث ہے مگر اس کی صفت میتاً مذکر لائی گئی ہے۔ عام قاعدہ کے لحاظ سے میتۃً چاہیئے۔

۲۵۔ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِہٖ۔ (المزمّل : ۱۹)

السماء مؤنث ہے اس کی خبر منفطر مذکر لائی گئی ہے عام قاعدہ کے لحاظ سے منفطرۃٌ چاہیئے۔

مندرجہ بالا پچیس[۲۵] آیات میں خدا تعالیٰ کے عام اسلوب زبان کو ترک کرنے میں ضرور خاص حکمتیں ہیں جنہیں راسخون فی العلم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کی بعض حکمتوں سے واقف ہیں اور قرآن مجید پر عیسائیوں کے اس قسم کے اعتراضات کو لغو سمجھتے ہیں۔

برق صاحب کے حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتوں پر اعتراض بھی بالعموم اسی نوعیت کے ہیں جس طرح عیسائی لوگ قرآن مجید پر اس قسم کے اعتراضات معاندانہ روح لے کر کرتے ہیں اصل حقیقت کے سمجھنے سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی معاندانہ روح کا اپنے اعتراضات میں جناب برق صاحب نے مظاہرہ فرمایا ہے۔

برق صاحب کا یہ کہنا کہ دشمن آپ کی غلطیوں پر ہنس رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ انبیاء اور ماموریں کی باتوں پر دشمنوں کی ہنسی ان کی اپنی جہالت اور حماقت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یاحسرةً علی العباد مایأ تیھِمُ من رسولٍ الا کَا نُوْابِهِ یَسْتَهۡزِءُ وْنَ ۔ بتایئے کونسا رسول منکروں کی استہزاء سے بچا ہے۔ فَا عۡتَبِرُوۡایَا اولی الابصار۔

باب دوازدہم

برقؔ صاحب کے آخری حملہ کا ردّ

برقؔ صاحب نے اپنی کتاب کے آخری بارھویں باب میں اپنا آخری حملہ یہ کیا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے مخالفین کے متعلق تلخ نوائی اور بد زبانی سے کام لیا ہے جو ایک رسول کی شان کے منافی ہے۔ گویا حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کے خلاف ان کا یہ آخری تیر ہے جو انہوں نے اپنے ترکش سے نکالا ہے۔

جناب برق صاحب نے پہلے تو قرآن کریم کی یہ ہدایت بیان فرمائی ہے کہ مدافعت احسن طریق سے ہونی چاہیئے۔ پھر طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بد سلوکی پر آپکی مخالفین کے حق میں دعا اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِی اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ کا ذکر کیا ہے پھر فتح مکہ کے موقعہ پر اہل مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمْ کہہ کر عام معافی دینے کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بعد جب انہیں یہ احساس ہوا کہ قرآن و حدیث میں بھی تو مخالفوں کے متعلق سخت الفاظ آئے ہیں اس لئے انہوں نے بطور پیش بندی لکھا ہے :-

"قرآن و حدیث میں اول تا آخر کہیں بد کلامی یا گالی موجود نہیں۔ حضورؐ نے زندگی بھر کسی فرد کی توہین و تحقیر نہیں کی کسی کا مضحکہ نہیں اڑایا۔ کسی کو دجال یا سؤر نہیں کہا۔

اس میں کلام نہیں کہ قرآن عظیم نے بدکاروں کو فاسق اور کافر قرار دیا تھا لیکن یہ گالی نہیں تھی بلکہ خالص حقیقت بیانی تھی۔ فاسق کے معنے ہیں بد چلن۔ اور کافر کے معنے ہیں قانون شکن۔ اگر ایک شرابی۔ زانی۔ مفسد۔ چور۔ خائن اور منافق کو

کافر نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ گدھے کو گدھا کہنے سے اس کی توہین نہیں ہوتی۔"

(حرف محرمانہ صفحہ ۴۱۸)

اس عبارت کے جس حصہ پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے یہ برق صاحب کی پیش کردہ ان تمام عبارتوں کا جواب ہے جو انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی تلخ کلامی درشت زبانی کے متعلق پیش کی ہیں۔ ان عبارتوں میں بھی قطعاً کوئی گالی نہیں دی گئی بلکہ یہ حقیقت بیانی پر مشتمل ہیں اور اس وقت لکھی گئی ہیں جبکہ آپ کے مخالفوں نے آپ کے خلاف تکفیر و تفسیق اور دشنام دہی کا غلیظ گند اچھالا۔ ایسے لوگوں کے گند کو ہم نقل نہیں کر سکتے۔

افسوس ہے کہ جناب برق صاحب نے اس حملے میں بھی محققانہ انداز اختیار نہیں کیا۔ اگر مخالفوں کی سخت کلامی اور تلخ الفاظ بھی وہ بالمقابل نقل کر دیتے جن کے جواب میں حضور نے یہ عبارتیں جزاء سیئة سیئة مثلها کے قرآنی ارشاد کے مطابق لکھی تھیں۔ تو پھر ان کا مزعومہ حملہ ناکارہ ہو کر رہ جاتا۔

برق صاحب کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث نے حقیقت بیانی سے کام لیا ہے نہ گالی گلوچ سے۔ ہمیں ان سے پورا اتفاق ہے اور ان کے جواب میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ہرگز گالی گلوچ سے کام نہیں لیا۔ وہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے کسی کو دجال یا سؤر نہیں کہا۔ لیکن کیا وہ اس حقیقت کو چھپا سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خود دجال اکبر کی پیشگوئی فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تو صرف اس پیشگوئی کا عیسائی پادریوں پر اطلاق فرمایا۔ یا ان کے ہمنوا بعض علماء کے متعلق یہ لفظ استعمال فرمایا ہے۔ خود بھی جناب برق صاحب نے تمام انگریز قوم اور ان کے فرماں رواؤں کو دجال کی پیشگوئی کا مصداق قرار دے دیا ہے تو اعتراض کیسا؟

پھر قرآن کریم نے قوم یہود کے متعلق عام الفاظ میں کہا ہے۔

جَعَلَ مِنۡهُمُ القِرۡدَةَ وَالخَنَازِیرَوَعَبَدَ الطَّاغُوتَ۔ (مائدہ :٦١)

اس آیت میں یہود میں سے کئی لوگوں کو بندر اور سؤر اور شیطان کے پرستار قرار دیا ہے۔ماسوااس کے قرآن کریم کی یہ آیات بھی ملحوظ خاطر رہیں۔

١۔اولئکَ کَالۡاَ نۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ۔ (اعراف :١٨٠)

یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

٢۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَاللّٰهِ الصُّمُّ البُکۡمُ۔ (انفال :٢٣)

بدترین چارپائے اللہ کے حضور وہ لوگ ہیں جو(قرآنی تعلیم کے مقابلہ میں) بہرے اور گونگے ہیں۔اور

٣۔ اولئکَ هُمۡ وُقُودُ النَّارِ۔ (آل عمران :١١)

یہ لوگ نار جہنم کا ایندھن ہیں۔

٤۔اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡامِنۡ اَهۡلِ الکِتَابِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِیۡنَ فِیۡهَا اُولٰٓئِکَ هُمۡ شَرُّالۡبَرِیَّةِ۔ (البیّنۃ :٧)

جن لوگوں نے مشرکوں اور یہود و نصاریٰ میں سے اسلامی تعلیم کا انکار کیا ہے۔وہ جہنم کی آگ میں پڑ کر لمبا زمانہ رہیں گے۔یہ تمام مخلوق سے بدترین ہیں۔

٥۔ لَاتُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیۡنٍ۔ (القلم :١١)

کسی بہت قسمیں کھانے والے ذلیل کی پیروی نہ کر۔

٦۔ مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُواالتَّوۡرَاةَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡهَا کَمَثَلِ الۡحِمَارِیَحۡمِلُ اَسۡفَاراً۔

(جمعہ :٦)

ان لوگوں کی مثال جو تورات کے حاملین ہیں(یہود و نصاریٰ)اور اس پر عمل نہیں کرتے گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لادا گیا ہو۔

٧۔ایک معین شخصیت کے متعلق فرمایا :-

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ۔

(اعراف : ۱۷۷)

کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے۔ اگر تو اسپر حملہ کرے تب بھی زبان نکالتا ہے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تب بھی نکالتا ہے۔

۸۔ اور بتوں اور ان کے پرستاروں کے متعلق فرمایا :-

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ وَاَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ۔

(انبیاء : ۹۹)

تم اور تمہارے معبود سب آگ کا ایندھن ہیں اور تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو۔

بتوں کی مذمت میں اس قسم کی آیات سن کر مشرکین میں جوش پیدا ہوا۔ اور وہ سخت اشتعال کی حالت میں بصورت وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفیل اور چچا ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے قابل احترام معبودوں کی تحقیر کرتا ہے اور انہیں گالیاں دیتا ہے اور اس کا یہ رویہ ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری میں آتا ہے کہ عتبہ اور شیبہ۔ ولید اور ابو جہل وغیرہ اشراف قریش کا وفد ابو طالب کے پاس آیا اور کہا :-

"قَدْ شَتَمَ اٰلِهَتَنَا وَعَابَ دِيْنَنَا وَسَفِهَ اَحْلَامَنَا وَضَلَّلَ اٰبَاءَ نَا۔"

کہ تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو گالیاں دی ہیں۔ ہمارے دین کو عیب لگایا ہے۔ اور ہمیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو بیوقوف اور گمراہ کہا ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ یا تو اپنے بھتیجے کو سخت کلامی سے باز رکھو یا اس سے علیحدہ ہو جاؤ ہم اس سے نپٹ لیں گے۔ ورنہ قوم سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اسی طرح یہود اور عیسائی بھی اپنے متعلق بندر اور سؤر اور بدترین مخلوق۔ گدھے کے مثیل کے

الفاظ سنکر خوش نہ تھے بلکہ مشتعل ہوتے تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کے ان اندرونی گندوں کو ظاہر کرنے کے لئے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے احتراز نہیں فرمایا بلکہ ''الکنایۃ ابلغ من التقریح'' کے مطابق ایسے استعارات کو جنہیں مخالفین اسلام گالیاں سمجھتے تھے اظہار حقیقت کے لئے زیادہ بلیغ طریق سمجھا۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بھی اپنے زمانہ کے بعض گندہ دہن مخالفین کے لئے جو گالیوں میں انتہا تک پہنچ جاتے تھے کسی قدر سختی سے جواب دیا ہے تا مخالفین کو یہ احساس پیدا ہو کہ سخت الفاظ کس قدر دکھ دیتے ہیں۔ اور وہ سخت کلامی سے باز آجائیں۔ جوابی طور پر جو سخت الفاظ آپ نے استعمال کئے ہیں۔ وہ مخالفین کے مقابلہ میں خلاف واقعہ نہیں تھے بلکہ اس سے ان کی بدزبانیوں اور بدکرداریوں کی حقیقت کا ہی اظہار ہوتا تھا۔ مگر اس قسم کے الفاظ بعض مخصوص لوگوں کے لئے ہوتے تھے جنہیں اس زمانہ کے لوگ خوب جانتے تھے۔ حضرت اقدس ''ایام الصلح'' کے ٹائیٹل پیج کے صفحہ ۲ پر تحریر فرماتے ہیں :-

''ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے۔''

اور اپنی کتاب ''لجۃ النور'' میں فرماتے ہیں :-

''ہم صالح علماء اور مہذب شرفاء کی ہتک سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں خواہ وہ مسلمانوں میں سے ہوں یا عیسائیوں میں سے یا آریوں میں سے۔ ہمارے نزدیک وہ سب قابل عزت ہیں بلکہ ہمیں تو ان کے بیوقوفوں سے بھی واسطہ نہیں۔ ہمارے مخاطب تو صرف وہی لوگ ہیں جو اپنی بدزبانی اور گندہ دہانی کی وجہ سے مشہور ہو چکے ہیں۔ ورنہ جو لوگ نیک ہیں اور بدزبان نہیں ہیں ان کا ذکر ہم ہمیشہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور

ان کی عزت کرتے ہیں۔ بلکہ بھائیوں کی طرح ان سے محبت کرتے ہیں۔

(لجۃ النور ترجمہ از عربی)

جناب برق صاحب نے "شہادۃ القرآن" صفحہ ۱۱ سے حضرت اقدس کی سخت کلامی کا نمونہ پیش کرنے کے لئے ایک عبارت یوں نقل کی ہے :-

"پھر فرمایا کہ اس امت پر ایک آخری زمانہ آئیگا کہ علماء اس امت کے یہود کے مشابہ ہو جائینگے...... یہاں تک کہ اگر کسی یہود نے اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا ہے تو وہ بھی کرے گا۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۲۲)

یہ الفاظ دراصل حضرت مرزا صاحب کے نہیں ہیں بلکہ یہ ایک حدیث نبوی کا ترجمہ ہیں۔ اس عبارت میں "پھر فرمایا" کے الفاظ اس پر شاہد تھے کہ اس جگہ رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث بیان ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جناب برق صاحب نے حضرت اقدس کی کتابوں کا خود مطالعہ کر کے تنقید نہیں فرمائی بلکہ مخالفوں کی کتابوں سے حوالہ جات اچک لئے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے انہوں نے اس عبارت کو حضرت مرزا صاحب کا کلام قرار دیدیا ہے۔ حالانکہ یہ کلام حضرت سرور کائنات فخر موجودات سید ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا ہے اس میں کوئی گالی نہیں دی گئی بلکہ آخری زمانہ کے مسلمانوں کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا ہے اور انہیں یہود سے مشابہ قرار دیا ہے۔ درمیانی عبارت برق صاحب نے چھوڑ دی ہے جس میں یہود کا ذکر ہے۔ انہیں کی حالت مَنْ اَتیٰ عَلیٰ اُمِّہٖ کے الفاظ میں ماں سے زنا کرنے کے متعلق بیان ہوئی ہے۔

اسی طرح آخری زمانہ کے بعض علماء کی حالت آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ "عُلَمَاءُ ھُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَآءِ" کہ اس زمانہ کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہونگے۔ اسی کے پیش نظر حضرت اقدس نے آپکو گالیاں

دینے والے اور کتمان حق سے کام لینے والے علماء کو بدذات فرقہ۔اے ظالم مولویو۔ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔یا بعض خبیث طبع مولوی جو یہودیت کا خمیر اپنے اندر رکھتے ہیں۔یادل کے مجذوم اوراسلام کے دشمن یا خنزیر سے زیادہ پلید۔ مردار خوار۔ گندی روحیں۔ اندھیرے کے کیڑے قرار دیا ہے۔یا انہیں جھوٹا اور کتوں کی طرح مردار کھانے والا لکھا ہے۔

اگر برقؔ صاحب ان مخالف مولویوں کا کلام بد زیر نظر رکھتے تو خود بھی انہیں ایسا ہی سمجھتے اور یہ یقین کرتے کہ ان علماء نے اپنے وجود سے حدیث نبویؐ عُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ کی فی الواقعہ تصدیق کر دی ہے۔

خود جناب برقؔ صاحب بھی اپنے زمانہ کے خاص قسم کے مولویوں سے بیزار ہیں اور ان کی شان میں "ملا کی مکاری" کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں :-

"قرآن کریم کا ہر حکم فرض ہے۔ملا کی مکاری ہے کہ وہ پانچ آسان احکام کی محض ظاہری صورت کو تو وہ فرض سمجھتا ہے اور باقی تمام قرآن کے احکام پر عمل کرنے کو یا تو مستحب قرار دیتا ہے یا چھپا جاتا ہے۔" (دو قرآن صفحہ ۳۵ مصنفہ برقؔ صاحب)

پھر تحریر فرماتے ہیں :-

"ہمارا مذہبی راہنما یعنی ملا اعمال خدا سے اسقدر جاہل اس قدر کورا اور مطالعہ کائنات سے اسقدر بیگانہ ہے کہ اسے اتنا بھی معلوم نہیں...... الغرض ملائے اسلام اعمال الٰہی سے یکسر غافل معجزات تخلیق سے قطعاً ناآشنا۔ فطرت کے ایمان افروز کارناموں سے بالکل بیگانہ ہے اور پھر بھی علم کا مدعی ہے۔" (دو قرآن صفحہ ۱۲)

پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے والے مسلمانوں کی شان میں لکھتے ہیں :-

"لیکن درود خوان مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہ دی۔ اور ذلت اور رسوائی کے جہنم میں دھکیل دیئے گئے۔" (دو قرآن صفحہ ۲۹)

پھر علماء کو اور مسلمانوں کو حیوانات سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھا ہے :-

"جو حیوانات ماحول کے مطابق نہیں چل سکتے انہیں اسی طرح میٹ دیا جاتا ہے جس طرح مسلمان سائنس کی دنیا میں رہ کر اوراد و ظائف اور ریش و قبا پر زور صرف کر رہا ہے۔" (دو قرآن صفحہ ۵۱)

پھر مسلمانوں کی شان میں لکھتے ہیں :-

"لیکن آج ایسے مسلمان موجود نہیں خالی کلمہ گوؤں کا ہجوم ہے۔ پیر پرستوں کی بھیڑ ہے۔ درود خوانوں کا اژدہام ہے۔ نشۂ شفاعت میں چور اور خمار توکل سے مخمور قوم کا ایک میلہ سا جما ہؤا ہے جس میں ہمارے ملا صاحب وضعی احادیث سنا سنا کر مسلم کو اور زیادہ سلا رہے ہیں۔" (دو قرآن صفحہ ۶۱۔۶۲)

آگے لکھتے ہیں :-

"یہ حقائق صاف صاف اعلان ہیں اس امر کا کہ دنیا میں حق بقا صرف طاقتور کو حاصل ہے۔ اور کمزور کاہل بد اخلاق رسوم و عادات کو ہی اسلام سمجھنے والے۔ رشتۂ تسبیح کو طارم عرش کی کمند خیال کرنے والے۔ منافق۔ جھوٹے۔ حلال و حرام کی تمیز نہ کرنے والے۔ بد عہد۔ بد قول۔ محض دعاؤں سے سیاسی و معاشرتی انقلاب چاہنے والے۔ مکار و عیار وغیرہ کو یقیناً میٹ دیا جائیگا۔"

یہ وہ پھول ہیں جو جناب برق صاحب نے مسلمانوں اور ان کے علماء پر برسائے ہیں۔ ان کے نزدیک ان عبارتوں میں نہ کوئی تلخ نوائی ہے نہ گالی۔ نہ پھبتی۔ نہ تضحیک بلکہ آپ نے بزعم خود حق گوئی سے اظہار حقیقت فرمایا ہے۔ اگر حضرت اقدسؑ شرفاء اور صالحین علماء کا استثناء کرنے کے بعد بعض خبیث طبع لوگوں کی خباثت کا اظہار کریں اور ان کے لئے اس قسم کے سخت الفاظ استعمال کریں یا کم و بیش جو برق صاحب نے استعمال کئے ہیں تو برق صاحب کے نزدیک گالیاں بن جاتی ہیں۔ حالانکہ حضرت

اقدس نے جن علماء کے خلاف سخت الفاظ استعمال کئے ہیں انہوں نے آپ کے خلاف سخت گند اچھالا تھا اور آپ کو معاذاللہ مفتری۔ خائن۔ حرامخوار۔ دجال۔ ضال اور مضل سے بھی بڑھ کر الفاظ کا نشانہ بنایا تھا جس کی تفصیل میں ہم جانا نہیں چاہتے۔ ایسے لوگوں کے مقابلہ میں حضرت اقدس نے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ (شوریٰ :۴۱) کے مطابق ہیں۔ اور آیت لَايُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ (النساء :۵۰)(یعنی خدا اعلانیہ سخت کلامی کو پسند نہیں کرتا بجز اس کے کہ کوئی مظلوم ہو اور وہ سخت کلامی کرے) کے مطابق جائز ہیں۔ پھر آپ کے لئے انتہائی مظلوم ہوتے ہوئے آیت لَاتُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ۔ (عنکبوت :۴۷) کے مطابق بھی سخت الفاظ کا استعمال جائز تھا اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

"تو اہل کتاب سے ان لوگوں کے سوا جنہوں نے ظلم کیا ہے احسن طریق سے بحث کر۔ یعنی ظالموں کو بحث میں جَزٰٓءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے مطابق جواب دیا جاسکتا ہے۔

پس ظالموں کے خلاف تلخ نوائی از روئے تعلیم قرآن جائز ہے بلکہ بعض حالات میں ضروری ہے۔ چنانچہ اسی لئے قرآن کریم نے قوم یہود کو بندر اور سؤر قرار دیا ہے بلکہ شرّ البریّۃ یعنی کتوں اور سؤروں سے بھی بدتر ٹھہرایا ہے۔ مگر برق صاحب کو ان علماء اور مسلمانوں نے تو کوئی گالی نہ دی تھی۔ بلکہ جناب برق صاحب ان علماء پر از خود ابتدائی طور پر برسے ہیں اور بیچارے درود خوان مسلمانوں کی ایسی مٹی پلید کی ہے کہ حیرت آتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نیک اعمال بجالانے والوں اور درود پڑھنے والوں کو انہیں درود خوان کہہ کر کبھی بھلا برا نہیں کہا۔ جناب برق صاحب کو اپنی آنکھ کا

شہتیر نظر نہیں آتا اور دوسرے کا تنکا بھی نظر آجاتا ہے۔ یہ صاحب مچھر کو تو چھانتے ہیں اور ہاتھی نگل جاتے ہیں۔

برقؔ صاحب کو اس پر اعتراض ہے کہ عیسائیوں کی فتح کا نقارہ بجانے والے کسی شخص کو حضرت اقدس نے ولد الحرام بننے کا شوق رکھنے والا کہا یا حلال زادہ نہیں سمجھا۔ قرآن کریم نے ایک معیّن شخص کو جس شخص کا مفسّرین نے نام بھی لیا ہے زنیم یعنی ولد الحرام قرار دیا ہے مگر برق صاحب کو اس پر اعتراض نہیں بلکہ اسے حقیقت کا اظہار سمجھتے ہیں۔ مگر حضرت اقدس کسی نادان دشمنِ اسلام شخص کو جو عیسائیوں کی فتح کا نقارہ بجانے والا ہو ولد الحرام بننے کا شوق رکھنے والا قرار دیں تو یہ امر قابلِ اعتراض ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں کہ ایسے لوگ فرزندِ اسلام کہلانے کے مستحق نہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ جو شخص حضرت عائشہؓ پر تہمت لگاتا ہے وہ ولد الزنا ہے یہ الفاظ بھی بطور استعارہ ہیں کہ ایسا شخص جو مسلمان ہو کر اپنی اُس ماں پر تہمت لگاتا ہے وہ فرزند اسلام نہیں۔

اسی طرح برقؔ صاحب نے حضرت اقدسؑ کی ایک عبارت یوں پیش کی ہے:۔

"یُقْبِلُنِیُ وَیُصَدِّقُ دَعْوَتِیُ اِلَّا ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا الَّذِیْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۴۷)

قطع نظر اس کے کہ یقبلنی کی ی پر پیش ڈالنا اور ذریّۃ کا اعراب پیش سے دینا برق صاحب کی عربی دانی کی قلعی کھول رہا ہے ہم اس جگہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ برق صاحب نے اس کا ترجمہ یوں درج کیا ہے:۔

"کنجروں کے بچوں کے بغیر جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے باقی سب میری نبوت پر ایمان لاچکے ہیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۲۸)

یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اور اس جگہ برق صاحب نے عبارت بھی ادھوری پیش کی ہے۔ اس فقرے کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے :-

"کلّ مُسلِمٍ یَقبلُنِیْ وَ یُصدِّقُ دَعوَتِی"

ان الفاظ میں ایک پیشگوئی ہے۔ یَقبلنیُ اور یُصدِّقُ مضارع کے صیغے ہیں جو مستقبل پر دلالت کرتے ہیں۔ مراد آپ کی یہ ہے کہ ایک وقت آرہا ہے کہ ہر ایک مسلمان آپ کو قبول کرے گا۔ اور آپ کی تصدیق کرنے لگے گا۔ اور اس وقت منکرین میں سے صرف "ذریة البغایا" سرکش لوگ رہ جائیں گے۔ جن کے دلوں پر مہر لگی ہوگی۔ پس اس عبارت میں حضرت اقدس نے آئندہ زمانہ کی ایک پیشگوئی کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح برق صاحب نے "نجم الہدیٰ" صفحہ ۱۰ کی عبارت لکھی ہے :-

"دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے ان کی عورتیں کتوں سے بڑھ گئیں۔" (حرف محرمانہ صفحہ ۴۲۸)

یہ ایک شعر کا ترجمہ ہے جو ان عیسائی عورتوں اور مردوں کے متعلق ہے جو نبی کریم ﷺ کے متعلق گند اچھالتے تھے۔ اور آپ کو گالیاں دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جو کسی نبی کے خلاف زبان طعن دراز کریں قرآن کریم نے بھی کتے اور سؤر قرار دیا ہے۔ لیکن برق صاحب سیاق کلام کو چھپاتے ہیں۔ اور خاص لوگوں سے تعلق رکھنے والی عبارت کو عام مفہوم میں دکھا کر حضرت اقدس کے خلاف مسلمانوں میں اشتعال پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس سے اگلا شعر نجم الہدیٰ کا یوں ہے :-

سَبُّوا وَمَا اَدرِیُ لِاَیِّ جَرِیمَۃٍ

سَبُّوا اَنَعصِی الحِبَّ اَوْنَتَجَنَّبُ

ترجمہ :- انہوں نے (آنحضرت ﷺ کو) گالیاں دی ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ کس جرم کی وجہ سے دی ہیں۔ تو کیا ہم اپنے محبوب (محمد مصطفیٰ ﷺ) کی نافرمانی کرنے لگ

جائیں گے یا آپ سے کنارہ کش ہو جائینگے ؟ (یعنی انکی گالیوں اور ان کے گندے اعتراضوں کو سنکر ہم آنحضرت ﷺ کا دامن جو ہمارے محبوب ہیں چھوڑ نہیں سکتے)

پس ان اشعار کا کوئی تعلق مسلمانوں سے نہیں بلکہ ان کا تعلق ان عیسائی پادریوں اور ان کی مبلّغہ عورتوں سے ہے جو آنحضرت ﷺ کے خلاف گند بکتے تھے۔ سچ بات یہی ہے کہ جن خاص شخصوں کے متعلق حضرت اقدس نے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں وہ وہی تھے جو آپ کو یا آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینے والے تھے اور گالیاں دینے سے باز نہیں آتے تھے۔ ایسے لوگوں کے متعلق حضرت اقدس کے استعمال کردہ الفاظ بالکل بر محل اور ضروری تھے تا انہیں محسوس ہو کہ گندہ دہنی سے انہیں اجتناب کرنا چاہیئے۔ ورنہ سخت الفاظ کے جواب میں انہیں بھی سخت الفاظ سننے پڑیں گے۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے بعض مخالفین کی گالیوں کو کئی دفعہ نظر انداز بھی کیا۔ اور آپ کی مجلس میں تو لوگ آپ کے منہ پر بھی سخت سے سخت گالیاں دے جاتے تھے اور خطوط میں بھی گندی گالیاں لکھتے رہتے تھے مگر آپ خاموشی سے انہیں برداشت کر لیتے تھے اور کچھ جواب نہیں دیتے تھے۔

برق صاحب نے حرف محرمانہ کے صفحہ ۴۲۳ پر "الہامات مرزا" کے حاشیہ صفحہ ۱۲۲ کے حوالہ سے حاملین رقعہ کی جو روایت نقل کی ہے یہ روایت چونکہ دشمنان احمدیت کی ہے اس لئے ہم اسے دروغ بے فروغ سمجھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کتنی نرم تھی اور آپ کا اپنے دشمنوں سے برتاؤ کیسا شریفانہ تھا۔ مگر بد گو دشمنوں کے لئے انہیں حرام کار، زناکار اور سانپ کے بچے کے الفاظ بھی استعمال کرنے پڑے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے :-

" تَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ فَزْعَۃٌ فَیَصِیْرُ النَّاسُ اِلٰی عُلَمَاۓِ ھِمْ فَاِذَاھُمْ قِرَدَۃٌ وَخَنَازِیْرُ۔ " (کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۹۰)

یعنی میری امت میں ایک عظیم الشان گھبراہٹ پیدا ہوگی۔ یعنی ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے جن کو دیکھ کر لوگ گھبرا اٹھیں گے۔ تب وہ لوگ اپنے علماء کی طرف رجوع کریں گے تو ناگاہ انہیں بندر اور سؤر پائیں گے۔

اس حدیث میں اُن بعض علماء کی حالت بیان کی گئی ہے جو آخری زمانہ میں پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اُن میں سے بعض آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے الفاظ کے مستحق تھے۔

ذرا انصاف کی نظر سے دیکھئے کہ ان لوگوں کی گالیوں اور سخت کلامی کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آخر ۵/مارچ ۱۹۰۱ء کو "الصلح خیر" کے نام سے ایک اشتہار شائع فرمایا۔ اور اس میں لکھا :-

"آج پھر میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک مرتبہ پھر آپ صاحبوں کی خدمت میں مصالحت کے لئے درخواست کروں۔ مصالحت سے میری مراد یہ نہیں کہ میں آپ صاحبوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کے لئے مجبور کروں یا اپنے عقیدہ کی نسبت اس بصیرت کے مخالف کوئی کمی بیشی کروں جو خدا نے مجھے عطا فرمائی ہے بلکہ اس جگہ مصالحت سے صرف یہ مراد ہے کہ فریقین ایک پختہ عہد کریں کہ وہ اور تمام لوگ جو ان کے زیر اثر ہیں ہر ایک قسم کی سخت زبانی سے باز رہیں۔ سخت زبانی میں یہ بات داخل ہوگی کہ ہر ایک فریق دوسرے فریق کو ان الفاظ سے یاد کرے کہ وہ دجال ہے بے ایمان ہے یا فاسق ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اُس کے بیان میں غلطی ہے یا خاطی یا مخطی ہے سخت زبانی میں داخل نہ ہوگا اور کسی تحریر یا اشارہ کنایہ سے فریق مخالف کی عزت پر حملہ نہ کرے۔ اگر دونوں فریق میں سے کوئی صاحب اپنے فریق مخالف کی مجلس میں جائے تو جیسا کہ شرط تہذیب اور شائستگی ہے فریق ثانی سے مدارات سے پیش آئے۔"

اور پھر آگے لکھتے ہیں :-

"اور میں نے یہ انتظام کرلیا ہے کہ ہماری جماعت میں سے کوئی شخص تحریریا تقریر کے ذریعہ سے کوئی ایسا مضمون شائع نہیں کرے گا۔ جس میں آپ صاحبوں میں سے کسی صاحب کی تحقیر اور توہین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ اور اس انتظام پر اس وقت سے پورا عملدر آمد ہوگا جب کہ آپ صاحبوں کی طرف سے اسی مضمون کا ایک اشتہار نکلے گا کہ آئندہ آپ پورے عہد کے ساتھ ذمہ وار ہو جائیں گے۔ کہ آپ صاحبان یعنی ایسے لوگ جو آپ کے زیر اثر ہیں یا زیر اثر سمجھے جاسکتے ہیں ہر ایک قسم کی بد زبانی اور ہجو اور سبّ و شتم سے مجتنب رہیں گے۔ اور اس نئے معاہدہ سے آئندہ اس بات کا تجربہ ہو جائے گا کہ کس فریق کی طرف سے زیادتی ہے۔ اِس سے آپ صاحبوں کو ممانعت نہیں کہ تہذیب سے ردّ لکھیں۔ اور نہ ہم اس طریق سے دست کش ہو سکتے ہیں۔ لیکن دونوں فریقوں پر واجب ہوگا کہ ہر ایک قسم کی بد زبانی اور بد گوئی سے منہ بند کرلیں۔

مجھے بہت خوشی ہوگی جب آپ کی طرف سے یہ اشتہار پہنچے گا۔ اور اسی تاریخ سے ان تمام امور پر عملدر آمد شروع ہوگا۔ بالفعل اس اندرونی تفرقہ کو مٹانے کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔

(تبلیغ رسالت جلد ا صفحہ ۸)

علماء کی طرف سے اس مصالحانہ پیشکش کا جواب

اس مصالحانہ پیشکش کا جواب مولوی عبدالواحد صاحب خانپوری نے ذیل کے لمبے اور گندے عنوان "اظہار مخادعہ مسیلمہ قادیانی بجواب اشتہار پولس ثانی الملقب بکشف الغطاء عن ابصار اهل العمیٰ" کے تحت ۱۹۰۱ء میں یوں دیا:-

"مرزا صاحب نے ان (احمدیوں) کو کہا کہ صبر کرو۔ میں لوگوں سے صلح کرتا ہوں۔ اگر صلح ہو گئی تو مسجد بنانیکی (امرتسر میں۔ ناقل) کچھ حاجت نہیں اور نیز بہت قسم کی ذلتیں اٹھائیں۔ معاملہ وبرتاؤ مسلمانوں سے بند ہو گیا۔ عورتیں منکوحہ مخطوبہ

بوجہ مرزائیت کے چھینی گئیں۔ مُردے اُن کے تجہیز و تکفین اور بے جنازہ گڑھوں میں دبائے گئے وغیرہ وغیرہ تو کذاب قادیانی نے یہ اشتہار مصالحت کا دیا۔"

اب برق صاحب سوچ لیں کہ ایسے لوگوں پر پھول برسانے چاہئیں یا یہ کسی اور بات کے مستحق ہیں۔

جناب برق صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے خود لکھا ہے :-

"لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں مومن لعّان نہیں ہوتا۔"

(ازالہ صفحہ ۶۶۰)

لیکن اس کے باوجود حضرت مرزا صاحب نے عبدالحق غزنوی پر ہزار ہزار لعنت ڈالی ہے۔

حضرت اقدس کا یہ قول اپنی جگہ درست ہے کہ لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں۔ اور مومن لعّان نہیں ہوتا۔ مراد اس سے یہ ہے کہ مومن لعنت میں ابتداء نہیں کرتا۔ ورنہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ظالموں کے خلاف خود رسول پاک ﷺ نے ایک عرصہ تک فجر کی نماز میں نام لے لے کر لعنت ڈالی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۸۳ میں حدیث ہے :-

"كَانَ يَقُولُ فِيْ بَعْض صَلَاتِهِ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجرِ اَللّٰهُمَّ العَنْ فُلا نًاوَفُلَانًا لِاِحْيَاءٍ مِنَ الْعَرب۔"

یعنی رسول اللہ ﷺ اپنی فجر کی بعض نمازوں میں کہتے تھے۔ اے اللہ! فلاں پر لعنت بھیج فلاں پر لعنت بھیج مراد آپ کی عربوں کے زندہ لوگ تھے۔

کسی کے ظلم و ستم کرنے پر اس پر لعنت کرنا ازروئے قرآن و حدیث منع نہیں۔ جب تک خدا نہ روک دے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے تو جھوٹوں پر خود بھی لعنت ڈالی

ہے۔اور یہ بھی فرمایا ہے۔

عَلَیۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡن۔

کہ ان لوگوں پر اللہ کی بھی لعنت ہے اور فرشتوں کی بھی لعنت ہے اور تمام لوگوں کی بھی لعنت ہے۔ پس لعنت ڈالنا بہر صورت مومن کے لئے ناجائز نہیں۔ ہاں یہ بات مومن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ لعنت بازی میں ابتداء کرے۔ مستحق لعنت پر لعنت تو ایک ضروری امر ہے۔ کیونکہ لعنت دراصل اس سے بیزاری کا اظہار ہے اور اپنی مظلومیت کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے مترادف ہے۔

☆☆☆

خاتمہ

اپنی کتاب کے خاتمہ میں جناب برق صاحب نے لکھا ہے :-

"ہمارا آغاز سے ارادہ تھا کہ ہم اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالیں۔ کہیں تحریف نہ کریں کسی عبارت کو مصنف کے منشاء کے خلاف مسخ نہ کریں۔ اور کوئی دلآزار لفظ ساری کتاب میں داخل نہ ہونے دیں الحمد للہ ہم ان ارادوں میں کامیاب رہے۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۳۲)

ممکن ہے آغاز کتاب سے برق صاحب کا ارادہ ایسا ہی ہو لیکن ان واقعات کو چھپایا نہیں جاسکتا کہ جناب برق صاحب نے اپنے اعتراضات میں حوالہ جات کے پیش کرنے میں تحریف سے بھی کام لیا ہے اور مصنف کے منشاء کے خلاف عبارت کو مسخ بھی کیا ہے اور اپنے اس ارادہ سے بھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتے کہ وہ کوئی دلآزار لفظ تک

اس میں داخل نہیں ہونے دینگے۔ یہ تو درست ہے کہ برق صاحب نے کھل کر گالی نہیں دی لیکن ناروا طریق سے طنز واستہزاء گالیوں سے کسی طرح کم نہیں۔ اُن کی کتاب پڑھنے والا خود ان امور کو محسوس کر سکتا ہے۔ پس ان کے لئے الحمد للہ کہنے کی بجائے استغفر اللہ کہنا زیادہ موزوں ہے۔ تا خدا تعالیٰ ان کے گناہ معاف کرے اور ان کو انصاف کے ساتھ حضرت اقدس علیہ السلام کے معاملہ میں غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین اللھم آمین۔

خاتمہ میں برقؔ صاحب نے اپنی کتاب کا خلاصہ مختصر الفاظ میں نو نمبروں کے ماتحت پیش کیا ہے۔ ہم بھی اپنی کتاب کا خلاصہ نو نمبروں کے ماتحت پیش کرتے ہیں :-

(۱)

ہم نے قرآن وحدیث۔ اقوالِ بزرگان دین اور حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی تحریرات سے ثابت کر دیا ہے کہ آیت خاتم النبیین آنحضرت ﷺ کی پیروی میں اور آپؐ کے افاضۂ روحانیہ میں ایک امتی کے لئے مقامِ نبوت میں روک نہیں۔ بے شک خاتم النبیین ﷺ شارع اور مستقبل انبیاء کا آخری فرد ہیں اور امتی کا آپ کے فیض سے مقامِ نبوت پانا آپ کی اس شان بلند کو ظاہر کرتا ہے جو صرف آپ کو تمام انبیاء میں امتیازی طور پر حاصل ہے۔

(۲)

قرآن مجید میں بے شک مسیح کا نام لے کر پیشگوئی مذکور نہیں لیکن ہم نے ثابت کر دیا ہے آیتِ استخلاف میں ایک مسیح کی آمد کے لئے اشارۃ النص ضرور موجود ہے۔ اور آیات قرآنیہ رسول کریم ﷺ کی پیروی میں نبی کا آنا بھی ممتنع قرار نہیں دیتیں۔

برق صاحب کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ احادیث بقول مرزا ظنی اور ساقط عن الاعتبار ہیں۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے حدیثوں کے متعلق کبھی ایسا کلمہ نہیں کہا۔ چنانچہ مسیح موعود کی آمد سے متعلقہ احادیث کو بھی جو بخاری میں بیان ہوئی ہیں آپ درست سمجھتے ہیں اور دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

(۳)

ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے جس جس جگہ بھی نبوت سے انکار کیا ہے صرف مستقل اور تشریعی نبوت سے انکار کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی اطاعت میں نبی اور رسول کا نام پانے سے آپ نے کبھی انکار نہیں فرمایا۔ اور مراد اس نبوت اور رسالت سے خدا تعالیٰ کی طرف سے امورِ غیبیہ کثیرہ پر اطلاع پانا قرار دیا ہے۔ خود برق صاحب یہ اقرار کر چکے ہیں :-

"ازالہ اوہام ستمبر ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے اور مرزا صاحب کا دعویٰ رسالت کم از کم بیس برس پہلے کا تھا۔" (حرفِ محرمانہ صفحہ ۴۴)

اگر برق صاحب کی یہ بات درست ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ۱۹۰۲ء سے پہلے بھی آپ اپنے تئیں رسول قرار دیتے رہے ہیں اور بقول برق صاحب آپ کا یہ دعویٰ ۱۸۷۱ء سے ہے۔ حساب شماری میں برق صاحب کو کچھ غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ پبلک میں آپ کا دعویٰ براہین احمدیہ کے زمانہ سے آیا ہے تاہم براہین احمدیہ کی اشاعت کے وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نبی اور رسول قرار دے دیا گیا تھا۔ لہذا آپ نے جس قسم کے دعویٰ نبوت کو خروج از اسلام قرار دیا وہ تشریعی اور مستقلہ نبوت ہے نہ کہ نبوت جزئیہ کا دعویٰ۔ ہاں ۱۹۰۱ء سے آپ پر اپنی نبوت کے بارے میں جو جدید انکشاف ہوا اس کی وضاحت ہم متعلقہ باب میں کر چکے ہیں۔

(۴)

یہ غلط ہے کہ حضرت اقدسؑ نے انگریز فرمانرواؤں کو دجّال قرار دے کر اپنی جماعت کو اُن کی اطاعت کی تعلیم دی۔ دجّالیت عیسائی پادریوں کے مذہبی فتنوں کا نام ہے۔ یا مذہب کے خلاف اُن کے سائنس دانوں کے ملحدانہ فلسفہ کا نام۔ انگریز تو خود پادریوں کے دجل کا شکار ہیں۔

(۵)

برق صاحب نے جن دعاؤں کی عدمِ قبولیت پر بحث کی ہے ہم اس کی پوری پوری تردید کر چکے ہیں۔

(۶)

برق صاحب نے جن پیشگوئیوں پر اعتراضات کئے ہیں اُن میں پیشگوئیوں کے اصولوں کو مدِّنظر نہیں رکھا۔ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی کوئی پیشگوئی اصولی لحاظ سے قابلِ اعتراض نہیں۔ ہم پیشگوئیوں پر برق صاحب کے تمام اعتراضات کی پوری پوری تردید کر چکے ہیں۔

(۷)

حضرت اقدس علیہ السلام کے الہامات بیشک بشارات تک محدود ہیں۔ کیونکہ آپ تشریعی نبی نہ تھے بلکہ صرف مبشّرات والی نبوت ہی کے حامل تھے۔

(۸)

حضرت اقدس علیہ السلام کا اردو کلام اپنے زمانہ کے لحاظ سے نہایت فصیح وبلیغ اور پُر اثر ہے۔ جس سے ایک فعّال جماعت وجود میں آئی۔ ادیبوں نے آپ کی زبان کو سراہا ہے۔ زبان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لہٰذا آج کل کی زبان سے اُس زمانہ کی زبان کا

مقابلہ کرنا محققانہ اور غیر جانبدارانہ امر نہیں۔ آپ کی اردو زبان میں برق صاحب نے جن خامیوں کو تلاش کیا ہے ان کے نظائر ہم اس زمانہ کے اردو ادب کے مُسلّم اساتذہ کے کلام سے پیش کر چکے ہیں۔ اردو زبان نئی زبان تھی۔ اس لئے آج سے پون صدی قبل اس کے لئے کوئی معیار نہ تھا۔ پھر عربی زبان کی جو غلطیاں آپ نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ غلطیاں نہیں بلکہ اعتراضات سراسر علمی کم مائیگی کا ثبوت ہیں۔

(۹)

مخالفوں کے خلاف حضرت اقدس علیہ السلام کے سخت الفاظ ابتدائی حیثیت قطعاً نہیں رکھتے بلکہ جوابی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ بھی انتہائی مظلومانہ حالت میں اور یہ امر شانِ نبوت کے کسی طرح خلاف نہیں۔

☆☆☆

جناب برق صاحب کہہ چکے ہیں کہ ۱۸۹۱ء سے کم از کم بیس سال قبل بھی مرزا صاحب کا دعویٰ رسالت موجود تھا تو پھر ان کا یہ لکھنا کس طرح درست تھا کہ ۱۹۰۲ء تک آپ یہی فرماتے رہے کہ میں نبی نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ایک قسم کی نبوت کا دعویٰ آپ کا ۱۸۹۱ء سے پہلے موجود تھا۔ اور ہم بتا چکے ہیں کہ اس نبوت کو آپ نبوتِ جزئیہ قرار دیتے تھے اور اس کی محدّث کے دعویٰ سے تعبیر فرماتے تھے۔ اور اپنے تئیں من وجہٍ امتی اور من وجہٍ نبی بہ نبوت جزئیہ قرار دیتے تھے اور ۱۹۰۱ء سے مزید انکشاف ہونے پر آپ پر یہ حقیقت کُھلی کہ آپ کا مقامِ محدّثیت سے بالا ہے اور نفس نبوت میں آپ نبی ہیں مگر ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ اور کیفیت اس دعویٰ کی وہی بیان فرمائی جو ۱۹۰۱ء سے پہلے بیان فرماتے رہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہیں۔ اور خدا تعالیٰ آپ پر بکثرت امورِ غیبیہ ظاہر کرتا ہے اور اس

دعویٰ کی کیفیت میں کوئی تبدیلی وقوع میں نہیں آئی۔ پس شروع دعویٰ ہی سے آپ ایک پہلو سے نبی ہیں اور ایک پہلو سے امتی۔ اور لفظی تبدیلی کوئی ایسی پیدا نہیں ہوئی جس سے مخالفین علماء اپنی مسلمہ تعریفِ نبوت کی بنا پر آپ پر ختمِ نبوت کے منکر ہونے کا الزام دے سکیں۔

برق صاحب احمدی اور غیر احمدی کا امتیاز مٹانا چاہتے ہیں اگر ایسا ہو جائے تو زندگی کی وہ رُوح ختم ہو جائے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عظیم جماعت کے دلوں میں اشاعتِ اسلام کے لئے پیدا کی ہے۔ احمدیوں کے لاہوری فریق نے اس امتیاز کو کم کرنے کی کوشش کی لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ وہ اشاعتِ اسلام کے کام میں ناکام رہے ہیں۔ اس لئے برق صاحب کا مداہنت کرنے کا مشورہ قبول نہیں کیا جاسکتا۔ امتیاز کے قائم رکھنے میں ہی اسلام کا فائدہ ہے۔

آخر میں ہم اپنی کتاب کے قارئین کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ احمدیہ تحریک کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں اور مخالفین کی کتابوں کے مطالعہ پر ہی اکتفاء نہ کریں بلکہ براہ راست احمدیہ لٹریچر خود پڑھ کر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں تا خدا کے حضور آخری زمانہ کی اس عظیم الشان تحریک سے بے اعتنائی برتنے کے مرتکب نہ ٹھہریں جس کی پیشگوئیاں سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ کی احادیث میں موجود ہیں۔

واخر دعوٰنا ان الحمدللّٰہِ ربّ العٰلمین (۳/ مئی ۶۴)

☆☆☆